جلد 5

الخیر الشذی

شرح اُردو

جامع الترمذی

اَبوابُ الاَطعِمۃ تا اَبوابُ الشّہادات

بحمد اللہ
ممتاز انفرادی خصوصیات
کے پیشِ نظر دیگر شروحات
سے بے نیاز کر دینے والی
حضرات اکابر علمائے کرام
کی پسندیدہ شرح

تالیف
مولانا مفتی عبد الرشید
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان
استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ادارہ اشاعت الخیر
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
061-4514929
0300-7301239

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

شرح اردو

جلد پنجم

جامع الترمذی

اَبْوَابُ الْأَطْعِمَةِ، اَبْوَابُ الْأَشْرِبَةِ، اَبْوَابُ الطِّبِّ، اَبْوَابُ الْفَرَائِضِ، اَبْوَابُ الْوَصَايَا، اَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ، اَبْوَابُ الْقَدْرِ، اَبْوَابُ الْفِتَنِ، اَبْوَابُ الرُّؤْيَا، اَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ

از

مولانا مفتی عبد الرشید صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان   استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ناشر

قرآن مجید ○ دینی کتب ○ اسلامی رسائل کا مرکز

اداره اشاعت الخیر

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

061-4514929,0322-6748121

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

جلد پنجم

شرح اُردو

جامع الترمذی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ

الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

الخیر الرشدی

تالیف: مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ
تاریخ اشاعت: شوال المکرم ۱۴۴۱ھ
ناشر: ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 061-4514929 , 0322-674821

ملتان: ☆ مکتبہ حقانیہ ☆ مکتبہ امدادالعلوم ☆ مکتبہ امدادیہ ☆ مکتبہ مجیدیہ ☆ مکتبہ عمر ابن خطابؓ

لاہور: ☆ مکتبۃ الحسن ☆ مکتبۃ المیزان ☆ مکتبہ رحمانیہ ☆ مکتبہ سید احمد شہید ☆ مکتبہ خلیل ☆ مصباح العلم ☆ مکتبۃ الحرمین ☆ الفلاح پبلشر ☆ شمع بک ایجنسی ☆ مکتبہ رشیدیہ ☆ مکتبہ عشرہ مبشرہ ☆ الھادی پبلشر ☆ مکتبہ عائشہؓ ☆ ادارۃ القریش ☆ اقرا قرآن کمپنی مکتبہ انعامیہ ☆ مکتبہ شیخ ☆ کتب خانہ اشرفیہ ☆ مکتبہ لدھیانوی ☆ ادارۃ الرشید

کراچی: ☆ مکتبۃ المقیت ☆ مکتبۃ الندوۃ ☆ مجلس نشریات اسلام ☆ ادارۃ النور ☆ مکتبۃ الفلق ☆ مکتبہ عمر فاروقؓ ☆ مکتبۃ الحجاز ☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن۔

مکتبہ احمد ☆ مکتبہ حقانیہ ڈیرہ اسماعیل خان ☆ مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی ☆ دارالاخلاص پشاور ☆ علمی مکتبہ خانہ اکوڑہ خٹک ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی ☆ مکتبہ صفدریہ راولپنڈی ☆ مکتبہ شہید اسلام اسلام آباد ☆ مکتبہ امیر معاویہؓ کبیروالہ ☆ مکتبہ منظور الاسلامیہ علی پور ☆ مکتبہ زکریا ڈیرہ غازی خان ☆ مکتبہ صفدریہ بہاولپور

ضروری گزارش: اس کتاب کی تصحیح کی علماء کی زیر نگرانی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے اگر اس کے باوجود کہیں اغلاط نظر آ تو برائے مہربانی مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔ شکر الکم واجر کم علی اللہ (ادارہ)

فہرست الخیر الشذی

جلد پنجم

اَبْوَابُ الْاَطْعِمَةِ، اَبْوَابُ الْاَشْرِبَةِ، اَبْوَابُ الطِّبِّ، اَبْوَابُ الْفَرَائِضِ، اَبْوَابُ الْوَصَایَا، اَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ، اَبْوَابُ الْقَدْرِ، اَبْوَابُ الْفِتَنِ، اَبْوَابُ الرُّؤْیَا، اَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ

اَبْوَابُ الْاَشْرِبَةِ

أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

اَبْوَابُ الْفَرَائِضِ

اَبْوَابُ الْوَصَايَا

اَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ

اَبْوَابُ الْقَدَرِ

اَبْوَابُ الْفِتَنِ

أَبْوَابُ الْأَطْعِمَةِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

ربط: امام ترمذیؒ نے پہلے احکام شرعیہ کو بیان کیا تھا پھر ضرورت بشریہ کو بیان کیا، ضرورت بشریہ میں سے لباس کو پہلے مقدم کیا اب لباس کے بعد طعام کو ذکر رہے ہیں۔

ابواب اللباس اور ابواب الطعام میں مناسبت ظاہر ہے کہ لباس اور طعام دونوں انسانی ضروریات میں سے اہم ہیں اس لئے لباس کے بعد طعام کو ذکر رہے ہیں۔

نیز لباس کی تقدیم طعام سے واضح ہے کہ عملاً لباس مقدم ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو پہلے اسے لباس پہنایا جاتا ہے پھر اسے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو بھی لباس پہنایا جائے گا پھر بعد میں حساب و کتاب اور اہل جنت کی مچھلی سے تواضع کی جائے گی۔ اس لئے امام ترمذیؒ نے یہاں بھی ذکراً اور وضعاً لباس کو مقدم اور اطعمہ کو مؤخر کیا۔

اطعمة: طعام کی جمع ہے علامہ جوہریؒ فرماتے ہیں کہ "الطعام مایو کل" یعنی جس چیز کو کھایا جائے اور کبھی اس کا اطلاق گندم کے ساتھ خاص ہوتا ہے جو کے کھانے پر طعام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ عند البعض طعام اس کھانے کو کہتے ہیں جو پکا کر تیار کیا گیا ہو اور عند البعض طعام وہ کھانا جو بھوک دور کرنے کے لئے تیار کیا جائے اور عند البعض کہ طعام وہ کھانا جس سے پیٹ بھر جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَلَىٰ مَا كَانَ يَأْكُلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَكَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خُوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ فَعَلَى مَا كَانُوا يَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى هَذِهِ السُّفَرِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ يُونُسُ هَذَا هُوَ يُونُسُ الْإِسْكَافُ وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ

حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میز پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی چھوٹی رکابی میں کھایا اور نہ ہی آپ ﷺ کیلئے چپاتی لگائی گئی۔ یونس اسکاف (موچی) نے اپنے استاد حضرت قتادہ سے پوچھا کہ پھر وہ حضرات کس چیز پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ دسترخوان پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے محمد بن بشار کہتے ہیں کہ یونس سے مراد یونس اسکاف ہیں تحقیق یہ حدیث روایت کی ہے عبدالوارث نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے وہ انس سے اسی کے مثل۔

تشریح: لغات حدیث: **سُكُرُّجَة** : بضم السین والکاف والراء۔ یہ عربی لفظ نہیں، اس کا معنی ہے چھوٹی رکابی جس میں چٹنی، اچار، مربہ وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد چھوٹی پلیٹیں ہیں جن میں علیحدہ علیحدہ کھانا ڈال کر رکھا جائے دوسرا معنی حدیث کے قریب ہے کہ کیونکہ چٹنی اچار تو چھوٹے برتنوں میں ہی رکھا جاتا ہے بڑی پلیٹوں میں نہیں رکھا جاتا مزید وضاحت شرح میں آجائے گی۔ **خُبز**: روٹی پکانا۔ **مُرَقَّقٌ**: اسم مفعول، باریک چپاتی کو کہتے ہیں۔ **السُّفَرِ**: سفرۃٌ کی جمع ہے کھانا لگا ہوا دسترخوان، مطلق دسترخوان کو بھی کہتے ہیں خواہ کسی چیز کا ہو، چمڑے کے دسترخوان کو بھی کہتے ہیں۔

خُوَانٍ: خاء کے کسرہ اور ضمہ دونوں طرح سے پڑھا جاتا ہے خوان سے مراد میز یا چوکی ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے تاکہ کھانا کھاتے وقت نیچے جھکنا نہ پڑے یہ عیش پرست لوگوں کا شیوہ ہے۔

مَا أَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خُوَانٍ: آپ ﷺ نے خوان پر کبھی کھانا نہیں کھایا۔

"خوان" لفظ عربی ہے یا عجمی اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شمائل میں لکھا ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے اور معرّب ہے۔ عرف میں اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے اونچی ہو اور اس پر پیر (پائے) لگائے گئے ہوں یہی قول ابن الفارس کا بھی ہے۔ جوالیقی کی رائے یہ ہے کہ قدیم اہل عرب نے اس کا تکلم کیا ہے۔

خوان کی وضاحت میں بھی ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں "هو طبق كبير من نحاس تحته كرسي من نحاس ملزوق به، طوله قدر الذراع يوضع بين يدي كبير من المترفين لا يحمله الاثنان فما فوقهما"، پیتل وغیرہ کا بڑا طباق جس کے نیچے پیتل وغیرہ کی ٹانگیں لگی ہوئی ہوتی ہیں کہ جس کا طول ایک ذراع ہو یہ برتن اتنا بڑا ہوتا تھا کہ اس کو دو یا دو سے زائد آدمی اٹھاتے تھے اور اس کو بڑے آدمی کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ ایسا دسترخوان جس پر کھانا نہ ہو۔

ملا علی قاریؒ نے بھی علامہ عینی والا قول اختیار کیا ہے۔ ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ایسی اونچی میز جس پر آزاد منش لوگ کھانا کھائیں تاکہ ان کو نیچے جھکنا نہ پڑے یہ متکبرین کا شیوہ بھی ہے۔

مسئلہ: میز پر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟ الکوکب الدری میں حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا خوان پر کھانا نہ کھانا یا تو قصداً تھا یا اتفاقاً اگر قصداً ہے تو میز وغیرہ پر کھانا رکھ کر کھانا مکروہ ہوگا اور اگر اتفاقاً ہے تب بھی کراہت ہوگی کیونکہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے۔ پھر میز پر کھانا رکھ کر کھانے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کرسی پر بیٹھ کر کھایا جائے اس میں کراہت تو ہے لیکن کم۔ دوسرا یہ کہ کھڑے ہو کر کھایا جائے جیسا کہ غیر مسلموں کا شیوہ ہے تو اس میں کراہت زیادہ ہے تشبیہ غیر مسلم کی وجہ سے۔

نیز اگر کہیں دعوت میں کرسی اور میز پر کھانے کا بندوبست ہو اور نیچے بیٹھنے کی جگہ نہ ہو تو پھر وہاں یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ دونوں پاؤں کرسی پر رکھ کر اس طرح بیٹھا جائے جس طرح زمین پر بیٹھ جاتے ہیں تو پھر کراہت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ کراہت کی علت کی ایک وجہ زیادہ اکل ہے دوسری وجہ مشابہت غیر مسلم ہے تو یہ دونوں علتیں نہیں رہیں گی۔

وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ: آپ ﷺ نے چھوٹی رکابیوں میں کھانا تناول نہیں فرمایا۔

چھوٹی رکابیوں میں کھانا نہ کھانے کی وجوہات: اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چھوٹی رکابی ہوتی ہی نہیں تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے چھوٹے ہونے پر توجہ ہی نہیں دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سب مل کر ایک برتن میں کھانا کھایا کرتے تھے اور اس وقت بڑے برتن کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے چھوٹے برتن میں کھانا نہ کھاتے تھے۔

الثانی: ان چھوٹی رکابیوں میں ہاضمہ والی اشیاء رکھی جاتی ہیں مثلاً اچار، چٹنی، سلاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اتنا کھانا کھاتے ہی نہیں تھے کہ ان کو ہاضمہ دار اشیاء کھانی پڑیں۔

الثالث: چھوٹی رکابیوں کی ضرورت اس وقت پڑتی تھی جب مختلف الانواع کے کھانے ہوں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور عسرت اور تنگی کا تھا کھانوں کی اتنی کثرت نہیں تھی کہ رکابیوں کی ضرورت پڑتی۔

وَلَا خُبِزَ لَهٗ مُرَقَّقٌ: ''ای ملین'' اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پتلی باریک چپاتی پکائی گئی۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مرقق سے مراد میدہ وغیرہ کی روٹی یا چپاتی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ میدہ گیہوں کا ہوتا تھا اور گیہوں اس زمانہ میں بہت قلیل ہوتا تھا نیز میدہ کے لئے چھاننے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ اس زمانے میں آٹا چھاننے کے لئے چھلنیاں بھی نہیں ہوتی تھیں جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے فرمایا کہ ہم لوگ یونہی جو کے آٹے میں پھونک مار لیتے اور اسی طرح گوندھ لیتے اور ہمارے پاس چھلنیاں نہیں ہوتی تھیں۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ رقاق سے ماخوذ ہے جس کے معنی بیلن کے ہیں جس میں روٹی کو باریک کیا جاتا ہے اس اعتبار سے مرقق کے معانی چپاتی کے ہو گئے۔

فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: یہ قتادہ کے شاگرد اور ان سے روایت کرنے والے راوی یونس ہیں جب راوی نے یہ بیان کیا تو سوال ہوا کہ کس چیز پر کھایا کیونکہ کھانا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جو زمین پر تو نہیں رکھا جا سکتا تو قتادہ تلمیذ انس نے جواب دیا چمڑے کے دستر خوان پر۔

عَلٰی هٰذِهِ السُّفَرِ: سفرہ سے مراد وہ مربع چمڑے کا ٹکڑا ہے جس میں عازم سفر اپنا زاد راہ اور کھانا لپیٹ کر لے جاتا ہے جہاں پڑاؤ ڈالتا ہے وہیں بچھاتا ہے اور کھانا کھاتا ہے چونکہ سفر میں اشیاء محدود ہوتی ہیں تو سفر کے دستر خوان کو سفرہ کہا جانے لگا پھر اس کا اطلاق ہر دستر خوان پر ہونے لگا۔

خوان اور مائدہ میں فرق: جس دستر خوان پر کھانا نہ رکھا گیا ہو اس کو خوان کہتے ہیں اور اگر اس پر کھانا رکھ دیا گیا ہو تو اسے مائدہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ آیت قرآنی ''قَالَ عیسی ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃً من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واخرنا . . . الآیۃ (المائدۃ:۱۱۴) آیت میں مائدہ کا ذکر ہے کہ اس میں طرح طرح کے کھانے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اَكْلِ الْاَرْنَبِ

تعریف: ''ھی دویبۃ معروفۃ تشبہ العناق لکن فی رجلیھا طول بخلاف یدیھا'' یہ ایک چھوٹا سا جانور ہے جو بکری

کے بچہ کے مشابہ ہے لیکن اس کی پچھلی ٹانگیں اگلی ٹانگوں کی بنسبت لمبی ہوتی ہیں۔اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بزدل ڈرپوک ہوتا ہے کودنے اور چھلانگ مارنے میں بہت تیز ہوتا ہے چڑھائی میں رفتار تیز اور اترائی میں بہت کم ہوتی ہے اسے حیض بھی آتا ہے یہ پالتو اور شکاری دونوں قسم کا ہوتا ہے یہ مرغیوں کی طرح ڈربے میں رہتا ہے اور چوہے کی طرح بل بھی بنالیتا ہے اور اسی میں بچے دیتا ہے اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر شکاری اس کو پکڑ کر فوراً ذبح نہ کرے تو یہ شدت جبن اور خوف کی وجہ سے اپنا خون خود چوس لیتا ہے اور تھوڑے سے وقت میں بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ أَنْفَجْنَا أَرْنَبًا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَسَعَى أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهَا فَأَدْرَكْتُهَا فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا بِمَرْوَةٍ فَبَعَثَ مَعِي بِفَخِذِهَا أَوْ بِوَرِكِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهُ فَقُلْتُ أَكَلَهُ قَالَ قَبِلَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَعَمَّارٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ صَفْوَانَ وَيُقَالُ مُحَمَّدُ بْنُ صَيْفِيٍّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ بَأْسًا وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الْأَرْنَبِ وَقَالُوا إِنَّهَا تَدْمَى

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، حضرت ہشام بن زید سے روایت ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سنا فرمارہے تھے کہ ہم نے مرالظہران میں ایک خرگوش کو بھگایا اور آپ ﷺ کے صحابہؓ اسکے پیچھے بھاگے پس میں نے اس کو پالیا اور اس کو لیکر پھر اس کو ابوطلحہ کے پاس لے کر آیا انہوں نے اس کو ایک دھاری دار پتھر کے ساتھ ذبح کیا اور مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس کی ران یا کولہا دے کر بھیجا آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا ہشام نے پوچھا کیا آپؐ نے اس کو تناول فرمایا حضرت انسؓ نے فرمایا: قبله آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔اس باب میں حضرت جابر، عمار، محمد بن صفوان (ان کو محمد بن صیفی بھی کہا جاتا ہے) سے بھی حدیث مروی ہے یہ حدیث صحیح ہے اکثر اہل علم کا قول یہ ہے کہ خرگوش کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور بعض اہل علم اسکے کھانے کو مکروہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکو حیض آتا ہے۔

تشریح: أَنْفَجْنَا: انفاج نون فاء اور جیم کے ساتھ "وهو التهييج" بھڑکانا، ڈرا کر بھاگنے پر مجبور کرنا۔

بِمَرِّ الظَّهْرَانِ: یہ مکہ سے شمال کی جانب مدینہ کے قدیم راستے میں سولہ میل کے فاصلہ پر آتا ہے یہ محدود آبادی پر مشتمل نخلستانی علاقہ ہے موجودہ زمانہ میں اسے وادی فاطمہ بھی کہا جاتا ہے یہ فاطمہ نامی مالدار ترکی عورت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ فاطمہ بنت محمد کی وجہ سے۔اس جگہ سے مکہ مکرمہ سبزیاں، ترکاریاں پہنچائی جاتی ہیں مکہ کے لوگ تفریح کے لئے آتے ہیں۔

فَبَعَثَ مَعِي بِفَخِذِهَا أَوْ بِوَرِكِهَا: "او" راوی کے شک کے لئے ہے حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے "فخذ" اور "ورك" دونوں بھیجے ہوں اور راوی نے بعض روایات میں "ورك" کا ذکر کیا اور بعض میں "فخذ" کا ذکر کیا جبکہ بخاری شریف میں اس کے بجائے "بوركيها او بفخذيها" کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ: خرگوش کی حلت کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے "والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم" سے اشارہ فرمایا ہے۔ اس کے تحت دو قول نقل کئے۔

قول اول: ائمہ اربعہ اور اکثر اہل علم کے نزدیک خرگوش کا گوشت مباح اور حلال ہے۔

قول ثانی: حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ، عبدالرحمن ابی لیلی اور عکرمہ کے ہاں خرگوش کا گوشت مکروہ ہے۔

قائلین کراہت کے دلائل: دلیل اول: ابن ماجہ میں خزیمہ بن جزء کی روایت ہے "قلت یا رسول اللہ ما تقول فی الارنب قال لا اکله ولا احرمه قلت فانی اکل مما لم تحرم ولم یا رسول اللہ قال نبئت انها تدمی" (ابن ماجة جلد اول ص ۲۳۳ باب الارنب) اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ ہی اس کو حرام قرار دیتا ہوں: **دلیل ثانی:** ابوداود شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "قال قد جئی بها الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وانا جالس فلم یأکلها ولم ینه عن اکلها وزعم انها تحیض" (ابوداود جلد ۲ ص ۱۷۶ باب فی اکل الارنب) **دلیل ثالث:** مصنف عبدالرزاق میں حضرت جریر بن انس کی روایت ہے "سأل النبی صلی اللہ علیه وسلم عن الارنب فقال لا اکلها انها تحیض"۔ **دلیل رابع:** علامہ عینی عمدۃ القاری میں ایک روایت لائے ہیں "عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه اتی بارنب فقیل له انها تحیض فکرهها"۔

دلیل خامس: حسن بن حسن بن علی کی روایت ہے "اذا اغافها والا احرمها علی المسلمین" (عینی فی عمدۃ القاری)

دلائل کے مشترکہ جوابات: جواب اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت نہ کھانا عدم اشتہاء اور عدم رغبت وطلب کی وجہ سے تھا "ولم ینه عن اکلها" اس کا قرینہ ہے ورنہ جس کو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا تو دوسروں کو بھی تو منع کر دیتے۔

جواب ثانی: ان روایات سے حرمت پر استدلال درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان "لا احرمه" عین دلیل حلت ہے۔

جواب ثالث: شراح حدیث فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خرگوش کا گوشت قبول فرمانا نیز حضرت عائشہؓ کے لئے اس کے گوشت میں سے حصہ رکھنا اور ان کو کھلانا اور اس کے متعلق سوال کے جواب میں "لا بأس به" فرمانا اس کی حلت پر دال ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرگوش کا ہدیہ قبول فرمایا اور قبول فرمانے کا اعلیٰ فائدہ اکل ہے اکل کے لئے ہی ہدیہ قبول فرمایا ہوگا۔

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "ان رجلاً من قومه صاد ارنبا او ثنتین فذبحها بمروة حتی لقی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسأله فامره باکلها"۔ (اخرجه الترمذی)

دلیل ثالث: ابن ماجہ میں محمد بن صفوان سے مروی ہے "انه مر علی النبی صلی اللہ علیه وسلم بارنبین معلقهما فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نی اصبت هٰذین الارنبین فلم اجد حدیدة اذکیهما بها فذکیتهما بمروة أفاکل قال کل" (جلد ا ص ۲۳۳) **دلیل رابع:** مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاهدی الیه رجل من الاعراب ارنبا فاکلناه فقال الاعرابی انی رایت

بہادما فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بأس"۔ دلیل خامس: دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے"عن عائشة قالت اهدى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ارنبا و انا نائمة فخبألى منها العجز فلما قمت اطعمنى"۔ دلیل سادس:"عن عبيد بن سعد ان بلالؓ رأى ارنبا فذبحها فا كلها" (عمدۃ القاری للعینی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الضَّبِّ

الضب: یہ خشکی کا جانور ہے اس کی جمع ضباب آتی ہے اسکی مونث ضبۃ آتی ہے اس جانور کو فارسی میں سوس مار، ہندی میں گوہ کہتے ہیں یہ بلی سے چھوٹی اور اس سے قدرے لمبی ہوتی ہے اسکا رنگ زردی اور سیاہی کے درمیان ہوتا ہے دیار عرب میں یہ جانور بہت پایا جاتا ہے۔
ضب کے خواص وعجائبات: علامہ دمیری حیوۃ الحیوان میں لکھتے ہیں کہ یہ جانور سات سو سال تک زندہ رہتا ہے چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اس کے دانت الگ الگ نہیں ہوتے بلکہ ملے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ کبھی گرتے نہیں۔ سردی اور گرمی میں اس کے رنگ بدلتے رہتے ہیں اس کے مذکر کے دو ذکر ہوتے ہیں یہ بچھو سے دوستی رکھتا ہے اس لئے یہ اس کو اپنے بل میں جگہ دیتا ہے تا کہ شکاری اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو بچھو اس کو ڈس لے اس کی طبیعت میں نسیان اور بھٹکنا ہے اسی وجہ سے یہ اپنا بل کسی پتھر یا ٹیلے کے پاس بناتی ہے تا کہ وہ آتے جاتے بھول نہ جائے یہ کبوتری کے انڈے جیسے انڈے دیتی ہے اور اس گڑھے میں انڈے دے کر مٹی میں ملا دیتی ہے اور روزانہ اس کو سینتی رہتی ہے حتی کہ چالیس دن میں بچہ نکل آتا ہے اس کی کنیت ابو حسل حاء کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ أَكْلِ الضَّبِّ فَقَالَ لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَثَابِتِ بْنِ وَدِيعَةَ وَجَابِرٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي أَكْلِ الضَّبِّ فَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ أُكِلَ الضَّبُّ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا

قتیبہ، مالک بن انس، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گوہ کے کھانے کے متعلق پوچھا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ میں اس کو کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام کرتا ہوں۔ اس باب میں حضرت عمر، ابی سعید، ابن عباس، ثابت بن ودیعہ، جابر، عبدالرحمن بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی حدیث مروی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ گوہ کھانے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم صحابہ و تابعین نے اسکے کھانے کی رخصت دی ہے اور بعض اہل علم نے اسکے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقَذُّرًا ناپسندیدگی کی وجہ سے اسکو چھوڑ دیا۔

تشریح: مسئلہ: ضب کا گوشت کھانے کا حکم: ضب کے گوشت کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: ائمہ ثلاثہ اور اصحاب ظواہر کے نزدیک گوہ کا گوشت کھانا مباح ہے۔ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک گوہ کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔

امام طحاویؒ نے مکروہ تنزیہی اور علامہ عینیؒ نے مکروہ تحریمی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قول ثالث: حضرت علیؓ، امام اعمش، زید بن وھب کے نزدیک گوہ کا گوشت حرام ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضب کو حرام نہیں فرمایا ہے۔

دلیل ثانی: ابوداود شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے "ان خالته اهدت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم سمنا و أقطًا واضبا فاكل من السمن و من الاقط و ترك الا ضب تقذرًا واكل على مائدته ولو كان حرامًا ما اكل على مائدة رسول الله صلى الله عليه وسلم" (ابوداود جلد ۲ ص ۱۷۶)

دلیل ثالث: مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مرفوع روایت ہے "ان الله غضب على سبط من بنى اسرائيل فمسخهم دواب يدبون فى الارض فلا ادرى لعل هذا منها فلست اكلها ولا انهى عنها قال ابو سعيد فلما كان بعد ذلك قال عمر ان الله عزوجل ينفع به غير واحد وانه لطعام عامة الرعاة ولو كان عندى لطعمته"۔ **دلیل رابع:** حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے "قال نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم رجل من اهل الصفة حين انصرف من الصلوٰة فقال يا رسول الله ان ارضنا ارض مضبة فما ترى فى الضباب قال بلغنى ان امة مسخت فلم يا مر به ولم ينه عنه"۔ (ابن ماجة ۲ ص ۲۳۳ باب الضب) اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ضب حلال ہے۔ ابن ماجہ میں اس طرح کی اور بھی روایات موجود ہیں۔

دلیل خامس: حدیث "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال كان اناس من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم منهم سعد فذهبوا يا كلون فناداهم امرأة انه لحم ضب فامسكوا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلوا واطعموا فانه حلال او قال لا بأس و لكنه ليس من طعامى" (بخارى و مسلم)۔ کہ آپ ﷺ کے صحابہؓ ان میں سے سعدؓ بھی تھے وہ کھانا شروع کرنے لگے تو ان کو ایک عورت نے آواز دی کہ یہ گوہ کا گوشت ہے پس رہ رک گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ بے شک یہ حلال ہے یا فرمایا اس میں حرج نہیں لیکن یہ میرے کھانوں میں سے نہیں۔

دلیل سادس: حضرت خالد بن ولیدؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ "انه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت ميمونة فأتى بضب محنوذ فاهوى اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده فقال بعض النسوة اللاتى فى بيت ميمونة اخبروا النبى صلى الله عليه وسلم بما يريدان يا كل منه فقالوا هو ضب فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده قال فقلت احرام هو يا رسول الله قال لا ولكنه لم يكن بأرض قومى فاجدنى أعافه قال خالد فاجترته فاكلته و رسول الله صلى الله عليه وسلم ينظر" (بخاری)

دلائل کے مشترکہ جوابات: **جواب اول:** ان روایات میں راوی اکثر متکلم فیہ ہیں جن سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب ثانی: اگر اس بات سے قطع نظر کرلیا جائے تو ہم کہیں گے کہ ابتداءً اس کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا قطعی حکم نہیں لگایا البتہ نہی سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اس کو ناپسند کرتی تھی۔ اور جب کسی چیز کے بارے میں شریعت کی طرف سے سکوت ہو تو اس کے لئے اصول یہ ہے کہ وہ مباح ہے ''لان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ'' لیکن اس کے بعد جب حرمت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے سختی کے ساتھ منع فرمادیا۔

جواب ثالث: آپ کے دلائل مبیح ہیں اور ہمارے دلائل محرم ہیں مبیح اور محرم میں جب تعارض آجائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب رابع: ہمارے دلائل کی تائید قیاس سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ ضب حشرات الارض میں سے ہے اس کا حکم بھی دوسرے حشرات الارض کی طرح ہونا چاہیے۔ نیز اہل اسلام کا تعامل بھی یہی ہے کہ کوئی مسلمان اس کو نہیں کھاتا۔

احناف کی دلیل اول: طحاوی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھدی لہ ضب فلم یا کلہ فقام علیھم سائل فارادت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان تعطیہ فقال لھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتعطینہ مالا تاکلین'' (شرح معانی الآثار جلد ۲ ص ۲۹۰)

دلیل ثانی: ابوداود شریف میں عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن اکل لحم الضب'' (ابوداود جلد ۲ ص ۱۷۶) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

دلیل ثالث: عبدالرحمن بن حسنہ کی حدیث ہے ''نزلنا ارضا کثیرۃ الضباب فاصا بتنا مجاعۃ فطبخنا منھا وان القدور لتغلی بھا اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' (الحدیث)

''وفیہ انھم طبخوا منھا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امۃ من بنی اسرائیل مسخت دواب فی الارض فاخشی ان تکون ھذہ فاکفؤھا قال الحافظ سندہ علی شرط الشیخین'' (ابن حبان) فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک ایسی زمین پر پڑاؤ ڈالا جہاں بہت زیادہ گوہ پائی جاتی تھیں اور ہمیں بھوک بھی زیادہ لگ رہی تھی تو ہم نے گوہ پکائی اور گوشت ہانڈی میں جوش مار رہا تھا کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو پکایا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوم کو زمین کے دواب میں مسخ کردیا گیا تھا مجھے خوف ہے کہ یہ وہی نہ ہو تو ہم نے اپنی ہانڈی کو انڈیل دیا۔

دلیل رابع: شرح معانی الآثار میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوما لیت عندنا قرصۃ من برۃ سمراء ملبقۃ بسمن و لبن فقام رجل من اصحابہ فعملھا ثم جاء بھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیم کان سمنھا قال فی عکۃ قال لہ ارفعھا (شرح معانی الآثار ص ۶۸۹)

دلیل خامس: فقہاء کرام نے فرمایا کہ کسی قوم کا کسی جانور کی صورت میں مسخ ہونا اس جانور کے خبیث ہونے کی علامت ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي اَكْلِ الضَّبُعِ

الضبع: ضاد کے فتحہ اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے بجو کو کہا جاتا ہے ایک گفتار یعنی بجو اور دوسرا اس کو ہنڈار بھی کہا جاتا ہے ضبع اسم جنس ہے مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے بعض حضرات نے کہا کہ مؤنث کے لئے ضبعانۃ اور مذکر کے لئے اضبعان آتا ہے مذکر کی جمع ضباعین اور مؤنث کی ضبعانات آتی ہے۔ بجو کی کنیت ام عمر، ام طریق، ام القبور ہے یہ مؤنث کے لئے استعمال ہوتی ہے جبکہ مذکر کے لئے ابو عامر، ابو کلدہ، ابو الہنبر ہے۔

بجو کے خواص وعجائبات: یہ جانور ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث ہوتا ہے یہ حالت ذکورت میں حاملہ ہوتا ہے اور حالت انوثت میں بچہ جنتا ہے یہ جانور انسان کے گوشت اور خون کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اور قبر سے مردہ کو نکال کر کھالیتا ہے۔ اگر بجو اور بھیڑیا دونوں بکریوں کے ریوڑ میں ہوں تو بکریاں محفوظ رہتی ہیں کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے دفاع میں مشغول رہتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ بجو کی چربی کاٹ کھانے والے کتے کے زہر کے لئے دافع ہے اور اس کا پتہ قاطع شہوت ہے اور اس کے پتہ سے بنا ہوا سرمہ آنکھوں کے پانی اور ظلمت کے لئے دافع ہے اور اس کی کھال کی چھلنی میں بیج چھان کر بیجائی کرنے سے کھیتی کی ٹڈی سے حفاظت ہوتی ہے۔ اگر اس کی آنکھ انگوٹھی میں جڑوا کر پہنی جائے تو جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔ (حیوٰۃ الحیوان)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرٍ الضَّبُعُ اَصَيْدٌ هِيَ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ آكُلُهَا قَالَ نَعَمْ قُلْتُ أَقَالَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَلَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِأَكْلِ الضَّبُعِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الضَّبُعِ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الضَّبُعِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ يَحْيَى بْنُ الْقَطَّانِ وَرَوَى جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ قَوْلَهُ وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، ابن جریج، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ابن ابی عمار سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا بجو شکار ہے کہ نہیں جواب دیا کہ ہاں شکار ہے ابن ابی عمار نے پوچھا کہ میں اس کو کھالوں جواب دیا ہاں پھر حضرت ابن ابی عمار نے کہا کہ کیا آپ نے فرمایا ہے جواب دیا ہاں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور بعض اہل علم بھی اسی طرف گئے ہیں کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول امام احمد و اسحاق کا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے مکروہ ہونے کے بارے میں روایت مذکور ہے لیکن اس کی سند قوی نہیں ہے اور بعض اہل علم نے بجو کے کھانے کو مکروہ کہا ہے۔ یہی قول ابن المبارک کا ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں یہ حدیث جریر بن حازم، عبداللہ بن عبید بن عمیر سے وہ ابن ابی عمار وہ جابر سے وہ عمر سے انہی کا قول نقل کرتے ہیں ابن جریج کی حدیث صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: بجو کی حلت وحرمت کا شرعی حکم: امام ترمذیؒ نے "وقد ذهب بعض اهل العلم الى هذا" سے اس اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راھویہؒ اور ابوثورؒ کے نزدیک بجو کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں یہی قول حضرت ابن عباسؓ، عطاء بن ابی رباحؒ کا ہے۔

قول ثانی: احناف، مالکیہ، جمہور حضرات کے نزدیک بجو کا کھانا حرام ہے یہی قول سفیان ثوری، ابن المبارک کا بھی ہے۔

امام شافعیؒ وامام احمد کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں راوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بجو کے شکار ہونے اور اپنے کھانے کے بارے میں پوچھا حضرت جابرؓ نے مثبت جواب دیا اور جب راوی نے پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے اس پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "نعم" فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ بجو کا کھانا جائز ہے۔

جواب اول: آیت شریفہ "ويحرم عليهم الخبائث" سے یہ حدیث منسوخ ہے اور آیت اس کے لئے ناسخ ہے۔

جواب ثانی: بجو ذی ناب درندہ ہے اور یہ "كل ذى ناب من السباع" میں شامل ہے اور احادیث تحریم ذی ناب مستفیضہ اور متعددہ ہیں بلکہ امام طحاویؒ نے اس کے تواتر کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

جواب ثالث: اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمن بن ابی عمار ہے جو منفرد ہے یہ علم حدیث میں مشہور بھی نہیں ہے۔

جواب رابع: یہ حدیث رفعًا ووقفًا مضطرب ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام شافعیؒ وامام احمدؒ دلیل ثانی: مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الضبع صيد وجزاءه كبش مسن ويؤكل" کہ ضبع شکار ہے اور اس کی جزاء کبش مسن ہے اور یہ کھایا جاتا ہے۔

جواب اول: اس حدیث میں صید کا ذکر ہے اور کسی چیز کے صید ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ ماکول بھی ہو انسان بسا اوقات شیر، لومڑی وغیرہ کا شکار کرتا ہے یہ شکار تو ہے لیکن ان کا کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح بجو شکار تو ہے لیکن یہ کھایا نہیں جائے گا۔

جواب ثانی: اس حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے کے دونوں احتمال ہیں ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جابرؓ کا قول ہو کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "فی الضبع كبش مسن" سے یہ سمجھا ہو کہ وہ کھایا جاتا ہے لہٰذا "ويؤكل" انہوں نے اپنی جانب سے فرمادیا ہو۔ حدیث جابر اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے دیگر احادیث حرمت کا مقابلہ نہیں کرسکتی جبکہ احادیث حرمت متواتر بھی ہوں۔

دلیل ثالث: بیہقی میں حضرت عبداللہ بن مغفل السلمیؓ کی روایت ہے "قلت يا رسول الله فى الضبع قال لا اكله ولا انهى عنه قال قلت ما لم تنه عنه فانى اكله"۔ **جواب اول:** یہ حدیث منسوخ ہے اور ابتداء اسلام پر محمول ہے۔

جواب ثانی: حضرت سعدؓ کا بجو کو کھانا ان کے اپنے اجتہاد کی وجہ سے ہے جو کہ حدیث مرفوع کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دلیل رابع: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بجو کا گوشت صفا ومروہ کے درمیان برابر بکتا رہا اور لوگ کھاتے رہے کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی اگر بجو کا کھانا ناجائز ہوتا تو لوگ اس پر نکیر فرماتے کسی کا نکیر نہ فرمانا اس کی حلت پر دال ہے۔

جواب: بجو کے گوشت کی خرید وفروخت اس کی حلت کی دلیل نہیں اور لوگوں کا اس کو کھانا ان کا اپنا اجتہاد تھا جو حرمت والی احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دلیل خامس: اہل عرب اس کی ہمیشہ تعریف کرتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے رہے ہیں یہ بھی حلت کی دلیل ہے۔

جواب: اہل عرب کا بجو کی تعریف کرنا اس کی حلت کی دلیل نہیں اس لئے کہ اہل عرب تو ایسے جانوروں کی بھی تعریف کرتے ہیں جو قطعی طور پر حرام ہیں جیسا کہ اہل عرب شیر، چیتا وغیرہ کی بہت تعریف کرتے ہیں حالانکہ ان کا کھانا جائز نہیں۔

احناف وجمہور حضرات کی دلیل اول: اسی باب کی دوسری روایت خزیمہ بن جزء ہے ''قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الضبع فقال او یاکل الضبع احدٌ''۔ کیا بجو بھی کوئی آدمی کھاتا ہے؟ یہ روایت بجو کھانے کے عدم جواز پر صراحۃً دال ہے۔ **دلیل ثانی:** قرآن پاک کی آیت ''ویحرم علیھم الخبائث'' کہ مسلمانوں پر خبیث جانور حرام قرار دیئے گئے اور بجو خبیث الحیوانات میں سے ہے اس کے خبائث میں سے ہونے میں اتنا ہی کافی ہے کہ یہ مردہ انسان کو کھاجاتا ہے۔

دلیل ثالث: متعدد صحابہ کرامؓ سے یہ مروی ہے کہ ''نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل کل ذی ناب من السباع'' اور بجو میں دونوں وصف پائے جاتے ہیں کہ وہ درندہ بھی ہے اور ذی ناب بھی ہے۔

دلیل رابع: دونوں طرح کی روایات موجود ہیں بعض روایات سے حلت ثابت ہوتی ہے اور بعض روایات سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جب حلت وحرمت میں تعارض آجائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

دلیل خامس: مصنف عبدالرزاق میں روایت ہے کہ حضرت سعید بن المسیبؒ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی قوم بجو کھاتی ہے انہوں نے کہا ''ان اکلھا لایحل'' اگرچہ اس کو کوئی قوم کھائے پھر بھی حلال نہیں۔ اس وقت حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا تھا اس نے بیان کیا کہ مجھ سے عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابوداود سے یہ کہتے ہوئے سنا ''نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل کل ذی خطفۃ ونھبۃ ومجثمۃ وکل ذی ناب من السباع''

قَالَ يَحْيَى بْنُ الْقَطَّانُ وَرَوٰى جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ یحییٰ بن قطان فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی مذکورہ روایت جریر بن حازم سے بھی منقول ہے لیکن ابن جریج اور جریر بن حازم دونوں کی روایات میں فرق ہے کہ جریر بن حازم کی روایت میں حضرت جابرؓ نے حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے حضرت عمرؓ کا قول نقل فرمایا ہے یعنی جریر بن حازم کی روایت مرفوع نہیں ہے بلکہ موقوف ہے۔ امام ترمذیؒ یہ عبارت لاکر بتانا چاہتے ہیں کہ ابن جریج کی حدیث اصح ہے جریر بن حازم کی حدیث سے۔ دوسرا یہ ہے ابن جریج کی متابعت اسماعیل بن امیہ کرتے ہیں جس کی تخریج ابن ماجہ وغیرہ نے کی ہے برخلاف جریر بن حازم کے کہ انکا کوئی متابع موجود نہیں لہٰذا مرفوع روایت اصح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ حِبَّانَ بْنِ جَزْءٍ عَنْ أَخِيهِ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ

ھناد، ابومعاویہ، اسماعیل بن مسلم، عبدالکریم، حضرت خزیمہ بن جزءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کھانے کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ أَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ فَقَالَ أَوَيَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيهِ خَيْرٌ هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي إِسْمٰعِيلَ وَعَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ وَهُوَ عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ قَيْسِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ وَعَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ مَالِكٍ الْجَزَرِيُّ ثِقَةٌ

بجو بھی کوئی آدمی کھایا کرتا ہے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیے کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھیڑیا بھی کوئی شخص کھاتا ہے کہ جس میں خیر ہو۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے ہم اسے اسماعیل بن مسلم بن عبدالکریم ابی امیہ کی روایت سے جانتے ہیں بعض محدثین نے اسماعیل اور عبدالکریم ابی امیہ کے بارے میں کلام کیا ہے عبدالکریم سے مراد عبدالکریم بن قیس بن ابی المخارق ہیں البتہ عبدالکریم بن مالک جزری ثقہ ہیں۔

تشریح: **هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ:** امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں کیونکہ یہ روایت ہم بطریق اسماعیل بن مسلم بن عبدالکریم ہی سے جانتے ہیں اور ان دونوں کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔

علامہ ابن حزم نے اسماعیل بن مسلم کو ضعیف اور عبدالکریم کو ساقط قرار دیا ہے بلکہ انہوں نے تو حبان بن جزء کو بھی مجہول قرار دیا اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے بھی تقریب میں اسماعیل بن مسلم کو ضعیف کہا ہے اور دوسرے حضرات امام نسائی، دارقطنی وغیرہ نے بھی ان کی تضعیف کی ہے مگر کہا گیا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت قابل استدلال ہے اور امام ترمذیؒ کا اس پر کلام کرنا محل نظر ہے چنانچہ بعض حضرات نے حبان بن جزء کو صحابی قرار دیا ہے جبکہ ابن حجرؒ نے اس کو تقریب میں **صدوق من الثالثه** فرمایا ہے لہٰذا حبان بن جزء مجہول راوی نہیں ہیں۔ باقی عبدالکریم بن قیس بن ابی المخارق یہ امام ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں اور امام مالکؒ نے بھی موطا میں ان سے کئی روایات لی ہیں۔

وَهُوَ عَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ قَيْسِ بْنِ أَبِي الْمُخَارِقِ وَعَبْدُ الْكَرِيمِ بْنُ مَالِكٍ الْجَزَرِيُّ ثِقَةٌ: امام ترمذیؒ حسب عادت دونوں کا تعارف کروا رہے ہیں کہ ایک عبدالکریم بن قیس بن ابی مخارق ہیں اور دوسرے عبدالکریم بن مالک جزری ہیں اور ساتھ ہی دوسرے عبدالکریم بن مالک الجزری کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ الحاصل عبدالکریم دونوں الگ الگ ہیں اور ابن مالک الجزری بالاتفاق ثقہ ہیں اور ان کی کنیت ابوسعید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ لُحُومِ الْخَيْلِ

الخیل: گھوڑوں کی جماعت کو کہا جاتا ہے من لفظہ اس کا مفرد نہیں جیسے قوم، رھط اور نفر کا مفرد نہیں مطلقاً لوگوں کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ابوعبیدہ کے ہاں یہ مؤنث ہے اور اس کا مفرد خائل ہے اس کی جمع خیول آتی ہے اس کی تصغیر خُییل آئی ہے۔

خیل کو خیل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے چلنے پر مٹک کر اور جھوم کر چلتا ہے اسی وجہ سے اس کو خیل کہتے ہیں۔ اس کی کنیت ابوشجاع، ابوطالب، ابومدرک ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْخَيْلِ وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَابِرٍ وَرِوَايَةُ ابْنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ أَحْفَظُ مِنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھلایا اور گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی طرح متعدد حضرات نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ حماد بن زید عمرو بن دینار سے وہ محمد بن علی سے وہ جابر سے روایت کرتے ہیں۔ ابن عیینہ کی روایت اصح ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ سفیان بن عیینہ حماد بن زید سے احفظ ہے۔

تشریح: مسئلہ: گھوڑے کی حلت وحرمت کا شرعی حکم: قول اول: امام شافعیؒ، جمہور علماء، سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ بلا کراہت گھوڑے کا گوشت حلال ومباح ہے اس کے قائل عبداللہ بن زبیر، فضالہ بن عبید، اسود، علقمہ، عطاء، سعید بن جریج، حسن بصری، اسحاق بن راھویہ، امام ابویوسف، امام محمد، داود ظاہری، اور جمہور محدثین ہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے پھر کراہت تحریمی وکراہت تنزیہی دونوں ہی قول ہیں۔

امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے ”عن جابر قال اطعمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الخیل ونھانا عن لحوم الحمر“۔ **جواب:** یہ روایت ابتداء اسلام پر محمول ہے جب مغازی وغیرہ میں کھانے کی تنگی ہوتی تھی اُس وقت کی بات ہے اس کے بعد گھوڑے کے کھانے کو منسوخ کر دیا یا یہ حالت اضطرار پر محمول ہے۔

دلیل ثانی: حضرت اسماء بنت ابی بکر کی روایت ہے جس کی تخریج بخاری ومسلم نے کی ہے ”انھا قالت نحرنا فرسا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکلناھا نحن واھل بیته“ سنن ابن ماجہ میں بھی ایسے ہی الفاظ ہیں تقدیم وتاخیر کے ساتھ (ابن ماجة ص ۲۳)۔ **دلیل ثالث:** دار قطنی میں سند قوی کے ساتھ یہ ذکر کیا گیا ہے ”نھی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن لحوم حمر الاھلیة وامر بلحوم الخیل فی الفتح“۔

دلیل رابع: عن الحسن انه قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یا کلون لحوم الخیل فی مغازیھم۔

دلیل خامس: عن جابر بن عبداللہ قال نھانا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوم خیبر عن لحوم الحمر واذن لنا فی لحوم الخیل۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۷۵ باب فی اکل لحوم الخیل)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کا حکم دینا ثابت ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت حلال ومباح ہے۔

جواب اول: حدیث الباب سورۂ نحل کی آیت **والخیل والبغال والحمیر الخ** کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔

جواب ثانی: حدیث خالدؓ محرم ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مبیح ہے اور جب مبیح اور محرم میں تعارض ہو جائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ **جواب ثالث:** حدیث جابر رضی اللہ عنہ منسوخ ہے اس کے لئے حدیث خالدؓ ناسخ ہے۔

جواب رابع: ابوداؤد جلد دوم کی حدیث الباب میں اذن رخص کے معنی میں ہے بلکہ بعض روایات میں ترخص ہے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ غزوہ خیبر میں خاص ضرورت کی وجہ سے گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

جواب خامس: اگر گھوڑا، گائے بھینس کی طرح حلال ہوتا تو گھوڑے کی قربانی بھی جائز ہوتی حالانکہ اسکی قربانی کا کوئی قائل نہیں۔

جواب سادس: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے گھوڑے کا گوشت کھانا ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں بہر حال دلائل عقلیہ ونقلیہ سے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب راجح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اول: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ "وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً" (النحل:۸) سے استدلال کرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان کا ذکر فرمایا چونکہ اکل اعلیٰ درجہ کی منفعت ہے اگر گھوڑے کا کھانا جائز ہوتا تو رکوب وزینت جو ادنیٰ درجہ کی منفعت ہے تو اللہ پاک اس سے احسان نہ جتلاتے بلکہ اکل سے احسان جتلاتے۔ جیسا کہ ماقبل کی آیت میں اکل سے احسان جتلایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا کھانا جائز نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انہ علیہ السلام نہی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر" (ابوداؤد ۲ ص ۱۷۵، باب فی اکل لحوم الخیل)۔

دلیل ثالث: گھوڑا آلہ جہاد ہے "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل" (انفال:۶۰) جیسی آیات سے گھوڑے کی عظمت واحترام ثابت ہوتا ہے لہٰذا گھوڑے کو ذبح کرنا اور اس کا گوشت کھانا عظمت اور احترام کے خلاف ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے "الخیل معقود فی نواصیہا الخیر"۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑے پر سواری کی انکی سواری سے قبل یہ جانور وحشی تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اس وقت ارشاد فرمایا "انی معطیکما کنزا ادخرتہ لکما" کہ میں نے آپ لوگوں کے لئے ایک خزانہ مخفی رکھا ہے اے اسماعیل آپ اس خزانے کو نکالیں وہ خزانہ گھوڑوں کا تھا اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ خزانے کا علم تھا اور نہ دعا کی حکمت کا پھر اللہ تعالیٰ نے وہ کلمات آپ کو الہام فرمائے آپ نے دعا فرمائی تو زمین کے تمام گھوڑے آپ کے مطیع ہو گئے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۱۳۵)

دلیل رابع: عن ابی اسحاق الشیبانی قال سألت عبد اللہ بن ابی اوفی عن لحوم الحمر الاھلیۃ فقال اصابتنا مجاعۃ یوم خیبر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد اصاب القوم حمرًا خارجا من المدینۃ فنحرناھا وان قدورنا لتغلی اذ نادی منادی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اکفؤا القدور ولا تطعموا من

لحوم الحمر شیئاً فأکفاناها فقلت لعبد اللہ بن ابی اوفی حرمها تحریماً۔ (ابن ماجۃ ص۲۳۰ باب لحوم الحمر الاھلیۃ)

دلیل خامس: مقدام بن معدی کربؓ سے مروی ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم علیکم الحمار الاھلی وخیلھا''۔

دلیل سادس: گھوڑا آلہ جہاد ہے اگر اس کا گوشت کھایا جائے گا تو آلہ جہاد کی تقلیل لازم آئے گی۔

قَالَ أَبُو عِیسٰی: امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ابن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطہ سے نقل کیا ہے اسی طرح عمرو بن دینار کے واسطہ سے دوسرے شاگردوں نے بھی نقل کیا ہے مگر انکے شاگرد حماد بن زید نے عمرو بن دینار اور جابرؓ کے درمیان محمد بن علی کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حماد کے مقابلہ میں ابن عیینہ کی روایت اصح ہے۔ یہ دلیل پیش کی کہ انہوں نے امام بخاریؒ سے اسکے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ابن عیینہ حماد سے احفظ ہیں لہٰذا ابن عیینہ کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی لُحُومِ الْحُمُرِ الْاَهْلِیَةِ

الحمر الاھلیۃ: حمر حمار کی جمع ہے اسی طرح اس کی جمع حمیر اور احمرۃ بھی آتی ہے مؤنث کے لئے حمارۃ مستعمل ہے مذکر کی کنیت ابوصابر، ابوزیاد اور مؤنث کی ام محمود، ام تولب، ام نافع، ام وھب ہے۔ علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی حیوان سوائے گدھے اور گھوڑے کے غیر جنس سے جفتی نہیں کرتا۔ جب یہ تیس ماہ کا ہوجائے تو جفتی کرنے کے قابل ہوجاتا ہے گدھوں کی متعدد اقسام ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ جو بوجھ کو دوسرے جانوروں سے زیادہ اٹھالیتی ہے اور ایک قسم وہ ہے جو دوڑنے میں گھوڑوں سے بھی آگے بڑھ جاتی ہے گدھا راستوں کی معلومات خوب رکھتا ہے حتیٰ کہ ایک مرتبہ کسی راستے سے گزر جائے تو وہ اس کو محفوظ ہوجاتا ہے اس کے بارے میں مزید عجائبات حیات الحیوان میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح و حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ زَمَنَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ

محمد بن بشار، عبدالوہاب ثقفی، یحییٰ بن سعید انصاری، مالک بن انس، زہری، ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، زہری، عبداللہ اور حسن بن محمد بن علی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے زمانے میں عورتوں کے ساتھ وقتی طور پر نکاح کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

تشریح: نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ: متعۃ النساء کے متعلق ابواب النکاح میں وضاحت ملاحظہ کریں۔

وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ: مسئلہ: گدھے کے گوشت کا شرعی حکم: قول اول: جمہور اہل علم کے نزدیک گھریلو گدھا حرام ہے علامہ نوویؒ نے اکثر اہل علم کا قول یہی نقل کیا ہے جبکہ حافظ ابن عبدالبر نے اسکی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔

قول ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاں گھریلو گدھے کا کھانا جائز ہے اور مالکیہ حضرات سے جواز اور عدم جواز اور

کراہت تینوں قول منقول ہیں۔

مجوزین کی دلیل اول: قرآن پاک کی آیت "قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا ...... الآیۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ از خود جانوروں کو حلال وحرام قرار دیتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل کی تو حلال وحرام متعین کر دیئے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمادیا وہ حلال اور جن کو حرام فرمادیا وہ حرام ہیں اور جن کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا وہ معاف ہیں یعنی ان کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جملہ محرمات کا آیت مبارکہ میں ذکر ہے اور گدھے کا کوئی ذکر نہیں لہذا اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جواب اول: یہ آیت مکی ہے اور حرمت والی روایات مدنی ہیں بلکہ بہت بعد والی ہیں لہٰذا آیت شریفہ اخبار آحاد کے ذریعے مخصوص ہوگی۔

جواب ثانی: اور بھی بہت سارے جانور حرام ہیں مگر ان کا ذکر آیت میں نہیں تو معلوم ہوا کہ آیت شریفہ میں جملہ حرام جانوروں کا حصر نہیں ہے۔

جواب ثالث: اس آیت سے گدھے کی حلت کا استدلال تب درست ہوتا جب اس کی حرمت کے بارے میں نصوص وارد نہ ہوتیں حالانکہ اس کی حرت کے بارے میں بکثرت روایات منقول ہیں۔

جواب رابع: علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ گدھے کی حرمت والی حدیث حضرت ابن عباسؓ کو نہ پہنچی ہو۔

جواب خامس: یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرمت والا قول حضرت ابن عباسؓ کا قول قدیم ہو بعد میں اباحت کا قول اختیار کر لیا ہو۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں غالب بن ابجر کی روایت ہے "قال اصابتنا سنةٌ فلم یکن فی ما لی شئٌ اطعم اهلی الا شئ من حمر و قد کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم حرّم لحوم الحمر الا هلیة فاتیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقلت یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم صابتنا السنة ولم یکن فی ما لی ما اطعم اهلی الا سمان حمر و انك حرمت لحوم الحمر الاهلیة فقال اطعم اهلك من سمین حمرك فانما حرمتها من اجل جوال القریة" (ابو داود جلد ۲ ص ۱۷۷ باب فی اکل لحوم الحمر الاهلیة)

جواب اول: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی غالب بن ابجر کی سند میں کلام کیا گیا ہے لہٰذا اس سے یہ استدلال درست نہیں۔

جواب ثانی: اگر اس کی سند کو صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر ہم کہیں گے کہ یہ حالت اضطرار پر محمول ہے جیسا کہ خود راوی کی روایت کے الفاظ "اصابتنا السنة" صراحۃً اس پر دلالت کرتے ہیں۔

جواب ثالث: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف، متن شاذ اور احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔

جواب رابع: حلت واباحت کا عمومی حکم نہیں بلکہ فرد واحد کو حالت اضطراری میں اجازت دی جو کہ عمومی روایات کے خلاف نہیں۔

جواب خامس: یہ واقعہ جزوی ہے جو قاعدہ کلیہ کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

دلیل ثالث: ام نصر محاربیہ کی روایت طبرانی میں ہے "ان رجلًا سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الحمر الاهلیة فقال الیس ترعی الکلأ وتا کل الشجرة قال نعم فاصب من لحومها" (ابن ابی شیبہ)

دلیل رابع: ”عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال قال ابن عباس ما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم خیبر عن اکل لحوم الحمر الاھلیۃ الا من اجل انھا ظھر“۔

دلیل خامس: ”عن البراء انھم اصابوا من الفیء حمرا فذبحوھا ففیہ انھا کانت نھبت ولم تکن قسمت“ (اخرجہ الطحاوی)

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكَانَ أَرْضَاهُمَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ و قَالَ غَيْرُ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَكَانَ أَرْضَاهُمَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ

سعید بن عبدالرحمن المخزومی، سفیان سے، وہ زہری سے اور وہ عبداللہ اور حسن سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور یہ دونوں محمد بن علی کے بیٹے ہیں زہری کہتے ہیں کہ ان دونوں میں پسندیدہ شخصیت حسن بن محمد ہیں اور سعید بن عبدالرحمن کے علاوہ ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان دونوں میں عبداللہ بن محمد زیادہ بہتر ہیں۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس عبارت سے حدیث کی تیسری سند کو بیان کرنا چاہتے ہیں ان تینوں سندوں میں فرق یہ ہوگیا کہ ان میں مدار اسناد امام زہری ہیں۔ پہلی سند میں امام ترمذیؒ کے استاذ محمد بن بشار اور زہری کے شاگرد امام مالک ہیں اور دوسری سند میں امام ترمذیؒ کے استاد ابن ابی عمر اور زہری کے شاگرد سفیان بن عیینہ ہیں۔ جبکہ تیسری سند میں امام ترمذی کے استاد سعید بن عبدالرحمن المخزومی اور زہری کے شاگرد سفیان بن عیینہ ہیں۔

قال الزھری سے امام ترمذیؒ امام زہریؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ حسن بن محمد اور عبداللہ میں سے حسن بن محمد زیادہ پسندیدہ ہیں۔

و قَالَ غَيْرُ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سے امام ترمذیؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سعید کے علاوہ کی روایت کے مطابق ابن عیینہ کے نزدیک دونوں بھائیوں میں زیادہ پسندیدہ عبداللہ بن محمد ہیں مگر مسند احمد میں ابن عیینہ سے اس کے خلاف منقول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَالْمُجَثَّمَةَ وَالْحِمَارَ الْإِنْسِيَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَالْبَرَاءِ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى وَأَنَسٍ وَالْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَأَبِي ثَعْلَبَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَغَيْرُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا الْحَدِيثَ وَإِنَّمَا ذَكَرُوا حَرْفًا وَاحِدًا نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ

ابو کریب، حسین بن علی، زائدہ، محمد بن عمرو، ابی سلمہ، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن حرام کیا ہے ہر کچلی والے درندے کو اور اس جانور کو جس کو ہدف اور نشانے کیلئے رکھا گیا ہو اور پالتو گدھے۔ اس باب میں حضرت علی، براء، ابن ابی اوفی، انس، عرباض بن ساریہ، ابی ثعلبہ، ابن عمر اور سعید رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور روایت کیا۔ اس حدیث کو عبدالعزیز بن محمد وغیرہ نے محمد بن عمرو سے اس میں صرف ایک چیز کا ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلی والے درندے کو حرام قرار دیا ہے۔

تشریح: ذِي نَابٍ: ناب بمعنی کچلی والا جاندار۔
السِّبَاعِ: اس کی جمع ''سَبُعٌ'' اوراس کی جمع اسبع بھی آتی ہے اس کے معنی حیوان مفترس کے ہیں۔
مسئلہ: سبع کا شرعی حکم: قول اول: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سبع کا کھانا حرام ہے البتہ شوافع حضرات نے ضبع اور ثعلب کا استثناء کیا ہے۔
قول ثانی: ابن العربی نے امام مالک کا مشہور قول کراہت کا نقل کیا ہے حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر، شعبی، ابن جبیر رضی اللہ عنہم بھی اباحت کے قائل ہیں۔
قول ثانی والوں کی دلیل اول: آیت شریفہ ''قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرمًا ''۔اس آیت میں محرمات کی تفصیل بیان کی گئی ہے لیکن سبع کا ذکر نہیں اس سے معلوم ہوا کہ سبع کا کھانا جائز ہے۔
جواب: آیت شریفہ میں ان مخصوص جانوروں کا تذکرہ ہے جن کو مشرکین عقیدۃً اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آیت شریفہ میں چند محرمات کا ذکر کیا گیا ہے تمام محرمات کا حصر نہیں کیا گیا۔اس کے کچھ جوابات ماقبل روایت کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔
دلیل ثانی: ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے ''عن ابن ابی عمار قال قلت لجابر الضبع اصید ھی قال نعم قلت اکلھا قال نعم قلت اقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال نعم '' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضبع کے کھانے کی اجازت دی حالانکہ وہ ذی ناب ہے۔لہٰذا سبع کے کھانے کی بھی اجازت ہوگی۔
جواب: احناف کے نزدیک ضبع بھی حرام ہے جیسا کہ اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے۔
احناف وشوافع کی دلیل اول: حدیث الباب جس میں صراحۃً سبع کی حرمت کا ذکر ہے۔
دلیل ثانی: ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے ''قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع ''۔(ابن ماجۃ ص ۲۳۲ باب اکل کل ذی ناب من السباع)۔
دلیل ثالث: ''عن ابن عباس قال نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم خیبر عن اکل کل ذی ناب من السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر '' (ابن ماجۃ ص ۱۲۳۳ اکل کل ذب ناب من السباع)
دلیل رابع: ابوداود شریف میں حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے ''عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اَلَا لَا یحل ذوناب من السباع ولا الحمار الاھلی '' (ابوداود جلد ۲ ص ۱۷۷ باب ماجاء فی اکل السباع)
دلیل خامس: ابوداود شریف میں ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ''قال غزوت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیبر فأتت الیھود فشکوا ان الناس قد اسرعوا الی خَظَا یَرِھُمْ (جمع خطیرۃ) فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا لا یحل اموال المعاھدین الا بحقھا وحرام علیکم حمر الاھلیۃ وخیلھا وبغالھا وکل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر '' (جلد ۲ ص ۱۷۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ فِي آنِيَةِ الْكُفَّارِ

امام ترمذیؒ نے یہاں باب آنیۃ الکفار کا باندھ لیا ہے جبکہ امام بخاریؒ نے مجوس کا لفظ ذکر کیا ہے اور دیگر محدثین مثلاً امام ابوداود نے باب قائم کیا "انیۃ اھل الکتاب" محدثین کے عنوانات کے اختلافات کی وجہ روایات کا مختلف ہونا ہے کہ بعض روایات میں کفار، بعض روایات میں مجوس اور بعض روایات میں اہل کتاب کا ذکر ہے۔ اس وجہ سے محدثین حضرات نے مختلف عنوانات قائم کئے ہیں۔ یا اس وجہ سے کہ مجوس بھی کفار ہیں کہ ان کا ذبیحہ بھی درست نہیں باقی رہے اہل کتاب اگرچہ وہ دین سماوی رکھتے ہیں لیکن وہ نجاسات سے نہیں بچتے اور ان برتنوں میں خمر وخنزیر کے گوشت کھانے سے نہیں رکتے لہٰذا ان کے برتن بھی ناپاک ہوں گے۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قُدُورِ الْمَجُوسِ قَالَ أَنْقُوهَا غَسْلًا وَاطْبَخُوا فِيهَا وَنَهَى عَنْ كُلِّ سَبُعٍ ذِي نَابٍ هَذَا حَدِيثٌ مَشْهُورٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي ثَعْلَبَةَ وَرُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ وَأَبُو ثَعْلَبَةَ اسْمُهُ جُرْثُومٌ وَيُقَالُ جُرْهُمٌ وَيُقَالُ نَاشِبٌ وَقَدْ ذُكِرَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ

زید بن اخزم طائی، مسلم بن قتیبہ، شعبہ، ایوب، ابی قلابہ، حضرت ابوثعلبہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کی ہانڈیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کو دھو کر صاف کرلو اور ان میں کھانا پکاؤ اور ہر کچلی والے درندے کے کھانے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث ابوثعلبہ کی حدیث سے مشہور ہے اور متعدد طرق سے اسی طرح منقول ہے ابوثعلبہ کا نام جرثوم ہے اور انہیں جرہم اور ناشب بھی کہا جاتا ہے یہ حدیث ابوقلابہ بھی ابی اسماء الرحبی سے وہ ابی ثعلبہ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قدور جمع ہے قدر کی بمعنی ہنڈیا "المجوس" یہ ایک فرقہ ہے جو آگ کی پوجا کرتا ہے یا سورج کی پوجا کرتا ہے۔ انقوھا صیغہ امر انقاء سے ماخوذ ہے۔ کفار کے برتنوں کا کیا حکم ہے اسکے بارے میں مسئلہ تفصیلاً "ابواب السیر باب ماجاء فی الانتفاع بآنیۃ "المشرکین میں گزر چکا ہے۔

هَذَا حَدِيثٌ مَشْهُورٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي ثَعْلَبَةَ: یہ حدیث، حدیث ابی ثعلبہ کے نام سے مشہور ہے جس طرح ابوقلابۃ عن ابی ثعلبہ مروی ہے اس طرح "عن ابی قلابۃ عن ابی اسماء الرحبی عن ابی ثعلبۃ" منقول ہے۔ پہلی سند میں ابو ثعلبہ اور ابوقلابہ کے درمیان ابواسماء کا واسطہ نہیں ہے لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی جبکہ دوسری صورت میں ابواسماء کی زیادتی ہے تو سند متصل ہوگئی لیکن بغیر زیادتی والی سند ہی زیادہ مشہور ہے۔

ثعلبہ ان کا نام جرہم ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام جرثوم ہے اور ان کو ناشب بھی کہا جاتا ہے بیعت رضوان کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ۷۵ھ میں ملک شام میں وفات پائی۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنِ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ

حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اہل کتاب کی زمین

عَنْ أَيُّوبَ وَقَتَادَةَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَنَطْبُخُ فِي قُدُورِهِمْ وَنَشْرَبُ فِي آنِيَتِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَارْحَضُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا بِأَرْضِ صَيْدٍ فَكَيْفَ نَصْنَعُ قَالَ إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُكَلَّبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مُكَلَّبٍ فَذُكِّيَ فَكُلْ وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَقَتَلَ فَكُلْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

میں رہتے ہیں تو ان کی ہانڈیوں میں کھانا پکاتے ہیں اور ان کے برتنوں میں پانی پیتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان برتنوں کے علاوہ اور کوئی برتن نہ ملے تو ان کو پانی سے دھولو پھر عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم شکار کی زمین میں ہوتے ہیں تو کیا صورت اختیار کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنا سکھایا ہوا کتا چھوڑ دو اور اللہ کا نام لو پھر اگر وہ شکار کو مار دے تو تم اس کو کھالو اور اگر سکھایا ہوا نہ ہو اور شکار ذبح کیا گیا ہو تب بھی کھالو اور جب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر تیر پھینکو اور جانور مر جائے تو بھی کھالو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **شکار کے احکام:** ماقبل ابواب الصید کے ذیل میں گزر چکے ہیں اس حدیث میں ایک راوی ابی اسماء الرجبی ہیں ان کا نام عمرو بن مرثد ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے ثقہ راوی ہیں طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَارَةِ تَمُوتُ فِي السَّمْنِ

الفارۃ: چوہے کو کہتے ہیں اس کی مختلف اقسام ہیں اس کو فویسقہ بھی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فساد اور طبعی خباثت کی وجہ سے اس کو فویسقہ کہا کیونکہ اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلی درھم کی بقدر جل گیا تھا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب سونے لگو تو اپنے چراغ کو بجھادو۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ عَنْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَكُلُوهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک چوہا گھی میں گر کر مر گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے اور اس کے اردگرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی گھی کھاؤ۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور روایت کیا گیا اس حدیث کو زہری سے اور عبیداللہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا اس میں حضرت میمونہؓ کا ذکر نہیں۔

مَيْمُونَةَ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَصَحُّ وَرَوَى مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ و سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ يَقُولُ حَدِيثُ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا خَطَأٌ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی میمونہؓ سے نقل کردہ حدیث زیادہ صحیح ہے معمر بھی زہری سے وہ سعید بن مسیب سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح حدیث نقل کرتے ہیں لیکن یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حدیث معمر، زہری سے اور وہ سعید بن مسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس روایت میں خطاء ہے اور حدیث زہری بواسطہ عبید اللہ اور ابن عباس، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح ہے۔

تشریح: **مسئلہ: حدیث الباب میں مذکور مسئلہ کا شرعی حل:** گھی کے اندر چوہا گر جائے تو اس بارے میں تفصیل ہے۔ اگر وہ گھی جما ہوا ہو تو اس بات میں اتفاق ہے کہ چوہا نکال دیا جائے اور اس کے ارد گرد جو گھی ہے وہ بھی الگ کر دیا جائے باقی گھی پاک رہے گا یہی حکم جمے ہوئے شہد اور شیرے وغیرہ کا ہے۔

لیکن اگر وہ گھی پگھلا ہوا ہو تو اس میں بھی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ گھی ناپاک نہیں ہوتا ان کے ہاں مائع اور جامد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جبکہ احناف اور جمہور حضرات کے نزدیک مائع اور جامد میں فرق ہے کہ اگر گھی جما ہوا ہو تو پھر اس کے ارد گرد والے گھی کو نکال کر باقی استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو سارا گھی ناپاک ہو جائے گا۔ جو حضرات پگھلے ہوئے گھی میں چوہے کے گرنے پر بھی طہارت کے قائل ہیں وہ حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں اس میں مائع اور جامد کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا اور مطلقاً فرمایا کہ ”القوها وما حولها وكلوه“۔

احناف اور جمہور کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے ”القوها وما حولها“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چوہا اور اس کے ارد گرد کو نکال دو اس میں ماحول سے سمجھ میں آ رہا ہے کہ یہ حکم جامد کا ہے کیونکہ اگر گھی (مائع) بہنے والا ہو گا تو اس کا ماحول ہی نہیں بنے گا لہٰذا معلوم ہوا کہ سمن جامد اور مائع میں فرق ہے۔

دلیل ثانی: بخاری شریف میں امام زہری سے منقول ہے ”عن الزهری سئل عن الدابة تموت في السمن وهو جامد او غير جامد الفارة وغيرها قال بلغنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم امر بفارة ما تت في السمن فامر بما قرب منها فطرح ثم اكل“۔ (بخاری کتاب الذبائح)

دلیل ثالث: ابوداود شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے ”قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا وقعت الفارة في السمن فان كان جامدًا فالقوها وماحولها و ان كان مائعا فلا تقربوه“ (جلد ۲ ص ۱۸۱ باب في الفارة تقع في السمن)

مسئلہ: نجاست گرے گھی کا کیا حکم ہے؟ مسئلہ مذکورہ سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جس گھی میں چوہا گر جائے وہ نجس ہے اسکا استعمال کھانے میں درست نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کے لئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اول: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے نہ ہی بیچ سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

قول ثانی: سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کھانے کے علاوہ اس سے انتفاع حاصل کر سکتے ہیں مثلاً چراغ جلانا کشتی کی رسیوں میں لگانا، صابن بنانا وغیرہ۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک اس کی بیع وشراء جائز ہے بشرطیکہ اس کے ناپاک ہونے کو بتا دیا جائے۔

امام احمد کی دلیل: اس باب کی دوسری حدیث ''وان کان مائعا فلا تقربوہ'' اگر بہنے والا ہے تو اس کے قریب مت جاؤ سارا نجس ہے اس لئے اس کا کھانا یا اس سے فائدہ اٹھانا دونوں درست نہیں۔

جواب: جمہور حضرات کے نزدیک ''فلا تقربوہ للاکل'' سے مراد ہے کہ کھانے کے لئے اس کے قریب مت جاؤ دیگر فوائد حاصل کرنے کی ممانعت نہیں۔ اور اس صورت میں یہ حکم مائع گھی کا ہوگا جامد کے لئے نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ وامام شافعیؒ کی دلیل: علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں ایک روایت ذکر کی ہے ''ان اللہ تعالی اذا حرّم اکل شئ حرم ثمنہ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا کھانا حرام کیا ہے اس کی قیمت بھی حرام کی ہے جب اس گھی کو کھانا جائز نہیں تو اس گھی کو بیچ کر اس کی قیمت کھانا بھی جائز نہیں۔

جواب: اس روایت میں نجس العین کا حکم بیان ہوا ہے جو چیز نجس العین ہو اس کا کھانا اور اس کا ثمن کھانا دونوں حرام ہیں۔

احناف کی دلیل: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ایک روایت ذکر کی ہے ''وان کان السمن مائعا انتفعوا بہ ولا تأکلوہ'' اور اس میں یہ بھی الفاظ ہیں ''فاستصبحوا بہ وادھنوا بہ'' کہ اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو اس سے فائدہ حاصل کرو اس سے چراغ جلاؤ۔ **وفی الباب عن ابی ھریرۃ:** امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تین سندیں بیان کی ہیں۔

اول: سفیان بن عیینہ، امام زہریؒ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ ابن عباسؓ سے اور وہ اپنی خالہ حضرت میمونہؓ سے نقل کرتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور یہی سند بخاری میں ہے۔

ثانی: دوسری سند: زہری کے بعض تلامذہ سند کے آخر میں حضرت میمونہؓ کا ذکر نہیں کرتے، امام ترمذیؒ نے اسکو غیر صحیح قرار دیا۔

ثالث: امام زہریؒ کے شاگرد معمر اس کی سند حضرت ابو ہریرہؓ تک پہنچاتے ہیں یہ سند صحیح نہیں، امام بخاریؒ نے معمر کی روایت کو خطا قرار دیا ہے لہٰذا پہلی سند ٹھیک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بِالشِّمَالِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ

اسحاق بن منصور، عبد اللہ بن نمیر، عبید اللہ بن عمر، ابن شہاب، ابوبکر بن عبید اللہ بن عمر عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن

عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْكُلْ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبْ بِشِمَالِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَعُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَحَفْصَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوٰى مَالِكٌ وَابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرَوٰى مَعْمَرٌ وَعُقَيْلٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرِوَايَةُ مَالِكٍ وَابْنُ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ

عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔ اس باب میں حضرت جابر، عمر بن ابی سلمہ، سلمہ بن اکوع، انس بن مالک اور حفصہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے مالک اور ابن عیینہ بھی اسے زہری سے وہ ابوبکر بن عبداللہ سے اور وہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں اور روایت کرتے ہیں اور معمر اور عقیل، زہری سے، وہ سالم سے اور وہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں لیکن مالک اور ابن عیینہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: بائیں ہاتھ سے کھانے کا شرعی حکم: اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: اہل ظواہر کے نزدیک بائیں ہاتھ سے کھانا حرام ہے اور دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور اہل علم کے نزدیک اکل بالشمال مکروہ ہے اور اکل بالیمین مسنون ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو منع فرمایا اور اس کو شیطان کا طریقہ بتایا ہے اور ظاہر ہے شیطان کی عادات سے بچنا واجب ہے لہٰذا دائیں ہاتھ سے کھانا پینا واجب ہوگا اور بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

جواب: نہی والی روایات کراہت تنزیہی اور امر والی روایات ندب اور سنیت پر محمول ہیں تاکہ قولی اور فعلی روایت میں تعارض نہ رہے۔

دلیل ثانی: بعض روایات میں "کل بیمینك" صیغہ امر وارد ہوا ہے جو وجوب کی دلیل ہے۔

جواب: ہر جگہ امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ استحباب کے لئے بھی ہوتا ہے۔

دلیل ثالث: مسلم شریف میں روایت ہے "ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم رأی رجلا یا کل بشماله فقال له بیمینك قال لا استطیع فقال لا استطعت فما رفعها الی فیه بعد"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے ازراہ تکبر کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہیں رکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب طاقت نہیں ہوگی پھر وہ اپنے منہ تک کبھی دایاں ہاتھ نہیں اٹھا سکا۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو بددعا کرنا سنت کی مخالفت کرنے کی بناء پر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی حکم کی قصداً مخالفت جرم عظیم ہے یا یہ کہیں گے کہ بائیں ہاتھ سے کھانے والا شخص منافق تھا۔ واللہ اعلم۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ''کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنی لطهوره و طعامه و کانت یدهٔ الیسری لخلائه وما کانت من اذی'' (ج اول ص ٦ باب کراهیة مس الذکر بالیمین)

دلیل ثانی: نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ''کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن یاخذ بیمینه و یعطی بیمینك''۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں بطریق شعبہ اشعث روایت ہے ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبه التیمن فی تنعله و ترجله و طهوره وفی شانه کله''۔

دلیل رابع: ابو داؤد شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ''عن حفصة زوج النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یجعل یمینه لطعامه و شرابه و ثیابه و یجعل شماله لما سوی ذلك''۔ ان مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اچھے کام میں دائیں ہاتھ کو استعمال کرنا پسند فرماتے تھے۔

سوال: ''بذل المجهود'' کے حاشیہ میں ایک سوال لکھا ہے کہ جمع الوسائل جلد اول ص ۲۹۶ طبرانی میں ہے کہ ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ الرطب بیمینه و البطیخ بشماله و یاکل من هذا و یاکل من هذا'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے تازہ کھجوریں لیں اور خربوزہ بائیں ہاتھ میں اور اس سے بھی کھاتے اور اُس سے بھی کھاتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے بھی کھایا ہے۔

جواب اول: دائیں ہاتھ سے کھجور اور بائیں ہاتھ سے خربوزہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو اٹھا کر ملایا پھر دونوں کو اکٹھے کھایا اسی طرح کھجور و خربوزہ دونوں میں سے کھاتے رہے بائیں ہاتھ سے اگر کوئی مدد لینا چاہے تو اس میں ممانعت نہیں ہے۔

جواب ثانی: اسی حدیث کے ساتھ یہ عبارت مذکور ہے ''لکنهم قالوا ان السند ضعیف'' کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

وفی الباب: جس طرح ابن شہاب نے اس روایت کو عن ابی بکر بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر عن عبد اللہ بن عمر کی سند سے نقل کیا ہے اسی طرح مالک و ابن عیینہ نے زہری سے نقل کیا ہے عن ابی بکر بن عبید اللہ عن ابن عمر۔

لیکن معمر اور عقیل نے اس روایت کو بیان کیا ہے زہری سے انہوں نے عن سالم عن ابن عمر۔ انہوں نے ابو بکر بن عبید اللہ کے بجائے عن سالم کا ذکر کیا ہے۔ مالک اور ابن عیینہ کی روایت اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَعْقِ الْأَصَابِعِ بَعْدَ الْأَكْلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي

محمد بن عبد الملک بن ابو شوارب، عبد العزیز بن مختار، سہیل بن ابو صالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي فِي أَيَّتِهِنَّ الْبَرَكَةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلٍ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ انگلیاں چاٹ لے کیونکہ نہیں وہ جانتا کہ کس انگلی میں برکت ہے۔اس باب میں حضرت جابر، کعب بن مالک اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف ابی صالح یعنی سہیل کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: **مسئلہ: انگلیاں چاٹنے کا شرعی حکم کیا ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: اہل ظواہر کے نزدیک انگلیوں کا چاٹنا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک انگلیوں کا چاٹنا آداب طعام میں سے اور مسنون ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں ''فليلعق'' صیغہ امر کا وارد ہوا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی امر واجب کے لئے ہوگا اور انگلیوں کا چاٹنا واجب ہوگا۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے ''ان النبی صلى الله عليه وسلم قال اذا اكل احدكم فلا يمسح يده حتى يلعقها'' (بخاری شریف)

دلیل ثالث: ''عن ابن كعب بن مالك عن ابيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يا كل بثلاث اصابع و يلعق يده قبل ان يمسحها'' (مسلم جلد ۲ ص ۱۸۳ باب استحباب لعق الاصابع)

جواب: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ ایسی روایات میں امر کے صیغہ کا محل مندوب ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ سے زیادہ سے زیادہ سنت کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ وجوب کا۔

انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب: اس کی ترتیب کہیں وارد نہیں البتہ بعض فقہاء کے ہاں انگلیوں کے چاٹنے کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے درمیانی انگلی چاٹے پھر ساتھ والی پھر آخر میں انگوٹھے کو چاٹے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زیادہ کھانا چونکہ درمیانی انگلی کو لگا ہوتا ہے اس لئے اسی سے چاٹنے کی ابتداء کی جائے۔

کھانے میں کتنی انگلیاں شامل کرنی چاہیے: ''تكمله فتح الملهم باب استحباب لعق الاصابع'' میں یہ عبارت ہے ''ان السنة الا كل بثلاث اصابع'' کہ مسنون تین انگلیوں سے کھانا ہے کعب بن مالکؓ کی حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ''رأيت النبی صلى الله عليه وسلم يلعق اصابعه الثلاث من الطعام'' کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں کو کھانے کے بعد چاٹتے ہوئے دیکھا۔ان کی ترتیب یہ ہے کہ وسطی، شہادت، ابہام کو ملا کر کھانا کھانا چاہیے۔اگر کھانا ایسا ہو جو ان تین انگلیوں سے نہیں کھایا جا سکتا مثلاً چاول یا کوئی اور چیز ہے تو اس کے لئے بقیہ انگلیوں کو ملا سکتے ہیں ہتھیلی کو نہ ملایا جائے۔

انگلیوں کے چاٹنے کے فوائد: اول: کھانے کے بعد انگلیوں کا چاٹنا مسنون ہے اس سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے یہ اعلیٰ فائدہ ہے۔

الثانی: حدیث شریف میں یہ الفاظ آتے ہیں "لا یدری ایتھن البرکۃ" کسی کو کیا معلوم کہ کون سے کھانے میں برکت ہے انگلیوں پر لگے ہوئے کھانے میں یا برتن میں لگے ہوئے کھانے میں اس لئے ساری انگلیوں کو صاف کرلیا جائے جن سے کھانا کھایا ہے۔

الثالث: انگلیوں کے چاٹنے سے کھانے کا ضیاع لازم نہیں آئے گا کہ وہ دھونے سے بہہ جائے گا اور کھانے کے ذرات کی بے حرمتی بھی نہیں ہوگی۔

الرابع: اگلے باب کی روایت میں آرہا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "ولا یدعھا للشیطان" کہ شیطان کے لئے اس لقمہ کو نہ چھوڑے ظاہر ہے جو لقمہ گر گیا یا ہاتھوں کی انگلیوں سے ضائع ہوگیا یا برتن پر لگا ہوا چھوڑ دیا تو وہ شیطان کا حصہ بن گیا۔ لہٰذا "تذلیلاً للشیطان" کھانے کو چھوڑ نہ دے بلکہ انگلیوں یا برتن کو اچھی طرح صاف کرلے۔

الخامس: انگلیوں کے چاٹنے سے ہاتھ صاف ہوجائیں گے اور کپڑے کے ساتھ ہاتھ صاف کرنے سے کپڑا بھی زیادہ ملوث نہیں ہوگا۔

وفی الباب: یہاں سے امام ترمذیؒ اس حدیث کی غرابت کو بیان کررہے ہیں کہ ہم اس کو صرف سہیل ہی کے طریق سے پہنچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے طرق معلوم نہیں۔ لہٰذا یہ حدیث غریب نہ ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللُّقْمَةِ تَسْقُطُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَسَقَطَتْ لُقْمَةٌ فَلْيُمِطْ مَا رَابَهُ مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھا رہا ہو اور اس کا لقمہ گر جائے تو شک ڈالنے والی چیز کو اس سے الگ کر کے اسے کھالے اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں کھانے کا ایک اور ادب بیان کررہے ہیں کہ کھانا کھاتے ہوئے اگر لقمہ گر جائے تو اسے چھوڑ نہیں دینا چاہیے بلکہ اگر وہ دسترخوان پر گرا ہے تو ضرور اٹھالیں اور اگر زمین پر گرا ہے تو اس پر تھوڑی بہت مٹی یا تنکے وغیرہ ہوں اور ان کو دور کرنا ممکن ہو تو صاف کر کے کھالے ورنہ وہ اٹھا کر محفوظ مقام پر رکھ لے تا کہ پاؤں میں آنے سے بچ جائے اور اس کو کوئی جانور بلی، کوا وغیرہ کھالے۔ حاضرین مجلس کو خاطر میں لاتے ہوئے اس سنت کو ترک نہ کریں جیسا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول منقول ہے "أترك سنة حبيبي لهولاء الحمقاء" کہ کیا میں ان نادانوں کی وجہ سے اپنے محبوب کی سنت کو چھوڑ دوں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ روایت میں گرے ہوئے لقمہ کے کھانے کا استحباب ثابت ہورہا ہے اگر وہ لقمہ کسی نجس جگہ پر گرا ہے تو اس کو دھو کر کھالینا چاہیے اگر دھونا مشکل ہو تو پھر اس کو کسی مناسب جگہ کسی جانور یا پرندہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیے تا کہ لقمے کی بے حرمتی نہ ہو۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ

حسن بن علی خلال، عفان بن مسلم، حماد بن سلمہ، ثابت، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ إِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ وَأَمَرَنَا أَنْ نَسْلِتَ الصَّحْفَةَ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھا لیتے تو اپنی تین انگلیوں کو چاٹتے اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پلیٹ کو بھی چاٹ لے کیونکہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے کس کھانے میں برکت ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نَسْلِتَ الصَّحْفَةَ: برتن میں لگے ہوئے کھانے کو انگلیوں وغیرہ سے صاف کرنا۔ صحیفہ اس برتن کو کہا جاتا ہے جس میں ایک شخص کھانا کھائے پھر اس سے بڑا پیالہ جس میں تین آدمی کھانا کھائیں اس کو میکلہ کہتے ہیں اس سے بڑا پیالہ جس میں پانچ آدمی کھانا کھائیں اس کو صحفہ کہا جاتا ہے۔ اس سے بڑا پیالہ جس میں دس افراد کھانا کھائیں اس کو قصعہ کہا جاتا ہے اور اس سے بڑا پیالہ جس میں بیس افراد کھانا کھائیں اس کو جفنہ کہا جاتا ہے۔

فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ: برکت کا لغوی معنی ہے بڑھنا، زیادہ ہونا یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ غذا اور قوت کا حاصل ہونا۔ برکت کا حاصل ہونا۔ پیالوں کو اچھی طرح سے صاف کر دینا تا کہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ کون سے کھانے میں برکت ہے برتن پر لگے ہوئے کھانے میں برکت ہے یا انگلیوں پر لگے ہوئے کھانے میں برکت ہے اس لئے برتن کو صاف کر دینا چاہیے۔ شیطان کے لئے کھانا نہیں چھوڑنا چاہیے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ رَاشِدٍ قَالَ حَدَّثَتْنِي جَدَّتِي أُمُّ عَاصِمٍ وَكَانَتْ أُمَّ وَلَدٍ لِسِنَانِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا نُبَيْشَةُ الْخَيْرِ وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِي قَصْعَةٍ فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ فِي قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ وَقَدْ رَوَى يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ

نصر بن علی جہضمی، معلی بن راشد، حضرت ام عاصم جو سنان بن سلمہ کی ام ولد ہیں فرماتی ہیں کہ نبیشہ خیر ہمارے ہاں داخل ہوئیں تو ہم لوگ ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی پیالے میں کھانا کھانے کے بعد اسے چاٹ لے تو پیالہ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اسے ہم صرف معلی بن راشد کی روایت سے جانتے ہیں یزید بن ہارون اور کئی ائمہ حدیث اسے معلی بن راشد سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ: یہ حقیقت پر محمول ہے جیسا کہ ارشاد ہے "وان من شئ الا یسبح بحمده ولکن لاتفقهون تسبیحهم" علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پیالے کو گویائی عطاء فرما دیتے ہیں اور وہ اس کو صاف کرنے والے کیلئے مغفرت طلب کرتا ہے بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ پیالہ کہتا ہے "اجرك اللّٰه كما اجرتني من الشيطان"۔

بعض حضرات نے کہا کہ پیالہ کا صاف کرنا یہ مغفرت کا ذریعہ ہے اس لئے کہ جو شخص متواضع ہوگا وہ تکبر سے دور ہوگا اور جو تکبر سے دور ہوگا وہ مغفور ہوگا لہذا پیالہ کا صاف کرنا مغفرت کا ذریعہ ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث غریب ہے اسکے غریب ہونے کی وجہ بتائی کہ اس میں صرف ایک طریق معلی بن راشد کا ہے۔

وَقَدْ رَوٰى يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ: یہی روایت یزید بن ہارون کے طریق سے بھی مروی ہے جو کہ معلی بن راشد کے طریق کے علاوہ ہے لہذا اس کو حسن ہونا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مِنْ وَسَطِ الطَّعَامِ

حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ إِنَّمَا يُعْرَفُ مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ

ابو رجاء، جریر، عطاء بن سائب، سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے لہذا کناروں سے کھانا کھاؤ اور بیچ میں سے نہ کھاؤ۔ یہ حدیث حسن ہے اور صرف عطاء بن سائب کی روایت سے معروف ہے شعبہ اور ثوری بھی اسے عطاء بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں اس باب میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: اَلْبَرَكَةُ تَنْزِلُ وَسَطَ الطَّعَامِ: یہاں بھی کھانے کے آداب میں سے ایک ادب کو بیان کر رہے ہیں کہ کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہیے درمیان میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے اس کی وجہ حدیث میں بیان کر دی کہ کھانے کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے اگر درمیان سے کھانا اٹھا کر کھا لیا تو باقی کھانا برکت سے خالی ہو جائے گا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ درمیان پلیٹ میں ہاتھ ڈالنا حرص پر دلالت کرتا ہے اور مؤمن کی صفت حرص نہیں بلکہ کفایت شعاری ہے اور یہ کہ اس رکابی میں دیگر شرکاء گھن محسوس کریں گے اس وجہ سے درمیان میں ہاتھ نہیں گھمانا چاہیے درمیان میں نہ کھانے کی اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں۔ ہاں اگر پلیٹ میں کھانا مختلف انواع کا ہے تو پھر جہاں سے چاہے اٹھا کر کھا سکتا ہے۔ اس پر دلیل حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے لگے تو ان کا ہاتھ رکابی میں گھومنے لگا آپ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اپنے آگے سے کھاؤ۔ پھر جب کھجوروں کا ٹوکرا لایا گیا تو حضرت عکراش رضی اللہ عنہ اپنے سامنے سے کھانے لگے تو آپ ﷺ نے حکم دیا جہاں سے چاہو اٹھا کر کھا سکتے ہو۔

یہی حکم چپاتی کا بھی ہے کہ اس کو کناروں سے چھوڑ دیا جائے اور درمیان سے کھایا جائے یہ درست نہیں۔ ہاں اگر کنارے کچے ہوں تو ان کو نہ کھایا جائے۔ اگر ایک روٹی میں شرکاء زیادہ ہوں تو پھر روٹی کو تقسیم کرنے کے لئے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں تاکہ ایک شخص اس پر قابض ہو کر نہ بیٹھ جائے۔ حدیث کی سند میں ابو رجاء سے مراد قتیبہ بن سعید ہے اور جریر سے مراد جریر بن عبد الحمید کوفی ہیں جریر بن حازم مراد نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الثُّومِ وَالْبَصَلِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ حَدَّثَنَا عَطَاءٌ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الثُّومِ ثُمَّ قَالَ الثُّومِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ فَلَا يَقْرَبْنَا فِي مَسَاجِدِنَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَقُرَّةَ وَابْنِ عُمَرَ

اسحاق بن منصور، یحییٰ بن سعید، ابن جریج، عطاء، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے لہسن کھایا (پہلی مرتبہ راوی نے صرف لہسن کا اور دوسری مرتبہ لہسن اور پیاز اور گندنے کا ذکر کیا) وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت عمر، ابوایوب، ابوہریرہ، ابوسعید، جابر بن سمرہ، قرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: الثُّومِ: لہسن۔ وَالْبَصَلِ: پختہ پیاز، گندنا کچا پیاز جس کی کونپلیں نکلی ہوئی ہوں۔ ملاحظہ کریں قاموس المصور۔

مسئلہ: لہسن، پیاز وغیرہ کھانے کا شرعی حکم: اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں۔

قول اول: جمہور اہل علم کے نزدیک لہسن، پیاز اور اس جیسی بدبودار اشیاء کچی کھا کر مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے اور ان اشیاء کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ **قول ثانی:** اہل ظواہر کے نزدیک ان جیسی سبزیوں کا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''فلا یقربنا فی مسجدنا''۔

دلیل ثانی: اسی طرح بخاری و مسلم شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں ''ولا یصلین معنا''۔

دلیل ثالث: مسلم شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ''فلا یاتین المساجد''۔ ان تینوں دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت فرض عین ہے اور جو چیز فرض عین کے ترک کا ذریعہ ہو وہ یقیناً واجب الترک اور حرام ہوگی۔ مشترکہ جوابات ملاحظہ ہوں۔

جواب اول: اہل ظواہر کی ان پیش کردہ روایات سے ہی ان اشیاء کے کھانے کا جواز معلوم ہو رہا ہے کیونکہ حدیث میں ہے ''من اکل من ھذہ''۔ اس جملہ سے اکل ثابت ہو رہا ہے عدم اکل ثابت نہیں ہو رہا۔

جواب ثانی: اصل ممانعت کا تعلق بنی آدم اور ملائکہ کو اذیت دینا ہے جو اجتماعی صورت میں پائی جاتی ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: اگلے باب کی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے ''قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی بطعام اکل منہ وبعث بفضلہ الیّ وانہ بعث الی یومًا بفضلہ لم یأکل منہا لان فیہا ثومًا فسالتہ احرام ھو قال لا ولکنی اکرھہ من اجل ریحہ قال فانی اکرہ ما کرھت''۔ (مسلم ۲ ص ۱۹۱) یہی روایت امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے۔

دلیل ثانی: اسی طرح بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا ''کل فانی اناجی من لا

تناجی ''یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو کھاؤ میں تو اس لئے نہیں کھاتا کہ میں ایسی مخلوق کے ساتھ بات کرتا ہوں جس سے تم بات نہیں کرتے کہ اس کی بو سے فرشتوں کو تکلیف ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ لہسن، پیاز وغیرہ کھانا مکروہ تحریمی نہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کو کھانے کا حکم نہ کرتے۔

دلیل ثالث: آگے باب الرخصۃ میں روایت ہے ''عن علی انّہ قال نھی عن اکل الثوم الا مطبوخا''۔

دلیل رابع: باب الرخصة میں ابی العالیہ سے روایت آگے آرہی ہے ''قال الثوم من طیبات الرزق'' کہ لہسن طیبات الرزق میں سے ہے۔

دلیل خامس: ابوداود شریف میں ہے ''معاویة بن قرة عن ابیه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نھی عن ھاتین الشجرتین وقال من اکلھا فلا یقربنّ مسجدنا وقال ان کنتم لا بُدًّا اٰکلیھما فا میتوھا طبخا قال یعنی البصل و الثوم'' (ابوداود ۲ ص ۱۸۰)

دلیل سادس: ''عن شریك عن علی قال نھی عن اکل الثوم الا مطبوخا قال ابو داود شریك بن حنبل'' (ایضا)

حضرات علماء نے لہسن اور پیاز کے ساتھ ہر اس چیز کا حکم نکالا ہے جس کے کھانے کے بعد منہ میں بدبو پیدا ہو اسی طرح حضرات علماء نے فرمایا سگریٹ، پان وغیرہ بھی اسی حکم میں داخل ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِيْ أَكْلِ الثُّوْمِ مَطْبُوْخًا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُوْلُ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي أَيُّوبَ وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ بِفَضْلِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمًا بِطَعَامٍ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَتَى أَبُو أَيُّوبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ الثُّوْمُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيْحِهِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، سماک بن حرب، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ابوایوبؓ کے ہاں ٹھہرے تو جب کھانا کھاتے جو بچ جاتا اسے ابوایوبؓ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ ایک مرتبہ آپ نے انہیں کھانا بھیجا جس میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کھایا تھا پس جب ابوایوبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں لہسن ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں لیکن میں اس کی بو کی وجہ سے اسے مکروہ سمجھتا ہوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں لہسن کی حلت معلوم ہو رہی ہے اور صراحۃً اس کی عدم حرمت معلوم ہوئی کیونکہ حضرت ابوایوب

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایسا کھانا پیش کیا جس کولہسن ڈال کر پکایا گیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے کو حضرت ابوایوب انصاری ؓ اور ان کے اہل وعیال کے کھانے کے لئے واپس کر دیا اور پوچھا گیا تو جواب دیا کہ وہ حرام نہیں ہے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بو کی وجہ سے نہ کھانے کا عذر فرما دیا۔ اگر ایسا کھانا مکروہ تحریمی ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب وان کے اہل وعیال کو بھی کھانے سے منع کر دیتے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوَيْهِ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا الْجَرَّاحُ بْنُ مَلِيحٍ وَالِدُ وَكِيعٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ شَرِيكِ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ نُهِيَ عَنْ أَكْلِ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوخًا

محمد بن مدویہ، مسدد، جراح بن ملیح، ابواسحاق، شریک بن حنبل، حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ کچا لہسن کھانے سے منع کیا گیا مگر یہ کہ پکا ہوا ہو۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ لہسن کا کھانا منع ہے مگر یہ کہ پکا ہوا ہو۔

تشریح: نُهِيَ عَنْ أَكْلِ الثُّومِ: یعنی بعض حضرات نے ''نهى عن اكل الثوم'' کو حضرت علی ؓ کا قول قرار دیا ہے لہٰذا یہ حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں ہے لیکن صحابی کا غیر مدرک بالرائی حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اگرچہ فن حدیث کے لحاظ سے یہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ شَرِيكِ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَا يَصْلُحُ أَكْلُ الثُّومِ إِلَّا مَطْبُوخًا هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ الْقَوِيِّ وَرُوِيَ عَنْ شَرِيكِ بْنِ حَنْبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

ہم سے روایت کی ہناد نے انہوں نے وکیع سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابی اسحاق سے انہوں نے شریک بن حنبل سے انہوں نے علی سے انہوں نے فرمایا لہسن کھانا درست نہیں مگر پکا کر۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔ شریک بن حنبل اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ أُمَّ أَيُّوبَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَلَيْهِمْ فَتَكَلَّفُوا لَهُ طَعَامًا فِيهِ مِنْ بَعْضِ هٰذِهِ الْبُقُولِ فَكَرِهَ أَكْلَهُ فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوهُ فَإِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُوذِيَ صَاحِبِي قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَأُمُّ أَيُّوبَ هِيَ امْرَأَةُ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ

حضرت ام ایوب ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو ان لوگوں نے (یعنی ہجرت کے موقع پر) آپ کے لئے بعض سبزیوں سے کھانا تیار کیا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا تم لوگ اسے کھا لو کیونکہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے میرے ساتھی (فرشتے) کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ام ایوب ؓ، حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی بیوی ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ أَبِي خَلْدَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ الثُّومُ مِنْ

محمد بن حمید، یزید بن حباب سے وہ ابوخلدہ سے اور وہ ابوالعالیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا لہسن بھی

طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ وَأَبُو خَلْدَةَ اسْمُهُ خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَقَدْ أَدْرَكَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَسَمِعَ مِنْهُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ اسْمُهُ رُفَيْعٌ هُوَ الرِّيَاحِيُّ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ كَانَ أَبُو خَلْدَةَ خِيَارًا مُسْلِمًا

ایک پاکیزہ رزق ہے۔ ابوخلدہ کا نام خالد بن دینار ہے یہ ثقہ ہیں ان کی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہے اور ان سے احادیث بھی سنی ہیں۔ ابوالعالیہ کا نام رفیع ہے وہی ریاحی ہیں عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں کہ ابوخلدہ بہترین مسلمان تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْمِيرِ الْإِنَاءِ وَإِطْفَاءِ السِّرَاجِ وَالنَّارِ عِنْدَ الْمَنَامِ

تخمیر الاناء: بمعنی ڈھانپنا اس کے ساتھ دوسرا لفظ ''أكفئو الاناء'' بھی مستعمل ہے اوندھا کرنا۔

اطفاء السراج: چراغ گل کرنا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغْلِقُوا الْبَابَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ وَأَكْفِئُوا الْإِنَاءَ أَوْ خَمِّرُوا الْإِنَاءَ وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غَلَقًا وَلَا يُحِلُّ وِكَاءً وَلَا يَكْشِفُ آنِيَةً وَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلَى النَّاسِ بَيْتَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ

قتیبہ، مالک بن انس، ابی زبیر، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (سوتے وقت) دروازے بند کردو، برتن اوندھے کردیا کرو یا ڈھانپ دو اور چراغ بجھا دو۔ کیونکہ شیطان بند دروازوں کو نہیں کھولتا مشکیزے کی رسی نہیں کھولتا اور برتن کو ننگا نہیں کرتا۔ نیز چھوٹا فاسق (چوہا) لوگوں کے گھروں کو جلا دیتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت جابرؓ سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں چند آداب کا بیان ہے۔

أَغْلِقُوا الْبَابَ: پہلا ادب یہ ہے کہ سوتے وقت دروازہ بند کرو ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس حکم میں دینی اور دنیاوی مصالح ہیں۔ اہل شر وفساد لوگوں سے اور شیطان سے جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے کیونکہ شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا۔

عبدالملک فرماتے ہیں کہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ شیطان سے مراد شیطان انس ہے دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جنس شیطان مراد ہے یہ حکم دن اور رات دونوں کو شامل ہے کہ جب بھی گھر والے سوئیں تو دروازے کو بند کردیں یا کسی اور کام میں مشغول ہوں جس سے گھر کے سامان میں بے توجہی اور غفلت آجائے تو ایسے موقع پر دروازہ بند کردیں۔

وَأَوْكُوا السِّقَاءَ: پانی کی مشک کا منہ ڈوری سے باندھو لو مشک کا منہ باندھنے اور برتن کو اوندھے کرنے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ قعقاع بن حکیم، جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ۔ پورے سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں آسمان سے بلاء نازل ہوتی ہے

اور کھلے ہوئے برتنوں اور مشکیزوں میں وہ بلاء داخل ہو جاتی ہے اس لئے اس برتن کے منہ کو بند یا برتن کو اوندھا کر دیا جائے تو اس بلاء سے حفاظت ہو جائے گی۔ برتن کو ڈھانپنے یا اوندھے کرنے کے اور بہت سے فوائد بھی ہیں۔

وَأَطْفِئُوا الْمِصْبَاحَ: جب سونے لگو تو چراغ بجھا دو۔ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے فرمایا کہ بعض مرتبہ آگ سے نقصان پہنچ سکتا ہے خود چراغ بھی الٹا ہو سکتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ بسا اوقات چوہیا بھی بتی کھینچ کر لے جاتی ہے اور کپڑوں پر ڈال دیتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی کا ایک کونہ جل گیا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سوتے وقت اپنے گھروں میں جلتی ہوئی آگ نہ چھوڑو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: لَا تَتْرُكُوا النَّارَ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اپنے حکم کے لحاظ سے عام ہے اور یہ ہر آگ کو شامل ہے جو غیر محفوظ ہو خواہ چراغ کی آگ ہو یا چولہے وغیرہ کی اور وہ آگ جو محفوظ ہو مثلاً قندیل میں روشن ہو ان سے کوئی خطرہ نہیں اس طرح موجودہ دور میں ٹیوب لائٹ یا زیرو بلب جلتا رہے تو نقصان نہیں ہاں اگر جلنے سے کسی کو تکلیف پہنچے تو پھر لائٹ بجھا دینی چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْقِرَانِ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَعُبَيْدُ اللَّهِ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَبَلَةَ بْنِ سُحَيْمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْرِنَ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابو احمد زبیری، عبید اللہ، ثوری، جبلہ بن سحیم، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر دو کھجوروں کو ملا کر کھانے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابوبکرؓ کے مولیٰ سعد بھی حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قِرَان: بمعنی ملانا۔ آپ ﷺ اس حدیث الباب میں ایک خاص ادب کو بیان کر رہے ہیں کہ جب چند آدمی مل کر کوئی چیز کھا رہے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کے لئے مناسب نہیں کہ وہ دو دو عدد ایک ساتھ اکٹھے اٹھا کر کھائے۔ کھجوروں یا اس جیسی چیز کو ملا کر کھانے میں کچھ تفصیل ہے۔

اول: اس کی ایک صورت یہ ہے کہ چند آدمی مل کر کھائیں اور کھجوریں بھی مشترک ہوں کہ سب نے برابر برابر پیسے ملا کر خریدیں اور وہ سب اکٹھے کھا رہے ہیں تو اس صورت میں یہ حکم ہے کہ دیگر شرکاء کی اجازت کے ساتھ خواہ وہ اجازت صراحۃً ہو یا اشارۃً ہو دو دو ملا کر کھانا جائز ہے وجہ یہ ہے کہ اگر بلا اجازت دو دو ملا کر کھائے گا تو دوسروں کا حق سمیٹنے والا ہوگا اور ایسا کرنا فعل قبیح ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ دو دو ملا کر کھانے میں حرص ہے اور حرص بُری عادات میں سے ہے اس لئے دو دو ملا کر کھانے سے منع فرمایا۔

ثانی: دوسری صورت یہ ہے کہ کھجوریں اس کی ذاتی ہیں اور خود اکیلے بیٹھ کر کھا رہا ہے اس صورت میں جس طرح وہ چاہے کھا سکتا ہے کیونکہ اس میں نہ تو حرص ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کی حق تلفی ہو رہی ہے۔

ثالث: تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی کسی کے پاس مہمان ہو اور میزبان نے کھجوروں کا ٹوکرا رکھ دیا اب چند افراد مل کر کھا رہے ہیں تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح دو دو ملا کر کھانا مروت و آداب کے خلاف ہے کیونکہ میزبان کی طرف سے ہر مہمان کو سیر ہو کر کھانے کی اجازت ہے اس میں کسی کی حق تلفی نہیں البتہ بے مروتی سی ہے۔

اب یہ مسئلہ باقی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے۔

امام محمدؒ اس حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور اس پر ناسخ مسند بزار کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**کنت نهيتكم عن القران و ان الله وسع عليكم فاقرنوا**" کہ میں نے تمہیں کھجوریں دو دو کر کے کھانے سے منع کیا تھا یقیناً اب اللہ تعالیٰ نے تم پر فراخی کر دی ہے اب دو دو ملا کر کھا سکتے ہو۔ اس حدیث سے نہی کی ایک اور علت معلوم ہوگئی اور وہ قلت طعام ہے لیکن جب وسعت آگئی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی لیکن یہ اجازت مطلقاً نہیں ہوگی بلکہ مشترکہ کھانے کی صورت پر محمول ہوگی جبکہ بدگمانی نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِحْبَابِ التَّمْرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ وَفِي الْبَاب عَنْ سَلْمَى امْرَأَةِ أَبِي رَافِعٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

محمد بن سہل بن عسکر، عبداللہ بن عبدالرحمن، یحیٰی بن حسان، سلیمان بن بلال، ہشام بن عروہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ گھر جس میں کھجور نہ ہو اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ اس باب میں ابو رافع کی بیوی سلمٰی سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے ہم اسے ہشام بن عروہ کی روایت سے اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: بَيْتٌ لَا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ: اس جملہ کی وضاحت میں ائمہ نے مختلف تفسیریں کی ہیں۔

اول: یہ جملہ ان علاقوں کے لئے ہے جہاں کھجور بکثرت استعمال ہوتی ہے ان لوگوں کا گزر بسر ان کی آمدنی اسی پر ہے تو اس علاقے میں جن لوگوں کے پاس کھجور نہ ہو گویا وہ محروم ہیں اور ان کے گھر اگر اس سے خالی ہوں تو یقیناً بھوکے ہوئے کیونکہ جب اپنی ہی پیداوار اپنے گھر میں موجود نہ ہو تو گویا وہ بھوکے ہی ہوئے۔

الثانی: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت میں قناعت اور صبر کی تلقین ہے کہ گھر میں کھجور کا ہونا کافی ہے اس پر قناعت کریں ہاں کھجور نہ ہو تو پھر کہہ سکتے ہیں کہ بھوکے ہیں۔

الثالث: بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس حدیث میں کھجور کی فضیلت کا بیان ہے کہ گھر میں کھجور ہونی چاہیے لہٰذا جس گھر میں کھجور نہیں وہ گھر والے بھوکے ہیں۔ بذل المجھود میں ہے کہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی پیداوار کا حکم بھی یہی ہے کہ وہ پیداوار ان کے پاس موجود ہو جو ان کے ہاں کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تمر کی فضیلت اور گھر والوں کیلئے اس کا ذخیرہ کرنا اور زہد و قناعت کی تعلیم معلوم ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فَرَغَ مِنْهُ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا وَفِي الْبَاب عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ نَحْوَهُ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ

ہناد، محمود بن غیلان، ابو اسامہ، زکریا، ابن ابوزائدہ، سعید بن ابو بردہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو ایک لقمہ کھانے یا ایک گھونٹ پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرے۔ اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر، ابوسعید، عائشہ، ابوایوب، اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے کئی راوی اسے زکریا بن ابی زائدہ سے اس طرح نقل کرتے ہیں ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: **الْأَكْلَةَ:** ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ مرّۃ کے معنی میں آتا ہے یعنی ایک مرتبہ سیر ہو کر کھانا **الشربة:** ایک مرتبہ سیراب ہو کر پینا۔ اس صورت میں اس روایت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتے ہیں جو ایک مرتبہ سیر ہو کر کھانا کھالے اور ایک بار سیر ہو کر پانی پی لے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے۔

الْأُكْلَةَ او يَشْرَبَ: میں ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتے ہیں جو ایک لقمہ کھالے اور ایک گھونٹ پی لے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے مطلب یہ کہ ہر لقمہ اور ہر گھونٹ کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرے یہ دوسری صورت زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

علامہ ابن بطالؒ اور امام نوویؒ کے ہاں کھانا کھانے اور پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا بالاجماع مستحب ہے۔

سوال: کھانے اور پینے کے بعد تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے جبکہ یہاں حمد کا ذکر ہے۔

جواب: حمد رأس الشکر ہے جیسا کہ ایک حدیث ہے ''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحمد رأس الشکر ما شکر اللہ من لم یحمدہ'' (بغوی) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر کی ادائیگی کے لئے الفاظ حمد سب الفاظ سے بڑھ کر ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس نے حمد نہیں کی اس نے گویا شکر ادا نہیں کیا۔

کھانے کے بعد مختلف دعاؤں کی ادائیگی: احادیث میں مختلف قسم کے اوراد کا ذکر کیا گیا ہے۔

''الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین'' (ابوداود عن ابی سعید الخدری، ترمذی ۲ ص ۱۸۴ ابواب الدعوات)

''الحمد للہ حمدا کثیرًا طیبًا مبارکا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عند ربنا''۔ (بخاری، (ترمذی ۲ ص ۱۸۴ ابوب الدعوات)

''الحمدللہ الذی کفانا وارونا غیر مکفی ولا کفور''۔ (بخاری)

''الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوغہ وجعل لہ مخرجًا''۔ (ابوداود)

''اللھم اطعمت وسقیت واغنیت وافنیت وھدیت واحییت فلک الحمد علی ما اعطیت'' (نسائی)

''الحمد للہ الذی اطعمنی ھذا ورزقنیہ من غیر حول ولا قوۃ''۔ (ترمذی ۲ ص ۱۸۴ ابواب الدعوات)

ان تمام دعاؤں میں سے کوئی بھی دعا پڑھ لی جائے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ کسی ایک کے پڑھ لینے سے دوسری کے ترک کرنے کا اعتراض لازم نہیں آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَجْذُومِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَا حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُومٍ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ ثُمَّ قَالَ كُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ فَضَالَةَ وَالْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ هٰذَا شَيْخٌ بَصْرِيٌّ وَالْمُفَضَّلُ بْنُ فَضَالَةَ شَيْخٌ آخَرُ مِصْرِيٌّ أَوْثَقُ مِنْ هٰذَا وَأَشْهَرُ رَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ حَبِيبِ

احمد بن سعید اسقر، ابراہیم بن یعقوب، یونس بن محمد، مفضل بن فضالہ، حبیب بن شہید، محمد بن منکدر، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کوڑھی کو ہاتھ سے پکڑا اور اپنے ساتھ پیالے میں شریک طعام کر لیا پھر فرمایا اللہ کے نام کے ساتھ اس پر بھروسہ اور توکل کر کے کھاؤ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے یونس بن محمد کی مفضل بن فضالہ سے نقل کردہ حدیث سے جانتے ہیں اور یہ مفضل بن فضالہ بصری ہیں جب کہ ایک مفضل بن فضالہ دوسرے شخص ہیں وہ ان سے زیادہ ثقہ اور مشہور ہیں شعبہ یہ حدیث حبیب بن شہید سے اور وہ ابن بریدہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک

بْنِ الشَّهِيدِ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ أَنَّ عُمَرَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُومٍ وَحَدِيثُ شُعْبَةَ أَشْبَهُ عِنْدِي وَأَصَحُّ کوڑھ کے مریض کا ہاتھ پکڑا میرے نزدیک شعبہ کی حدیث اشبہ اور زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ یہ باب قائم کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مریض سے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ مواسات اور خیر خواہی والا معاملہ کیا جائے۔ جیسا کہ ایک شخص معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی کو کوڑھ کا مرض لاحق تھا وہ آپ ﷺ کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔

كُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ: سوال: اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مجذوم کو تلقین کر رہے ہیں کہ اللہ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ خوف نہ کرو۔ حالانکہ توکل و بھروسہ کی تلقین اس شخص کے لئے ہونی چاہیے جو مجذوم کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو نہ کہ مجذوم کو۔

جواب: کبھی بھی مرض میں مبتلا شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا مرض اس کے بیوی بچوں کو لگے اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجذوم کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ کھانے کے لئے کہا تو اس کو خوف ہوا کہ کہیں میرا مرض آپ ﷺ کو نہ لگ جائے ورنہ لوگ مجھے برا بھلا کہیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کل بسم اللّٰہ“ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تعدیہ مرض کا عقیدہ چھوڑ دو۔

ترکیب: (۱) ”کُلْ“ فعل امر ضمیر ”انت“ ذوالحال بسم اللّٰہ، جار مجرور متعلق فعل کے ”ثقةً باللّٰه و توكلاً عليه“ یہ دونوں حال ہوں گے۔ اس صورت میں سوال وارد ہوگا جس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔

(۲) ”ثقةً باللّٰه“ مصدر ہو بمعنی وثوق کے اور فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو عبارت یوں ہوگی ”ای کل معی أثق باللّٰه ای اعتمد علیه، وافوض امری الیه، وأتوكل علیه“ یعنی میرے ساتھ کھا، میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں، اور اپنا معاملہ اسی کو سونپتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں اس ترکیب کی صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

حدیث الباب میں ایک مشہور اشکال وارد ہوتا ہے۔

اشکال: اس روایت میں مجذوم کے ساتھ کھانے کا ثبوت معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی اس کا ثبوت چند احادیث سے ہوتا ہے۔

”عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا عدوی ولا هامة ولا نوء ولا صفر“

”عن سعد بن مالك ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقول لا هامة ولا عدوی ولا طیرة وان یکن الطیرة فی شی ففی الفرس والمرأة والدّار“۔

عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا عدوی ولا صفر ولا هامة فقال أعرابی مابال الابل تکون فی الرمل کانها الظباء فیخالطها البعیر الاجرب فیجربها قال فمن اعدی الاول۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بیمار سے نفرت نہ کی جائے بلکہ مریض کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا جائے جبکہ بعض

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فر من المجذوم کما تفر من الاسد" (بخاری) کہ مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگا جاتا ہے اسی طرح سنن ابن ماجہ کتاب الطب میں "لا تديمو النظر الى المجذومين" کہ جذام والے پر زیادہ دیر نظر مت لگاؤ اسی طرح طاعون کے بارے میں آتا ہے کہ جب تم سنو کہ کسی زمین پر طاعون آیا ہے تو وہاں نہ جاؤ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری متعدی ہوتی ہے۔ اس طرح روایات میں تعارض آ گیا۔

جواب اول: بعض سلف صالحین نے فرمایا کہ مجذوم سے بچنے کا حکم منسوخ ہے ابتداءً یہ حکم تھا بعد میں "اكل مع المجزوم" سے منسوخ ہو گیا۔ مجذوم سے بچنے کا حکم لا عدوی سے منسوخ ہے۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے ان میں تطبیق یہ دی ہے کہ اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل ہو تو ایسے شخص کیلئے یہ گنجائش ہے کہ وہ مجذوم کے ساتھ کھالے اور اگر کمزور ایمان والا ہو تو مجذوم کے ساتھ کھانے سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے کیونکہ بسا اوقات من جانب اللہ مرض کا فیصلہ ہو جاتا ہے اگر مرض لگ گیا تو اسکے اعتقاد بگڑنے کا خطرہ ہے اس لئے بہتر ہے کہ مجذوم سے اجتناب کیا جائے۔

جواب ثالث: جن احادیث میں احتیاط اور بچنے کا حکم ہے وہ استحباب پر محمول ہیں اور جن روایات میں نفی ہے یا آپ ﷺ کا مجذوم کے ساتھ کھانے کا ذکر ہے وہ بیان جواز پر محمول ہے۔

جواب رابع: زمانہ جاہلیت میں یہ اعتقاد جڑ پکڑ گیا تھا کہ جذام اور اس کے علاوہ بیماریوں میں یقینی تعدی ہے اور یہ ایک دوسرے کو لگ جاتی ہیں یہ ان کی ذاتی تاثیر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا عدوی" فرما کر اس باطل نظریہ اور خیالات کی اصلاح فرمائی کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

جواب خامس: ابن قتیبہ نے اس کا جواب دیا کہ یہاں مجذوم سے مخالطت سے منع کیا گیا ہے کہ اسکی رائحہ کریہہ آتی ہے اور اطباء بھی اس کا حکم دیتے ہیں مخالطت سے منع کرنا حکمت کے طور پر ہے نہ کہ عدوی کے طور پر، بل على طريق التاثر بالرائحة۔

جواب سابع: "لا عدوى اصلا و رأسا والا مر بالفرار سدًا للذريعة" عدوی اصلاً نہیں اور "امر بالفرار" یہ سدّ اللذ رائع کی وجہ سے اور امت پر شفقت کی وجہ سے فرمایا۔

مزید تفصیل کے لئے اوجز المسالک جلد ۶ ص ۳۲۰ کا مطالعہ کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ وَأَبِي مُوسَى وَجَهْجَاهٍ الْغِفَارِيِّ وَمَيْمُونَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، عبید اللہ، نافع، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کافر سات آنتوں میں اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوسعید، ابونضرہ، ابوموسی، جہجاہ غفاری، میمونہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: **اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ:** مسلمان اور کافر کی تو آنتیں برابر ہوتی ہیں مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے اس کی شارحین نے مختلف شروحات کی ہیں۔

اول: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان صرف اپنے آپ کو زندہ رکھنے کیلئے کھاتا ہے اور مسلمان کھانے پر حریص نہیں ہوتا اس لئے مسلمان کے کھانے میں برکت دی جاتی ہے اس لئے اس کیلئے تھوڑا سا کھانا کافی ہوجاتا ہے برخلاف کافر کے کہ اس کی طمع کھانے پر ہی ہوتی ہے اس لئے وہ جانوروں کی طرح بہت حریص ولالچی ہوتا ہے۔

ثانی: حدیث میں حقیقۃً آنتیں اور کھانا مراد نہیں بلکہ دنیا اور اسکی لذتوں کی قلت وکثرت مراد ہے گویا دنیا کو اکل اور اسکے اسباب کو امعاء سے تعبیر کیا اسکا مقصد یہ ہے کہ مومن دنیاوی لذتوں کا زیادہ شائق نہیں ہوتا جیسا کہ کافر عیش پرست اور لذت پرست ہوتا ہے۔

ثالث: مومن کھانے کے شروع میں "بسم اللہ" پڑھتا ہے اسلئے شیطان مومن کے کھانے میں شریک نہیں ہوتا جبکہ کافر "بسم اللہ" نہیں پڑھتا اس لئے شیطان اس کے کھانے میں شریک ہوجاتا ہے اسی بناء پر مومن کو تھوڑا کھانا کافی ہوجاتا ہے اور کافر کو تھوڑا کافی نہیں ہوتا۔

رابع: مومن رزق حلال کھاتا ہے جو نسبۃً کم ہوتا ہے اور کافر حرام کھاتا ہے جس کے ذرائع کثیر ہوتے ہیں گویا قلتِ حلال اور کثرت حرام کو ایک آنت اور سات آنتوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خامس: سبعۃ امعاء سے مراد سات اخلاق ذمیمہ ہیں یعنی حرص، شر، طول امل، طمع، سوء الطبع، حسد، سمن، کافر مذکورا اخلاق ذمیمہ کی وجہ سے زیادہ کھاتا ہے جبکہ مومن ایمانی تقاضا کی وجہ سے کم کھاتا ہے۔

سادس: امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ کھانے کی خواہشات اور شہوات سات ہیں۔ شہوۃ الطبع، شہوۃ النفس، شہوۃ العین، شہوۃ الفم، شہوۃ الاذن، شہوۃ الانف، شہوۃ الجوع۔ یہ آخری خواہش انسانی ضرورت کی بناء پر ہے مومن صرف اسی ایک خواہش کو مدنظر رکھ کر کھاتا ہے جبکہ کافر باقی خواہشات کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں یہی ایک آنت اور سات آنتیں مراد ہیں۔

سابع: یہاں مومن کو تنبیہ کرنا ہے کہ ہمیشہ صبر وقناعت، زہد وریاضت پر عمل کرتے ہوئے صرف سد جوع پر اکتفاء کرکے معدہ خالی رکھے تاکہ قلب میں نورانیت پیدا ہو۔

ثامن: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ جملہ ایک خاص کافر کے بارے میں تھا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔ (مرقاۃ، التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۴۶۴)

تاسع: روایت میں مسلم سے مراد کامل اسلام والا مسلم ہے کیونکہ جس کا ایمان واسلام مکمل ہوگا وہ یقیناً موت اور بعد الموت کی طرف مائل ہوگا اور ہر وقت فکر میں لگا رہے گا تو لامحالہ ایسے مسلمان کا کھانا کم ہوگا۔

عاشر: حافظ ابن العربی کہتے ہیں کہ سات انتڑیاں کنایہ ہیں حواس خمسہ، شہوت، حاجت سے، کافران ساتوں کے پیش نظر کھاتا ہے اور مؤمن صرف حاجت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھاتا ہے۔

سوال: بسا اوقات یہ بات مشاہدہ کے خلاف بھی ہوتی ہے کہ مؤمن زیادہ کھاتا ہے اور کافر کم۔

جواب اوّل: اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کافر زیادہ کھاتا ہے اور ہر وقت اسے کھانے کی فکر لگی رہتی ہے اس لئے ایسا کہا گیا۔

جواب ثانی: اگر بالفرض والمحال ایسا ہوجائے تو یہ قلیل اور نادر ہے اور قاعدہ ہے القلیل کالمعدوم۔

زیادہ کھانے والا شخص کون تھا: اکثر شراح حدیث کے نزدیک یہ جہجاء غفاری تھا ابن اسحاق نے سیرت میں "ثمامہ بن اثال" کا ذکر کیا ہے۔ ابن بطال وغیرہ نے ثمامہ بن اسحاق الحنفی کا قصہ بیان کیا ہے۔ طبرانی نے بسند جید ابن عمرو سے روایت ذکر کی تو اس روایت میں ابوغزوان کا نام مذکور ہے۔ (۲) یہ سارا قصہ سب کا ایک ہی ہے یا ہوسکتا ہے کہ واقعات متعدد ہوں بعض نے جواب دیا کہ ممکن ہے بعض محدثین نے نام ذکر کیا اور بعض نے کنیت اور بعض نے لقب ذکر کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

(۱) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ابوبصرہ غفاری ہے اور بعض نے کہا کہ بصرۃ ابن ابی بصرۃ الغفاری کا واقعہ ذکر کیا۔

سات آنتوں کے نام: (۱) معدہ، پھر تین باریک آنتیں جو معدے کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ (۲) البواب (۳) الصائم (۴) الرقیق پھر اس کے بعد تین موٹی اور سخت ہیں (۵) الاعور (۶) القولون (۷) المستقیم۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهُ ضَيْفٌ كَافِرٌ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ أَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

اسحاق بن موسیٰ معن، مالک، سہیل، بن ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں مہمان بن کر آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے ایک بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا دودھ نکالا گیا اور وہ پی گیا پھر دوسری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا پس دودھ نکالا گیا اور وہ پی گیا پھر ایک اور بکری کا دودھ نکالا گیا وہ بھی اسے پی گیا یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ دوسرے روز وہ اسلام لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے دودھ دوہنے کا حکم دیا اس نے اس بکری کا دودھ پی لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری کا بکری کا دودھ نکالنے کا حکم دیا لیکن وہ اسے پورا نہ پی سکا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي طَعَامِ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ

انصاری، معن، مالک، قتیبہ، مالک، ابوزناد، اعرج، حضرت ابوہریرہؓ روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لئے، تین کا چار آدمیوں کے لئے کافی ہے۔ اس باب میں حضرت

وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مہلب کہتے ہیں اس قسم کی احادیث سے مقصود مکارم اخلاق کی تعلیم وترغیب ہے کفایت شعاری اور قناعت کی تعلیم دینا ہے یعنی دوسرے کے نفع کو اپنے نفع سے مقدم رکھنا ایثار ہے جس کا ذکر سورۃ الحشر میں ہے ''ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصة''۔ جب دو آدمی کھانا کھا رہے ہوں تو تیسرے شخص کو شامل کر لینا چاہیے بلکہ جتنا ہو سکے وسعت سے کام لیں اور زائد کو بھی شامل کر لیں ہر ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح کھائیں کہ ہر آدمی یہ سوچے کہ میرا بھائی مجھ سے زائد کھا لے تو اس صورت میں تھوڑا کھانا زائد آدمیوں کو کافی ہو جائے گا۔

وَرَوٰى جَابِرٌ وَابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے چار کا آٹھ کے لئے کافی ہے۔ محمد بن بشار یہ حدیث عبدالرحمن بن مہدی سے وہ سفیان سے وہ اعمش سے وہ ابوسفیان سے وہ جابر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: حدیث الباب میں بھی وہی تاویل کی جائے گی جو تاویل ماقبل والی حدیث میں کی گئی تھی لیکن دونوں حدیثوں میں تھوڑا سا فرق کیا گیا ہے کہ ماقبل والی حدیث میں ثلث وربع کے حساب سے فرمایا گیا ہے کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا کھانا تین کو کافی ہو جائے گا لیکن اس حدیث میں دگنے کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا کھانا چار کو کافی ہو جاتا ہے یہ اختلاف اشخاص واحوال کے تفاوت کے سبب سے ہے کہ جس طرح جذبہ قناعت اور ایثار کی صورت میں دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کیلئے کافی ہو جاتا ہے اسی طرح بعض حالات اور بعض آدمیوں میں وہی جذبہ قناعت وایثار کچھ اور بڑھ جاتا ہے کہ دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کیلئے کافی ہو جاتا ہے نیز اس حدیث سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ ''ید اللہ علی الجماعة'' کے پیش نظر کھانا مجتمع ہو کر کھانا چاہیے کیونکہ جماعت میں برکت ہے اسی وجہ سے رسول کریم ﷺ کا دائمی معمول جماعت کے ساتھ کھانا کھانے کا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْجَرَادِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ الْعَبْدِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ هٰكَذَا رَوٰى

احمد بن منیع، سفیان، ابویعفور عبدی، حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے ٹڈی کے کھانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ غزوات میں شرکت کی اس دوران ہم ٹڈیاں کھاتے تھے۔

سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ سِتَّ غَزَوَاتٍ وَرَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو يَعْفُورَ اسْمُهُ وَاقِدٌ وَيُقَالُ وَقْدَانُ أَيْضًا وَأَبُو يَعْفُورَ الْآخَرُ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ نِسْطَاسٍ

سفیان بن عیینہ،ابویعفور سے یہی حدیث نقل کرتے ہوئے چھ غزوات بیان کرتے ہیں۔سفیان ثوریؒ کی دوسری روایت میں یہ ابویعفور ہی سے نقل کیا ہے اور کہا کہ سات غزوات ہیں۔اس باب میں حضرت ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے ابویعفور کا نام واقد ہے انہیں وقدان بھی کہتے ہیں جبکہ دوسرے ابویعفور کا نام عبدالرحمن بن عبید بن نسطاس ہے۔

تشریح: **الجَرَاد:** جیم اور راء کے فتحہ کے ساتھ جَرد سے ہے اس کا معنی ہے ننگا کردینا، خالی کردینا یعنی جب یہ کسی کھیتی پر پڑ جاتی ہے تو کھیتی کو خالی کردیتی ہے اس کی بہت ساری اقسام ہیں۔بعض بڑے جسم کی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹے جسم کی ہوتی ہیں۔بعض سرخ ہوتی ہیں اور بعض سفید اور بعض زرد ہوتی ہیں۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مچھلی کی چھینک سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کو مچھلی کی طرح بغیر ذبح کئے کھانا جائز ہے۔

مسئلہ: ٹڈی کے کھانے کا شرعی حکم؟ ٹڈی دو قسم کی ہوتی ہیں ایک بری اور دوسری بحری۔بحری ٹڈی تو بالاتفاق حرام ہے۔ بری ٹڈی میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ **قول اول:** جمہور علماء کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے۔

قول ثانی: بعض شوافع کے نزدیک اس کا کھانا مکروہ ہے۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک اگر اسکو ذبح کیا گیا تو پھر اسکا کھانا جائز ہے لیکن اگر اپنی موت مرے تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ پھر اس کی کیفیت ذبح میں بھی اختلاف ہے۔

اول: مالکیہ کے نزدیک اس کا سر کاٹ دینا ہی ذبح ہے۔ **الثانی:** بعض حضرات نے کہا کہ اس کا ہانڈی میں گر جانا ہی اس کا ذبح ہے۔

الثالث: ابن وہب مالکیؒ نے فرمایا کہ اس کا پکڑ لینا ہی ذبح شمار کیا جائے گا۔

الرابع: مطرف مالکیؒ نے فرمایا کہ اس کے ذبح کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ ابن عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً نقل کیا ہے" احلت لنا میتتان ودمان السمك والجراد والكبد والطحال "(اخرجہ احمد والطبرانی)

شوافع کی دلیل اول: ابوداؤد شریف میں حضرت سلمانؓ کی روایت ہے" عن سلمان قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجراد فقال اكثر جنود الله لا اكله ولا احرمه "(جلد ۲ ص ۱۷۸ باب فی اکل الجراد)

جواب: امام ابوداودؒ نے قال ابوداود سے اس کا جواب دیا ہے" رواه المعتمر عن ابيه عن ابي عثمان عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ "کہ ابی عثمان کا نام ذکر نہیں کیا اس لحاظ سے یہ روایت مرسل ہوئی۔

دلیل ثانی: الکامل لابن عدی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے" انه سئل عن الضب فقال لا اكله ولا احرمه وسئل عن الجراد فقال مثل ذلك "اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ٹڈی کا کھانا مکروہ ہے۔

جواب: اس میں ایک راوی ثابت بن زبیر ضعیف ہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: حدیث الباب "عن عبداللہ بن ابی اوفی انہ سئل عن الجراد فقال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست غزوات فاکل الجراد"۔ یہی روایت ملتی جلتی ابوداود شریف میں بھی ہے۔

دلیل ثانی: ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے "یقول کن ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتھادین الجراد علی الاطباق" (ابن ماجۃ ص ۲۳۲ باب صید الحیتان والجراد)۔

دلیل ثالث: "عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد" (ابن ماجۃ ص ۲۳۲ باب صید الحیتان والجراد)۔

دلیل رابع: "عن ابن عمر سئل عن الجراد فقال وددت لو ان عندی قفعۃ فاکل منہ" (موطا)

دلیل خامس: بیہقی شریف میں ابن ابی امامہ سے روایت ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان مریم بنت عمران سألت ربھا ان یطعمھا لحما لادم لہ فاطعمھا الجراد"۔

ان دلائل کے علاوہ اور بہت سارے دلائل بھی ہیں جو ٹڈی کی حلت پر دلالت کرتے ہیں۔

هٰكَذَا رَوٰى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ سِتَّ غَزَوَاتٍ: اس روایت میں چھ غزوات کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں سبع غزوات کا ذکر ہے اور بعض روایات میں چھ یا سات شک کے ساتھ ذکر ہے۔

وَفِي الْبَابِ........وَأَبُو يَعْفُورَ: ان کا نام واقد یا وقدان ہے امام مسلمؒ فرماتے ہیں واقد نام ہے اور وقدان لقب ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابویعفور دو ہیں ایک تو یہی جن کا نام ذکر سند میں آیا ہے ان کا نام وقدان یا واقد ہے اور یہ اکبر ہیں اور دوسرے ابویعفور اصغر ہیں ان کا نام عبدالرحمن بن عبید بن نسطاس ہے یہ ترمذی کی سند کی روایت میں نہیں ہے کیونکہ ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے ثابت نہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ وَالْمُؤَمَّلُ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي يَعْفُورَ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَوَاتٍ نَأْكُلُ الْجَرَادَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهٰذَا

محمود بن غیلان، ابواحمد، سفیان، ابویعفور، حضرت ابن ابی اوفیؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے شعبہ بھی یہ حدیث ابن ابی اوفیؓ سے نقل کرتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی غزوات میں شرکت کی ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے۔ یہ حدیث ہم سے محمد بن بشار، محمد بن جعفر اور شعبہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ لُحُومِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى الثَّوْرِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

ہناد، عبدہ محمد بن اسحاق، ابن ابونجیح، مجاہد، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلالہ کے دودھ اور گوشت کے استعمال سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابن ابی نجیح بھی مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: جلالۃ کی لغوی تعریف: جیم کے فتحہ اور لام کی تشدید کے ساتھ، ماخوذ ہے جلۃ سے اس کی جمع جلالات آتی ہے۔

جلالہ کی شرعی تعریف: جلالۃ شرعاً اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کی غالب خوراک پاخانہ اور گندگی ہو کہ اس کے گوشت، دودھ، پسینہ وغیرہ میں بھی نجاست کا اثر ہونے لگے اور اس سے بدبو آنے لگے۔ اگر اس کی غالب خوراک پاک ہو تو پھر اس کو جلالۃ نہیں کہیں گے۔ یہی تعریف حضرات فقہاء امام شافعیؒ اور امام نوویؒ نے کی ہے۔

مسئلہ: جلالۃ کے کھانے کا شرعی حکم:

قول اول: جمہور علماء احناف، علامہ بغویؒ اور امام غزالیؒ نے کراہت تحریمی کا قول نقل کیا ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، لیث بن سعدؒ، حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جلالۃ کا گوشت، دودھ وغیرہ استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قول ثالث: اسحاق بن راھویہؒ کے نزدیک اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں جب اس کو خوب اچھی دھویا گیا ہو۔

قول رابع: حافظ ابن حجرؒ نے اکثر شوافع سے مطلقاً کراہت تنزیہی کا قول نقل کیا ہے۔

امام مالکؒ، لیثؒ وغیرہ کی دلیل: جن جانوروں کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے وہ اصالۃ تو جائز ہی رہیں گے البتہ حدیث میں وارد ممانعت طبعی گھن کی وجہ سے ہے اسی طرح شوافع نے بھی یہی کہا ہے۔

جواب: شریعت نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان کے نجس ہونے پر ہے البتہ وہ جانور جس کی خوراک نجس ہو اور وہ نجاست اس کے جسم پر اثر کرگئی ہو کہ گویا وہ سراپا نجاست بن گیا تو وہ کس طرح جائز ہوگا البتہ وہ جانور جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ حرام کہلائیں گے جلالۃ کی حرمت اثر نجاست کی وجہ سے ہے اور وہ جو نصوص بھی ظنیہ ہیں کہ اخبار احاد ہیں ان کی بناء پر حرمت لغیرہ ہوگی لہذا مکروہ تحریمی قرار دیا جائے گا۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: حدیث الباب "عن ابن عمر نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اكل الجلالة والبانها"۔

دلیل ثانی: بیہقی شریف میں روایت ہے "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الجلالة و عن شرب البانها

واکلھاورکوبھا"۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حدیث جابرؓ ہے "نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الجلالة ان یؤکل لحمھا اوشرب لبنھا بسند حسن"۔

جلالہ کے حبس وروکنے کی مدت: مدت حبس کے بارے میں ائمہ کے اختلاف ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے متعلق توقف کا قول ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ کتنے دنوں میں اس کا گوشت صاف ہوجائے۔ علامہ سرخسیؒ کے ہاں بھی اس کے لئے مدت متعین نہیں۔

نیز تجنیس میں جانوروں کو روکنے اور محبوس رکھنے کے متعلق لکھا ہے کہ مرغی کے لئے تین دن، بکری کے لئے چار دن، اونٹ بیل کو دس دن محبوس رکھا جائے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ اونٹ، گائے کو چالیس دن، بکری کو سات دن اور مرغی کو تین دن محبوس رکھا جائے گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَلَبَنِ الْجَلَّالَةِ وَعَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا جسے باندھ کر تیروں کا نشانہ بنایا جائے نیز جلالہ کا دودھ پینے اور مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا محمد بن بشار بھی ابن ابی عدی سے وہ سعید بن ابی عروبہ سے وہ قتادہ سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: مجثمہ وہ جانور جس کو نشانے کے لئے باندھا گیا ہو اور وہ تیر کھا کھا کر وہیں مرجائے ایسے جانور کے کھانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدَّجَاجِ

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ عَنْ أَبِي الْعَوَّامِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى وَهُوَ يَأْكُلُ دَجَاجَةً فَقَالَ ادْنُ فَكُلْ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ

زید بن اخزم، ابوقتیبہ، ابوعوام، قتادہ، حضرت زہدم جرمی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسیٰ کے پاس گیا تو وہ مرغی کھا رہے تھے فرمایا قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغی کھاتے ہوئے دیکھا

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ زَهْدَمٍ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَهْدَمٍ وَأَبُو الْعَوَّامِ هُوَ عِمْرَانُ الْقَطَّانُ

ہے یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے زہدم سے منقول ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابوالعوام کا نام عمران قطان ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوٰى أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ أَيْضًا عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ

ہناد، وکیع، سفیان، ایوب، ابوقلابہ، زہدم، حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا اس حدیث میں تفصیل ہے اور یہ حسن صحیح ہے اسے ایوب سختیانی قاسم تمیمی سے وہ ابوقلابہ سے اور وہ زہدم جرمی سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: مرغی کھانے کا شرعی حکم: مرغی بالاتفاق حلال ہے البتہ جو مرغی نجاست کھاتی ہے وہ جلالۃ کے حکم میں ہے اس کی وضاحت ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اب مسئلہ رہ گیا وہ مرغی جو فارم میں تیار ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے اس بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے اجتناب کرنا چاہیے جبکہ اس کے برعکس امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدرؒ نے کہا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت حلال ہے۔

دجاج کی وجہ تسمیہ: یہ دج یدج سے ماخوذ ہے جس کے معنی بار بار تیزی سے آنا جانا مرغی بھی بار بار آتی جاتی ہے اس لئے اس کو دجاجۃ کہا جاتا ہے۔ اس کی کنیت ام جعفر، ام الولید، ام عقبہ، ام قوب ہے۔

سند پر کلام: اس باب کی پہلی حدیث کی سند میں ایک راوی ابوالعوام القطانی البصری معمولی درجہ کا راوی ہے اور یہ غلطیاں بھی کرتا ہے اسی وجہ سے اس کی سند صرف حسن ہے اور دوسری سند حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْحُبَارٰى

حباری: بضم الحاء وفتح الراء جوہری فرماتے ہیں کہ یہ ایک مشہور پرندہ ہے جس کو سرخاب کہتے ہیں یہ اسم جنس ہے اس کا اطلاق مذکر و مؤنث پر ہوتا ہے اور واحد و جمع کے لئے ایک ہی لفظ آتا ہے۔ نحوی اعتبار سے حباری میں نہ الف تانیث کا ہے اور نہ الحاق کا چونکہ کلمہ کی اساس اس پر رکھی گئی ہے اسلئے یہ کلمہ کا جزو بن گیا ہے۔ حباری معرفہ اور نکرہ دونوں حالتوں میں غیر منصرف ہے۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ اہل مصر حباری کو جرج کہتے ہیں۔ یہ اڑنے میں بہت تیز ہوتا ہے اور سنگلاخ علاقوں میں پایا جاتا ہے اس کے پر اکھاڑ لینے سے یا خود گر جانے سے اس کی خوبصورتی کم ہو جاتی ہے اور وہ اسی صدمہ اور غم کی وجہ سے مرجاتا ہے۔ اس کی گردن طویل اور رنگ دل کش ہوتا ہے اس کے پیٹ میں ایک قیمتی موتی ہوتا ہے اگر وہ خارج ہو جائے تو وہ اپنے تمام پروں کو اکھاڑ دیتا ہے اور یہی اسکی ہلاکت کا سبب ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ یہ شکار کرتا ہے خود شکار نہیں ہوتا۔ بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے "انه سمع رجلا یقول ان الظالم لا یضر الا نفسه" کہ کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظلم کا نقصان خود ظالم کو ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے سرخاب بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے یعنی جب زمین پر کثرت سے گناہ ہونے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ بارش کو روک لیتے ہیں جس کی وجہ سے غلہ کم مقدار میں پیدا ہوتا ہے اور یہ پرندہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ حدیث باب میں اس کے گوشت کے متعلق آیا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت کھایا ہے اس کا گوشت معتدل مزاج ہوتا ہے۔

اس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ احمق ترین پرندہ ہوتا ہے اس وجہ سے کسی شخص کی حماقت ظاہر کرنے کیلئے حباری کی مثال دی جاتی ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر جانور اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے حتیٰ کہ سرخاب بھی جس کی حماقت ضرب المثل ہے کہ حماقت کے باوجود دوسرے جانوروں کی طرح اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْأَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ رَوٰى عَنْهُ ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ وَيَقُولُ بُرَيْهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ

فضل بن سہل، اعرج، بغدادی، ابراہیم بن عبدالرحمن بن مہدی، حضرت ابراہیم بن عمر بن سفینہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابراہیم بن عمر بن سفینہ سے ابن ابی فدیک بھی روایت کرتے ہیں اور انہیں یہ بریہ بن عمر بن سفینہ بھی کہتے ہیں۔

تشریح: سرخاب کا شرعی حکم: اس کا گوشت بالاتفاق حلال ہے کیونکہ یہ طیبات میں سے ہے اس پر حدیث الباب صراحۃً دلالت کرتی ہے۔ سند پر کلام: ابن ابی فدیک ان کا نام محمد بن اسماعیل ہے یہاں ابراہیم کے بجائے بریہ بن عمر بن سفینہؒ کہا ہے۔ ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ: یہ اپنی سند میں یہی لقب استعمال کرتے ہیں۔ بُریہ یا تو ابراہیم کا لقب ہے یا ابراہیم کی تصغیر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الشِّوَاءِ

الشواء: اس کا معنی بھنے ہوئے گوشت کے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کر کے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فقر و فاقہ رہا ہے لیکن بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لذائذ پیش کئے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تناول فرمایا تا کہ امت کے لئے فراخی کی حالت میں ایک اسوہ اور طریقہ بن جائے۔ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ لذائذ کا استعمال اسلام کے خلاف ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي

حسن بن محمد بن زعفرانی، حجاج بن محمد، ابن جریج، محمد بن یوسف، عطاء بن یسار، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ وَالْمُغِيرَةِ وَأَبِي رَافِعٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہلو کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھانے کے بعد نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں کیا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن حارث، مغیرہ اور ابورافع رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: **سوال:** بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ما اکل النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبزاً مرققا ولا شاۃ مسموطۃ حتی لقی اللہ عزوجل" (۲ص ۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بھنی ہوئی بکری نہ کھائی جب کہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بھنا ہوا پہلو تناول فرمایا پھر آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔

جواب: ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ مکمل سالم بکری بھونی گئی ہو جبکہ حدیث الباب میں ایک جزاور دستی کا ذکر ہے بخاری کی حدیث میں نفی کل کی ہے جبکہ حدیث الباب میں جزء کا اثبات ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں تعارض نہ رہا۔

ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ: اس جملہ سے ماست النار سے وضو کی نفی معلوم ہو رہی ہے اس کے متعلق تفصیلی بحث "ابواب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار" کے ذیل میں جلد اول میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْأَكْلِ مُتَّكِئًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ وَرَوَى زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ وَسُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ هٰذَا الْحَدِيثَ وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْأَقْمَرِ

قتیبہ، شریک، علی بن اقمر، حضرت ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔ اس باب میں حضرت علی، عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اس حدیث کو صرف علی بن اقمر کی روایت سے جانتے ہیں زکریا بن ابی زائدہ، سفیان بن سعد اور کئی راوی یہ حدیث علی بن اقمر ہی سے نقل کرتے ہیں شعبہ بھی اسے ثوری سے اور وہ علی بن اقمر سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: **فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا:** ٹیک لگا کر کھانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

اول: پہلو زمین پر رکھ کر بیٹھنا۔ **ثانی:** چار زانوں ہو کر بیٹھنا۔ **ثالث:** ایک ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگا کر دوسرے ہاتھ سے کھانا۔
رابع: پیٹھ کو کسی دیوار یا تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا۔ کھانے کی یہ تمام صورتیں مذموم ہیں کیونکہ یہ متکبرین کی عادت ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے وقت تواضع اختیار کرے اور تواضع کی چند صورتیں ہیں۔
اول: اکڑوں بیٹھنا یعنی دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا۔ **ثانی:** زمین پر دونوں رانیں رکھ کر قدموں پر بیٹھنا۔
ثالث: ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرے پاؤں کے قدم پر بیٹھنا۔ بہر حال جس صورت میں تواضع وعبدیت کا ظہور ہو ایسی صورت اختیار کرنی چاہیے اور یہی سنت ہے۔
مسئلہ: ٹیک لگا کر کھانے کا کیا حکم ہے: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے دو قول ہیں۔
قول اول: ٹیک لگا کر کھانا مطلقاً جائز ہے یہ قول محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور زہری سے نقل کیا گیا ہے۔
قول ثانی: ٹیک لگا کر کھانا مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے یہ مذہب جمہور کا ہے۔
محمد بن سیرین، عطاء بن رباح کی دلیل: عبد اللہ بن السائب بن خباب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابیؓ نے فرمایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے دیکھا جواب اس روایت کو حضرات محدثین نے باطل قرار دیا ہے۔
جمہور حضرات کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّا انا فلا اکل متکئًا"
دلیل ثانی: ابوداود شریف میں حدیث ثابت البنانی ہے "عن شعیب بن عبد اللہ بن عمرو بن عن ابیہ قال ماریٔی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کل متکئًا قط"۔ (جلد ۲ ص ۱۷۳)
دلیل ثالث: نسائی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے "انه کان یحدث ان اللہ عزوجل ارسل الی النبی ﷺ ملکًا من الملائکة مع جبرئیل علیه السلام فقال ان اللہ مخیرك بین ان تکون عبدًا نبیًا و بین ان تکون ملکا فقال لا بل اکون نبیا عبدًا فما اکل بعد تلك الکلمة طعامًا متکئًا" (اخرجه نسائی)
دلیل رابع: مجاہدؒ سے منقول ہے کہ "قال ما اکل النبی صلی اللہ علیه وسلم متکئًا الامرة ثم نزع فقال اللهم انی عبدك ورسولك" (ابن ابی شیبه)
ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت: ٹیک لگا کر کھانے میں یہ نقصان ہے کہ اس طرح نہ تو صحیح طور پر کھانا معدہ میں اتر سکتا ہے اس سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور اسی طرح سہارا لے کر کھانا یا ٹیک لگا کر کھانا متکبرین کا طریقہ ہے اس لئے اس سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔

علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں حضرت ابو الدرداء کی صریح حدیث نقل کی گئی ہے کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا تأکل متکئًا"۔ ٹیک لگا کر مت کھاؤ اسی طرح صحابہ کرامؓ بھی ٹیک لگا کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے۔ عبارت یہ ہے کہ "کانوا یکرهون ان یاکلوا اتکاء مخافة ان تعظم بطونهم" یعنی ٹیک لگا کر کھانے کو اس لئے ناپسند کرتے تھے کہ ان کے پیٹ بڑھ جائیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَأَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا

سلمہ، بن شبیب، محمود بن غیلان، احمد بن ابراہیم دورقی، ابواسامہ، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد اور میٹھی چیز پسند کیا کرتے تھے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے علی بن مسہر نے اسے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں زیادہ تفصیل ہے۔

تشریح: الْحَلْوَاءُ: امام نوویؒ میٹھے کھانے کو حلواء کہتے ہیں اور شہد کا ذکر تعمیم بعد التخصیص کی قبیل سے ہے یعنی خاص طور پر شہد بہت پسند تھا۔ پسند ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ان کو بہت چاہتے ہیں اور اس لئے بے چین رہتے ہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب یہ چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شوق سے کھاتے تھے اس وجہ سے صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے کہ یہ کھانا آپ کو بہت پسند ہے یہ قول امام خطابی کا ہے۔

ابن بطال نے کہا کہ حلواء مطعومات طیبات میں سے ہے جیسے ارشاد ہے ''کلوا من الطیبات''۔

ابن حجرؒ نے ثعلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکور حلواء سے مراد کھجور اور دودھ کا مرکب ہے جسے مجیع کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد فالودہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا یہاں حلواء سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ایک پیالہ شہد کا پانی کے ساتھ ملا کر پیا کرتے تھے مگر یہ قول صحیح نہیں۔

بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ مغزیات وغیرہ ڈال کر جو حلواء بنایا جاتا ہے وہ بھی مراد نہیں کیونکہ اس زمانہ میں اس طرح کے حلوہ کا رواج ہی نہیں تھا اور دوسرا یہ کہ وہ عسرت کا زمانہ تھا اور اس وقت اتنے لذیذ کھانے بھی میسر نہیں تھے چہ جائیکہ اس طرح کا حلوہ تیار کیا جاسکے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْثَارِ الْمَرَقَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فَضَاءٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيُكْثِرْ مَرَقَتَهُ فَإِنْ

محمد بن عمر بن علی مقدمی، مسلم بن ابراہیم، محمد بن فضالہ، علقمہ، حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے پس چاہیے کہ اس میں شوربہ زیادہ رکھے اگر اسے کھانے کو گوشت نہیں ملے گا تو شوربہ تو مل جائے گا

لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهُوَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ فَضَاءٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ فَضَاءٍ هُوَ الْمُعَبِّرُ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ وَعَلْقَمَةُ هُوَ أَخُو بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ

اور شوربا دو گوشتوں میں سے ایک ہے۔ اس باب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف محمد بن فضاء کی روایت سے اسی سند سے جانتے ہیں محمد بن فضاء تعبیر بتانے والے ہیں سلیمان بن حرب ان پر اعتراض کرتے ہیں اور علقمہ، بکر بن عبداللہ مزنی کے بھائی ہیں۔

تشریح: **مرق:** میم اور راء کے فتحہ کے ساتھ اس کے معنی شوربا کے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص گوشت پکائے تو اس کو چاہیے کہ اس میں شوربے کو بڑھائے تا کہ کھانے کے دوران اگر گوشت نہ ملے تو شوربے سے روٹی کھالے وجہ اس کی یہ ہے کہ شوربا بھی بوٹیوں کا نچوڑ ہے گویا کہ شوربا قائم مقام گوشت کے ہے اس لئے حدیث میں اس کو "احد اللحمین" کہا گیا ہے۔

إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ: یہ باعتبار اغلب کے فرمایا کہ اکثر و بیشتر گوشت خرید کر بنایا جاتا ہے ورنہ مراد یہاں گوشت کا حصول ہے خواہ وہ خرید کر ہو یا ہدیہ کے طور پر ہو یا اپنا جانور ذبح کیا ہو سب صورتوں کو شامل ہے۔

وَفِي الْبَابِ: محمد بن فضاء ضعیف راوی ہے اور اس کا باپ مجہول ہے محمد بن فضاء کی شہرت معبر ہونے کے اعتبار سے تھی سلیمان بن حرب اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ شراب بیچتا ہے اور پیتا بھی ہے اور ابن معین سے جب کہا گیا کہ یہ خواب کی تعبیریں بتاتا ہے تو انہوں نے کہا اس کی حدیثیں بھی تعبیر جیسی ہوں گی۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْأَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ الْعَنْقَزِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ صَالِحِ بْنِ رُسْتُمَ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازِ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوفِ وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ أَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِيقٍ وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَأَكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حسین بن علی بن اسود بغدادی، عمرو بن محمد بن عنقزی، اسرائیل، صالح بن رستم، ابوعمران جونی، عبداللہ بن صامت، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھے اور اگر کوئی نیک کام نظر نہ آئے تو اپنے بھائی سے ہی خندہ پیشانی سے مل لیا کرے اور جب گوشت خریدے یا ہنڈیا پکائے تو شوربہ زیادہ کر لیا کرے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ اس حدیث کو ابوعمران جونی سے نقل کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: **لَا يَحْقِرَنَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا:** حقارت سے ہے، کسی چیز کو حقیر سمجھنا، ذلیل سمجھنا۔

الْمَعْرُوفِ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر چیز کو جامع ہے جس کو اچھا سمجھا جائے خواہ اللہ کی اطاعت کے بارے میں ہو یا لوگوں

کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں ہو۔ بایں معنی معروف ایسی چیز ہے جو لوگوں کے درمیان عموماً جانی پہچانی ہوتی ہے کہ لوگ اس کے دیکھنے کے بعد اس پر نکیر نہیں کرتے اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں مثلاً انصاف کرنا، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، طلیق: ایسا چہرہ جس میں خوشی اور سرور معلوم ہو ظاہر ہے کہ کسی مسلمان کے دل کو خوش کرنا بھی بڑی نیکی ہے۔

وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا: اور جب تم گوشت خریدو۔ اس کی وضاحت پچھلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

أَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا: اَوْ یا تو شک کے لئے ہے یا تنویع کے لئے ہو مطلب یہ ہوا کہ کوئی ہانڈی پکائے یا گوشت پکائے تو دونوں صورتوں میں اپنے پڑوسی کو چلو بھر کر دیدے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الثَّرِيدِ

ثرید: وہ کھانا جس میں روٹی توڑ کر شوربے میں ڈالی جائے اور وہ نرم ہو جائے خواہ اس شوربے میں گوشت ہو یا نہ ہو بسا اوقات شوربا گوشت سے بھی زیادہ نافع اور مقوی ہوتا ہے یہ اہل عرب کے ہاں پسندیدہ کھانا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برکت تین چیزوں میں ہے جماعت، سحور اور ثرید میں۔ (طحاوی)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن مثنی، محمد بن جعفر، شعبہ، عمرو بن مرہ، مرہ ہمدانی، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مردوں میں سے بہت سے لوگ کامل گزرے ہیں لیکن عورتوں میں سے مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ اور عائشہ کے علاوہ کوئی کامل نہیں اور حضرت عائشہ کی تمام عورتوں پر فضیلت اس طرح ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ: كَمُلَ میم پر تینوں طرح کی حرکتیں آسکتی ہیں لیکن کسرہ والی روایت ضعیف ہے کمال سے نبوت، صداقت، شہادت، ولایت مراد ہوتے ہیں کمال کا اعلیٰ درجہ نبوت و رسالت ہے یہ قول علامہ نوویؒ کا ہے۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک کمال سے مراد صداقت، شہادت، ولایت ہے کہ بہت سارے مردوں نے تقویٰ وطہارت اور عبادت و ریاضت سے یہ کمال حاصل کئے جبکہ عورتوں میں سے بہت کم ہیں جنہوں نے یہ درجات پائے۔

بعض حضرات نے کہا کہ کمال سے مراد جامع فضائل ہیں معنی یہ ہوئے کہ مردوں میں فضائل والے افراد بہت ہیں اور عورتوں میں چند ہیں یعنی مریم و آسیہ ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد مطلق فضائل نہیں بلکہ وہ فضائل مراد ہیں جو ان دونوں کے ساتھ مخصوص ہیں اب اس

صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مردوں میں جو فضائل ہیں بہت سارے مردان فضائل میں کامل ہیں مگر عورتوں کے فضائل میں کم عورتیں کامل ہیں سوائے مریم وآسیہ کے۔ **مسئلہ: کیا عورت نبیہ ہوسکتی ہے:** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: جمہور علماء کے نزدیک کوئی عورت نبیہ نہیں ہوسکتی۔

قول ثانی: ابوالحسن اشعریؒ، علامہ تاج الدین سبکیؒ، ابن السیدؒ کے نزدیک عورت نبیہ ہوسکتی ہے۔

قول ثالث: ابن حزم ظاہری کے نزدیک مختلف اقوال ہیں آخری قول توقف کا ہے۔

ابوالحسن اشعری کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے "عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النساء الا مریم بنت عمران، وآسیہ امرأۃ فرعون" وجہ استدلال یہ ہے کہ نوع انسانی میں سب سے کامل انبیاء، پھر صدیقین، پھر شہداء، پھر اولیاء ہیں اگر یہ دونوں نبیہ نہیں ہوں گی تو یا صدیقہ ہوں گی یا شہداء ہوں گی یا ولیہ ہوں گی جب یہ تین صفات ان کے ساتھ خاص کردیں تو امت کی بقیہ عورتیں ان تین صفات سے خالی ہوں گی حالانکہ یہ بات بداھتہ باطل ہے کیونکہ بہت ساری عورتیں ولیہ بھی ہیں صدیقہ بھی ہیں اور شہیدہ بھی ہیں تو پھر ان عورتوں میں اور عام عورتوں میں فرق نہیں رہے گا لہذا ہم کہیں گے کہ ان دونوں عورتوں میں ایک کمال صفت بھی پائی جاتی ہے وہ کمال صفت نبیہ ہونا ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ عورت میں سے کوئی نبیہ نہیں مگر مریم بنت عمران اور آسیہ امرأۃ فرعون۔

جواب: "کمل من النساء" سے جامع فضائل ہونا یا عورتوں کے فضائل میں کامل ہونا مراد ہے اور ان عورتوں کا صدیقہ، شہیدہ، ولیہ ہونا دوسری عورتوں کے ولیہ، صدیقہ، شہیدہ ہونے کے منافی نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے دوسری عورتوں میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہوں لیکن اس درجہ میں نہیں جس درجے میں ان عورتوں کو حاصل ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے لفظ وحی وارد ہوا ہے فرمایا "واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے اور غیر نبی کو وحی نہیں ہوسکتی لہذا عورت نبیہ بن سکتی ہے۔

جواب اول: کسی کے لئے لفظ وحی کا استعمال اس کے نبی ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، قرآن پاک میں وحی کا لفظ شہد کی مکھی کے لئے بھی استعمال ہوا ہے "وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ"

جواب ثانی: "واوحینا الی ام موسیٰ" میں وحی سے مراد القاء اور الہام ہے۔

دلیل ثالث: بعض لوگوں نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ جس شخص سے فرشتہ کلام کرتا ہے اس میں نبوت کے معنی پائے جاتے ہیں وہ نبی ہوگا اور فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان خواتین کے ساتھ کلام نبوت کرنا ثابت ہے لہذا مذکورہ عورتوں میں اللہ کی جانب سے کلام پایا گیا۔

جواب: تفسیر روح المعانی میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص اپنے دینی بھائی کی زیارت کے لئے جارہا تھا راستے میں فرشتے نے بشارت دی کہ جس طرح تجھے اپنے بھائی سے محبت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے محبت ہے اس شخص سے فرشتے نے کلام کیا لیکن اسی شخص کو پھر بھی کوئی نبی نہیں کہتا۔ (روح المعانی)

جمہور حضرات کی دلیل اول: قرآن پاک کی آیت "وَمَا ارسلنك من قبلك الا رجالاً نوحی" اس آیت شریفہ میں

وصف رسالت کو رجال کے ساتھ متصف قرار دیا گیا ہے۔
دلیل ثانی: حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا" وامّه صديقة" یہ آیت مقام مدح میں واقع ہے صدیقہ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ آپ ولیہ تھیں نبیہ نہیں تھیں اور مقام مدح میں اعلیٰ درجہ کو بیان کیا جاتا ہے اگر مریم نبیہ ہوتیں تو نبوت کا ذکر ہوتا حالانکہ صدیقہ کہا۔ **دلیل ثالث:** عورت اپنی جنس کے اعتبار سے ناقص العقل ہے حالانکہ نبی وہ ہوتا ہے جو ہر اعتبار سے کامل ہو۔ اور اس بات پر بھی تمام ائمہ امت کا اتفاق ہے کہ نبی سے زائد عقل والا کوئی نہیں ہوتا اگر کسی سے زائد عقل والا موجود ہو تو وہ نبی نہیں ہوگا لہذا ناقص العقل کو منصب نبوت کیسے دیا جاسکتا ہے۔

وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ: عورتوں میں سب سے افضل کون ہیں:

علامہ نوویؒ نے اس بارے میں اختلاف نقل کیا ہے اس بارے میں احادیث مختلف ہیں۔
حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کے متعلق یہ احادیث وارد ہوئی ہیں۔
۱۔" افضل نساء اهل الجنة خديجة بنت خويلد و فاطمه بنت محمد و مريم بنت عمران و آسية بنت مزاحم امرأة فرعون " (المفهم ج۲ ص ۳۱۴) اس حدیث میں افضل حضرت خدیجہ بنت خویلد پھر فاطمہ بنت محمد پھر مریم بنت عمران پھر آسیہ بنت مزاحم امرأۃ فرعون کو کہا گیا ہے۔
۲۔" عن عائشة قالت ماغرت على نساء النبي صلى الله عليه وسلم الحديث "۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے افضل ہیں ورنہ غیرت کا کوئی مطلب نہیں بنتا (مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل خديجه)۔
حضرت مریم بنت عمران کے متعلق یہ روایت آئی ہے" سيدة نساء اهل الجنة مريم بنت عمران ثم فاطمة ثم خديجة ثم آسية امرأة فرعون " (اخرجه ابن عساكر)
۳۔ مسلم شریف میں دوسری روایت یہ ہے" خير نسائها مريم بنت عمران و خير نسائها خديجة بنت خويلد "
۴۔ تفسیر ابن جریر میں ایک روایت ہے" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انت سيدة نساء اهل الجنة الا مريم البتول "۔
۵۔ " حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و آسية امرأة فرعون "۔
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کے بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں۔
۱۔ یہی حدیث الباب ہے" فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام "۔
۲۔" قال يا سلمة لا تؤذيني فى عائشة فانه ما انزل على الوحى الا وانا فى لحاف امرأة منكن غيرها " حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں احادیث مذکورہ ہیں۔
۱۔" سيدة نساء اهل الجنة فاطمة "۔

۲۔"اربع نسوۃ سادات عالمهن مریم بنت عمران و آسیة بنت مزاحم و خدیجة بنت خویلد و فاطمة بنت محمد و افضلهن عالما فاطمة"۔ (بحوالہ دروس ترمذی، اخرجہ ابن عساکر عن ابن عباسؓ)۔

ان تمام روایات میں اختلاف ہے ان کے اندر بعض حضرات نے تطبیق دی ہے۔

رفع تعارض اول: ان تمام روایات کا محمل علیحدہ علیحدہ ہے اور ان کی حیثیت کے اعتبار سے فرق ہے۔

آسیہ بنت مزاحم دین کے لئے تکالیف و استقامت کے اعتبار سے سب عورتوں سے افضل ہیں۔ مریم بنت عمران بلا نکاح بشارت ولادت مسیح کے اعتبار سے افضل ہیں۔

جو تمام عالم کے لئے ایک خصوصیت ہے اور اس وصف خاص میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

ازواج مطہرات میں افضلیت کے اعتبار سے ہر ایک کی علیحدہ حیثیت ہے۔

مثلاً حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام ازواج مطہرات سے اس لئے ہے کہ سب سے پہلے بیوی بنیں اور انہوں نے ابتداء اسلام میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت تعاون کیا اور ان کی موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری سے شادی نہیں کی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چار بیٹیاں اور دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں پوچھا: "قد رزقك الله خيرًا منها فقال لها لا والله ما رزقني الله تعالیٰ خيرًا منها امنت بي حين كذبني الناس واعطني مالها حين حرمني الناس"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت تمام ازواج مطہرات پر اس حدیث سے ہے کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی کنواری بیوی تھیں اور اس خصوصیت میں دوسری کوئی بیوی شامل نہیں تھی اور یہ فضیلت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں آپ کے گھر میں تھے حتیٰ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گود میں سر مبارک تھا اور آپؓ کے حجرہ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے۔

اب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں سے کون افضل ہے اس کی تطبیق بعض حضرات نے یہ دی ہے کہ تقدم فی الاسلام کے اعتبار سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا افضل ہیں اور علم، فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہؓ افضل ہیں۔

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خواتین سب سے افضل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ارشاد فرمایا "فاطمة بضعةٌ مني" فاطمہ میرا ٹکڑا ہے علماء نے کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ ﷺ سے جزئیت کا تعلق ہے اور محبت جزئیت تمام محبتوں پر فائق ہے نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو خصوصیت مجموعی طور پر آپ سے حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں میں سے کون افضل ہے ان دونوں کے فضائل

میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم، فضل وکمال کے اعتبار سے افضل ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اصل ونسب وشرافت کے اعتبار سے افضل ہیں۔

مکالمہ: امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان مکالمہ ہوا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میرا درجہ زیادہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میرا درجہ زیادہ ہے۔ جانبین سے دلائل دیئے گئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے موقف کے لئے یہ دلیل دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہوں اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ میں افضل ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے موقف پہ یہ دلیل دی کہ جب جنتی جنت میں جائیں گے تو آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنت میں جائیں گی جبکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں جاؤں گی اس سے معلوم ہوا کہ میں افضل ہوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاموش ہوگئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قریب کیا اور یہ حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔

بعض حضرات نے کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دنیا کے اعتبار سے افضل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آخرت کے اعتبار سے افضل ہیں۔ (عمدۃ القاری جلد اول ص ۴۲)۔

رفع تعارض ثانی: علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ عورتوں میں سے سب سے افضل حضرت فاطمہؓ ہیں پھر حضرت خدیجہؓ پھر حضرت عائشہؓ۔

رفع تعارض ثالث: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ افضل النساء مریم وفاطمہ اور افضل امہات المؤمنین خدیجہ وعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

رفع تعارض رابع: شیخ الحدیثؒ نے الکوکب الدری میں علامہ ملا علی قاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں توقف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں کوئی دلیل قطعی نہیں۔ (الکوکب الدری ص ۴۴۸)۔

رفع تعارض خامس: ہر ایک کی فضیلت اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے کہ اپنے زمانے کی عورتوں سے افضل ہیں۔

رفع تعارض سادس: ہر ایک کی فضیلت جزوی ہے جو کلی کے منافی نہیں۔

بَابُ مَاجَاءَ اِنْهَشُوا اللَّحْمَ نَهْشًا

انهشوا: امر کا صیغہ ہے نھش سے ماخوذ ہے یہ سین اور شین دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے شین کے ساتھ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں " القبض علی اللحم بالفم وازالته عن العظم " گوشت کو منہ سے پکڑ کر ہڈی سے جدا کر دینا۔

اور اگر نھس سین کے ساتھ ہو تو اس کا معنی "تناوله بمقدم الفم " گوشت کو منہ کے سامنے کے حصے سے کھانا اور بعض حضرات نے کہا نھس کے معنی "القبض علی اللحم ونشره عند الاكل " گوشت کو پکڑنا اور کھانے کے وقت اس کو سختی سے کھینچنا۔

علامہ طیبیؒ نے بیان کیا ہے کہ سین کے ساتھ ہڈی پر لگے ہوئے گوشت کو دانتوں کے کناروں سے کھینچنا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ احمد بن منیع، سفیان بن عیینہ، عبدالکریم، حضرت عبداللہ بن

عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ زَوَّجَنِي أَبِي فَدَعَا أُنَاسًا فِيهِمْ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْهَسُوا اللَّحْمَ نَهْسًا فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْكَرِيمِ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي عَبْدِ الْكَرِيمِ الْمُعَلِّمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ مِنْهُمْ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ

حارث کہتے ہیں کہ میرے والد نے میری شادی کے موقع پر دعوت کا اہتمام کیا جس میں حضرت صفوان بن امیہؓ بھی شامل تھے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گوشت دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو کیونکہ یہ اس طرح کھانے سے زیادہ لذیذ اور زود ہضم ہوتا ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم صرف عبدالکریم معلم کی روایت سے جانتے ہیں بعض اہل علم ان کے حافظے پر اعتراض کرتے ہیں جن میں ایوب سختیانیؒ بھی شامل ہیں۔

تشریح: فَإِنَّهُ أَهْنَأُ: ایسا لذیذ کھانا جو غرض کے موافق ہو اس کے معنی ہوں گے وہ کھانا جو زیادہ لذیذ ہو۔ ھناً و ھناۃ کھانے کا کسی کے لئے لذیذ و پرلطف ہونا، کھانا مزیدار لگنا وأمرأ، مَرِيٌّ کا اسم تفضیل بہت زود ہضم اور خوشگوار کھانا قرآن پاک میں آیت کریمہ ہے "فکلوہ هنیئًا مریئًا" تم اسے کھا کر لطف اٹھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ گویا دونوں لفظ مرتب اور ہم معنی ہیں اور ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ کیونکہ اس طرح کھانے سے لذت کا باعث بھی بنتا ہے اور زود ہضم بھی ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لذیذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گوشت کو منہ سے نوچ نوچ کر کھائے گا تو منہ کے اندر سے لعاب خود بخود نکل کر گوشت سے ملتا رہے گا جس سے لذت دوبالا ہو جائے گی جب لذت بڑھ جائے گی تو معدہ اس کو قبول کرے گا اور یہ زود ہضم بھی ہوگا باقی حدیث میں "انھشوا" امر کا صیغہ ہے یہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ ارشادی ہے یعنی اگر چھری سے کاٹ کر کھائیں تب بھی اجازت ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ اگلے باب میں بیان کر رہے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّينِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَزَّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَاب عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ

محمود بن غیلان، عبدالرزاق، معمر، زہری، حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ چھری کے ساتھ کاٹا اور پھر اس کو کھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کئے بغیر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: **احْتَزَّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ**: احتز باب افتعال سے ہے کاٹنے کے معنی میں اور اسی سے حزة گوشت کے ٹکڑے کے لئے آتا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح کاٹنا کہ اس کو الگ نہ کیا جائے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھایا جاسکتا ہے۔ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ گوشت اور روٹی کو چھری سے کاٹ کر کھانا جائز ہے اس میں کسی طرح کی کوئی ممانعت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی۔ جبکہ اس کے برعکس ابوداود میں ابو معشر کے طریق سے عن عائشة روایت نقل کی گئی ہے "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقطعوا اللحم بالسكين فانه من صنيع الا عاجم فانهسوه فانه اهنأ وامرأ"۔ اسی طرح طبرانی میں ابن عباسؓ اور سلمةؓ سے روایت نقل کی گئی ہے "انه قال عليه السلام لا تقطعوا الخبز بالسكين كما تقطعه الا عاجم واذا اراد ان يا كل احدكم اللحم فلا يقطعه بالسكين ولكن لياخذه بيده فلينهسه بفيه فانه اهنأ وامرأ" ان روایات میں تعارض ہو رہا ہے۔

جواب اول: یہ حدیث ضعیف ہے اور نا قابل احتجاج ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابو معشر ہے جو کہ ضعیف ہے اس راوی کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ منکر روایات نقل کرتا ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ ابو معشر کا کوئی متابع نہیں۔

جواب ثانی: اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو پھر ہم کہیں گے کہ یہ حدیث اس شخص پر محمول ہے جو گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کو عادت بنالے۔

جواب ثالث: یہ احادیث دو مختلف احوال پر محمول ہیں کبھی گوشت کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک مکمل پکا ہوا اور دوسرا نیم پکا ہوا اگر مکمل پکا ہوا ہو تو پھر چھری سے نہ کاٹنے کا حکم ہے جو کہ ابوداود اور طبرانی وغیرہ میں ہے اور اگر آدھا پکا ہوا اور آدھا کچا ہو تو پھر حدیث الباب پر عمل ہوگا کہ وہ گوشت نیم پختہ تھا جس کو وہ چھری سے کاٹ کر کھا رہے تھے۔

جواب رابع: یا ممانعت والی روایات عدم فرصت پر محمول ہیں یعنی اگر وقت نہیں ہے بلکہ جلدی ہے تو پھر دانتوں کے ساتھ نوچ نوچ کر کھاتے رہو اور اگر وقت ہے تو پھر اطمینان سے چھری کے ساتھ کاٹ کر کھاؤ۔

مِنْهَا ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وضو کئے نماز کے لئے تشریف لے گئے اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھا کر وضو واجب نہیں اس کے متعلق مسئلہ ابواب الطہارت میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَدُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ يُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ وَأَبِي عُبَيْدَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو

واصل بن عبدالاعلی، محمد بن فضیل، ابوحیان تیمی، ابوزرعہ، ابن عمرو بن جریر، جابر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا تو آپ کو اس کا بازو پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ پسند تھا لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دانتوں سے نوچ کر کھایا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن جعفر، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم سے بھی

حَيَّانَ اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدِ بْنِ حَيَّانَ التَّيْمِيُّ وَأَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ اسْمُهُ هَرِمٌ

احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوحیان کا نام یحیی بن سعید بن حیان تیمی ہے اور ابوزرعہ بن عمرو بن جریر کا نام ھرم ہے۔

تشریح: وَكَانَتْ يُعْجِبُهُ: بازو (دستی) کا گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہوتا تھا اس کی مختلف وجوہات ہیں۔

اول: بکری کی دستی خفیف اور ہلکی زود ہضم بھی ہوتی ہے اور جلدی پک کر تیار ہو جاتی ہے سریع النضج ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند فرمایا کرتے تھے اس توجیہ کی وجہ سے وہ اعتراض بھی رفع ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زاہد اور رفیع الشان تھے اس لئے لذائذ دنیا کی طرف رغبت نہیں تھی۔

الثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھار گوشت کھانے کا موقع ملتا تھا اس لئے جب کبھی میسر ہوتا تو دستی کا گوشت جلد ہی پک کر سامنے آ جاتا اس لئے طبعاً اس کی طرف رغبت ہوتی تھی۔

الثالث: دستی کا گوشت اس لئے بھی پسند کرتے تھے کہ یہ غلاظت و نجاست سے دور ہوتا ہے۔

وَفِي الْبَاب اسْمُهُ هَرِمٌ: ابوزرعہ کا نام ہرم ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام عبداللہ ہے بعض حضرات نے ان کا نام عبدالرحمن اور بعض نے جریر قرار دیا ہے طبقہ ثالثہ کے ثقہ راوی ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبَّادٍ أَبُو عَبَّادٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ يَحْيَى مِنْ وَلَدِ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا فَكَانَ يُعَجِّلُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ أَعْجَلُهَا نُضْجًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حسن بن محمد زعفرانی، یحیی بن عباد، ابوعباد، فلیح بن سلیمان، وہاب بن یحیی، عباد بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دستی کا گوشت زیادہ پسند نہیں تھا بلکہ بات یہ تھی کہ گوشت ناغے کے ساتھ ملا کرتا تھا لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھانے میں جلدی کرتے تھے اور یہی حصہ جلدی پک جاتا ہے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کو ہم صرف اسی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: فَكَانَ يُعَجِّلُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ: یہ ایک اشکال کا جواب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ دنیا کے لذائذ کی طرف میلان کی نہ تھی تو بازو کے گوشت کو پسند کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ اس میں لذت ہے بلکہ جلدی پک جانے کی وجہ سے پسند کرتے تھے لہذا اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ ماکولات میں لذائذ کے استعمال کی نہیں تھی حتی کہ گوشت جیسی چیز بھی کبھی کبھار تناول فرمایا کرتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَلِّ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ

حسن بن عرفہ، مبارک بن سعید سفیان بن سعید، ابوزبیر،

سَعِيدٍ أَخُو سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ هَانِئٍ هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُبَارَكِ بْنِ سَعِيدٍ

عبدہ بن عبداللہ خزاعی، بصری، معاویہ بن ہشام، سفیان، محارب بن دثار، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور ام ہانی رضی اللہ عنہما سے بھی روایات منقول ہیں یہ حدیث مبارک بن سعید کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ

محمد بن سہل، عسکری بغدادی، یحیی بن حسان، سلیمان بن بلال ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرکہ بہترین سالنوں میں سے ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ نِعْمَ الْإِدَامُ أَوِ الْأُدْمُ الْخَلُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ

عبداللہ بن عبدالرحمن، یحییٰ بن حسان سے اور وہ سلیمان بن بلال سے اسی طرح نقل کرتے ہیں لیکن اس میں (یہ فرق) ہے کہ انہوں نے کہا کہ بہترین سالن یا سالنوں میں سے بہترین سرکہ ہے۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے اور ہشام بن عروہ کی سند سے صرف سلیمان بن بلال ہی کی روایت سے معروف ہے۔

تشریح: نِعْمَ الْإِدَامُ أَوِ الْأُدْمُ الْخَلُّ: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ وہ چیز جو سالن کے طور پر کھائی جائے اس کی جمع اُدم ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے وہ چیز جو روٹی کے ساتھ ملا کر کھائی جائے خواہ کوئی بھی چیز ہو۔

سرکہ کی تعریف: سرکہ انگور وغیرہ کے نچوڑ سے لیا ہوا کھٹے ذائقے والا ہوتا ہے۔

علامہ خطابیؒ اور قاضی عیاضؒ وغیرہ نے روایت کے معنی میں یہ بیان کئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماکولات میں اختصار کی تعریف فرمائی ہے اور لذیذ کھانوں کی طرف نفس کے مائل ہونے کو روکا ہے اقتصاد اور میانہ روی کی تعلیم و مدح ہے کہ سرکہ کتنا بہترین سالن ہے جو کم خرچ بالا نشین کے مترادف ہے وقت کی بھی بچت اور خرچ کی بھی بچت۔ وقت کی بچت میں خرید کر لانا کاٹنا پھر پکانا اتنی اشیاء خریدنے میں پیسے کا خرچ کرنا ان دونوں کی بچت ہوگئی صرف کھانے کا وقت خرچ ہوگا لہٰذا زیادہ لذات وشہوات میں پڑنے سے بچنے کی تلویح اور اشارہ ہے اور فرمایا "لا تتأنقوا فی الشهوات فانها مفسدة للدين مسقمة للبدن" زیادہ

شہوات میں پڑنا یہ دین کو بگاڑنے والی اور بدن کو بیمار کرنے والی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں سرکہ کی مدح اور تعریف کا بیان کرنا مقصود ہے باقی میانہ روی اور شہوات کو چھوڑنا دوسری نصوص سے ثابت ہیں۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں امت کو زہد کی تعلیم دی گئی کہ وہ مباحات میں بھی زائد میں مبتلا نہ ہو اگرچہ عرفاً اور شرعاً سالن نہیں مگر پھر بھی روٹی کے ساتھ کھانے کے لئے کافی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْتُ لَا إِلَّا كِسَرٌ يَابِسَةٌ وَخَلٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرِّبِيهِ فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ هَانِئٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأُمُّ هَانِئٍ مَاتَتْ بَعْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ بِزَمَانٍ

ابو کریب، ابوبکر بن عیاش، ابوحمزہ ثمالی، شعبی، حضرت ام ہانی بنت ابی طالبؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور پوچھا کیا تمہارے پاس کچھ ہے میں نے عرض کیا نہیں البتہ چند سوکھی روٹی کے ٹکرے اور سرکہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ وہ گھر جس میں سرکہ ہو سالن کا محتاج نہیں۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے ہم اسے ام ہانیؓ کی نقل کردہ حدیث سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ام ہانیؓ کا انتقال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد ہوا۔

تشریح: **حدیث کا شان ورود:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چچازاد بہن ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کھانے کے لئے کچھ ہے؟ ام ہانیؓ نے عرض کیا کچھ نہیں صرف (روٹی کے) سوکھے ٹکرے اور سرکہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ اور فرمایا ''فما اقفر بیت من ادم فیه خلٌّ'' یعنی جس گھر میں سرکہ ہوتا ہے وہ گھر سالن کا محتاج نہیں ہوتا۔

فَمَا أَقْفَرَ: قفار اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو خالی ہو اور اس میں پانی و گھاس وغیرہ نہ ہو۔

فَمَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ: ''فیه خل یه بیتٌ'' کی صفت ہے ترکیب یہ ہے ''اقفر فعل بیتٌ'' فاعل موصوف ''من ادم'' متعلق ''اقفر'' کے ہے اور ''فیه خلٌّ'' صفت ہے۔

سوال: ''بیتٌ'' موصوف ہے ''فیخلٌّ'' صفت ہے موصوف صفت کے درمیان ''من ادم'' اجنبی کا فاصلہ آرہا ہے جو کہ درست نہیں۔

جواب اول: ملا علی قاریؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ ممکن ہے یوں کہا جائے کہ ''فیخلٌّ'' حال ہے صفت نہیں۔

جواب ثانی: موصوف صفت کے درمیان اجنبی کا واسطہ نہیں کیونکہ ''من ادم'' بھی اقفر کا معمول ہے جس طرح ''فیه خلٌّ'' معمول ہے کیونکہ ایک فعل کے دو معمول ہو سکتے ہیں اور وہ دونوں اجنبی نہیں ہوتے۔

لہٰذا روایت کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مہمان گھر پر آجائے تو اس کو بلا تکلف جو حاضر ہو اسے پیش کر دینا چاہیے اور مہمانوں

کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ جو کچھ حاضر کر دیا جائے اسے بخوشی قبول کرنا چاہیے اس میں ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کہ جس سے میزبان کی دل آزاری ہو۔ اس سے سرکہ کی تعریف بھی معلوم ہوئی کہ وہ سالن کے قائمقام ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ جس گھر میں سرکہ موجود ہے اس گھر کے لئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ گھر سالن سے خالی ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ هَانِئٍ: امام ترمذیؒ کا مقصود اس جملہ سے یہ ہے کہ یہ روایت متصل ہے مرسل و منقطع نہیں ہے کیونکہ ام ہانی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد بھی زندہ رہی ہیں گو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شعبی کی ملاقات ثابت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْبِطِّيخِ بِالرُّطَبِ

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَقَدْ رَوَى يَزِيدُ بْنُ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ

عبدہ بن عبداللہ خزاعی، معاویہ بن ہشام، سفیان، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خربوزہ کھجور کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن غریب ہے بعض راوی اسے ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں یعنی حضرت عائشہ کا ذکر نہیں کرتے یزید بن ہارون بھی یہ حدیث بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: الْبِطِّيخَ: اس کا معنی خربوزہ ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے بطیخ کی تفسیر تربوز سے کی ہے وہ غلط ہے وہ کہتے ہیں کہ تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے نہ کہ خربوزہ حالانکہ روایت میں یہ مراد نہیں کیونکہ جس طرح تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے اسی طرح خربوزہ بھی ٹھنڈا ہوتا ہے۔

دیگر شراح حضرات کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ بطیخ سے مراد خربوزہ ہے حافظ ابن حجرؒ نے بھی بطیخ کی تفسیر خربوزہ سے کی ہے۔

بِالرُّطَبِ: راء کے ضمہ اور طاء کے فتحہ کے ساتھ ترمیٹھی کھجور۔

كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور اور خربوزہ کو ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے دونوں ملا کر کھانے سے مٹھاس آجاتی ہے اور خربوزے کا پھیکا پن دور ہو جاتا ہے کھجور گرم مزاج اور خربوزہ سرد مزاج دونوں مل کر معتدل مزاج ہو جاتے ہیں۔

وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ: بعض راویوں نے اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ ہشام اپنے والد سے نقل کر رہے ہیں اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں تو یہ روایت مرسل ہو گئی صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْقِثَّاءِ بِالرُّطَبِ

حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ

اسماعیل بن موسیٰ فزاری، ابراہیم بن سعد، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککڑی کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اسے صرف ابراہیم بن سعد کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: الْقِثَّاءَ: ق کے کسرہ اور ثاء کی تشدید کے ساتھ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے اس کا اطلاق کھیرے اور ککڑی دونوں پر ہوتا ہے یہاں ککڑی مراد ہے۔

ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وسعت اور استطاعت کی صورت میں متعدد غذائیں کھانے اور میوہ جات استعمال میں لانے اور کھانے میں اسراف نہیں بلکہ اتباع سنت ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دو پھل ایک ساتھ ملا کر کھائے جا سکتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماکولات و مشروبات کو طبی قاعدہ کے مطابق اصلاح کر کے کھایا جا سکتا ہے تا کہ مزاج کے مطابق ہو جائے۔

اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ کھیرا اور کھجور ملا کر کھانے سے جسم سے کمزوری دور ہو جاتی ہے اور لاغر جسم فربہ ہو جاتا ہے یہ بھی کمزوری کا علاج ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے لیکن اگر بائیں ہاتھ سے کچھ مدد حاصل کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ وَقَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ثَابِتٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَنَسٍ رَوَاهُ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ

حسن بن محمد زعفرانی، عفان، حماد بن سلمہ، حمید، ثابت، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے تو وہاں کی آب وہوا ان لوگوں کو موافق نہ آئی پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقے کے اونٹوں کی طرف بھیج دیا اور فرمایا ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یہ حدیث انس سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوقلابہ نقل کرتے ہیں اور سعد بن ابی عروبہ بھی قتادہ سے اور وہ حضرت انس

وَرَوَاهُ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب وحدیث کی مکمل شرح ماقبل "**ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی بول مایو کل لحمہ**" کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے اور آگے "ابواب الطب" میں "باب ماجاء فی شرب ابوال الابل" میں یہی روایت ذکر کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے ایک ہی روایت تین جگہوں پر ذکر کی ہے یہ تو تکرار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے ہر جگہ علیحدہ علیحدہ حیثیت سے اس روایت کو ذکر کیا ہے ابواب الطہارت میں اس لئے ذکر کیا کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے یا نہیں وہاں اس کی پاکی وناپاکی کے ثبوت کے لئے حدیث کو بیان کیا ہے اور ابواب الاطعمۃ میں اس کے حلت وحرمت کے پیش نظر بیان کیا کہ پیشاب حلال ہے یا حرام۔ ابواب الطب میں اس کو اس وجہ سے بیان کیا کہ آیا حرام چیز سے علاج کرنا جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق تمام تفصیل ماقبل ابواب الطہارۃ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ الْوُضُوءِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ ح وَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ الْمَعْنَى وَاحِدٌ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ زَاذَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ قَيْسٍ وَقَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَأَبُو هَاشِمٍ الرُّمَّانِيُّ اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ دِينَارٍ

یحیٰ بن موسیٰ، عبداللہ بن نمیر، قیس بن ربیع، قتیبہ، عبدالکریم جرجانی، قیس بن ربیع، ابوہاشم زاذان، حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا کھانے میں برکت کا باعث ہے پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ منہ دھونے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ اس باب میں حضرت انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم صرف قیس بن ربیع کی روایت سے جانتے ہیں اور قیس بن ربیع حدیث میں ضعیف ہیں ابوہاشم رمانی کا نام یحیٰ بن دینار ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کا ذکر کیا ہے یہاں اختلافی مسئلہ دیکھ لیں۔

مسئلہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ سے "غسل یدین قبل الطعام" کی کراہت منقول ہے مالکیہ کے نزدیک قبل الطعام وضو شرعی کی کراہت ہے وضو لغوی کی کراہت نہیں۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک اس بارے میں دو قول نقل کئے جاتے ہیں ”قبل الطعام غسل یدین“ مستحب ہے دوسرا قول یہ کہ ان کے ہاں مستحب نہیں ہے۔ (کما قال ابن القیم فی سننه)

قول ثالث: بعض احناف کے نزدیک کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

سفیان ثوریؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بیت الخلاء سے واپس تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا رکھا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم وضو کا پانی لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے وضو کا حکم صرف اس صورت میں دیا گیا ہے کہ جب میں نماز کیلئے کھڑا ہوں کھانے کے وقت مجھے وضو کا حکم نہیں دیا گیا۔

جواب اول: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں وضو سے وضو لغوی کی نفی نہیں بلکہ وضو شرعی کی نفی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوں اور نماز کے لئے وضو محض ہاتھ دھونا نہیں ہوتا بلکہ باقاعدہ شرعی وضو ہوتا ہے۔

جواب ثانی: ہاتھ دھونا کھانے کے آداب میں سے ہے کوئی واجبات یا سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کے آداب میں زیادہ تکلفات نہیں کرتے تھے۔

جواب ثالث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے بعد ہاتھ دھو چکے تھے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کہنے پر ارشاد فرمایا کہ پورا وضو کرنے کا حکم مجھے صرف نماز کے لئے دیا گیا ہے۔

جواب رابع: یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ مداومت علی الطہارۃ کے طور پر شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمائیں اس لئے صحابہ کرامؓ نے پانی لانے کا عرض کیا۔

حنابلہ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”برکة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده“ کہ کھانے کی برکت یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ہاتھ دھوئے جائیں اور کھانے کے بعد بھی ہاتھ دھوئے جائیں۔

باقی رہا اس حدیث کی سند پر ہونے والا اعتراض کہ یہ ضعیف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پر قیس بن ربیع کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے اور قیس بن ربیع کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سب محدثین نے اس کو ضعیف قرار نہیں دیا بلکہ بعض نے توثیق بھی کی ہے۔

اور جن حضرات نے حضرت قیس کو ضعیف کہا انہوں نے ان کی عدالت پر جرح نہیں کی بلکہ صرف ان کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے اور جو راوی عادل ہو اور اس کے حفظ اور یادداشت میں کمی ہو تو پھر بھی اس کی حدیث حسن ہوتی ہے نیز اس کی تائید دوسری احادیث سے ہوتی ہے مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”من احب ان یکثر خیر بیته فلیتوضأ اذا حضر غداءه واذا رفع“ یعنی جو آدمی یہ چاہے کہ اس کے گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ ہاتھ دھوئے جب کھانا لایا جائے اور جس وقت کھانا اٹھایا جائے۔ دوسری روایت ہے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”الوضوء قبل الطعام ینفی الفقر وبعده ینفی اللمم“ کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا بیماری یا جنون کو دور کرتا ہے اور کنز العمال میں بھی ایک روایت ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ایک نیکی ہے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا دو نیکیاں ہیں ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا کھانے کے آداب میں سے ہے اور سنت ہے۔

بَابٌ فِي تَرْكِ الْوُضُوْءِ قَبْلَ الطَّعَامِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوا أَلَا نَأْتِيكَ بِوَضُوءٍ قَالَ إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يَكْرَهُ غَسْلَ الْيَدِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَكَانَ يَكْرَهُ أَنْ يُوضَعَ الرَّغِيفُ تَحْتَ الْقَصْعَةِ

احمد بن منیع، اسمٰعیل بن ابراہیم، ایوب ابی ملیکہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ بیت الخلاء سے نکلے تو کھانا حاضر کر دیا گیا۔ لوگوں نے عرض کیا کیا ہم آپ کے لئے وضو کا پانی لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وضو کا حکم صرف نماز کے وقت دیا گیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے عمرو بن دینار اسے سعید بن حویرث سے نقل کرتے ہیں علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ سفیان ثوری کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور پیالے کے نیچے روٹی رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

تشریح: أَلَا نَأْتِيكَ بِوَضُوءٍ: اس وضو کی تعیین کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ اس سے کونسا وضو مراد ہے وضو لغوی یا وضو اصطلاحی۔

قول اول: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سوال و جواب کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ وضو سے مراد وضو اصطلاحی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''اذا قمت الی الصلوٰۃ'' اور صلوٰۃ کے وقت وضو شرعی مامور بہ ہے نہ کہ وضو لغوی۔

سوال: اگر وضو سے مراد وضو اصطلاحی ہو تو پھر سوال کا منشاء کیا ہوگا۔

جواب اول: سائل کے ذہن میں یہ بات تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت باوضو رہتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے باوضو رہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت الخلاء سے نکلنے پر وضو کا پانی پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان کے ذریعے سے سائل کے گمان کا رد کر دیا کہ مجھے تو وضو کا حکم صرف نماز کے لئے دیا گیا ہے نہ کہ کھانے کے وقت۔ یہ توجیہ اگرچہ حدیث کے معنی کے مناسب ہے مگر مصنفؒ کے خلاف ہے کیونکہ مصنفؒ نے وضو لغوی کو ثابت کیا ہے لہٰذا اس کی دوسری توجیہ یہ کریں گے۔

جواب ثانی: سائل نے یہ گمان کیا تھا کہ ہاتھوں کا دھونا کھانے سے پہلے ضروری ہے اس لئے اس نے پانی لانے کو عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے گمان کو اس طرح رد کیا کہ نماز کے وقت کے علاوہ میں وضوء شرعی اور وضوء لغوی دونوں کے وجوب کی نفی کر دی اس بیان سے سائل کے ذہن میں شبہ بھی دور ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نماز کے علاوہ میں وضو واجب نہیں۔

جواب ثالث: بذل المجہود میں ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ شاید صحابہؓ نے پانی لانے کو اس لئے عرض کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ

دھلانے کی یاددہانی کروانا چاہتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کلام کا محمل ان کی مراد کے خلاف قرار دیتے ہوئے مسئلہ کو بیان فرمادیا کہ وضوء کھانے کے وقت واجب نہیں بلکہ نماز کے لئے واجب ہوتا ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ سوال و جواب میں وضو سے وضوء عرفی (مکمل وضو کرنا) مراد نہیں اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی لانے کو منع فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں دھوئے لہذا ترجمۃ الباب ثابت ہوگیا اب معلوم ہوا کہ غسل یدین قبل الطعام واجب نہیں بلکہ ترک جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدُّبَّاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ أَبِي طَالُوتَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهُوَ يَأْكُلُ الْقَرْعَ وَهُوَ يَقُولُ يَا لَكِ شَجَرَةٌ مَا أَحَبَّكِ إِلَيَّ لِحُبِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكِ وَفِي الْبَاب عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

قتیبہ بن سعید، لیث، معاویہ بن صالح، حضرت ابوطالوت سے روایت ہے کہ حضرت انس کے پاس حاضر ہوا وہ تو کدو کھا رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اے درخت میں تجھ سے کس قدر محبت کرتا ہوں اس لئے کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ اس باب میں حکیم بن جابر بھی اپنے والد سے حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

تشریح: ''الْقَرْع'' اور ''الدّباء'' ایک ہی چیز ہے۔

الدّباء: دال کی تشدید اور بغیر تشدید کے ساتھ۔ کدو کو کہتے ہیں خواہ وہ گول ہو یا لمبا ہو جیسے لوکی ہوتی ہے یہ مشہور سبزی ہے اس کی تاثیر و مزاج سرد ہے اور سریع الہضم ہے۔

يَا لَكِ شَجَرَةٌ مَا أَحَبَّكِ: '' يا لك '' میں لام تعجب کے لئے ہے اور ''شجرۃً'' اس کی تمیز ہے اور ''ما احبك'' فعل تعجب ہے الیّ میں ضمیر متکلم اور '' لِحُبِّ '' میں لام اجلیہ ہے۔

کدو کے پسندیدہ ہونے کی وجہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو لوکی وغیرہ کو پسند فرماتے تھے کیونکہ اس کے مزاج میں ٹھنڈک ہے اور اہل عرب کا مزاج گرم ہے اس لئے حرارت کے لئے برودت کی ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند کیا یا یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس کا حصول آسان ہے جلدی پک جاتا ہے لذت اور ذائقہ میں اچھا ہوتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوکی کا کھانا افضل ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پسند فرمایا کرتے تھے یہ بھی فرمایا کہ جس چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا امت کو چاہیے کہ وہ بھی اسے پسند کریں۔

وَفِي الْبَاب عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ: یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونک اس میں ایک راوی ابوطالوت مجہول ہے علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کون ہے اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے اس طریق سے اسے ضعیف کہا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَيْمُونٍ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

محمد بن میمون مکی، سفیان بن عیینہ، مالک، اسحاق بن

بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ فِي الصَّحْفَةِ يَعْنِي الدُّبَّاءَ فَلَا أَزَالُ أُحِبُّهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

عبداللہ بن ابوطلحہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پلیٹ میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا پس میں اس وقت سے کدو کو پسند کرتا ہوں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

تشریح: يَتَتَبَّعُ: تلاش کرنا۔ اس حدیث کی طرح دوسری حدیث شمائل میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعوت پر تشریف لے گئے سالن میں کدو بھی تھا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو مرغوب ہے تو میں کدو کے کٹے ہوئے اجزاء تلاش کر کے آپؐ کے سامنے کرتا تھا۔

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالے میں ہاتھ گھمانا کدو کے اجزاء کو تلاش کرنا تھا حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیؓ سے فرمایا "کل مما یلیک" کہ اپنے آگے سے کھاؤ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پیالے میں ہاتھ گھمایا۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پیالے میں اپنے سامنے ہی گھوما کہ اپنے سامنے کدو کو تلاش کیا۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ پوری رکابی میں گھومنا مراد ہو تو پھر اس صورت میں ہم یہ کہیں گے کہ ممانعت اس وقت ہے جب ساتھ کھانے والے کو گھن ہو رہی ہو جبکہ ایسی صورت یہاں نہیں پائی گئی یا یوں کہا جائے کہ نہی اس وقت ہے جب کھانا مشترک ہو اور یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا۔

اس حدیث سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں: **اول:** اگر ایک دسترخوان پر یا ایک پیالے میں چند چیزیں مختلف جمع ہوں تو اس پیالے کے دوسرے کنارے پر ہاتھ بڑھانا جائز ہے بشرطیکہ دوسرے ساتھی کو تکلیف نہ ہو اور اس حدیث کا تعارض اس روایت کے ساتھ نہیں ہوگا جس میں اپنے آگے سے کھانے کا ذکر ہے جبکہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود دوسرے کنارے سے کدو شریف تلاش کر رہے ہیں۔ یہ حدیث مختلف اشیاء پر محمول ہے اور ماقبل والی حدیث میں نہی ایک ہی قسم کے کھانے پر محمول ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ **ثانی:** اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ غرباء اور تنگ دستوں کی دعوت قبول کر لینی چاہئے۔

ثالث: یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ دسترخوان پر جو چیزیں رکھ دی جائیں ان کو برضا و رغبت کھا لینا چاہئے۔

رابع: یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے خادم کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا چاہئے اپنے سے دور نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ دنیادار لوگوں کا طریقہ ہے کہ خود مہمان خانے میں بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہیں اور خادم باہر بیٹھا رہتا ہے

خامس: یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کدو شریف کو اپنی پسندیدہ غذا قرار دے دینی چاہئے کیونکہ یہ مسنون ہے کدو کھانے کے چند فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

اول: اس کا مزاج ٹھنڈا اور تر ہے اس لئے گرم مزاج والوں کیلئے اس سے زیادہ نفع مند کوئی چیز نہیں ہے

ثانی: یہ پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے اور عمدہ غذا کا کام دیتا ہے

ثالث: کدو شریف کا پانی پینا اور اس سے سر کو دھونا گرمی کی وجہ سے ہونے والے سر درد میں مفید ہے۔
رابع: کدو ایک لطیف اور زود ہضم غذا ہے۔ **خامس:** کدو شریف قبض کشا بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الزَّيْتِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ وَكَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِي رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا ذَكَرَ فِيهِ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُبَّمَا رَوَاهُ عَلَى الشَّكِّ فَقَالَ أَحْسِبُهُ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُبَّمَا قَالَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

یحیی بن موسیٰ، عبدالرزاق، معمر، زید بن اسلم، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا زیتون کا تیل لگاؤ اور کھاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت سے ہے۔ اس حدیث کو ہم صرف عبدالرزاق عن معمر کی حدیث سے جانتے ہیں اور عبدالرزاق اس حدیث کے روایت کرنے میں مضطرب ہیں۔ کبھی وہ حضرت عمرؓ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور کبھی شک کے ساتھ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور کبھی زید بن اسلم سے بحوالہ ان کے والد (عن النبیؐ) مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عُمَرَ

ابوداؤد، سلیمان بن معبد، عبدالرزاق، معمر، زید بن اسلم ہم سے روایت کی ابوداؤد نے انہوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے وہ زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح حدیث نقل کرتے ہیں اور اس میں حضرت عمرؓ کا ذکر نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى عَنْ رَجُلٍ يُقَالُ لَهُ عَطَاءٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ عَنْ أَبِي أَسِيدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا مِنَ الزَّيْتِ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى

محمود بن غیلان، ابواحمد زبیری، ابونعیم، سفیان، عبداللہ بن عیسیٰ عطاء، حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زیتون کھاؤ اور اس کا تیل استعمال کرو یہ مبارک درخت سے ہے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے ہم اس کو صرف عبداللہ بن عیسیٰ کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: **الزَّيْتُ**: روغن زیتون کو کہتے ہیں قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں اس کو شجرہ مبارکہ کہا گیا ہے یہ درخت کثیر المنافع ہے اور طویل مدت تک رہتا ہے ہزار سال اس کی عمر ہوتی ہے یہ درخت ملک شام میں بکثرت پایا جاتا ہے ملک شام بابرکت جگہ ہے کیونکہ اس سرزمین میں کثرت سے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے گئے اور ان تمام انبیاء علیہم السلام نے اس درخت سے فائدے حاصل کئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس درخت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس درخت کی ہر چیز نفع بخش ہے اس سے تیل نکالا جاتا ہے جو طرح طرح کے کاموں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً چراغ جلانے، جسم پر ملنے، خوراک کے طور پر استعمال کرنے کے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی جلانے اور مسواک کے کام آتی ہے اس کی راکھ سے ابریشم کو دھویا جاتا ہے طوفان نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں سب سے پہلے یہ درخت وجود میں آیا اور اسے اگایا گیا ستر انبیاء کرام علیہم السلام نے اس زیتون کے درخت کے لئے دعا کی حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے لئے یہ دعا فرمائی ''اللھم بارك فی الزیت والزیتون''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال کی ترغیب کیوں دی: وجہ یہ ہے کہ یہ بابرکت ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت نفیس تیل ہے بدن میں قوت اور خوشبو پیدا کرتا ہے اس سے بدن میں چکناہٹ پیدا ہوتی ہے اور بہت سی بیماریوں کے لئے شفاء ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ: امام ترمذیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عبدالرحمن حمیری صنعانی اس حدیث کو روایت کرنے میں مضطرب ہیں کبھی تو روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ''عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اور کبھی شک کے ساتھ کہتے ہیں ''احسبه عن عمر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم'' اور کبھی حضرت عمرؓ کا نام چھوڑ کر دوسرے راوی ''عن زید بن اسلم عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم'' کا ذکر کرتے ہیں اس آخری صورت میں روایت مرسل ہوگی کیونکہ یہاں صحابی کا واسطہ چھوڑ دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَمْلُوكِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُخْبِرُهُمْ ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَفَا أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ حَرَّهُ وَدُخَانَهُ فَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً فَلْيُطْعِمْهُ إِيَّاهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو خَالِدٍ وَالِدُ إِسْمٰعِيلَ اسْمُهُ سَعْدٌ.

نصر بن علی، سفیان، اسماعیل بن ابو خالد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرتے ہوئے گرمی اور دھواں برداشت کرے تو اسے چاہیے کہ خادم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بٹھالے اور اگر وہ انکار کرے تو لقمہ لے اور اسے کھلائے یہ حدیث حسن صحیح ہے ابو خالد کا نام سعد ہے اور یہ اسماعیل کے والد ہیں۔

تشریح: **إِذَا كَفَا أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ:** ''کفی ای تولی حرّ النار فی طبخه وعلاجه'' چونکہ خادم نے کھانا پکانے میں آگ کی گرمی کو برداشت کیا اور اس کے دھوئیں کو بھی برداشت کیا اس لئے خادم کو ساتھ کھانا کھلایا جائے۔

پھر ساتھ کھلانے میں اور کھانا تیار کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اول صورت یہ ہے کہ کھانا اگر گھر والوں نے پکایا ہے تو اس کی صورت واضح ہے کہ سب گھر والے کھائیں گے حدیث الباب میں یہ صورت مذکور نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ گھر یا ادارے میں کھانا کسی ملازم و ملازمہ یا خادمہ وغیرہ نے تیار کیا ہے اس میں اجنبی فرد کی محنت ہے اس صورت کا حکم حدیث الباب میں مذکور ہے کہ خادم، ملازم وغیرہ نے کھانا تیار کرنے میں مشقت برداشت کی لہٰذا خادم، ملازم کو کھانے میں ساتھ شریک کیا جائے۔ اور اگر کھانا پکانے والی ملازمہ یا خادمہ اجنبیہ ہو تو اس کے لئے کھانا علیحدہ کر دیا جائے۔

فَلْيُقْعِدْ مَعَهُ: اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اس کو ساتھ بٹھانے میں عار نہ محسوس کی جائے جیسے متکبرین اور جبابرہ کی عادت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دوران طعام اگر اس کی خدمت کی ضرورت پڑ جائے تو اس کو بھی کھانے کا حصہ دیا جائے تاکہ وہ کام سے فارغ ہونے کے بعد اسے کھا سکے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ شرکاء طعام کی کثرت کی وجہ سے یا کھانے کے کم ہونے کی وجہ سے اندیشہ ہو کہ کھانا بمشکل ہی پورا ہوگا اور بچے گا نہیں تو ایسی صورت میں خادم، خادمہ کو کھانے سے تھوڑا سا چکھنے کے لئے دے دیا جائے۔

فَلْيَأْخُذْ لُقْمَةً: دوسری روایت میں ہے "اکلة او اکلتین" او تنویع کے لئے ہے اور "بَل" کے معنی میں ہے "اُكلة" ہمزہ کے ساتھ ضمہ کے ساتھ جو ایک دفعہ کھایا جائے اسے اکلة کہتے ہیں لقمہ اور نوالہ، مطلب یہ ہے کہ کھانے کی کمیت کے لحاظ سے یا خادم کے لحاظ سے ایک دو لقمے دیئے جائیں اگر کھانا قلیل ہے تو ایک دو لقمے اور اگر کثیر ہے تو کھانے کا ایک حصہ اس کو دیا جائے۔

سوال: اس روایت کا تعارض ہے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اطعموهم مما تطعمون" اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آقا کو خادم کے ساتھ مطاعم و ملابس میں برابری کرنی چاہیے کھانے میں جو خود کھائے وہی غلام کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی خادم کو پہنائے جبکہ حدیث الباب سے اختیار معلوم ہو رہا ہے چاہے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے یا اسے چھوڑ دے۔

جواب: حدیث ابوذرؓ میں آقا کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ خادم کو ہر چیز میں شریک کرے البتہ اگر ساتھ کھلائے تو زیادہ بہتر ہے باقی آقا کے لئے یہ اختیار ہے کہ جو خود کھا رہا ہے اس سے کم تر غلام کو کھلا سکتا ہے کیونکہ آقا کے لئے واجب ہے کہ وہ غلام کو ایسا کھانا کھلائے جو عام طور پر اس شہر میں کھلایا جاتا ہے۔ لہٰذا حدیث میں جو حکم وارد ہے اس میں دونوں احتمال ہیں یا تو یہ حکم مطلقاً استحباب کے لئے ہے یا ان دونوں میں سے ایک لاعلی التعین واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ إِطْعَامِ الطَّعَامِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُمَحِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ	یوسف بن حماد، عثمان بن عبد الرحمن جمحی، محمد بن زیاد، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ

أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُورَثُوا الْجِنَانَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ وَشُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ أَبِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ

علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور کافروں کی کھوپڑیاں مارو۔ (یعنی جہاد کرو) اس طرح تم لوگ جنت کے وارث ہو جاؤ گے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابن عمر، انس، عبداللہ بن سلام، عبدالرحمن بن عائش اور شریح بن ہانی رضی اللہ عنہم بھی اپنے والد سے احادیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: أَفْشُوا السَّلَامَ: فَشَا، يفشوا، فشواً ظاہر ہونا، پھیلنا۔

سلام کے معنی ہیں نقائص وعیوب سے محفوظ رہنا اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اور جنت کا ایک نام بھی سلام ہے جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تیرے حال پر مطلع ہے تو غافل نہ ہونا یا اس کا معنی ہے کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔

سلام کو پھیلاؤ ''علی من عرفت و من لم تعرف'' جن کو پہچانتے ہو اور جن کو نہیں پہچانتے۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرے تو سلام کو ترویج دے اس کی تعلیم دی گئی ہے اور دوسرے الفاظ کے استعمال کا حکم نہیں اور سلام بھی ان الفاظ سے ہو جن کا ثبوت احادیث سے ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اور اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کہا جائے، اہل جنت یہ سلام جنت میں بھی ایک دوسرے کو دیں گے اور جنت کے سلام کو ہی دنیا میں رائج کرنے کا حکم دیا۔ یہ اسلامی شعار بھی ہے اس کے برخلاف گڈ مارننگ، ہیپی ڈے، ہیپی مارننگ اور طرح طرح کے الفاظ غیر مسلموں کا شیوا و شعار ہے ان سے اجتناب ضروری ہے۔

سلام کی مشروعیت: اسلام سے پہلے لوگوں کے درمیان آپس میں نہایت بغض وحسد اور عداوت تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے جب ایک دوسرے سے ملتے تو خوف کرتے کہ میری جان محفوظ رہے گی یا نہیں۔ اسلام نے اس وحشت کو دور کرنے کیلئے یہ تعلیم دی کہ جب تم ملو تو سلام کرو کہ تو میری طرف سے سلامتی میں ہے لہٰذا مجھے بھی تو سلامتی میں رکھ اس لئے یکدم سلام کرکے اپنے مسلمان بھائی کو سلامتی کا یقین دلایا جائے تو گویا ابتداء اسلام میں سلام امتیاز بین المسلم والکافر کے لئے مشروع تھا۔ سلام سے پہل کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے یہاں سنت کا درجہ وجوب سے افضل ہے جبکہ فقہ کی رو سے واجب کا ثواب زیادہ ہوتا ہے لہٰذا سنت کا درجہ واجب سے افضل سلام میں پہل کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ سلام میں پہل کرنا تواضع بھی ہے اور تکبر سے بری ہونا بھی ہے اس مسئلے کی نظیر ''النظرۃ عن المعسر الی المیسرۃ'' کہ تنگ دست کو مہلت دینا واجب ہے اور ابراء، مہلت دینے سے افضل ہے جبکہ یہ ابراء سنت ہے جو واجب سے افضل ہے۔ (مرقاۃ ج۹ ص۴۶)

سلام کا شرعی حکم: ابتداء بالسلام مسنون ہے اور اس کا جواب دینا واجب (فرض کفایہ) ہے اس پر اہل علم کا اجماع ہے سلام بلند آواز سے کرنا کہ مخاطب سن لے، مستحب ہے اور اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا سن لے یہ واجب ہے سلام کا جواب علی الفور

واجب ہے بلا عذر تاخیر مکروہ ہے ابتداء شرکت فی المجلس میں جس طرح سلام کرنا سنت ہے اسی طرح مجلس برخاست کرتے ہوئے سلام کہنا سنت ہے۔ باقی رہا طعام تو وہ ہر ایک بقدر وسعت دوسرے کو کھلائے اس میں ہدیہ، صدقہ سب داخل ہے۔

وَاضْرِبُوا الْهَامَ: ''هامة'' کی جمع ہے اس کے معنی سر اور سر کا بالائی حصہ یعنی کھوپڑی اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ جہاد کے فرض ہونے اور دیگر احکامات کی تفصیل ابواب الجہاد میں گزر چکی ہے۔

تُورَثُوا الْجِنَانَ: وارث بنائے جاؤ گے تم جنت کے، مطلب یہ ہے کہ جب تم ان افعال کو کرلو گے تو جنت بھی تمہیں اسی طرح ملے گی جس طرح وارث ہونے میں وراثت ملتی ہے اور وارث کو وراثت ملنے کا پختہ یقین ہوتا ہے اسی طرح جنت ملنے میں بھی پختہ یقین ہونا چاہیے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْبُدُوا الرَّحْمَنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، ابوالاحوص، عطاء بن سائب، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رحمن کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْعَشَاءِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْقُرَشِيُّ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَلَّاقٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَشَّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ فَإِنَّ تَرْكَ الْعَشَاءِ مَهْرَمَةٌ هَذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَعَنْبَسَةُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَلَّاقٍ مَجْهُولٌ

یحییٰ بن موسیٰ، محمد بن یعلی کوفی، عنبسہ بن عبدالرحمن قرشی، عبدالملک بن علاق، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رات کا کھانا ضرور کھایا کرو اگرچہ مٹھی بھر کھجوریں ہی ہوں کیونکہ رات کے کھانے کا ترک کرنا بوڑھا کر دیتا ہے۔ یہ حدیث منکر ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں عنبسہ کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے عبدالملک بن علاق مجہول ہے۔

تشریح: تَعَشَّوْا وَلَوْ بِكَفٍّ مِنْ حَشَفٍ: عشی، یعشو، عشوًا مجرد سے رات کا کھانا کھانا اسی طرح اس کے معنی رات کو نظر نہ آنا عشی فلانا کے معنی ہیں کسی کو رات کا کھانا کھلانا ''بِكَفٍّ'' (مٹھی بھر) **مهرمة** ''بڑھاپے کا سبب'' **هرم الرجل هرما و مهرمة**'' بڑھاپے کی آخری منزل کو پہنچا بوڑھا اور کمزور ہو جانا حدیث الباب میں شام کے کھانے کی تاکید کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رات کا کھانا ترک کرنے کی وجہ سے انسان کو بڑھاپا جلدی آجاتا ہے کیونکہ جب خالی معدہ سوئے گا تو اس سے رطوبت اصلیہ کی تحلیل ہو جائے گی جو قوت ہضم کے لئے ہوتی ہے جب قوت ہضم کمزور ہو جائے گی تو باقی اعضاء بھی کمزور ہو جائیں

گے اس طرح اس پر بڑھاپا جلدی آئے گا انسانی جسم کی مثال ایک مشین جیسی ہے کہ اگر مشین تیل ڈالے بغیر چلائی جائے تو وہ رگڑ رگڑ کر جلدی ختم ہو جائے گی اور اگر تیل ڈال کر مشین چلائی جائے تو اس کی میعاد بڑھ جائے گی۔ علامہ قتیبی فرماتے ہیں کہ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے یا آپ سے پہلے مشہور تھی۔ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ شام کو کچھ نہ کچھ کھا لینا چاہیے۔

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ: امام ترمذیؒ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے وجہ نکارت دو راویوں کا ضعیف ہونا ہے عنبسہ ضعیف راوی ہے ابو حاتم نے اس کو وضاع قرار دیا ہے اور عبد الملک بن علاق مجہول ہے بعض حضرات نے محمد بن یعلی کو بھی ضعیف کہا ہے۔ یہ روایت اگر چہ منکر ہے لیکن مضمون کے اعتبار سے صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْمِيَةِ عَلَى الطَّعَامِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ فَقَالَ ادْنُ يَا بُنَيَّ وَسَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِي وَجْزَةَ السَّعْدِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ فِي رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ وَأَبُو وَجْزَةَ السَّعْدِيُّ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ

عبداللہ بن صباح ہاشمی، عبدالاعلی، معمر، ہشام بن عروہ، حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹا قریب ہو جاؤ اور بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ ہشام بن عروہ ابو وجزہ سعدی اور قبیلہ مزینہ کے ایک آدمی کے واسطہ سے بھی حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے یہ حدیث منقول ہے ہشام بن عروہ کے ساتھیوں نے اس حدیث کی روایت میں اختلاف کیا ہے ابو وجزہ سعدی کا نام یزید بن عبید ہے۔

تشریح: مسئلہ: کھانے سے پہلے تسمیہ پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک کھانے سے پہلے "بسم اللہ" پڑھنا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک کھانے سے پہلے تسمیہ سنت ہے یا مستحب ہے واجب نہیں۔

اہل ظواہر کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں "بسم اللہ" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے اسلئے اسکا پڑھنا واجب ہوگا۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: ابوداؤد و ترمذی شریف وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو اسی باب کی فصل ثانی کی دوسری حدیث ہے اس میں ہے کہ "اذا اکل احدکم طعاما فلیقل بسم اللہ فان نسی فی اولہ فلیقل بسم اللہ فی اولہ وآخرہ"۔

دلیل ثانی: امام حاکم نے مستدرک حاکم میں "بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ" کے الفاظ نقل کیے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ

تسمیہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔ باقی ان احادیث کا جواب واضح ہے کہ یہاں امر استحباب کیلئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔

وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ: **مسئلہ: دائیں ہاتھ سے کھانے کا کیا حکم ہے۔** اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا مستحب و مسنون ہے واجب نہیں۔

اہل ظواہر کی دلیل اول: یہی حدیث باب ہے اس میں "کل بیمینك" امر کے الفاظ ہیں جو وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث جو امام مسلم نے نقل کی ہے کہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یاکل بشماله فقال کل بیمینك قال لا استطیع، قال لا استطعت، فما رفعها الی فیه بعد" (صحیح مسلم کتاب الاشربہ وآداب الطعام والشراب)

دلیل ثالث: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث مسلم شریف میں ہے "من اکل بشماله اکل معه الشیطان"

دلیل رابع: اسی طرح کی حدیث آگے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "لا یأکلن احدکم بشماله ولا یشربن بها فان الشیطان یاکل بشماله ویشرب بها"۔

جمہور حضرات ان تمام احادیث کو زجر و تنبیہ پر محمول کرتے ہیں اور مصالح شریعت پر محمول کرتے ہیں۔

باقی دائیں ہاتھ سے کھانے میں اگر کوئی عذر موجود ہو تو بائیں ہاتھ سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ: **مسئلہ: اپنے سامنے سے کھانا کھانے کا کیا حکم ہے۔** اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک ایک روایت میں وجوب کی تصریح ہے۔

قول ثانی: جمہور ائمہ حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔

تفصیل اس مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر کھانا ایک قسم کا ہو تو پھر ہاتھ گھمانا مناسب نہیں اپنے آگے سے کھانا چاہئے لیکن اگر کھانا مختلف اقسام کا ہو تو پھر پلیٹ میں جہاں سے چاہے کھالے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے روایت آرہی ہے کہ جب حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کھانے کے برتن میں ادھر ادھر ہاتھ گھمارہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے آگے سے کھاؤ، بعد میں ایک طبق کھجوروں کا لایا گیا جس میں پختہ اور نیم پختہ کھجوریں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عکراش رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس میں تم جدھر سے چاہو کھا سکتے ہو کیونکہ یہ مختلف النوع ہے۔ گویا اس حدیث میں کھانے کے تین بنیادی آداب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اول: بسم اللہ پڑھنا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ کھانے میں برکت ہوگی اور شیطان کھانے میں شریک نہیں ہوگا۔

ثانی: دائیں ہاتھ سے کھانا اگر عذر نہ ہو کیونکہ دایاں ہاتھ اشرف کاموں میں استعمال ہوتا ہے نیز لطافت ذوق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ صفائی و ستھرائی والے کاموں میں الگ اور نامناسب کاموں میں الگ ہاتھ استعمال ہوں۔

ثالث: اپنے سامنے سے کھانا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو پورے برتن میں ہاتھ کا گھمانا دوسرے کیلئے اذیت کا باعث بنتا ہے اور یہ حرص کی علامت ہے۔ اس لئے اپنے سامنے سے کھانے میں عاجزی اور سلیقہ مندی بھی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ الْفَضْلِ حضرت عکراش بن ذویبؓ فرماتے ہیں کہ مجھے بنو مرہ بن عبید

بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي السَّوِيَّةِ أَبُو الْهُذَيْلِ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عِكْرَاشٍ عَنْ أَبِيهِ عِكْرَاشِ بْنِ ذُوَيْبٍ قَالَ بَعَثَنِي بَنُو مُرَّةَ بْنِ عُبَيْدٍ بِصَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدِمْتُ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ هَلْ مِنْ طَعَامٍ فَأُتِينَا بِجَفْنَةٍ كَثِيرَةِ الثَّرِيدِ وَالْوَذْرِ فَأَقْبَلْنَا نَأْكُلُ مِنْهَا فَخَبَطْتُ بِيَدِي فِي نَوَاحِيهَا وَأَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى يَدِي الْيُمْنَى ثُمَّ قَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ ثُمَّ أُتِينَا بِطَبَقٍ فِيهِ أَلْوَانُ التَّمْرِ أَوِ الرُّطَبِ شَكَّ عُبَيْدُ اللّٰهِ قَالَ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ وَقَالَ يَا عِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ أُتِينَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَقَالَ يَا عِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْعَلَاءِ بْنِ الْفَضْلِ وَقَدْ تَفَرَّدَ الْعَلَاءُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ

نے اپنی زکوۃ کا مال دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جب میں مدینہ پہنچا تو دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین اور انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں لے گئے اور فرمایا کھانے کے لئے کچھ ہے پس ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں بہت سا ثرید اور بوٹیاں تھیں، ہم نے کھانا شروع کر دیا اور میں اپنا ہاتھ کناروں میں مارنے لگا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سامنے سے کھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑا اور فرمایا عکراش ایک جگہ سے کھاؤ سارا ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔ پھر ایک تھال لایا گیا جس میں مختلف قسم کی خشک یا تر کھجوریں تھیں۔ عبید اللہ کو اس میں شک ہے حضرت عکراش فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سامنے سے کھانا شروع کر دیا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک تھال میں گھومنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکراش جہاں سے جی چاہے کھاؤ۔ اس لئے کہ یہ ایک قسم کی نہیں ہیں۔ پھر پانی لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر گیلے ہاتھ چہرہ مبارک، بازوؤں اور سر پر مل لئے اور فرمایا: عکراش جو چیز آگ پر پکی ہوئی ہو اس سے اس طرح وضو کیا جاتا ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف علاء بن فضل کی روایت سے جانتے ہیں علاء اس حدیث میں متفرد ہیں اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

تشریح: **قولہ الوزر:** واو کے فتحہ کے ساتھ اور زاء کے سکون کے ساتھ **جمع وذرۃ** گوشت کی بوٹیاں جن میں ہڈی نہ ہو۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أُمِّ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کھانے لگے تو بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے اور اگر (شروع میں) بھول جائے

كُلْثُومٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ طَعَامًا فِي سِتَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَكَلَهُ بِلُقْمَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا إِنَّهُ لَوْ سَمَّى لَكَفَاكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

تو (درمیان میں) کہے بِسْمِ اللّٰهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ اسی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے ایک دیہاتی آیا اس نے دو لقموں میں کھانا کھالیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر وہ بِسْمِ اللّٰهِ پڑھتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: بِسْمِ اللّٰهِ فِي أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ: کا مطلب "اولهٗ" سے مراد کھانے کا نصف اوّل اور "اخرهٗ" سے مراد کھانے کا نصف آخر ہے چنانچہ استقصاء واستیعاب حاصل ہے۔ الحاصل جو شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہئے درمیان میں "بسم الله اوله و آخره" پڑھ لے محیط میں لکھا ہے کہ جو شخص وضو کے شروع میں تسمیہ پڑھنا بھول گیا تو وضو کے درمیان میں تسمیہ پڑھنے سے سنت حاصل نہیں ہوگی برخلاف کھانے کے کہ کھانے کے درمیان اگر کسی نے تسمیہ پڑھ لی تو وہ کفایت کر جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَيْتُوتَةِ وَفِي يَدِهِ رِيحُ غَمَرٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ الْوَلِيدِ الْمَدَنِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ حَسَّاسٌ لَحَّاسٌ فَاحْذَرُوهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحُ غَمَرٍ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا شیطان بہت حساس اور جلد ادراک کرنے والا ہے پس تم اس سے اپنی جانوں کی حفاظت کرو۔ جو آدمی اس حالت میں سوئے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی کی بو ہو پھر اسے کوئی چیز کاٹ ڈالے تو وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اس حدیث کو سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ أَبُو بَكْرٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ الْمَدَائِنِيُّ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ

محمد بن اسحاق ابو بکر البغدادی، محمد بن جعفر مدائنی، منصور بن ابوالاسود، اعمش، ابوصالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ

أَبِي الْأَسْوَدِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِي يَدِهِ رِيحُ غَمَرٍ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ہاتھوں میں چکنائی لگے ہوئے سو جائے پھر اسے کوئی چیز کاٹ ڈالے تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو اعمش سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کا مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

فَأَصَابَهُ شَيْءٌ: اس کے متعلق چند تشریحیں لکھی ہیں۔(۱) بعض روایات میں آتا ہے کہ ہاتھ نہ دھونے کی صورت میں برص کی بیماری کا اندیشہ ہے۔(۲) بعض نے کہا موذی جلدی امراض یا حشرات کے کاٹنے کا اندیشہ ہے۔(۳) بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد جنات ہیں یہاں روایات میں شیطان کو حساس، لحاس کہا گیا ہے یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے یا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ نہ دھونے والا موذی جانوروں کو کاٹنے پر اکساتا ہے لہٰذا ہاتھ نہ دھونے کی وجہ سے نقصان ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔

غَمَرٍ: ہاتھ میں گوشت یا چکناہٹ کی بو کا ہونا۔ حساس: اسم مبالغہ بہت زیادہ احساس کرنے والا۔

لحّاس: بہت زیادہ چاٹنے والا۔ اصطلاح شریعت میں بری اور تکلیف دہ باتیں شیطان کی طرف منسوب کر کے بیان کی جاتی ہیں۔(آخر ابواب الاطعمة)۔

أَبْوَابُ الْأَشْرِبَةِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ دُرُسْتَ أَبُو زَكَرِيَّا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعُبَادَةَ وَأَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا فَلَمْ يَرْفَعْهُ

ابوزکریا یحییٰ بن درست، حماد بن زید، ایوب، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے پس جو شخص دنیا میں شراب پینے اور اس کا عادی ہونے کی حالت میں مرجائے تو وہ آخرت میں شراب نہیں پی سکے گا (یعنی جنت کی) اس باب میں حضرت ابوہریرہ ابوسعید، عبداللہ بن عمر، عبادہ، ابومالک اشعری اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بواسطہ نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعدد طرق سے مروی ہے مالک بن انس اسے نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کرتے ہیں۔

تشریح: مسئلہ: خمر کی حقیقت کے متعلق ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر مسکر چیز کو خمر کہا جاتا ہے اور اس کا قلیل وکثیر حرام ہے خواہ جس چیز سے بنائی جائے۔

قول ثانی: احناف اور سفیان ثوری کے نزدیک خمر کہا جاتا ہے خاص انگور کے تازہ پانی کو جو جوش مار کر جھاگ بھی نکالے اس کے علاوہ جو بھی مسکر ہو وہ خمر نہیں ہے اور حد نشہ سے کم حرام نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اول: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب ہے "کل مسکر حرام" کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

جواب: پہلی حدیث پر تو یحییٰ بن معین القطان نے طعن کیا ہے اس لئے یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "الخمر من ہاتین الشجرتین واشار الی النخلۃ والعنبۃ"۔

جواب: اس حدیث میں حقیقتِ خمر بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ حکم خمر بیان کرنا مقصود ہے اور شارع کا کام بھی حکم شرع بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ حقیقت بیان کرنا۔

دلیل ثالث: لغت ہے کہ لغت میں خمر کہتے ہیں مخامرۃ العقل کو جس کے معنی عقل کو ڈھانپ لینا کے ہیں اور یہ ہر مسکر میں موجود ہے لہٰذا

ہر مسکر کو خمر کہنا چاہئے۔ جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ مخامرۃ العقل سے مشتق نہیں ہے بلکہ تخمر سے مشتق ہے جس کے معنی شدت وقوت کے آتے ہیں اور یہ معنی دوسرے اشربہ میں نہیں پائے جاتے لہٰذا دوسرے اشربہ کو خمر نہیں کہا جائے گا۔

احناف کی دلیل اول: اہل لغت کے اسی قول سے ہے کیونکہ ہر چیز کی حقیقت لغت ہی سے معلوم ہوتی ہے اور اس بات پر تمام اہل لغت کا اتفاق ہے کہ خمر ایک خاص شراب کا نام ہے جو انگور سے بنائی جاتی ہے اسی لئے عام استعمال میں خمر سے وہی خاص شراب سمجھی جاتی ہے جبکہ انگور کے علاوہ سے بنائی گئی شرابوں پر دوسرے ناموں کا اطلاق ہوتا ہے۔

دلیل ثانی: خمر کی حرمت قطعی ہے اور دوسرے اشربہ کی حرمت ظنی ہے لہٰذا اس کی خاص حقیقت ہونی چاہئے۔

نیز ان چار اقسام کے علاوہ اور انبذہ بھی ہیں ان میں سکر وغیرہ آجاتا ہے ان میں نبیذ تمر، خلیط، مثلث یمنی وغیرہ ہیں۔

نبیذ تمر: وہ شراب جو کھجور سے بنائی گئی ہو اور اس کو جوش دیا گیا ہو اگر اس میں کچھ گاڑھا پن بھی آجائے تو پھر بھی اس کا پینا جائز ہے۔

خلیط: وہ شراب جو کھجور اور منقی دونوں کو قدرے جوش دلا کر بنائی گئی ہو۔

بتع: جو شہد، گیہوں، جو اور جوار کو پانی میں قدرے جوش دے کر مشروب کی صورت میں بنائی گئی ہو۔

مثلث یمنی: انگور کے عرق کو اتنا پکایا جائے کہ اس کے دو حصے خشک ہو جائیں اور ایک حصہ مشروب کی صورت میں باقی رہے۔

ان چاروں چیزوں کا کیا حکم ہے۔ جمہور حضرات کے نزدیک کثیر مقدار استعمال کرنے سے نشہ آئے تو قلیل بھی حرام ہے اگر کثیر مقدار کے استعمال میں نشہ نہیں آتا تو قلیل اور کثیر بھی جائز ہے۔ اس مسئلہ میں امام محمدؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں لہٰذا فتویٰ اسی پر ہے۔

عبادت کیلئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کرنے کے حکم میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام محمدؒ کے نزدیک عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کی غرض سے بھی ان کا پینا حرام ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو عبادت کے لئے طاقت حاصل کرنے کے لئے پئے تو اس کا پینا جائز ہے اور اگر لہو ولعب اور جنسی لذت کے طور پر پئے گا تو اس کا پینا درست نہیں ہے۔

لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ: اس کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں

اول: اگر حلال سمجھتے ہوئے شراب پیتا رہا تو کافر ہوا اور کافر جنت سے محروم ہوگا جب وہ جنت سے محروم ہوا تو خمر چونکہ جنت کا مشروب ہے اسلئے خمر سے بھی محروم ہوگا۔

ثانی: یا یہ مطلب ہے کہ ایسے شخص کو نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ شراب طہور پینا نصیب نہ ہوگا جبکہ یہی شراب طہور جنت کی اعلیٰ نعمت ہے کما فی القرآن "وسقهم ربهم شرابا طهورًا"

ثالث: یہ ارشاد زجر وتوبیخ اور شراب پینے سے شدید ممانعت پر محمول ہے

رابع: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جنت میں تو داخل ہوگا لیکن شراباً طہوراً سے محروم رہے گا **خامس:** یا ایسے شخص کو شراب طہور کو اس کی چاہت ہی نہ ہوگی۔ (مرقاۃ)

أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

السَّائِبِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلٰوةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ صَبَاحًا فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ قِيلَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ قَالَ نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دنوں کی نمازیں قبول نہیں فرماتے اور اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور پھر اگر وہ دوبارہ شراب پیئے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں فرماتے اور اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے پھر اگر اس نے تیسری بار پی لی تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرماتے پھر اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں پھر اگر چوتھی مرتبہ یہی حرکت کرے تو اللہ تعالیٰ چالیس دنوں تک اس کی نمازیں قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے اور اس کو خبال کی نہر سے پلائے گا لوگوں نے کہا اے ابوعبدالرحمن (عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) خبال کی نہر کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا دوزخیوں کی پیپ۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل احادیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: أَرْبَعِينَ صَبَاحًا: یہاں چالیس صبح کی نمازوں سے چالیس دن کی نمازوں کا قبول نہ ہونا مراد ہے۔

سوال: نماز کو کیوں خاص کیا اسکی وجہ کیا ہے؟

جواب: نماز چونکہ تمام عبادات میں ام العبادت ہے اور ادھر برائیوں میں سب سے بڑی ام الخبائث شراب پینا ہے۔ تو شراب کا اثر نماز پر پڑے گا جب نماز جو ام العبادات ہے وہ قبول نہیں ہوتی تو دوسری عبادات بطریق اولیٰ قبول نہیں ہونگی۔

سوال: اتنی شدید وعید اور تقیید بالاربعین کے ساتھ بیان کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نیکی کا اثر اس کے دل پر چالیس دن تک رہتا ہے اسی طرح ہر معصیت کا اثر بھی چالیس دن تک رہتا ہے۔ اس پر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر لوگ چالیس دن تک حرام کھانے سے رک جائیں تو نظام عالم تبدیل ہو جائے دنیا کے امور کو چھوڑنے کی وجہ سے اور ایک روایت میں ہے "من اخلص اللّٰہ اربعین صباحا اظهر الله ینا بیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ"۔ یعنی جو شخص اپنے آپ کو اللہ کیلئے خالص کر دے تو اللہ اس کے دل سے حکمتوں کے چشمے اس کے زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے "ومن حفظ علی امتی اربعین حدیثا بعثه الله فقیها"۔ جو چالیس احادیث یاد کرے گا اللہ اس کو فقیہ اٹھائے گا۔

الحاصل چالیس کے عدد میں نیکی کرنے اور برائی کرنے میں تاثیر بلیغ ہے اسی وجہ سے کہا گیا کہ جس شخص کیلئے چالیس سال تک خیر شر پر غالب نہیں ہوا تو اس کے لئے موت بہتر ہے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۱۹۳)

فَإِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ: یہ زجر و تہدید پر محمول ہے۔ امام مظہر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص زبان سے توبہ کرتا ہے لیکن دل سے نہیں کرتا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث محمول ہے اصرار علی الکبائر پر اور یہ کہ اس کی موت بھی اس پر واقع ہوئی ہو اس لئے کہ جب توبہ قبول نہیں تو لازمی بات ہے کہ وہ کفر اور معاصی پر ہی مرے گا۔

وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ: یہ اس وجہ سے ہے کہ اس نے تین مرتبہ توبہ کر کے توبہ کو توڑا ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بنا ہے "کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا"۔ اور غالب یہی ہے کہ جو شخص تین مرتبہ توبہ کر کے پھر گناہ کرے تو اس کی توبہ صحیح نہیں۔ "کما اشار الیہ الآیۃ بعدم الھدایۃ والمغفرۃ"۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم۔ الآیۃ"۔ الحاصل ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مصداق وہ شخص ہے جو کم از کم توبہ کو تین مرتبہ توڑنے والا ہو لہٰذا ایسے آدمی کے لئے وعید شدید کا بیان ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كُلِّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْبِتْعِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ

اسحاق بن موسیٰ انصاری، معن، مالک بن انس، ابن شہاب، ابوسلمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شہد کی شراب کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر وہ پینے والی چیز جو نشہ کرتی ہے وہ حرام ہے۔

تشریح: عَنِ الْبِتْعِ: با کے زیر تاء کے سکون کے ساتھ بتع منقول ہے اور بعض جگہ تاء کے زیر کے ساتھ منقول ہے بتع "ھو نبیذ العسل" یعنی جس شہد کو کسی برتن میں ڈال کر چھوڑا جائے تا کہ کھجور کی نبیذ کی طرح اس میں تیزی آجائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر شہد کی نبیذ بھی نشہ لائے تو وہ بھی حرام ہے اور تمر کی نبیذ کا بھی یہی حکم ہے نیز کہا جاتا ہے کہ بتع اہل یمن کی شراب ہوتی تھی۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ الْكُوفِيُّ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ

عبید بن اسباط بن محمد قرشی، ابوسعید اشج، عبداللہ بن ادریس، محمد بن عمرو، ابن سلمہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي مُوسٰى وَالْأَشَجِّ الْعَصَرِيِّ وَدَيْلَمٍ وَعَائِشَةَ وَمَيْمُونَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَقَيْسِ بْنِ سَعْدٍ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَمُعَاوِيَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَبُرَيْدَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَقُرَّةَ الْمُزَنِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَكِلَاهُمَا صَحِيحٌ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابوسعید، ابوموسی، اشج عصری، دیلم، عائشہ، میمونہ، ابن عباس، قیس بن سعد، نعمان بن بشیر، معاویہ، عبداللہ بن مغفل، ام سلمہ، بریدہ، ابوہریرہ، وائل بن حجر اور قرہ مزنی رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اور ابوسلمہ سے بھی بواسطہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی طرح کی حدیث مرفوعاً منقول ہے دونوں روایتیں صحیح ہیں کئی افراد نے بواسطہ محمد بن عمر، ابوسلمہ اور ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی۔ بواسطہ ابوسلمہ اور ابن عمر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت منقول ہے۔

تشریح: حدیث میں بالفعل نشہ کرنا مراد ہے یا بالقوۃ۔ جو حضرات نبیذوں کی حلت کے قائل ہیں وہ بالفعل نشہ کے قائل ہیں اور نشہ سے کم مقدار کو جائز سمجھتے ہیں اور جمہور بالقوہ نشہ آور مراد لینے کے قائل ہیں۔ اس لئے وہ تھوڑی مقدار کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔ ان کی دلیل آنے والی احادیث ہیں اور قول اول والوں کی دلیل: صحابہ وتابعین کا عمل ہے کہ وہ کم مقدار میں نشہ آور نبیذیں استعمال کرتے تھے۔ جمہور کی دلیل آئندہ باب کی روایت ہے۔

بَابُ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ ح وحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ بَكْرِ بْنِ أَبِي الْفُرَاتِ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ

قتیبہ، اسماعیل بن جعفر، علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، داؤد بن بکر بن ابوفرات، محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس چیز کی کثیر مقدار نشہ دیتی ہے اس کی تھوڑی مقدار استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ اس باب میں حضرت سعد، عائشہ، عبداللہ بن عمرو، ابن عمر اور خوات

بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عُمَرَ وَخَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ

بن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے جابرؓ کی حدیث سے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مَهْدِيِّ بْنِ مَيْمُونٍ ح وحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ مَيْمُونٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ مَا أَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ قَالَ أَحَدُهُمَا فِي حَدِيثِهِ الْحُسْوَةُ مِنْهُ حَرَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ لَيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ وَالرَّبِيعُ بْنُ صَبِيحٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيِّ نَحْوَ رِوَايَةِ مَهْدِيِّ بْنِ مَيْمُونٍ وَأَبُو عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيُّ اسْمُهُ عَمْرُو بْنُ سَالِمٍ وَيُقَالُ عُمَرُ بْنُ سَالِمٍ

محمد بن بشار، عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ، ھشام بن حسان، مہدی بن میمون، عبداللہ بن معاویہ جمحی، مہدی بن میمون، عبداللہ بن معاویہ، قاسم بن محمد، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے جس چیز کا ایک فرق (تین صاع پیمانہ) نشہ لائے۔ اس کا ایک چلو بھی پینا حرام ہے۔ عبداللہ یا محمد میں سے کسی نے اپنی حدیث میں حسوہ کے الفاظ نقل کئے ہیں یعنی ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے یہ حدیث حسن ہے اسے لیث بن ابی سلیم اور ربیع بن صبیح، ابوعثمان انصاری سے مہدی بن میمون کی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں ابوعثمان انصاری کا نام عمرو بن سالم ہے انہیں عمر بن سالم بھی کہا گیا ہے۔

تشریح: الْحُسْوَةُ: گھونٹ گھونٹ بھر۔ الفرق فاء کے فتحہ کے ساتھ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں تین صاع آتے ہیں۔ احناف کے ہاں اس کی مقدار ۹۷۸۴ گرام اور دوسرے فقہاء کے ہاں ۶۵۱۶ گرام بنتی ہے۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ فرق کہتے ہیں وہ برتن یا وہ پیمانہ جس میں سولہ رطل سما جائیں یہ بارہ مد تین صاع کا ہوتا ہے۔ محمد بن الحسن کے ہاں جس میں ۳۶ رطل سما جائیں۔ بعض نے کہا فرق مدینہ کا پیمانہ ہے اس میں تین صاع آتے ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ملئ الکف یہ عبارت ہے تکثیر اور تقلیل سے نہ کہ تحدید سے جس کی تائید آنے والی حدیث سے ہوتی ہے۔

ہر وہ شراب جو نشہ آور ہو خواہ قلیل ہو حرام ہے کیونکہ تھوڑی شراب زیادہ پینے کا عادی بنا دیتی ہے اس لئے تھوڑی سے بھی بچنا ضروری ہے اس لئے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسی شراب جو نشہ کم دے اس کا استعمال تو جائز ہے اور جو نشہ زیادہ دے اس کا استعمال جائز نہیں یہ مطلب ہرگز درست نہیں بلکہ ایسی شراب خواہ نشہ کم دے یا زیادہ حرام ہی ہے۔

بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ شراب کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔ باقی تشریح آسان ہے۔

وَأَبُو عُثْمَانَ الْأَنْصَارِيُّ: بعض حضرات نے ان کا نام عمرو بن سالم اور بعض نے عمر بن سالم ذکر کیا ہے یہ راوی صرف مقبول ہے اس لئے اس کی حدیث حسن ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَبِيذِ الْجَرِّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيذِ الْجَرِّ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ طَاوُسٌ وَاللَّهِ إِنِّي سَمِعْتُهُ مِنْهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى وَأَبِي سَعِيدٍ وَسُوَيْدٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، ابن علیہ، یزید بن ہارون، سلیمان تیمی، حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حاضر ہوا اور پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹکوں کی نبیذ سے منع فرمایا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں۔ طاؤس نے کہا اللہ کی قسم میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سنا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن ابی اوفی، ابوسعید، سوید، عائشہ، ابن زبیر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **الْجَرِّ:** جَرَّةٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں مٹی کا گھڑا۔ شراب کے برتنوں کے بارے میں اس باب میں ذکر چل رہا ہے ان برتنوں کی تفصیل اگلے باب کے ذیل میں آرہی ہے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑے میں نبیذ بنانے سے کیوں منع کیا۔

جواب: ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سکر جلدی آجاتا ہے چونکہ اس گھڑے کو رنگ کے ساتھ روغن دیا جاتا ہے جس وجہ سے اس کے مسامات بند ہوجاتے ہیں اور نبیذ میں نشہ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور شاید پینے والے کو پتہ ہی نہ چلے کہ اس میں نشہ آیا ہے یا نہیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑے میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا۔ جب گھڑوں میں نبیذ بنانے سے لوگ اچھی طرح رک گئے اور ان کے دلوں میں شراب کی حرمت اچھی طرح بیٹھ گئی تو پھر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی۔ دوسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے ترک میں شدت فرماتے اس کی تمام چیزوں سے منع کردیتے۔ بعض نے کہا کہ یہ چاروں برتن چونکہ شراب بنانے کے لئے خاص ہوتے تھے اس لئے ان سے منع فرمایا۔

سوال: جب بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جر میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی تو پھر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سائل کو نعم سے جواب کیوں دیا۔ **جواب اول:** ہوسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نسخ کا علم ہوا ہی نہ ہو۔

جواب ثانی: علم تو ہوا ہو لیکن نہی کی ارتفاع علت کا علم نہ ہوا ہو۔

جواب ثالث: یا پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سائل کی حالت کو دیکھتے ہوئے نعم کہہ دیا اس کے نسخ ہونے کو بیان نہیں کیا

جواب رابع: چونکہ حد سکر کے پہنچنے میں التباس ہے اور نہی کا ارتفاع سکر کے نہ ہونے کی بناء پر ہے اور سکر یہاں ممکن ہے اس لئے علت کے لوٹ آنے سے نہی کا لوٹ آنا محسوس کیا اس وجہ سے حضرت ابن عمرؓ نے نعم فرمایا۔

فَقَالَ طَاوُسٌ وَاللَّهِ إِنِّي سَمِعْتُهُ مِنْهُ: طاؤس کا یہ کہنا تو اس وجہ سے ہے کہ لوگوں کو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے

نعم کہنے پر تعجب ہوتا تھا کہ روایات ناسخہ تو مشہور ہیں تو پھر ابن عمرؓ نے نعم کے ساتھ جواب کیسے دیا ہو سکتا ہے طاؤس نقل کرنے میں غلطی کررہے ہوں اس لئے طاؤس نے قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے ابن عمرؓ سے اس طرح سنا ہے۔ بعض حضرات نے دوسری توجیہ یہ بیان کی ہے کہ بسا اوقات راوی روایت کے کمال ثبت وخصوصی ربط کو بیان کرنے کے لئے اس طرح کے جملے کہہ دیتا ہے لہذا اب مطلب یہ ہوگا کہ طاؤس فرمارہے ہیں کہ یہ بات میں نے ابن عمرؓ سے خود سنی ہے ایسا نہیں ہے کہ کسی دوسرے نے نقل کی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُنْبَذَ فِي الدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْحَنْتَمِ

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ زَاذَانَ يَقُولُ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَوْعِيَةِ وَ أَخْبِرْنَاهُ بِلُغَتِكُمْ وَفَسِّرْهُ لَنَا بِلُغَتِنَا قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَنْتَمَةِ وَهِيَ الْجَرَّةُ وَنَهَى عَنِ الدُّبَّاءِ وَهِيَ الْقَرْعَةُ وَنَهَى عَنِ النَّقِيرِ وَهُوَ أَصْلُ النَّخْلِ يُنْقَرُ نَقْرًا أَوْ يُنْسَحُ نَسْحًا وَنَهَى عَنِ الْمُزَفَّتِ وَهُوَ الْمُقَيَّرُ وَأَمَرَ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الْأَسْقِيَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْمَرَ وَسَمُرَةَ وَأَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَعَائِذِ بْنِ عَمْرٍو وَالْحَكَمِ الْغِفَارِيِّ وَمَيْمُونَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابوموسیٰ محمد بن مثنی، ابوداؤد طیالسی، شعبہ، حضرت عمرو بن مرہ، زاذان سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے ان برتنوں کے متعلق پوچھا جن کے استعمال سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور کہا کہ ہمیں اپنی زبان میں ان برتنوں کے متعلق بتا کر ہماری زبان میں اس کی وضاحت کیجیے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنتم سے منع کیا اور وہ روغنی گھڑا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دباء سے منع فرمایا اور وہ قرعہ ہے اور نقیر سے منع کیا اور وہ کھجور کے درخت کا تنا ہے جس کو خوب کرید کر برتن بنالیا جاتا ہے یا خوب چھیل کر برتن بنالیا جاتا ہے اور مزفت سے منع کیا اور وہ تارکول پھیرا ہوا گھڑا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ اس باب میں حضرت عمر، علی، ابن عباس، ابوسعید، ابوہریرہ، عبدالرحمن بن یعمر، سمرہ، انس، عائشہ، عمران بن حصین، عائذ بن عمرو، حکم غفاری، اور میمونہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اوعیة جمع وعاء: اس کا معنی برتن ہے۔

الْحَنْتَمَةِ: شراب کے اس گھڑے کو کہتے ہیں جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اس کو سبز مٹکا بھی کہتے ہیں۔

وَنَهَى عَنِ الدُّبَّاءِ: کدو شریف کا گودا نکال کر جو برتن بنایا جاتا ہے اسے دباء کہتے ہیں اسکے مسامات بند ہوتے ہیں اس لئے مشروب کے اندر جلد نشہ پیدا ہوجاتا ہے۔

الْمُزَفَّتِ: یعنی وہ برتن جس پر تارکول کا تیل مل دیا گیا ہو جیسے جہازوں اور کشتیوں پر ملا جاتا ہے تاکہ پانی اندر داخل نہ ہو زمانہ

جاہلیت میں شراب کے برتنوں پر تارکول کا تیل ملا کرتے تھے اس کی وجہ سے شراب میں جلد نشہ آجاتا تھا۔

اَلْمُقَيَّر: یعنی کھجور کے درخت کی جڑ وغیرہ کو کھود کر اسے برتن نما بنالیتے تھے اس لئے اس کو نقیر کہا جاتا ہے۔ ابتداء اسلام میں ان ظروف کے استعمال کی بھی ممانعت تھی تاکہ برتنوں کو دیکھ کر دوبارہ شراب کی رغبت پیدا نہ ہو لیکن جب مسلمانوں کے دلوں میں شراب کی نفرت خوب بیٹھ گئی تو ان برتنوں کے استعمال نہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور بعد میں ہر قسم کے برتن میں نبیذ بنانے اور استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

ان برتنوں کے استعمال کا شرعی حکم: جمہور علماء کے نزدیک ان ظروف کے استعمال کی اجازت ہے۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام مالکؒ اور صحابہ میں سے ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کے ہاں ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت اب بھی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ کے ہاں ممانعت اب بھی ہے جمہور حضرات کا مستدل آنے والے باب کی روایات ہیں جو نسخ پر دلالت کرتی ہیں اور جن روایات میں ان ظروف کے استعمال کی ممانعت ہے وہ منسوخ ہوں گی اور رہی ابن عمرؓ کی روایات ہو سکتا ہے ان کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو۔

حنتم کی تفسیر: اس کی ایک تفسیر تو ماقبل میں گزر چکی ہے اس کے علاوہ بھی محدثین کرام نے دوسرے اقوال بیان کئے ہیں۔

اول: سعید بن جبیر اور ابوسلمہ کے ہاں حنتم مٹی وغیرہ ہر قسم کے گھڑوں کے لئے عام ہے۔

ابن ابی لیلی کے نزدیک حنتم وہ خاص چھوٹے گھڑے ہیں جن کو مصر سے لایا جاتا تھا اور ان کے منہ پر تارکول پھرا ہوا ہوتا تھا۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ چھوٹے گھڑے سرخ ہوتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ سرخ رنگ کے گھڑے ہوتے تھے جن میں مصر سے شراب لائی جاتی تھی اور ان کی گردنیں ایک جانب ہوتی تھیں بہرحال یہ وہ گھڑے ہیں جو خاص کام کے لئے کئے جاتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ أَنْ يُّنْتَبَذَ فِي الظُّرُوفِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ وَإِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمد بن بشار، حسین بن علی، محمود بن غیلان، ابوعاصم، سفیان، علقمہ بن مرثد، حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو (چند) برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا۔ بے شک برتن نہ تو کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمٍ

محمود بن غیلان، ابوداؤد جفری، سفیان، منصور، سالم بن ابوجعد، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الظُّرُوفِ فَشَكَتْ إِلَيْهِ الْأَنْصَارُ فَقَالُوا لَيْسَ لَنَا وِعَاءٌ قَالَ فَلَا إِذًا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

وآلہ وسلم نے (مخصوص) برتنوں (میں نبیذ بنانے) سے منع فرمایا۔ پس انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے پاس اور برتن نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر میں اس سے منع نہیں کرتا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابوسعید، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي الْاِنْتِبَاذِ فِي السِّقَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِقَاءٍ يُوكَأُ أَعْلَاهُ لَهُ عَزْلَاءُ نَنْبِذُهُ غُدْوَةً وَيَشْرَبُهُ عِشَاءً وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً وَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مشک میں نبیذ بنایا کرتے تھے اور اس کا منہ باندھ دیتے تھے جبکہ اس کے نیچے بھی ایک چھوٹا منہ تھا۔ ہم اگر صبح بھگوتے تو شام کو آپ پی لیتے اور اگر شام کو نبیذ بناتے تو آپ صبح کو پیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت جابر، ابوسعید، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے یونس بن عبید کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور سند سے بھی منقول ہے۔

تشریح: یُوکَأُ أَعْلَاہُ: ''ای یشد رأسه بالوکاء''۔ یعنی اس برتن کو اوپر سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا جاتا تھا۔

عَزْلَاءُ: ''ای ما یخرج منه الماء'' یعنی اس کے نیچے کی طرف ایک سوراخ تھا جس کو ہم شربت نکالنے کیلئے استعمال کرتے تھے چنانچہ ہم صبح کے وقت اس میں نبیذ بناتے تھے اور شام کو پیتے تھے اور شام کو بناتے تھے تو صبح کو پیتے تھے۔

سوال: ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس نبیذ کو تین دن تک استعمال کرتے تھے جبکہ حدیث الباب میں ہے کہ صبح کو ڈالی ہوئی نبیذ شام کو پیتے تھے اور شام کی صبح کو پیتے تھے گویا اوپر والی حدیث میں ایک دن سے زائد استعمال کرنے کا ذکر نہیں۔

جواب اول: یہ دونوں احادیث مختلف موسموں سے متعلق ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گرمی کے موسم پر محمول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت سردیوں کے زمانے پر محمول ہے لہٰذا ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

جواب ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث نبیذ قلیل پر محمول ہے جو ایک دن میں ختم ہو جاتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نبیذ کثیر پر محمول ہے جو ایک دن سے زیادہ استعمال ہوتی تھی (التعلیق الصبیح ج ص ۴۹)

جواب ثالث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اسی دن پینے کا ذکر ہے اس سے اگلے دن اور تیسرے دن پینے کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ شیٔ کی نفی عما عداہ کو مستلزم نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحُبُوبِ الَّتِي يُتَّخَذُ مِنْهَا الْخَمْرُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُهَاجِرٍ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّبِيبِ خَمْرًا وَمِنَ الْعَسَلِ خَمْرًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

محمد بن یحییٰ، محمد بن یوسف، اسرائیل، ابراہیم بن مہاجر، عامر شعبی، حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک گندم سے شراب ہے، جو سے شراب ہے۔ کھجور سے شراب ہے اور انگور سے شراب ہے اور شہد سے شراب ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِسْرَائِيلَ نَحْوَهُ وَرَوَى أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ أَخْبَرَنَا بِذَلِكَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ أَبِي حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا بِهَذَا وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُهَاجِرٍ و قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَمْ يَكُنْ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُهَاجِرٍ بِالْقَوِيِّ

حسن بن علی خلال نے یحییٰ بن آدم سے انہوں نے اسرائیل سے اسی حدیث کی مثل روایت کی اور روایت کی یہ حدیث ابی حیان تیمی نے شعبی سے انہوں نے ابن عمرؓ سے انہوں نے عمرؓ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک گندم سے شراب بنتی ہے پھر یہ حدیث ذکر کی۔ ہم کو خبر دی اس روایت کی احمد بن منیع نے انہوں نے روایت کی عبداللہ بن ادریس سے انہوں نے ابوحیان تیمی سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے ابن عمر سے انہوں نے عمر بن خطابؓ سے کہ شراب گندم سے بھی ہوتی ہے اور یہ ابراہیم کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے علی بن مدینی کہتے ہیں کہ ابراہیم بن مہاجر، یحیی بن سعید کے نزدیک قوی نہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ وَعِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو كَثِيرٍ السُّحَيْمِيُّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَمْرُ مِنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ النَّخْلَةُ وَالْعِنَبَةُ هَذَا حَدِيثٌ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، اوزاعی، عکرمہ بن عمار، ابوکثیر سحیمی، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا شراب ان دو درختوں سے ہے یعنی کھجور اور انگور سے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوکثیر سحیمی، غبری ہیں اور ان کا نام یزید بن عبدالرحمٰن بن غفیلہ ہے۔

حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو كَثِيرٍ السُّحَيْمِيُّ هُوَ الْغُبَرِيُّ وَاسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غُفَيْلَةَ

تشریح: احادیث الباب میں امام ترمذیؒ حقیقت خمر کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ خمر کس سے بنتی ہے اس کی تفصیل ابواب الاشربہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خَلِيطِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُنْتَبَذَ الْبُسْرُ وَالرُّطَبُ جَمِيعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث بن سعد، عطاء بن ابو رباح، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچی پکی کھجوریں ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْبُسْرِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهَى عَنِ الزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا وَنَهَى عَنِ الْجِرَارِ أَنْ يُنْتَبَذَ فِيهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي قَتَادَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَمَعْبَدِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أُمِّهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سفیان بن وکیع، جریر، سلیمان تیمی، ابی نضرہ، حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچی اور پکی کھجوریں ملا کر نیز انگور اور کھجوروں کو ملا کر نبیذ بنانے اور مٹکوں میں نبیذ تیار کرنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت انس، جابر، ابوقتادہ، ابن عباس، ام سلمہ اور معبد بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: **دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانے کا کیا حکم ہے:** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: داؤد ظاہری کے نزدیک دو چیزوں کو ایک ساتھ پانی میں ڈال کر نبیذ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر الگ الگ نبیذ بنا کر دونوں کو ملا دینا ممنوع ہے۔

قول ثانی: جمہور فقہاء، حنابلہ، شوافع، بعض مالکیہ کے نزدیک دونوں چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔

قول ثالث: بعض مالکیہ کے ہاں کسی بھی مشروب کا اختلاط جائز نہیں یہ قول عبداللہ بن حکم المالکیؒ سے منقول ہے۔

قول رابع: احناف کے ہاں مختلف اشیاء سے مطلقاً نبیذ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

جمہور فقہاء کے دلائل۔ دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے "قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الزبيب والتمر والبسر وقال ينبذ كل واحدة منهما على حدة"۔

دلیل ثالث: ''عبداللہ بن ابی قتادہ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن خلیط الزبیب و التمر و عن خلیط البسر و التمر و عن خلیط الزھو و التمر قال وانتبذوا کل واحدۃٍ''۔

دلیل رابع: ''عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یخلط التمر و الزبیب جمیعًا و ان یخلط التمر و البسر جمیعًا''۔(مسلم)

مشترکہ جوابات: جواب اول: اس کی ممانعت کی وجہ خوف سکر ہے کہ جب مختلف المزاج اشیاء پانی میں ڈالی جائیں گی تو ان میں سکر جلد پیدا ہو جائے گا اور پینے والے کو سکر معلوم نہیں ہو سکے گا اس لئے احتیاطاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیطین سے منع فرمایا جیسا کہ مخصوص برتنوں میں نبیذ بنانے سے احتیاطاً منع فرمایا تھا۔

جواب ثانی: یا ممانعت کی وجہ ابتدائی دور ہو کہ اس وقت تنگی کا زمانہ تھا اور اس طرح ملا کر پینے میں فقیر و محتاجوں کی حق تلفی ہے لہٰذا جن کو دو دو چیزیں میسر ہوں ان کو چاہیے کہ وہ ایک پر اکتفا کریں لیکن جب لوگوں کو وسعت ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی اور خود بھی استعمال فرمائی۔

احناف کے دلائل: دلیل اول: ابوداود شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مستدل ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان ینبذ لہ الزبیب فیلقی فیہ التمر و التمر فیلقی فیہ الزبیب''۔

دلیل ثانی: ابن عدی نے الکامل میں نقل کیا ہے ''ام سلمۃ اور ابو طلحہ کے بارے میں کہ ''انھما کانا یشربان النبیذ الزبیب و البسر یخلطانہ''۔

دلیل ثالث: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے ''انہ کان ینبذ لہ الزبیب فلم یکن یستمرئہ فقال للجاریۃ اطرحی فیہ تمرات''۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوط نبیذ استعمال فرمائی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بھی یہی عمل رہا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى يُحَدِّثُ أَنَّ حُذَيْفَةَ اسْتَسْقَى فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ فَرَمَاهُ بِهِ وَقَالَ إِنِّي كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُهُ فَأَبَى أَنْ يَنْتَهِيَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشُّرْبِ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَقَالَ هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، حکم، ابن ابی لیلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ نے پانی مانگا تو ایک شخص چاندی کے برتن میں پانی لے کر حاضر ہوا انہوں نے اسے پھینک دیا اور فرمایا میں نے اسے منع کیا تھا پس اس نے انکار کیا کہ اس سے رُکے۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا اور اسی طرح ریشم اور دیباج کا لباس پہننے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا یہ تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہے اور ان لوگوں (یعنی کفار) کے لئے دنیا

وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ میں۔اس باب میں حضرت ام سلمہ، براء اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی وَالْبَرَاءِ وَعَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فَأَتَاهُ إِنْسَانٌ: یہ آدمی کون تھا بخاری کی روایت میں اس کا نام دہقان اور ایک روایت میں مجوسی کا ذکر ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ شخص جس نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی پلایا وہ ذمی تھا اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ نے اس کے برتن کو تڑوایا نیز ہوسکتا ہے کہ یہ برتن ذمی کا ہو اور اس کے لانے والا مسلم ہو۔

فَأَبَى أَنْ يَنْتَهِيَ: یہ ایک وہم کا ازالہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے اس کے برتن کو کیوں پھینکا۔اس کو نہ سمجھایا اور نہ منع کیا اس جملہ میں وجہ بیان کردی کہ میں اس کو بار بار منع کر چکا ہوں مگر پھر بھی وہ مانتا ہی نہیں وہ بار بار چاندی کے برتن میں ہی لاتا ہے واضح رہے کہ وہ شخص گورنر کے اعزاز میں ایسا کرتا تھا

امام ترمذیؒ اس باب میں کھانے پینے کے ایک ادب کو بیان کررہے ہیں کہ سونا اور چاندی کے برتن میں کھانا پینا درست نہیں علامہ موفق بن قدامہ نے اس بارے میں ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک ان برتنوں میں کھانا پینا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

قول ثانی: جمہور علماء کے نزدیک ان برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے اور یہ حکم عام ہے مردوں اور عورتوں کو بھی شامل ہے۔

امام شافعیؒ حدیث باب کو تشدید پر محمول کرتے ہیں کہ سونا چاندی کے برتن میں کھانا مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مذکورہ کی وجہ سے سونے چاندی کے برتن میں کھانا حرام ہوگا باقی جن برتنوں پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے اور وہ برتن خالص سونے کے نہیں ہیں تو ان میں کھانا پینا جائز ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان میں بھی کھانا پینا مکروہ ہے یہی امام محمدؒ کا ایک قول ہے خواہ جس حصے میں سونا ہے اس میں منہ نہ بھی لگایا ہو تب بھی ناجائز ہے کیونکہ ایک جزء کے استعمال سے پورے برتن کا استعمال لازم آئے گا لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس حصہ میں سونا ہے اگر اس طرف سے پینے سے پرہیز کرے تو پینا جائز ہے کیونکہ جزء تابع ہے اور تابع کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

نَهٰى عَنْ وَلُبْسِ الْحَرِيرِ: حریر وہ کپڑا جو ریشم سے بنایا گیا ہو بعض حضرات نے کہا ہے کہ دیباج ریشم ہی کی ایک خاص قسم ہے صرف نام علیحدہ ہے۔اور علیحدہ نام ہونے کی بناء پر اس کو مستقلاً ذکر کیا ہے۔حریر کے لئے چند الفاظ بولے جاتے ہیں مثلاً سندس، استبرق، دیباج۔سندس موٹے ریشم کے لئے استبرق باریک ریشم کے لئے۔حریر یہ ریشم کے لئے کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔

خالص ریشم جسے حریر مصمت کہا جاتا ہے یہ بالاتفاق مردوں کے لئے حرام ہے البتہ عذر اور اضطراری حالت میں ائمہ کے ہاں جائز ہے جیسا کہ خارش زدہ اور کوئی لباس نہیں پہن سکتا تو وہ حریر پہن سکتا ہے۔

اور میدان جہاد میں خالص ریشم پہننا جائز ہے کیونکہ تلوار اس سے پھسل جاتی ہے اور آدمی زخمی ہونے سے بچ جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کسی بھی حالت میں بھی خالص ریشم نہیں پہن سکتے البتہ ملاوٹ والی پہن سکتے ہیں بالکل خالص ریشم سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اور اس طرح وہ کپڑا جس کا بانا اور عرض ریشم کا ہو اور تانا اور طول سوتی وغیرہ کا ہو تو اس کا استعمال بھی جائز نہیں کیونکہ قاعدہ ہے "للاکثر حکم الکل"۔

اور اگر تانا اور لمبائی ریشمی ہو بانا اور عرض جشو کا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔

اسی طرح ریشم کا تکیہ وغیرہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن ماجشون مالکیؒ کے ہاں اور بعض شوافع کے نزدیک جائز ہے صاحبین، شوافع، مالکیہ کے نزدیک مردوں کے لئے ریشم کا بچھونا استعمال کرنا جائز نہیں۔

حرمت کی وجہ: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ریشم میں ایک خاص قسم کی لچک ہوتی ہے اور اس سے نفس اس کی طرف مرغوب ہوتا ہے جو کہ ایک مرد کی مردانگی اور حمیت کے منافی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا اور دوسرا یہ کہ اس میں تفاخر اور تکبر ہے اس لئے بھی منع فرمایا اور یہ کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق بھی مقصود ہے اس لئے سونا اور ریشم مردوں کے لئے منع عورتوں کے لئے جائز قرار دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا فَقِيلَ الْأَكْلُ قَالَ ذَاكَ أَشَدُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا تو آپ سے پوچھا گیا کہ کھانے کا کیا حکم؟ تو آپؐ نے فرمایا وہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی کھڑے ہو کر کھانا بھی منع ہے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْجَذْمِيِّ عَنِ الْجَارُودِ بْنِ الْعَلَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشُّرْبِ قَائِمًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ عَنِ الْجَارُودِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ عَنِ الْجَارُودِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ وَالْجَارُودُ هُوَ ابْنُ الْمُعَلّٰى وَيُقَالُ ابْنُ الْعَلَاءِ وَالصَّحِيحُ ابْنُ الْمُعَلّٰى

حمید بن مسعدہ، خالد بن حارث، سعید، قتادہ، ابومسلم جذمی، حضرت جارود بن علاء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، ابوہریرہ، اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کو کئی راوی سعید سے وہ قتادہ سے وہ ابومسلم سے وہ جارود سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی گری ہوئی چیز اٹھا لینا دوزخ میں جلنے کا سبب ہے۔ (بشرطیکہ اسے پہنچانے کی نیت نہ ہو) جارود بن معلٰی کو ابن علاء بھی کہتے ہیں لیکن صحیح ابن معلٰی ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ یہاں سے ایک اور ادب بیان کر رہے ہیں پہلے باب میں ممانعت والی روایات بیان کی ہیں جبکہ دوسرے باب میں رخصت والی احادیث بیان کریں گے۔ دراصل اس بارے میں دونوں طرح کی روایات مروی ہیں بعض روایات میں ممانعت والی احادیث ہیں اور بعض میں جواز کی روایات ہیں۔ منع والی روایات میں ایک روایت یہی حدیث الباب ہے مسلم شریف میں روایت ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الشرب قائمًا"۔ اسی طرح مسند احمد میں بھی روایت ہے "لو یعلم الذی یشرب وھو قائمًا ما فی بطنہ لاستقاء" اسی طرح اور بہت ساری روایات ہیں جو کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت پر مستدل ہیں۔

جبکہ آنے والے باب کی دو روایات جواز پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح صحاح ستہ میں دیگر روایات ہیں جو کھڑے ہو کر پانی پینے کے لئے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ دونوں طرح کی روایات میں محدثین نے تطبیقات دی ہیں۔

اول: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کھڑے ہو کر پانی پینے کی یہ ممانعت اولیٰ اور بہتر طریقے کی تلقین اور اس کے خلاف پر تادیب وتنبیہ کے طور پر ہے نہ کہ نہی تحریمی کے طور پر۔ **جواب ثانی:** شرب قائمًا کی روایات ضعیف ہیں۔

ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ احادیث نہی، احادیث جواز سے منسوخ ہو گئیں یعنی پہلے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت تھی بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔

رابع: احادیث جواز کو احادیث نہی پر ترجیح ہو گی کیونکہ جواز والی احادیث نہی کے مقابلے میں اقوی اور اثبت ہیں

خامس: بعض حضرات نے کہا کہ احادیث نہی سے نہی تنزیہی مراد ہے جو جواز کے منافی نہیں

سادس: بعض حضرات نے کہا کہ احادیث نہی ضرر طبی اور احادیث جواز اباحت شرعی پر محمول ہیں۔

سابع: کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت ہے لیکن اس سے دو پانیوں کا استثناء ہے ایک زمزم کا پانی اور دوسرا وضو کا بچا ہوا پانی۔

ثامن: ایک قول جمع بین الروایتین ہے بعض نے کہا کہ قیام سے مراد مشی ہے امام طحاویؒ نے فرمایا کہ احادیث نہی عدم تسمیہ عند الشرب پر محمول ہیں یعنی جو شخص جلدی میں کھڑے کھڑے بغیر بسم اللہ کے پیئے اگر باقاعدہ بسم اللہ پڑھ کر پیتا ہے تو اس طرح کھڑے ہو کر پینے میں کوئی حرج نہیں (الدر المنضود ۵ ص ۴۶۴)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشُّرْبِ قَائِمًا

حَدَّثَنَا أَبُو السَّائِبِ سَلْمُ بْنُ جُنَادَةَ بْنِ سَلْمٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِي وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابو سائب سلم بن جنادہ بن سلم کوفی، حفص بن غیاث، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چلتے پھرتے اور کھڑے ہو کر کھایا پیا کرتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یعنی عبیداللہ بن عمر کی نافع سے ان کی ابن

غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرَوَى عِمْرَانُ بْنُ حُدَيْرٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الْبَزَرِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبُو الْبَزَرِيِّ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ عُطَارِدٍ

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت سے عمران بن مدیر بھی یہ حدیث ابوبزری سے اور وہ ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں ابوبزری کا نام یزید بن عطارد ہے۔

تشریح: سوال: علامہ ابن نجیمؒ اور علامہ شامیؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ چلتے پھرتے کھانا اور پینا قلت مروت کی بناء پر شہادت کو ساقط کر دیتا ہے تو پھر یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ عمل کیسے پایا گیا اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اول: ہوسکتا ہے کہ یہ حالت سفر کا واقعہ ہو جہاں چلتے ہوئے کھانا جائز ہے کیونکہ مسافر کو سفر کی وجہ سے جلدی ہوتی ہے۔

جواب ثانی: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ شہادت کا ساقط ہونا تو بازاروں میں سڑکوں پر کھانا ہے جیسا کہ روایات میں اس کی تصریح ہے۔

جواب ثالث: شہادت کا اسقاط ان امور سے ہوتا ہے جو مخل بالمروۃ ہوتے ہیں کہ بے مروت شخص جھوٹی شہادت دینے میں متہم بالکذب ہوتا ہے جبکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین امتثال اوامر واجتناب نواہی میں سب سے سبقت کرتے تھے ان کی عدالت مسلمات میں سے تھی لہٰذا ان کو دوسروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

جواب رابع: بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ کوئی شخص سڑکوں، بازاروں میں کھائے اور قاضی اس کی عدالت کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ قاضی کا علم اس کے ظاہر حال کے لئے دافع ہوسکتا ہے بہر حال صحابہ کرامؓ تو سراپا عدل ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصحابۃ کلھم عدول ان کی شہادت ماشیاو قائما کھانے سے ساقط نہیں ہوگی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ وَمُغِيرَةُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعْدٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، ہشیم، عاصم احول، مغیرہ، شعبی، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ اس باب میں حضرت علی، سعد، عبداللہ بن عمرو اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس حدیث الباب میں کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کو ثابت کر رہے ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں۔

وجہ اول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کھڑے ہو کر نوش فرمایا کہ وہاں ازحام کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ موجود نہیں تھی۔ **وجہ ثانی:** بعض حضرات نے کہا کہ زمزم کے کنویں کے پاس پانی گرنے کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا تھا آپ وہاں بیٹھ نہیں سکتے تھے اس وجہ سے قائما زمزم پیا۔

وجہ ثالث: بعض محدثین حضرات نے فرمایا کہ زمزم سراسر شفاء ہے طبی لحاظ سے کھڑے ہوکر پینے میں کوئی ضرر نہیں برخلاف دوسرے پانیوں کے کہ انہیں کھڑے ہوکر پینے سے تکلیف کا اندیشہ ہے۔

وجہ رابع: بعض محدثین نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہوکر زمزم نوش فرمانا بطور تبرک کے تھا کہ خوب سیر ہوکر پیا جائے۔

وجہ خامس: بعض محدثین نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر اس وجہ سے کھڑے ہوکر پانی پیا تھا کہ سب لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ زمزم کا پینا یہ بھی سنن حج میں سے ہے۔

بئر زمزم کے متعلق: یہ مشہور کنواں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کی یادگار ہے یہ کنواں قبیلہ جرہم کے زمانہ میں متعدد باران کی ناقدری کی بناء پر خشک بھی ہوا پھر انہوں نے توبہ واستغفار کیا تو جاری بھی ہوتا رہا ہے حتیٰ کہ جناب عبدالمطلب کے زمانہ میں یہ کنواں گم بھی ہوگیا تھا پھر کسی خواب کی بناء پر اس کا پتہ لگا کر اس کو کھدوا کر صاف کیا گیا اللہ تعالیٰ کے کرم سے اب تک جاری وساری ہے۔

زمزم کے مختلف نام: زمزم کے معنی رکنے اور روکنے اور بعض نے متحرک ہونے کے بھی کئے ہیں۔ بعض نے اسی کے معنی جتھے اور جماعت کے بھی لئے ہیں۔

زمزم کی فضیلت اور اس کی خصوصیات: زمزم کے متعلق بہت ساری احادیث مروی ہیں چنانچہ ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آب زمزم کو گھڑوں اور برتنوں میں بھر کر لے جاتے اور اپنے مریضوں پر ڈالتے اور انہیں پلاتے تھے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ لوگوں کے درمیان سب سے بہتر دو وادیاں ہیں ایک مکہ کی وادی (جس میں زمزم کا کنواں ہے) اور دوسری وہ وادی جو ہندوستان میں ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام اترے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ زمزم جس نیت سے بھی پیا جائے اسی نیت کے لئے کارآمد ہے اگر پیاس بجھانے کی غرض سے پیو تو پیاس بجھ جائے گی اور اگر حصول شفاء کے لئے پیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ شفاء عطاء فرمائیں گے اور اگر بطور غذا کے پیا جائے تو بھوک ختم ہوجائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمزم زمین کے اوپر سب سے افضل پانی ہے اس میں غذائیت بھی ہے اور بیماری سے شفاء بھی ہے۔

زمزم پینے کے آداب: زمزم پینے والے کو چاہیے کہ وہ قبلہ رخ کھڑا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر اپنے مقصد کے حصول کی نیت کر کے تین سانس میں خوب شکم سیر ہوکر پیئے اور فارغ ہوکر "الحمد لله" کہے اور شروع میں یہ دعا پڑھے "اللهم انی اسئلك علما نافعا ورزقا واسعا وشفاءً من کل داء"

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا

قتیبہ، محمد بن جعفر، حسین معلم، حضرت عمر بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر (دونوں طرح) پیتے ہوئے

وَقَاعِدًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

دیکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي عِصَامٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا وَيَقُولُ هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ أَبِي عِصَامٍ عَنْ أَنَسٍ وَرَوَى عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا

قتیبہ، یوسف بن حماد، عبدالوارث بن سعید، ابوعصام، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پیتے ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے یہ زیادہ سیراب کرنے والا، خوشگوار ہے۔ یہ حدیث حسن ہے ہشام دستوائی، ابوعصام سے اور وہ انسؓ سے نقل کرتے ہیں اور عزرہ بن ثابت، ثمامہ سے اور وہ انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن میں پانی پیتے وقت تین سانس لیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہم سے روایت کی بندار نے انہوں نے عبدالرحمن بن مہدی سے انہوں نے عزرہ بن ثابت انصاری سے انہوں نے ثمامہ بن انس سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برتن میں پانی پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ: روایات میں تعارض: حدیث الباب میں ''تنفس فی الاناء'' کا جواز معلوم ہورہا ہے جبکہ آنے والے باب ''باب ما جاء فی کراھیة التنفس فی الاناء'' میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے'' أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا شرب احدکم فلا یتنفس فی الاناء ''۔ اس روایت میں ''تنفس فی الاناء'' کا عدم جواز معلوم ہورہا ہے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب: کوئی تعارض نہیں ممانعت والی روایت محمول ہے اس صورت پر کہ برتن کو منہ سے ہٹائے بغیر پانی پیتے پیتے سانس اسی میں لیتے رہیں اور روایت الباب کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے اور درمیان میں برتن کو منہ سے ہٹا کر سانس لیتے تھے اور تین سانس میں اسی طرح پانی نوش فرماتے تھے۔

وَيَقُولُ هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى: ھو ضمیر کا مرجع یا تو تعدد نفس ہے یا تین مرتبہ سانس لینے کی طرف راجع ہے۔

أَمْرَأُ: مرء الطعام سے ماخوذ ہے جبکہ کھانا معدے کی موافقت کرے یعنی اچھی طرح ہضم ہوجائے۔

أَرْوَى: رَیّ سے ماخوذ ہے اروی کے معنی ہیں پیاس کو زیادہ بجھانے والا۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ الْجَزَرِيِّ عَنِ ابْنٍ لِعَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَيَزِيدُ بْنُ سِنَانٍ الْجَزَرِيُّ هُوَ أَبُو فَرْوَةَ الرَّهَاوِيُّ

ابوکریب، وکیع، یزید بن سنان جزری، ابن عطاء بن ابی رباح، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیو بلکہ دو مرتبہ یا تین مرتبہ کر کے پیو اور جب بھی تم کوئی چیز پیو تو اللہ کا نام لو اور جب پی کر فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی حمد وثناء بیان کرو۔ یہ حدیث غریب ہے یزید بن سنان جزری کی کنیت ابوفروہ رہاوی ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں امام ترمذیؒ پانی پینے کے ایک اور ادب کو بیان کر رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک سانس میں پانی نہ پیو جس طرح اونٹ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی جاتا ہے اس طرح پانی پینے کی ممانعت اس لئے فرمائی کہ اس سے اچھی طرح سیرابی نہیں ہوتی اور طبیعت مطمئن نہیں ہوتی۔ جب پیاس شدت کی لگی ہو اور غٹا غٹ فوراً پانی پیا جائے تو اس میں بہت سارے طبی نقصانات بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر خلاف سنت ہے۔ یکدم سارا پانی پینے سے ایک تو پیٹ بوجھل ہو جائے گا اور پیاس بھی نہیں بجھے گی اس کے برخلاف اگر سکون کے ساتھ ایک گلاس تین سانسوں میں ٹھہر ٹھہر کر پیئے تو پیاس بھی بجھ جائے گی اور پیٹ بھی بوجھل نہیں ہوگا۔

حدیث میں دونوں جگہ "سَمُّوا" اور "واحمدوا" پہلے ذکر کیا۔ "سَمُّوا" کا پہلے ذکر تو سمجھ آتا ہے کہ پانی پینے کی ابتداء میں تسمیہ پڑھتے ہیں جبکہ حمد تو پانی کے اختتام پر پڑھتے ہیں۔ حمد کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کا عطف "وسموا" والے جملہ پر ہے اس کے اعتبار سے دوسرے جملہ میں تحمید کو پہلے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کے ضعف کی وجہ ایک راوی یزید بن سفیان جزری ہیں یہ ضعیف راوی ہیں۔ باقی عطاء کے لڑکے کا نام بھی معلوم نہیں۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الشُّرْبِ بِنَفَسَيْنِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ يَتَنَفَّسُ مَرَّتَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ قَالَ وَسَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ رِشْدِينَ

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، رشدین بن کریب، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی پیتے تو دو مرتبہ سانس لیتے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف رشدین بن کریب کی روایت سے جانتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمنؒ سے پوچھا کہ رشدین بن کریب زیادہ قوی ہیں یا محمد

بْنِ كُرَيْبٍ قُلْتُ هُوَ أَقْوَى أَمْ مُحَمَّدُ بْنُ كُرَيْبٍ فَقَالَ مَا أَقْرَبَهُمَا وَرِشْدِينُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُهُمَا عِنْدِي قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هَذَا فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ مِنْ رِشْدِينَ بْنِ كُرَيْبٍ وَالْقَوْلُ عِنْدِي مَا قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ رِشْدِينُ بْنُ كُرَيْبٍ أَرْجَحُ وَأَكْبَرُ وَقَدْ أَدْرَكَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَرَآهُ وَهُمَا أَخَوَانِ وَعِنْدَهُمَا مَنَاكِيرُ

بن کریب۔ انہوں نے فرمایا دونوں بالکل قریب ہی ہیں۔ میرے نزدیک رشدین بن کریب زیادہ راجح ہیں۔ پھر میں نے امام بخاریؒ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا محمد بن کریب، رشدین بن کریب کی بنسبت ارجح ہیں۔ میری رائے ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن کی رائے کے مطابق ہے کہ رشدین بن کریب ارجح اور اکبر ہیں۔ رشدین بن کریب نے حضرت ابن عباسؓ کو پایا اور ان کی زیارت کی۔ یہ دونوں بھائی ہیں اور ان کی منکر احادیث بھی ہیں۔

تشریح: حدیث کی مکمل وضاحت ماقبل باب کے ذکر میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ''لانعرفه الامن حديث رشدين بن كريب''۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام دارمی عبداللہ بن عبدالرحمن سے اس راوی کے بارے میں پوچھا کہ یہ راوی زیادہ قوی ہے یا اس کا بھائی محمد بن کریب۔ امام دارمیؒ نے فرمایا ما احز بھا کہ یہ دونوں ضعف ہیں قریب قریب ہی ہیں یا یہ فعل تعجب کا صیغہ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ کس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں البتہ رشدین دونوں میں سے میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میرے نزدیک محمد بن کریب راجح ہے آگے امام ترمذیؒ اپنا فیصلہ بتا رہے ہیں کہ میرے نزدیک امام دارمیؒ کی رائے بہتر ہے یعنی رشدین راجح ہے محمد بن کریب سے اور رشدین عمر میں بھی بڑا ہے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانہ پایا ہے اور ان کو دیکھا بھی ہے۔ اس کا حاصل پھر یہ ہوا کہ درمیان میں تین سانس لینے کی روایت راجح ہے اور دو سانس والی روایت مرجوح ہے

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَيُّوبَ وَهُوَ ابْنُ حَبِيبٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا الْمُثَنَّى الْجُهَنِيَّ يَذْكُرُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلٌ الْقَذَاةُ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ قَالَ أَهْرِقْهَا قَالَ فَإِنِّي لَا أَرْوَى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَأَبِنِ الْقَدَحَ إِذَنْ عَنْ فِيكَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، مالک بن انس، ایوب، ابن حبیب، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پینے کی چیز میں پیتے وقت پھونکیں مارنے سے منع فرمایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا اگر برتن میں تنکا وغیرہ ہو تو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے گرا دو۔ اس نے عرض کیا میں ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سانس لو تو پیالہ اپنے منہ سے ہٹا دو یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **نَهَى عَنِ النَّفْخِ:** امام ترمذیؒ اس باب میں ایک اور ادب بیان کر رہے ہیں کہ کھانے پینے کی اشیاء میں پھونک نہیں مارنی چاہیے اس کے بارے میں امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے وجہ ممانعت یہ ہے کہ پھونک مارتے وقت بسا اوقات تھوک کے قطرات مشروب میں گرنے کا اندیشہ ہے جس سے خود بھی اس کو وہ چیز ناپسند لگ سکتی ہے اور دوسرے ساتھی کو بھی ناپسند لگ سکتی ہے۔ نیز "نفخ فی الشرب" میں ممانعت اس وقت ہوسکتی ہے جب اکٹھے کھا پی رہے ہوں اس وقت گھن والی صورت متحقق ہوسکتی ہے لیکن جب کوئی اکیلا کھا پی رہا ہو اور اپنے گلاس میں پھونک مار دے تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے یہ ناپسند بھی نہیں لگے گا۔

بعض اطباء کہتے ہیں کہ پھونک مارنے سے زہریلے اثرات کھانے پینے میں پڑ جائیں گے جس سے امراض پیدا ہوسکتے ہیں اس لئے پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ لیکن اس بات پر چند سوالات ہوتے ہیں کہ احادیث میں اکٹھے کھانے اور اکٹھے پینے کا حکم آیا ہے۔ جب پھونک مارنے سے ممانعت ہے تا کہ لعاب پیالے میں یا مشروب میں نہ گرے تو جب اکٹھے پیئیں گے تو بطریق اولیٰ سب کے لعاب شامل ہوں گے اور کسی کے مضر ہوں گے اور کسی کے اور طرح تو یہ تعارض ہے۔ ایک طرف پھونکنے سے ممانعت کی وجہ سے مضر اثرات کا بیان ہے دوسری جانب اکٹھے پینے کا ذکر ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے اسی طرح رقیہ (دم شدہ) پانی پینے کا حکم ہے اس میں بھی تو لعاب شامل ہوتا ہے وہاں تو مضر اثرات کے بجائے شفاء حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال کھانے پینے میں پھونک مارنا مکروہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح کھانے پینے میں کوئی تنکا ہو تو پھونک مار کر دور کرنے کے بجائے کسی چیز سے نکال لیا جائے اور اگر کھانا گرم ہے تو پھونک مار کر ٹھنڈا کرنے کی بجائے تھوڑی دیر رکھ کر ٹھنڈا ہونے دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّنَفُّسِ فِي الْإِنَاءِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اسحاق بن منصور، عبدالصمد بن عبدالوارث، ہشام، دستوائی، یحیی بن ابو کثیر، حضرت عبداللہ بن ابو قتادہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کوئی چیز پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رِوَايَةً أَنَّهُ نَهَى عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ قَالَ وَفِي الْبَابِ

قتیبہ، سفیان، زہری، عبیداللہ بن عبداللہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ اس باب میں

عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت جابر، ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اِخْتِنَاثِ الْأَسْقِيَةِ: باب افتعال کا مصدر ہے اس کے معنی موڑنے کے ہیں یہاں موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس مشک کا سرالٹ دیا جائے اور پھر اس سے پانی پیا جائے۔

الْأَسْقِيَةِ: سقاءٌ کی جمع ہے اس سے مراد مشکیزہ ہے خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک قول یہ ہے کہ قربہ تو چھوٹے مشکیزے کو کہتے ہیں اور سقاء بڑے مشکیزے کو کہا جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسا بڑا مشکیزہ جس کے اندر پانی نظر نہ آئے اس سے منہ لگا کر پانی پینا منع ہے۔ اور اس کی چند وجوہات ہیں:

اول: مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینے سے یکدم زیادہ پانی منہ میں آئے گا اور اس سے سانس بھی بند ہو سکتی ہے جس سے انسان کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے اور دل کے ساتھ والی رگوں کے پھٹ جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ **ثانی:** جب مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پئیں گے تو اس کو تھوڑا سا نیچے کرنا پڑے گا تو پانی کثرت سے بہے گا اور کپڑے گیلے ہو جائیں گے اور سردی کا موسم ہو تو بیمار ہونے کا اندیشہ ہے۔
ثالث: جب مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیئے گا تو منہ کے لعاب اور سانس کے بخارات سے اس مشکیزہ کا منہ خراب ہو جائے گا اور دوسرا آدمی اس جگہ سے پینے میں گھن محسوس کرے گا۔ **رابع:** اگر مشکیزے سے پانی پینے والے نے میٹھی چیز کھائی ہوئی ہو تو اس کا منہ مشکیزے سے لگنے سے مختلف قسم کے زہریلے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں اس جگہ پر بیٹھیں گی ان چیزوں کے زہر کے اثر سے نقصان کا قوی اندیشہ ہے۔ **خامس:** مشکیزہ کے ساتھ منہ لگانے میں یہ اندیشہ ہے کہ کوئی زہریلا جانور اس میں موجود ہو تو وہ اس کے منہ میں چلا جائے گا اور نقصان ہو جائے گا۔ **سادس:** مشکیزہ کے ساتھ ہر ایک منہ لگا کر پیئے گا تو مشکیزہ کے منہ پر بدبو پیدا ہو جائے گی۔
سابع: اگر مشکیزہ کے ساتھ منہ لگا کر پانی پینے کی اجازت دی جائے تو مشکیزہ کا منہ خراب ہو جائے گا یہ اضاعت مال بھی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ عِيسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلَى قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ فَخَنَثَهَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيهَا قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِصَحِيحٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَلَا أَدْرِي سَمِعَ مِنْ عِيسَى أَمْ لَا

یحییٰ بن موسیٰ، عبدالرزاق، عبداللہ بن عمر، حضرت عیسیٰ بن عبداللہ بن انیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جھکا کر اس کے منہ سے پانی پیا۔ اس باب میں حضرت ام سلیمؓ سے بھی حدیث منقول ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں اور عبداللہ بن عمر حافظے کی وجہ سے ضعیف ہیں مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا عیسیٰ سے سماع ہے یا نہیں۔

تشریح: سوال: ابھی ماقبل میں مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت والی حدیث اور اس کی توجیہات گزری ہیں جبکہ اس حدیث الباب میں تو جواز معلوم ہو رہا ہے تو دونوں روایات میں تعارض آ گیا۔

جواب اول: یہ مشکیزہ کے چھوٹا اور بڑا ہونے پر محمول ہے کہ نہی والی روایت بڑے مشکیزے پر محمول ہے اور جواز والی روایت چھوٹے مشکیزہ پر محمول ہے۔ **جواب ثانی:** یا نہی والی روایت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے یعنی مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے کی عادت نہیں بنانی چاہیے کیونکہ رفتہ رفتہ مشکیزہ کے منہ سے بدبو آنے کا اندیشہ ہوتا ہے

جواب ثالث: یا نہی والی روایت بغیر ضرورت پر محمول ہے اور جواز والی روایت ضرورت پر محمول ہے کہ جب مشکیزہ کے پاس چھوٹا برتن نہ ہو تو پھر منہ لگا کر پی سکتے ہیں

جواب رابع: جواز والی روایت نہی سے پہلے زمانہ پر محمول ہیں اور نہی والی روایت بعد والے زمانے پر محمول ہے۔

جواب خامس: احادیث نہی، نہی تنزیہی پر محمول ہیں جبکہ آپ ﷺ کا عمل بیان جواز کے لئے تھا نہی تنزیہی اور جواز دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

جواب سادس: عند البعض احادیث نہی قولی ہیں اور جواز والی احادیث فعلی ہیں اور قاعدہ ہے کہ جب قولی اور فعلی میں تعارض آ جائے تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَيَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ هُوَ أَخُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْهُ مَوْتًا

ابن ابی عمر، سفیان بن یزید بن یزید بن جابر، حضرت عبدالرحمن بن ابو عمرہ اپنی دادی کبشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں داخل ہوئے اور ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ پھر میں اٹھی اور اس کا منہ کاٹ کر رکھ لیا (یعنی تبرکاً)۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور یزید بن یزید، عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے بھائی ہیں اور یزید، عبدالرحمن سے پہلے فوت ہوئے۔

تشریح: حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مشکیزہ کا منہ اس لئے کاٹا کہ جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک لگا ہے اس جگہ کو بطور برکت کا حصول کے لئے اپنے پاس رکھیں بعض حضرات نے کہا کہ کبشہ نے اس وجہ سے مشکیزہ کا منہ کاٹا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس جگہ سے کوئی دوسرا شخص منہ نہ لگائے اور اس میں بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابرین تبرکات کو رکھا جا سکتا ہے کہ وہ باعث برکت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سلف صالحین کے ہاں معمول رہا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے تبرکات کو رکھتے رہے ہیں۔

وَيَزِيدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ هُوَ أَخُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ: یزید بن یزید، عبدالرحمن بن یزید کے بھائی ہیں جو اپنے بھائی عبدالرحمن سے پہلے انتقال فرما گئے تھے بنت ثابت بن منذر الانصار یہ یہ حسان بن ثابت کی بہن ہیں اور صحابیہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْاَيْمَنِيْنَ أَحَقُّ بِالشُّرْبِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

انصاری، معن، مالک ابن شہاب، قتیبہ، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی ملا ہوا دودھ پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی طرف ایک دیہاتی اور بائیں طرف حضرت ابوبکرؓ تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پینے کے بعد دیہاتی کو دیا اور فرمایا داہنے والا زیادہ مستحق ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، سہل بن سعد، ابن عمر اور عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس باب میں مجلس میں کھانے پینے کے آداب کو بیان کررہے ہیں کہ جب کوئی چیز اہل مجلس میں تقسیم کی جائے تو اس کے بارے میں ایک ضابطہ بیان کررہے ہیں کہ اہل مجلس میں تقسیم کرنے والے کو اپنی داہنی جانب سے شروع کرنا چاہیے خواہ دائیں جانب چھوٹا یا منقول ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مقدم کیا اس لئے کہ جانب یمین کو جانب یسار پر فضیلت حاصل ہے۔

اس کے متعلق شرعی حیثیت کیا ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ مستحب ہے اور علامہ ابن حزم ظاہریؒ وجوب کے قائل ہیں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو اشیاء انواع اکرام میں سے ہیں ان میں قیاض مستحب ہے۔

سوال: اس حدیث کے معارض دوسری روایات بھی موجود ہیں کہ ابتداء بالکبیر کی جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت " قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اسقى سقاءً قال ابدأ بالكبير " اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت " مناولة السواك " میں ابتداء بالکبیر کے بارے میں مروی ہے اور اسی طرح نماز میں جماعت کرنے والے کے متعلق فرماتے ہیں " وليؤمكما اكبركما " ۔ ان روایات میں کبیر کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے۔

جواب: بعض حضرات نے ان روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ جب حاضرین نے مرتب فی الجلوس ہوں کہ بعض پر ایمن اور بعض پر ایسر صادق آتا ہو تو پھر بلا تفریق صغیر و کبیر، ابتداء بالایمن ہونی چاہیے اور اگر حاضرین غیر مرتب ہوں کہ سب سامنے ایک جانب ہوں کہ ان پر ایمن والیسر کا صادق نہ آتا ہو تو پھر ابتداء بالکبیر مستحب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ شُرْبًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ

قتیبہ، حماد بن زید، ثابت، عبداللہ بن رباح، حضرت

الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا قَالَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیئے۔ اس باب میں حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس باب میں ایک اور ادب کو بیان کررہے ہیں کہ جو شخص کسی قوم کو کھلانے یا پلانے کا ذمہ دار ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ خود آخر میں پیئے یہ اس وقت ہے جب مشروب اس کی ملکیت نہ ہو وہ محض تقسیم کرنے والا ہو اور اگر مالک ہو تو جب چاہے پی سکتا ہے بلکہ اسے پہلے کچھ کھا پی لینا چاہیے تاکہ کھانے پینے میں کمی زیادتی کا پتہ لگ جائے۔ باقی پلانے والے کو آخر میں اس لئے پینا چاہیے کیونکہ اس کا سب سے پہلے پینا حرص کی علامت ہے اور یہ ایثار اور مروت کے خلاف ہے نیز یہ حکم اسلامی آداب کی قبیل سے ہے یہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے کہ اس کی خلاف ورزی کرنے سے گناہ گار ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَيُّ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ مِثْلَ هٰذَا عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى الزُّهْرِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، معمر، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشروبات میں سب سے زیادہ میٹھی اور ٹھنڈی چیز پسند کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث کئی راوی ابن عیینہ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں یعنی بواسطہ معمر، زہری اور عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کیا لیکن صحیح وہی ہے جو زہری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: امام ترمذیؒ اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب مشروب کو بیان کررہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا میٹھا پانی بہت پسند تھا میٹھے پانی کا پسندیدہ ہونا ظاہر ہے اور ٹھنڈے کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے مزاج گرم ہوتے ہیں تو ان کے لئے ٹھنڈی شیٔ مزاج کے مطابق ہوتی تھی۔

سوال: اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے پسندیدہ ہونے کا بیان ہے جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دودوھ زیادہ پسند تھا اور بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا۔

جواب: یہاں ایک لفظ محذوف ہے اور وہ ''من'' ہے عبارت یوں ہوگی ای من احب الشراب یعنی پسندیدہ مشروب میں ٹھنڈا پانی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔

هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ: اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عیینہ سے اس مرفوع روایت کو نقل کرنے والے بہت سارے رواۃ ہیں مگر

صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس میں ذکر نہیں جبکہ امام زہریؒ تو بغیر عروۃ عن عائشہؓ نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الشَّرَابِ أَطْيَبُ قَالَ الْحُلْوُ الْبَارِدُ وَهٰكَذَا رَوٰى عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک معمر، یونس، حضرت زہریؒ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا مشروب سب سے عمدہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میٹھا اور ٹھنڈا۔ عبدالرزاق بھی معمر سے اسی طرح نقل کرتے ہیں یعنی معمر، زہری سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث ابن عیینہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ روایت معمر سے عبداللہ بن مبارک نے بغیر توسط عائشہؓ کے نقل کی ہے اسی طرح عبدالرزاق نے بھی اس کو مرسلاً نقل کیا ہے اور آخر میں فرمایا کہ ابن عیینہ کے مقابلے میں عبداللہ بن مبارک اور عبدالرزاق کی مرسل روایت اصح ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ معمر کے تین شاگرد ہیں ابن عیینہ، عبداللہ بن المبارک اور عبدالرزاق ان تینوں شاگردوں میں ابن عیینہ اور ان کے شاگرد اس روایت کو متصل بیان کرتے ہیں اور دوسرے دو شاگرد اس کو مرسل بیان کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ مرسل کو ترجیح دے رہے ہیں۔

أَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

البّر: باء کے کسرہ اور راء کی تشدید کے ساتھ باب نصر، ضرب سے آتا ہے اس کا معنی حسن سلوک کرنا، احسان کرنا، خدمت کرنا۔ اور اگر باب سمع اور باب ضرب سے ہو تو اس کا معنی سچ بولنا، اطاعت کرنا، قسم پوری ہونا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ احادیث شریفہ میں بر متعدد معانی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ بعض مواقع میں اس کے معنی اطمینان قلب ونفس کے ہیں اور بعض احادیث میں اس سے مراد احسان ہے اور بعض جگہ بَر کے معنی ''ما یقرب الی اللہ'' کے ہیں یعنی ایسا قول وفعل جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے یہاں مراد یہ ہے کہ مخلوق کے ساتھ حسن سلوک ہو خواہ مخلوق سے رنج وغم بھی پہنچتا ہو مگر غیظ وغضب پر قابو پا کر ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور شیریں کلام کے ساتھ پیش آنا۔

بعض محققین حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ بَر ایک جامع لفظ ہے جو مختلف طاعات اور اعمال مقربات کو شامل ہے جس کا خلاصہ حسن خلق ہے پھر حسن خلق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ''حسن الخلق مع الخلق'' یعنی مخلوق الٰہی کے ساتھ حسن معاشرت ہو۔ (۲) ''حسن الخلق مع الخالق'' کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ فرائض وحقوق کو اچھی طرح بجالائے۔

والصلة: یہ اصل میں الوصل ہے اس کا معنی ملانا، جوڑنا، جمع کرنا، احسان کرنا، نیکی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور صلہ کے معنی عطیہ، انعام، احسان کے بھی ہیں۔ اس کی جمع صلات آتی ہے۔ صلة الرحم، احسان الی الاقربین سے کنایہ ہے اقربین خواہ نسبی ہوں یا صہری ہوں الحاصل اپنے اعزہ واقرباء کے ساتھ حسن سلوک اور نرم برتاؤ کرنا اگرچہ وہ تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں جیسا کہ حدیث شریف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''واحسن الی من اساء الیك وکذا قال علیہ السلام لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل من اذا انقطعت رحمه وصلها'' یعنی جو تمہارے ساتھ برائی والا معاملہ کرے۔ اس سے اچھائی کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَبَرُّ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، حضرت بہز بن حکیم بواسطہ والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون بھلائی کا زیادہ مستحق ہے فرمایا تمہاری ماں۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد دوبارہ عرض کیا فرمایا تمہاری ماں انہوں نے

قَالَ أُمَّكَ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَبَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ هُوَ أَبُو مُعَاوِيَةَ بْنُ حَيْدَةَ الْقُشَيْرِيُّ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَرَوَى عَنْهُ مَعْمَرٌ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَحَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ

تیسری مرتبہ پوچھا پھر کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری ماں انہوں نے چوتھی مرتبہ پوچھا پھر کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ اور پھر وہ قریبی رشتہ داروں میں سے جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو، عائشہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ بہز بن حکیم، معاویہ بن حیدہ قشیری کے بیٹے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے شعبہ نے بہز بن حکیم کے بارے میں کلام کیا ہے محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں ان سے معمر، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ اور کئی دوسرے آئمہ راویت کرتے ہیں۔

تشریح: أُمَّكَ : سائل کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ والدین میں سے کس کا حق زیادہ ہے یا تمام انسانوں میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے سائل کے اس سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے والدہ کے حق کو سب سے زیادہ بتلایا۔ لیکن اس شخص کا یہ ارادہ تھا کہ والد کے حق کا تعین ہو جائے۔ اس لئے بار بار سوال کو دہرایا آپ ﷺ نے چوتھے مرتبے میں والد کا حق ذکر فرمایا۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ والدہ کا حق والد سے تین گنا زائد ہے۔ کیونکہ والدہ نے والد کے مقابلے میں بچے پر تین احسان کئے اول: والدہ کا نو ماہ تک بچے کو پیٹ میں رکھنا۔ ثانی: والدہ کا اس کو جننا۔ ثالث: والدہ کا بچے کو دودھ پلانا اور مکمل دیکھ بھال کرنا یہ تین بڑے مراحل ہیں جو والدہ کو طے کرنے پڑتے ہیں جبکہ والد نے صرف پرورش کی صورت میں بچے پر ایک احسان کیا ہے اس لئے والدہ کا حق والد سے تین گنا زیادہ ہے چونکہ انسان کے دنیا میں آنے کا ذریعہ بظاہر والدین بنتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت اور انکی بھلائی کا حکم دیا "وقضى ربك ان لا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا"

والدین کی خدمت کرنے میں دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **اول:** عمر میں برکت آ جاتی ہے

ثانی: عزت و عظمت اور مال میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

علماء نے اس وجہ سے لکھا ہے کہ اگر والدین میں تنازع پیدا ہو جائے ان میں سے ایک اپنی اولاد کو کہے کہ تم میری خدمت کرو اور دوسرا کہے کہ میری خدمت کرو۔ تو اولاد پر لازم ہے کہ احترام اور تعظیم میں والد کو مقدم رکھے اور خدمت و انعام میں والدہ کے حق کو مقدم رکھے۔ یعنی والدہ کا حق خدمت کے اعتبار سے مقدم ہے اور والد کا ادب و احترام کے اعتبار سے مقدم ہے جس کی صورت یہ ہے کہ دونوں پانی مانگیں تو پہلے والدہ کو پلائے اگر والد کہیں سے آ جائے تو اس کے لئے احتراماً کھڑا ہو جائے نیز والدین کے ساتھ نرم آواز سے بات کرے مالی و بدنی خدمت کرے ان کا ہر جائز حکم مانے نام لے کر ان کو نہ پکارے ہاں اگر والدین غلطی پر ہوں تو نرمی سے ان کی اصلاح کی کوشش کرے۔ والدین کی سختی پر تحمل کرے اسی طرح والدین کے عزیز و اقارب کے حقوق بھی ادا کرے اسکے بعد درجہ بدرجہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے کہ پہلے قریبی بعد میں دور کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ: جس قدر قرابت زیادہ ہوگی اسی اعتبار سے حقوق بھی زیادہ ہوں گے ان تمام قرابتوں میں ولادت کی قرابت سب سے اہم اور پائیدار ہے اس وجہ سے اس کے حقوق بھی دوسری قرابتوں سے زیادہ ہیں۔

اس حدیث الباب کے ذیل میں چند مسائل کا بیان بھی مقصود ہے۔

بحث اول: والدین حسن سلوک میں مساوی ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کی مختلف آراء ہیں۔

قول اول: علامہ مارزیؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک ماں باپ کے حقوق میں مساوات ہے کسی کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں۔

قول ثانی: جبکہ ابن حجرؒ کہتے ہیں امام مالکؒ سے ماں باپ کے درمیان مساوات کا قول منقول نہیں بلکہ یہ ان کے ایک قول سے ماخوذ ہے جس سے استدلال تام نہیں وہ قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ امام مالکؒ سے ایک آدمی نے آکر سوال کیا کہ میرے باپ نے مجھے ایک کام کرنے کا حکم دیا اور ماں نے اس سے روکا ہے اب میں باپ کی بات مانوں یا ماں کی مانوں؟ اس کے جواب میں امام صاحب نے فرمایا ''اطع اباك ولا تعص امّكَ'' باپ کی مان اور ماں کی نافرمانی نہ کر اس سے بعض حضرات نے مساوات کا قول نقل کیا ہے حالانکہ امام مالکؒ نے ان دونوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنے کے لئے اور دونوں کی ناراضگی سے بچنے کے لئے یہ حکم دیا ہے کہ کوشش کر کے دونوں کو راضی کرلو ان کے حقوق کی برابری کا ذکر نہیں لہذا ماں کی تقدیم والد پر بحالھا برقرار ہے۔

قول ثالث: ایک قول امام لیثؒ بھی ہے کہ ماں کا حکم مؤکد ہے اور اس کی برّ کے لئے تین تہائیاں ہیں۔

قول رابع: بعض حضرات کہتے ہیں کہ ماں کی فضیلت و برتری اور اس کا مقدم ہونا اجماعی ہے۔

مسئلہ: جہاد میں جانے کے لئے والدین کی اجازت ضرورت ہے یا نہیں: اس مسئلہ کا تعلق اگلے باب سے ہے۔

قول اول: علامہ عینیؒ نے فرمایا کہ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ جہاد میں جانے کے لئے عام حالات میں والدین کی اجازت ضروری ہے والدین کی اجازت کے بغیر جانا درست نہیں یہ قول امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

قول ثانی: اور اگر دشمن نے مسلمان ملک پر حملہ کر دیا اور نفیر عام کا اعلان بھی ہو جائے اس میں غلام آقا کی اجازت کے بغیر اولاد والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں نکل سکتے ہیں اس صورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور فرض عین کی ادائیگی کے لئے اجازت لینا ضروری نہیں۔ **قول ثالث:** ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک اگر بیٹے کے جہاد پر جانے کی وجہ سے ماں باپ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر جہاد کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔ **قول رابع:** بعض حضرات نے اس کی تردید کی ہے کہ جہاد کے حکم کا ساقط ہونا نفلی جہاد میں ہے فرض جہاد میں کوئی استثناء نہیں اور نیز اگر والدین مسلمان نہ ہوں تو پھر اولاد کیلئے یہ حکم ہے کہ والدین سے جہاد کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں جہاد خواہ نفلی ہو یا واجب ہو کافر والدین کی جہاد میں نہ جانے کی بات ماننا معصیت ہے۔

وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ وَهُوَ ثِقَةٌ: یعنی بہز بن حکیم کے بارے میں شعبہ نے اگرچہ کلام کیا ہے مگر حضرات محدثین کے نزدیک وہ ثقہ ہیں ان سے ثقہ ائمہ حضرات، معمر، سفیان ثوری، حماد بن سلمہ وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔

(بَابٌ مِنْهُ)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّلَاةُ لِمِيقَاتِهَا قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ سَكَتَ عَنِّي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ الشَّيْبَانِيُّ وَشُعْبَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ الْعَيْزَارِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبُو عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ إِيَاسٍ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، مسعودی، ولید بن عیزار، ابوعمرو شیبانی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر کون سا؟ فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اگر میں مزید سوال کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جواب دیتے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ شیبانی، شعبہ اور کئی دوسرے حضرات نے اس حدیث کو ولید بن عیزار سے روایت کیا ہے اور بواسطہ ابوعمرو شیبانی، حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے ابوعمرو شیبانی کا نام سعد بن ایاس ہے۔

تشریح: ای الاعمال افضل کے متعلق جواب وسوال ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ یہاں چند مزید سوالات ملاحظہ ہوں۔

سوال اول: حدیث الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان باللہ کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ ایمان باللہ تمام اعمال سے علی الاطلاق افضل ہے۔

جواب اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطب کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو ذکر نہیں فرمایا ہوگا. کیونکہ اس کے افضل الاعمل ہونے میں سب ہی جانتے ہیں۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے جواب دیا کہ راوی نے اعمال جوارح کے بارے میں سوال کیا تھا اور ایمان اعمال قلب میں سے ہے۔

جواب ثالث: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ افضل اسم تفضیل اپنے معنی میں نہیں بلکہ مطلق ذی فضل کے معنی میں ہے۔

جواب رابع: بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں من محذوف ہے اور تقدیری عبارت یوں ہوگی من افضل الاعمال یعنی من جملہ افضل اعمال کے ایک افضل عمل الصلوٰۃ لمیقاتھا ہے۔

قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ: افضل اعمال میں صلوٰۃ کے بعد برالوالدین کا ذکر فرمایا یہ قرآن شریف کی اس آیت شریفہ کی تفسیر ہے ”

”ان اشکر لی والدیك“ (لقمان:۱۴)

الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ: یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی افضل اعمال میں سے ہے۔
سوال ثانی: جہاد تو بہت فضیلت والا کام ہے اس کو تمام اعمال سے موخر کیوں کیا۔
جواب اول: علامہ ابن التینؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی شخص والدین کی خدمت کو مکافات اور بدلہ سمجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برالوالدین کو مقدم کر کے اس کی اہمیت وفضیلت کو بیان فرما دیا کہ والدین کی خدمت صرف مکافات نہیں بلکہ اس کی مواظبت کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ جواب ثانی: ابن بزیزہؒ فرماتے ہیں کہ جہاد چونکہ ہر وقت فرض نہیں ہے برخلاف نماز اور برالوالدین کے کہ یہ دونوں اکثر اوقات میں نہایت اوکد اور واجب ہیں نیز ان دونوں پر محافظت اور مداومت انتہائی سخت ہے "کما فی القرآن وانها لكبيرة الا على الخاشعين"۔
جواب ثالث: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دراصل جہاد برالوالدین پر موقوف ہے کہ والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں ہے کما ورد فی الحدیث۔ اس لئے والدین کے بعد جہاد کا ذکر کیا۔
وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي: "ای لو سائته صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من هذا لزاء فی الجواب" اگر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید سوالات کرتا تو آپ بھی مزید جوابات سے نوازتے۔
وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ولید بن العیزار سے جس طرح اس روایت کو مسعودی نے نقل کیا ہے اسی طرح سلیمان بن ابی سلیمان الشیبانی اور شعبہ نے بھی ان سے روایت نقل کی ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت متعدد طرق سے عن ابی عمرو الشیبانی عن ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور ابو عمر الشیبانی کا نام سعد بن ایاس ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ الْفَضْلِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ إِنَّ رَجُلًا أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ لِيَ امْرَأَةً وَإِنَّ أُمِّي تَأْمُرُنِي بِطَلَاقِهَا قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوْ احْفَظْهُ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ رُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ إِنَّ أُمِّي وَرُبَّمَا قَالَ أَبِي وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ حَبِيبٍ

ابن ابی عمر، سفیان، عطاء بن سائب، عبدالرحمن سلمی، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں مجھے اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باپ جنت کا درمیانہ دروازہ ہے لہذا اب تیری مرضی ہے اسے ضائع کرے یا محفوظ رکھے۔ سفیان کبھی والدہ کا ذکر کرتے ہیں کبھی والد کا۔ یہ حدیث صحیح ہے اور عبدالرحمن سلمی کا نام عبداللہ بن حبیب ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا عَنْ شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ

ابو حفص عمرو بن علی، خالد بن حارث، شعبہ، یعلی بن عطاء، حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی خوشی میں اور اللہ تعالیٰ کا غصہ والد کی ناراضگی میں ہے۔

تشریح: أِنَّ رَجُلًا أَتَاهُ: رجل سے کون مراد ہیں بعض حضرات نے کہا کہ ممکن ہے اس سے مراد معاویہ بن حیدہ ہوں حدیث الباب میں صرف الوالد کا ذکر آیا ہے اس سے جنس مراد ہے اور اس حکم میں والدہ بھی داخل ہیں۔ اس باب میں امام ترمذیؒ چند ابحاث کو بیان کر رہے ہیں۔

بحث اول: والدین کی اطاعت کا معیار کیا ہے؟ اس بارے میں بعض حضرات افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ بعض حضرات تفریط (کمی) کا شکار ہوتے ہیں کہ والدین کو کچھ بھی نہیں سمجھتے ان کا کہنا نہیں مانتے اور بعض لوگ افراط (زیادتی) کرتے ہیں کہ والدین کی اس قدر اطاعت کرتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دیتے ہیں مثلاً بیوی کے حقوق کو پورا نہیں کرتے اولاد کے حقوق کو تلف کر دیتے ہیں اب جن حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے ان کو پس پشت ڈالتے ہیں اور جن کا حکم نہیں دیا گیا ان کو واجب سمجھ کر ان کی ادائیگی میں لگے رہتے ہیں۔ ان حقوق کی نشاندہی کے لئے چند اصول وضوابط مقرر کئے گئے ہیں۔

اول: وہ امور جو شرعاً واجب ہیں اور ان امور کا شریعت کی طرف سے کرنے کا حکم بھی ہے تو ان سے والدین اگر منع کریں تو اس صورت میں ان کی اطاعت ضروری نہیں مثال کے طور پر والدین بیٹے کو کہیں کہ تمہاری بیوی ہمارے ساتھ رہے گی اور بیوی خاوند کے والدین سے علیحدہ رہنے کا کہہ رہی ہے تو اس صورت میں شوہر کے لئے جائز نہیں کہ بیوی کو اس کی مرضی کے بغیر اپنے والدین کے ساتھ ہی رکھے یا بیٹے کی آمدن اتنی نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو بھی کھلائے اور والدین کو بھی دے اس صورت میں اگر والدین اس کو زیادہ وظیفہ پر مجبور کرتے ہیں اور اس کے بچے بھی ہیں تو ظاہر ہے والدین کو کھلائے تو بچے رہ جائیں گے اس صورت میں جائز خرچ والدین پر بھی کرے اور اپنی اولاد کے حقوق بھی ادا کرے۔

ثانی: وہ امور جو شرعاً ناجائز ہوں والدین ان کے کرنے کا حکم دیں تو والدین کی اطاعت جائز نہیں مثال کے طور پر کسی ناجائز ملازمت کا حکم دیں یا جاہلیت کی رسوم کو رائج کرنے کا کہیں تو اس صورت میں بھی والدین کی اطاعت جائز نہیں **''لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق''** کے پیش نظر۔

ثالث: وہ امور جو نہ تو شرعاً واجب ہیں اور نہ ہی ممنوع ہیں بلکہ مباح ومستحب ہیں والدین ان کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم کریں تو اس میں تفصیل ہے اگر ایسا امر ہو جس کے نہ کرنے سے اس کے بغیر تکلیف ہوگی مثال کے طور پر غریب شخص ہے اس کے شہر میں کمائی کی کوئی صورت نہیں اور والدین اس کو کمائی کرنے کے لئے باہر بھیجنے سے روک رہے ہیں تو اس میں ماں باپ کی اطاعت ضروری نہیں ہاں اگر اس کے دوسرے شہر جانے سے اس کی جان کو خطرہ ہے یا بے سروسامانی کی حالت میں والدین کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے تو

ان کی مخالفت جائز نہیں اور اگر دونوں باتیں موجود نہ ہوں تو پھر والدین کی مخالفت کے باوجود اس کام کو کرنے کی اجازت ہے اگرچہ مستحب یہی ہے کہ اس وقت میں بھی ان کی اطاعت کرے۔

بحث ثانی: والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا حکم: اس بارے میں تفصیل ہے کہ اگر اس کی بیوی کی وجہ سے حقیقۃً اس کے والدین کو تکلیف پہنچتی ہے اور والدین مظلوم ہیں اور کسی اور تدبیر سے بیوی نہ مانے تو پھر والدین کے حکم سے بیوی کو بطور تنبیہ قاعدہ شرعیہ کے مطابق ایک طلاق دینا جائز ہے اور اگر اس کی بیوی سے والدین کو کوئی تکلیف نہیں صرف ساس، بہو کے جھگڑے رہتے ہیں اور اس کے والدین اس کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں تو اس صورت میں والدین کے حکم کی اطاعت جائز نہیں بلکہ بیوی کو طلاق دینا ظلم ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے طلاق کو مجبوری کے ساتھ مشروط کیا ہے اس لئے بلا عذر شرعی طلاق دینا عورت پر ظلم اور مکروہ تحریمی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهَذَا أَصَحُّ وَهَكَذَا رَوَى أَصْحَابُ شُعْبَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَوْقُوفًا وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ شُعْبَةَ وَخَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى يَقُولُ مَا رَأَيْتُ بِالْبَصْرَةِ مِثْلَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ وَلَا بِالْكُوفَةِ مِثْلَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِدْرِيسَ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، یعلی بن عطاء اپنے والد اور وہ عبداللہ بن عمروؓ سے یہ حدیث غیر مرفوع روایت کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے شعبہ اور ان کے ساتھی بھی اسے یعلی بن عطاء سے وہ اپنے والد اور وہ عبداللہ بن عمرو سے اسے موقوفاً ہی نقل کرتے ہیں اور ہمیں علم نہیں کہ خالد بن حارث کے علاوہ کسی اور نے اسے مرفوعاً نقل کیا ہو اور خالد بن حارث ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ میں نے محمد بن مثنی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں عبداللہ بن ادریس اور بصرہ میں خالد بن حارث جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ روایت بطریق خالد بن الحارث عن شعبہ مرفوعاً مروی ہے اسی طرح بطریق محمد بن جعفر عن شعبہ موقوفاً عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور یہی اصح ہے یعنی مرفوع کے مقابلے میں موقوف اصح ہے ابن حبان نے اس کو مرفوعاً نقل کیا ہے نیز حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔

وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ غَيْرَ خَالِدِ بْنِ الْحَارِثِ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ خالد بن الحارث کے علاوہ کسی دوسرے راوی نے اس کو مرفوع نقل نہیں کیا اور خالد بن الحارث ثقہ مامون اور معتبر راوی ہے محمد بن المثنی فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں خالد بن الحارث جیسا کسی کو نہیں دیکھا اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک موقوف طریق اصح ہے مگر طریق مرفوع بھی صحیح ہے اس لئے کہ اسکے رواۃ بھی معتبر ہیں۔

باب ما جاء في عقوق الوالدين

عقوق : عق یعق عقوقًا اس کا معنی ہے کاٹنا، قطع کرنا۔ اس سے مراد ایسے قول و فعل کا صادر ہونا ہے جس سے والدین کو تکلیف پہنچے اور ان کے حکم کی نافرمانی ہو۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو بَكْرَةَ اسْمُهُ نُفَيْعٌ

حمید بن مسعدہ، بشر بن مفضل جریری، عبدالرحمن بن ابوبکرہ، حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں کبیرہ گناہ نہ بتاؤں صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اس سے پہلے تکیہ لگائے بیٹھے تھے اور فرمایا جھوٹی گواہی یا فرمایا جھوٹی بات (یعنی راوی کو شک ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوبکرہ کا نام نفیع ہے۔

تشریح: أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ: یہاں سے امام ترمذیؒ چند کبیرہ گناہوں کا ذکر کر رہے ہیں اس کے متعلق چند ابحاث ذہن نشین کرلیں۔ اول: گناہوں کی تقسیم ہے کہ نہیں، ثانی: صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں فرق، کبیرہ گناہوں کی تعداد۔

مسئلہ اولیٰ: گناہوں کی تقسیم ہے کہ نہیں: اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: قاضی عیاضؒ، ابواسحاق اسفرائنیؒ، ابن عباسؓ اور بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ گناہوں کی تقسیم نہیں ہر گناہ گناہ کبیرہ ہے۔

قول ثانی: جمہور سلف وخلف محققین حضرات کا قول یہ ہے کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں صغیرہ و کبیرہ۔

قاضی عیاضؒ وغیرہم کی دلیل: گناہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے اور ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ادنیٰ سی حکم عدولی اور معمولی نافرمانی بھی سخت قبیح ہے اس لئے تقسیم کی کوئی ضرورت نہیں سب گناہ برابر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے گناہ کی تعریف یہ کی ہے کہ ''کل شیئٍ ما نھی اللّٰہ عنه فھو کبیرۃٌ'' ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہ کبیرہ ہے۔

جواب: ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ادنیٰ سی نافرمانی قبیح ہے مگر اس کے درمیان میں کچھ فرق ہے جیسا کہ آگے جمہور کے دلائل میں آرہا ہے کہ ''لا یغادر صغیرۃً ولا کبیرۃً'' اس میں صراحۃً تقسیم کو بیان کیا ہے اور امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ ''انکار الفرق بین الصغیرۃ والکبیرۃ لا یلیق بالفقه'' صغیرہ اور کبیرہ کے درمیان فرق کا انکار کرنا فہم وفقہ کے لائق نہیں

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہ دو قسم پر ہیں۔

جمہور سلف وخلف کی دلیل: قرآن کریم کی صریح آیات اور نصوص کثرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں کی تقسیم علیحدہ علیحدہ ہے بعض گناہ صرف نماز وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور بعض گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے وہ آیات ونصوص مندرجہ ذیل ہیں۔

اول: ''الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم'' (سورۃ نجم:۳۲) وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہ اور فحش چیزوں سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہ۔

ثانی: ''ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم''۔ (سورۃ نساء:۳۱)۔

ثالث: ''ان قتلھم کان خطأ کبیرا''۔ (بنی اسرائیل:۳۱)۔

رابع: ''ویقولون یاویلتنا مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصھا ...... الآیۃ (کہف:۴۹)

خامس: اسی طرح کثیر روایات بھی موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعض گناہ چھوٹے اور بعض گناہوں کی شناعت بڑی ہوتی ہے مشکوۃ جلد اول باب الکبائر وعلامات النفاق میں احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: صغیرہ وکبیرہ گناہ میں فرق۔ اس میں علماء کرام نے بہت سے فرق بیان کئے ہیں۔ **اول:** کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر کوئی وعید، حد اور لعنت ہو اور صغیرہ جس پر حد وعید لعنت مقرر نہ ہو۔

ثانی: جس گناہ پر ہمیشگی کی جائے وہ کبیرہ ہے اسکے علاوہ صغیرہ ہے **ثالث:** بیرہ وہ ہے جس کیلئے طاعات کفارہ نہ بن سکیں اور صغیرہ وہ ہے جس کیلئے طاعات کفارہ بن سکیں **رابع:** ہر گناہ اپنے مافوق کے اعتبار سے کبیرہ اور ماتحت کے اعتبار سے صغیرہ ہے۔

خامس: تفاوت فاعل کے اعتبار سے ہے فاعل عالم ہے تو کبیرہ اور فاعل جاہل ہے تو صغیرہ ہے۔ **سادس:** تفاوت مفعول اور متعلق کے اعتبار سے ہے مثلاً گالی دینا جاہل سے متعلق ہو تو صغیرہ عالم سے متعلق ہو تو کبیرہ

سابع: امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ گناہ جس کو آدمی جرأت اور بلا خوفِ خدا کے کرے وہ کبیرہ ہے لیکن اگر نفس یا زبان کی لغزش سے ہو اور ساتھ ندامت بھی تو وہ صغیرہ ہے۔

ثامن: احناف فرماتے ہیں کہ ہر وہ گناہ جس کو فاحشہ کہا گیا ہے وہ کبیرہ ہے اسکے علاوہ صغیرہ ہیں

تاسع: مالک بن مغولؒ کا قول ہے کہ اہل بدعت کے گناہ کبیرہ ہیں اور اہل سنت کے گناہ صغیرہ ہیں۔ **عشر:** حضرت مفسر سدیؒ فرماتے ہیں کہ زنا وغیرہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان کے مقدمات۔ جیسے اجنبیہ کو دیکھنا، چھونا، بوسہ دینا یہ صغائر ہیں۔ **حادی عشر:** جس گناہ کی حرمت دلیل قطعی سے معلوم ہو وہ کبیرہ ہے اسکے علاوہ صغائر ہیں۔

مسئلہ ثالثہ: کبیرہ گناہ کی تعداد: سوال: ابن عمرؓ نے اس کی تعداد سات تک بتائی ہے اور ابو طالب مکی نے سترہ بتائی ہے اور ابن عباسؓ نے ستر اور ابن حجرؒ کے رسالہ میں چار سو اور ابن مسعودؓ نے تین یا چار اور ابن حجر مکیؒ نے کتاب الزواجر میں کبائر کی تعداد چار سو سڑسٹھ تک ذکر کی۔ روایات میں تعارض آرہا ہے۔

جوابات: ① آپ ﷺ نے مخاطب کے پیش نظر مختلف جوابات دیئے ② یہاں تحدید اور گنتی مقصود نہیں بلکہ اس کی شناعت

وقباحت کو بیان کرنا تھا۔ علامہ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے کتاب الکبائر میں ستر (۷۰) کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا ہے جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) ناحق کسی کو قتل کرنا (۳) جادوگری (۴) نماز نہ پڑھنا (۵) زکوٰۃ نہ دینا (۶) بنا کسی عذر کے رمضان کے روزے نہ رکھنا (۷) قدرت کے باوجود حج نہ کرنا (۸) والدین کی نافرمانی کرنا (۹) رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا (۱۰) بدکاری (۱۱) خلاف فطرت شہوت رانی (۱۲) سود کھانا (۱۳) یتیم کا مال ظلماً کھانا (۱۴) اللہ، اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا (۱۵) میدانِ جہاد سے بھاگنا (۱۶) حاکم کا رعایا پر ظلم کرنا (۱۷) گھمنڈ اور تکبر کرنا (۱۸) جھوٹی گواہی دینا (۱۹) شراب پینا (۲۰) جوا کھیلنا (۲۱) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (۲۲) مالِ غنیمت میں خیانت کرنا (۲۳) چوری کرنا (۲۴) ڈاکہ ڈالنا اور رہزنی کرنا (۲۵) جھوٹی قسم کھانا (۲۶) ظلم کرنا (۲۷) چونگی (ظالمانہ ٹیکس) لینا (۲۸) حرام مال کھانا (۲۹) خودکشی کرنا (۳۰) جھوٹ کی عادت ڈال لینا (۳۱) غلط فیصلے کرنا (۳۲) رشوت ستانی کرنا (۳۳) عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار کرنا اور مردوں کا عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا (۳۴) بیوی کی بدکاری پر ناگوار نہ ہونا (۳۵) محلل اور محلل لہٗ کا مشروط حلالہ (۳۶) مسئلہ حلالہ فقہاء کی نظر میں (۳۷) پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا (۳۸) ریاکاری (۳۹) علم دین کو دنیا کے لئے سیکھنا اور اسکا چھپانا (۴۰) امانت میں خیانت کرنا (۴۱) احسان جتلانا (۴۲) تقدیر کو جھٹلانا (۴۳) دوسروں کے عیب تلاش کرنا (۴۴) چغل خوری کرنا (۴۵) لعنت ملامت کرنا (۴۶) وعدہ خلافی کرنا (۴۷) غیب کی خبریں بتلانے والے کاہن اور نجومی کی تصدیق کرنا (۴۸) شوہر کی نافرمانی کرنا (۴۹) نوحہ کرنا (۵۰) بغاوت اور سرکشی کرنا (۵۱) کمزوروں پر زیادتی کرنا (۵۲) پڑوسی کو تکلیف پہنچانا (۵۳) مسلمانوں کو تکلیف دینا اور برا بھلا کہنا (۵۴) اللہ کے نیک بندوں کو ستانا (۵۵) کپڑوں کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا (۵۶) مرد کا ریشم اور سونا استعمال کرنا (۵۷) غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا (۵۸) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا (۵۹) جان بوجھ کر غلط نسب بیان کرنا (۶۰) لڑائی جھگڑا کرنا (۶۱) ضرورت سے زائد پانی کا روکنا (۶۲) ناپ تول میں کمی کرنا (۶۳) خدا کے عذاب سے نڈر ہو جانا (۶۴) بلاعذر جماعت کی نماز چھوڑ دینا (۶۵) جمعہ کی نماز نہ پڑھنا (۶۶) وصیت میں نافرمانی کرنا (۶۷) دھوکہ دینا اور فریب کرنا (۶۸) مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنا (۶۹) تصویریں بنانا (۷۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرنا۔

قَالَ وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے مگر جب جھوٹی شہادت یا جھوٹے قول کی بات سامنے آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور بار بار شہادۃ الزور ارشاد فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہادۃ الزور پر کیوں اٹھ بیٹھے؟ اس کی مختلف وجوہات ہیں۔

اول: انسان جھوٹ بولنے اور جھوٹی شہادت دینے میں احتیاط نہیں کرتا اور اس کو بہت معمولی سمجھتا ہے برخلاف شرک اور حقوق الوالدین کے کہ مومن حتیٰ الامکان شرک سے بچتا ہے اور اس کو برا سمجھتا ہے۔

ثانی: شہادت زور کا نقصان وضرر متعدی ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی پہنچتا ہے۔

ثالث: یہ بھی ممکن ہے کہ سائل شہادۃ الزور کو اچھی طرح نہ سمجھتا ہو یا اس کو اہمیت نہ دیتا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہیئت

تبدیل کی تاکہ سامع مکمل متوجہ ہو۔ **رابع:** شہادت زور کا صدور انسان سے بکثرت ہوتا ہے۔

خامس: شہادت زور کے اسباب کثیر اور مختلف ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ ابْنِ الْهَادِ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْكَبَائِرِ أَنْ يَشْتِمَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَهَلْ يَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَشْتُمُ أَبَاهُ وَيَشْتُمُ أُمَّهُ فَيَشْتِمُ أُمَّهُ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث بن سعد، ابن ہاد، سعد بن ابراہیم، حمید بن عبدالرحمن، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں جب یہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: سب وشتم کے درمیان فرق: (اول) عندالبعض یہ دونوں لفظ مترادف ہیں اس کا معنی ہے گالی گلوچ کرنا۔

(ثانی) عندالبعض ''سب'' عام ہے جو لعنت کو بھی شامل ہے برخلاف شتم کے وہ خاص ہے۔

بخاری شریف کی روایت ہے ''ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیه'' جبکہ ترمذی شریف کی موجودہ روایت میں صرف من الکبائر کا لفظ آیا ہے۔

دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ کبائر اپنی شدت کے لحاظ سے متفاوت ہوتے ہیں۔

روایت کا اصل یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے سب وشتم کی ممانعت فرمائی تو صحابہ کرامؓ کو اس پر تعجب ہوا کہ کون شخص اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ والدین کو گالی دینا اگرچہ مستبعد ہے (مگر موجودہ زمانہ میں کوئی استبعاد نہیں رہا) لیکن بعض اوقات آدمی دوسرے کے والدین کو برا کہتا ہے تو اس کے جواب میں وہ شخص اس کے والدین کو برا کہتا ہے اب ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص اپنے والدین کو گالی دینے کا ذریعہ اور سبب بنا گویا اس نے اپنے والدین کو خود ہی گالی دی۔

ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فعل کا حرام تک متعدی ہونا خواہ وہ غیر مقصود ہو وہ بھی حرام ہوتا ہے اس کی مثال قرآن مجید میں ہے ''ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم''۔

اے مسلمانو! کفار کے معبودوں کو برا بھلا مت کہو کہ وہ جواباً تمہارے معبود یعنی اللہ رب العزت کو برا کہیں گے گویا تم اپنے معبود کو برا کہنے کا ذریعہ بنے جو کہ ناجائز اور حرام ہے اسی وجہ سے حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ جو کام اپنی ذات کے لحاظ سے جائز اور محمود ہو لیکن اس کے بجالانے سے کوئی فساد لازم آتا ہو یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلاء معصیت ہوتے ہوں تو وہ کام ممنوع ہو جاتا ہے جیسا کہ معبودان باطلہ کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے اگر غیرت ایمانی کا تقاضا ہو تو شاید فی نفسہ یہ کام ثواب اور محمود بھی ہو مگر اس میں یہ اندیشہ ہے کہ لوگ اللہ جل شانہ کو برا کہیں گے اس لئے اس جائز کام سے بھی منع کر دیا گیا۔ اگر وہ کام مقاصد شرعیہ میں سے ہوں مثلاً

فرائض، واجبات، سنن مؤکدہ یا دوسری قسم کے شعائر اسلامی وغیرہ جن کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان احکام کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا بلکہ دلائل سے ان کی غلط فہمی کو دور کیا جائے گا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو امور مقاصد اسلامیہ میں سے ہیں ان کو ہرگز نہ چھوڑا جائے اگرچہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جو مقاصد اسلامیہ میں داخل نہیں اور ان کے ترک کرنے سے کوئی دینی مقصد فوت نہیں ہوتا تو ایسے کاموں کو لوگوں کی غلط فہمی کی بناء پر ترک کیا جاسکتا ہے اس اصول اور قاعدہ کی بناء پر علماء کرام نے بے شمار جزئیات اور مسائل متفرع کئے ہیں جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْرَامِ صَدِيقِ الْوَالِدِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي الْوَلِيدِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ لِلنَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أَسِيدٍ هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، حیوہ بن شریح، ولید بن ابو ولید، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ اس باب میں حضرت ابواسیدؓ سے بھی حدیث منقول ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں امام ترمذیؒ والد کے ساتھ حسن سلوک کے بعد والد کے دوستوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا ذکر کررہے ہیں کہ زندگی میں والدین کے ساتھ خوب حسن سلوک سے پیش آیا جائے جب والدین دنیا سے رخصت ہوجائیں تو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے فوت ہوئے والدین کے ساتھ حسن سلوک یہ ہے کہ ان کے دوست احباب کے ساتھ ملنا جلنا ان کے حال احوال کی خبر لینا یہ والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے ہے۔ حدیث میں صرف والد کا ذکر آیا ہے والدہ کا ذکر نہیں آیا لیکن والد کے ساتھ والدہ کا ذکر تبعاً شامل ہے کہ والدہ کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ اس پر روح المعانی کے مصنفؒ نے چند واقعات بیان کئے ہیں ان میں سے دو کا ذکر کئے دیتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ ایک بار مدینہ آئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سے ملنے گئے ملاقات کے دوران پوچھا کہ جانتے ہو میں آپ سے ملنے کیوں آیا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مرنے کے بعد اپنے والد کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ والد کے دوستوں سے صلہ رحمی کرے اور میرے والد اور آپ کے والد کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا اس لئے میں اسی تعلق کی وجہ سے آپ سے ملنے آیا ہوں (روح المعانی ۱۵ ص ۵۹)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک مرتبہ مکہ تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ان کو ایک آدمی ملا حضرت ابن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما نے اس کو سلام کیا اور اس کو اپنے ساتھ گدھے پر بٹھا دیا اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر اس کو عنایت فرمائی ان کے شاگرد ابن دینار نے عرض کیا کہ یہ لوگ تو دیہاتی ہیں کوئی معمولی چیز دی جائے تو بھی خوش ہو جاتے ہیں تو آپ نے اتنا زیادہ اکرام کیوں کیا؟ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اس کا باپ میرے والد حضرت عمرؓ کا دوست تھا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے کہ اولاد کا والد کے ساتھ سب سے بڑا حسن سلوک باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ (روح المعانی جلد ۱۵ ص ۵۸ رواہ مسلم)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بِرِّ الْخَالَةِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ إِسْرَائِيلَ ح قَالَ وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ وَهُوَ ابْنُ مَدُّوَيْهِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ وَاللَّفْظُ لِحَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

سفیان بن وکیع، اسرائیل، محمد بن احمد، ابن مدویہ، عبیداللہ بن موسیٰ اسرائیل، عبیداللہ، ابواسحاق ہمدانی، حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خالہ ماں کی طرح ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ پہلے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کرنے کے بعد اب خالہ کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کر رہے ہیں کہ خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے دو امور میں ایک حسن سلوک میں کہ جس طرح ماں کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے اسی طرح خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ دوسرا خالہ پرورش و حضانت کے اعتبار سے والدہ کی طرح ہے کہ جس طرح والدہ اپنے بچے کی پرورش اچھی طرح کرتی ہے اس میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتی اسی طرح خالہ بھی اپنی بہن کی اولاد کی پرورش کرتی ہے وہ اپنے بھانجوں وغیرہ کے ساتھ اجنبی کی اولاد جیسا سلوک نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے خالہ کو بمنزلہ ام کہا گیا ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خالہ کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی نہ کرے۔

وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ: مصنفؒ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کو امام بخاریؒ نے بیان فرمایا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر کفار سے صلح فرمائی تو کفار کی شرائط میں سے یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال مکہ آکر عمرۃ القضاء فرمائیں اور تین دن مکہ قیام کرنے کے بعد واپس چلے جائیں الحاصل جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ القضاء سے فارغ ہو کر مکہ سے لوٹے تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی چچا، چچا، چچا کہتی ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضاعی بھائی بھی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسے نہیں دیکھا مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا اپنی چچا زاد بہن کو لے لو چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو لے لیا پھر اس کی کفالت کے بارے میں حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جھگڑا ہو گیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اس کو لیا ہے اور میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر کی بھی یہی دلیل تھی کہ

میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے اور حضرت زیدؓ کہنے لگے یہ میرے اسلامی بھائی کی بیٹی ہے اس نزاع کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ختم فرمایا کہ جعفر اس کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ ان کے نکاح میں اس کی خالہ ہے اور الخالۃ بمنزلۃ الام اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا انت منی و أنا منك اور حضرت زید سے فرمایا انت اخونا ومولانا آپ ہمارے اسلامی بھائی اور مولی ہیں یہ فیصلہ سن کر حضرت جعفرؓ ایک ٹانگ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کودنے اور اچھلنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا جعفر یہ کیا ہے حضرت جعفرؓ نے عرض کیا جب نجاشی کسی کو مسرور کرتے تو وہ اس کے گرد اس طرح رقص کرتا تھا (بخاری ۲۶۹۹)۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا فَهَلْ لِي تَوْبَةٍ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ قَالَ لَا قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبَرَّهَا وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ

ابو کریب، ابو معاویہ، محمد بن سوقہ، ابو بکر بن حفص، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے بہت بڑا گناہ کیا ہے کیا میرے لئے توبہ ہے؟ فرمایا کیا تمہاری والدہ ہے؟ عرض کیا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالہ۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اس کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اس باب میں حضرت علی اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ هُوَ ابْنُ عُمَرَ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ سے وہ محمد بن سوقہ سے وہ ابو بکر بن حفص سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں اور اس میں ابن عمرؓ کا ذکر نہیں کرتے یہ حدیث ابو معاویہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے ابو بکر بن حفص، ابن عمر بن سعد بن ابی وقاص ہیں۔

تشریح: إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا: اس شخص سے کونسا گناہ صادر ہوا اس کا تذکرہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ (۱) بہر حال صغیرہ گناہ تھا جو نیکی سے مٹ جاتا ہے "ان الحسنات یذھبن السیئات"۔ کما فی القرآن۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خالہ کے ساتھ نیکی کا کام کرنے کا حکم دیا۔

(۲) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گناہ کبیرہ ہے اور خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا کفارہ ہو جانا اس شخص کی خصوصیت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بتادیا گیا تھا۔

(۳) حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی گناہ کرتا ہے اس پر اس کو ندامت ہو جاتی ہے جس سے وہ گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر اس کا خیال رہتا ہے کہ شاید نفس ندامت سے وہ گناہ معاف نہ ہوا ہو اور پھر اس سے توبہ کی طرف توجہ ہوتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ندامت کی وجہ سے اس کو خالہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا تا کہ مذکورہ شخص کو اس گناہ کے معاف ہونے پر اطمینان ویقین حاصل ہو جائے۔

اب یہ گناہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نے قطع رحمی کی ہو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خالہ کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم فرمایا۔

وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ: پہلی حدیث کے الفاظ اسرائیل کے شاگرد عبداللہ کے ہیں وکیع کے نہیں جبکہ دوسری حدیث کو ابو معاویہ متصل بیان کرتے ہیں یعنی آخر میں ابن عمرؓ کا تذکرہ کرتے ہیں اور ابن عیینہؒ مرسل روایت کرتے ہیں امام ترمذیؒ اپنے مزاج کے مطابق مرسل روایت کو اصح قرار دے رہے ہیں۔

وَأَبُو بَكْرِ بْنُ حَفْصٍ هُوَ ابْنُ عُمَرَ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ: امام موصوف حسب عادت ابو بکر حفص کا تعارف کروا رہے ہیں کہ یہ ابو بکر بن حفص عمر بن سعد بن ابی وقاص کے بیٹے ہیں ان کا نام عبداللہ ابو بکر المدنی ہے کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور طبقہ خامسہ کے راوی ہیں۔ طبقات کی تفصیل الخیر الشذی جلد اول کے مقدمہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُعَاءِ الْوَالِدَيْنِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ نَحْوَ حَدِيثِ هِشَامٍ وَأَبُو جَعْفَرٍ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُقَالُ لَهُ أَبُو جَعْفَرٍ الْمُؤَذِّنُ وَلَا نَعْرِفُ اسْمَهُ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ غَيْرَ حَدِيثٍ

علی بن حجر، اسماعیل بن ابراہیم دستوائی، یحیی بن ابوکثیر، ابوجعفر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں ایک مظلوم کی بد دعا، دوسری مسافر کی دعا اور تیسری والد کی بیٹے کے لئے بد دعا۔ حجاج صواف یہ حدیث یحیی بن ابی کثیر سے ہشام کی طرح ہی نقل کرتے ہیں اور ابوجعفر جنہوں نے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت کی وہ ابوجعفر موذن ہیں۔ ہمیں ان کا نام معلوم نہیں ان سے یحیی بن ابی کثیر نے کئی احادیث نقل کی ہیں۔

تشریح: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ: مظلوم وہ ہے جس پر کسی قسم کی زیادتی کی گئی ہو اور اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو تو ایسے بے سہارا لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سہارا ہوا کرتی ہے ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اے مظلوم! میں ضرور تیری مدد کروں گا خواہ کسی مصلحت کی وجہ سے تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ مظلوم دل ہی دل میں ظالم کے لئے بد دعا کرتا ہے پس وہ بے سہارا ہونے کی بناء پر منکسر القلب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایسے قلوب کے پاس رہتا ہوں جو ٹوٹے ہوئے ہوں نیز جب ان کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ مضطر ہے اس کی دعا اقرب الی القبول ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "امن یجیب المضطر اذا دعاہ" یعنی مضطر و مجبور کی دعا کو اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتے ہیں۔ بہر حال مظلوم کی بد دعا سے بچنا چاہیے۔

وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ: یعنی مسافر کی دعا بھی ضرور قبول ہوتی ہے ظاہر ہے جو شخص اپنے وطن سے نکل گیا خواہ سفر شرعی سے کم مقدار میں نکلا ہو چونکہ وہ اپنے اعزہ واقارب سے دور ہو گیا ایسا شخص بھی منکسر القلب ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ: والد کی بد دعا اپنے بیٹے کے لئے اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لئے اس وقت ہی بد دعا کرتا ہے جب بیٹا باپ کو ستاتا ہے ظاہر ہے یہ بد دعا بھی والد کے دل سے نکلتی ہے چونکہ باپ کو قلبی کڑھن ہوتی ہے جس وجہ سے وہ اپنے آپ کو بے سہارا محسوس کرتا ہے تو اس کے دل سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ پورا کر لیتے ہیں۔ لیکن یہاں تفصیل ہے کہ اگر اولاد نیک صالح ہو اور والد دنیاوی امور پیسہ وغیرہ کی وجہ سے یا اپنے دوسرے بیٹوں کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اس بیٹے کے لئے بد دعا کرتا ہے تو یہ بد دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس صورت میں بیٹے نے والد کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی اسی طرح موجودہ دور میں والدین بار بار اپنی اولاد کو برا بھلا کہتے رہتے ہیں ان کا بار بار برا بھلا کہنا ٹھیک نہیں ہے اس سے اولاد پر مضر اثرات پڑتے ہیں اور کوئی وقت قبولیت کا بھی ہوتا ہے بد دعا دیتے ہوئے یا ویسے گالم گلوچ کرتے ہوئے ایسے الفاظ کی قبولیت ہو گئی تو اولاد کو نقصان پہنچے گا اور اولاد کا نقصان حقیقت میں والدین کا ہی نقصان ہے اس لئے اولاد والدین کا دل نہ دکھائیں اور نہ ہی والدین ذرا ذرا سی بات پر اپنی اولاد کو کوسیں۔

وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ: امام ترمذیؒ اس روایت کا دوسرا طریق بیان کر رہے ہیں کہ جس طرح اس روایت کو ہشام نے یحییٰ بن ابی کثیر سے نقل کیا ہے اس طرح حجاج صواف نے بھی اس روایت کو ان سے نقل کیا ہے۔

وَأَبُو جَعْفَرٍ الَّذِي رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: راوی کا تعارف کروا رہے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے ابو جعفر المؤذن المدنی الانصاری ہیں یہ تیسرے طبقہ کے راوی ہیں ان کا نام معلوم نہیں بعض لوگوں کو وہم ہو گیا اور انہوں نے ان کا نام محمد بن علی بن حسین بتایا ہے ابو جعفر نے یحییٰ سے اس کے علاوہ بھی روایت کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسٰى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُهَيْلٍ هٰذَا الْحَدِيثَ

احمد بن محمد بن موسیٰ، جریر، سہیل بن ابو صالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ہاں البتہ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ اگر وہ اپنے والد کو غلام پائے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو ہم صرف سہیل بن ابی صالح کی روایت سے جانتے ہیں۔ سفیان ثوریؒ اور کئی راوی بھی یہ حدیث سہیل سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: بیٹا اپنے والدین کے حقوق ادا کرتا رہے لیکن وہ مکمل ان کو بدلہ نہیں دے سکتا کیونکہ والدین اس کے وجود ظاہری کا سبب ہیں۔ ایک صورت ہے کہ وہ اپنے والدین کے حقوق کا بدلہ چکا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی کے والدین غلام ہوں اور اس کی

اولاد آزاد ہو اور وہ آزاد اولاد ان ماں باپ کو خرید کریں تو وہ خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے پس گویا اولاد ہی نے ان کو آزاد کیا اولاد کا یہ احسان والدین کے احسان کا بدلہ بن سکتی ہے کیونکہ والدین کو آزاد ہونے سے شرف حریت حاصل ہوتی ہے اور وہ غلاموں کے زمرہ سے نکل کر آزاد لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جائیں گے اس اعتبار سے گویا ان کو نئی زندگی اور نیا وجود مل گیا اس کے علاوہ ماں باپ کے حق کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں۔

اور دوسرا یہ ہے کہ جس طرح والدین نے اس کی تربیت میں مشکلات اٹھائیں اسی طرح یہ بھی زندگی بھر ان کی خدمت کرتا رہے اور جب والدین وفات پا جائیں تو ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو بھی ان کے احسانات کا کچھ حصہ بدلہ ہو سکتا ہے۔

باقی حدیث میں ''فیشتریہ فیعتقہ'' کے الفاظ ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ جو بھی اپنے ذی محرم کے خریدنے کا سبب بنا وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا اس لئے ازسرنو اعتاق کی ضرورت نہیں شراء چونکہ عتق کا ذریعہ ہے اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کردی اور بعض ظاہریہ فرماتے ہیں کہ بغیر اعتاق کے عتق متحقق نہیں ہوگا بلکہ علیحدہ سے آزاد کرنا ضروری ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا اگرچہ ایک ہی طریق ہے کہ صرف سہیل اپنے والد سے نقل کرنے والے ہیں مگر سہیل سے روایت کرنے والے جریر کے علاوہ سفیان ثوری بھی ہیں اس لئے یہ روایت غریب نہیں بلکہ حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ اشْتَكَى أَبُو الرَّدَّادِ اللَّيْثِيُّ فَعَادَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَقَالَ خَيْرُهُمْ وَأَوْصَلُهُمْ مَا عَلِمْتُ أَبَا مُحَمَّدٍ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا اللهُ وَأَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِي فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ أَبِي أَوْفٰى وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ حَدِيثُ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَرَوٰى مَعْمَرٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ رَدَّادٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَمَعْمَرٍ كَذَا

ابن عمر، سعید بن عبد الرحمن مخزومی، سفیان بن عیینہ، زہری، حضرت ابی سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوالرداد بیمار ہوئے تو حضرت عبد الرحمن بن عوف ان کی عیادت کو گئے پھر فرمایا خاندان کے سب سے بہتر آدمی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میں رحمن ہوں، میں نے ہی رحم کو پیدا کیا اور پھر اسے اپنے نام سے مشتق کیا۔ پس جو شخص اسے ملائے گا یعنی صلہ رحمی کرے گا میں اسے ملاؤں گا اور جو اسے کاٹے گا یعنی قطع رحمی کرے گا میں اسے کاٹوں گا۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، ابوہریرہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ سفیان کی زہری سے منقول حدیث صحیح ہے۔ اسے معمر، زہری سے وہ ابوسلمہ سے وہ ردّاد لیثی سے اور وہ عبد الرحمن بن عوفؓ سے نقل کرتے ہیں امام بخاریؒ کہتے

يَقُولُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ خَطَأٌ ہیں کہ معمر کی حدیث میں غلطی ہے۔

تشریح: **قوله أَنَا اللهُ:** میں اللہ ہوں یعنی میں واجب الوجود ہوں میری ذات پاک ہے کسی کام اور کسی فیصلہ میں میں کسی کا محتاج نہیں یہ جملہ دراصل آنے والے جملہ کیلئے بطور تمہید ہے اور اس تمہید میں پہلے اسم خاص کا ذکر کیا اور پھر اپنی صفت رحمٰن کو ذکر کیا جس کا لفظی مادہ اشتقاق وہی ہے جو رحم کا ہے یعنی رحم کو اللہ نے اپنے نام سے بنایا ہے اس لئے اس کو جوڑنے کا حکم ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جو رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے گا میں اللہ اسے اپنی رحمت کے قریب کر دوں گا اور جو رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرے گا میں اس کو اپنی رحمت سے دور کر دوں گا۔

الرَّحِمَ: راء کے فتحہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ اور دوسری لغت میں راء کے کسرہ اور حاء کے سکون کے ساتھ یہ قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں ہے ذورحم وہ رشتہ دار مراد ہیں جن کے درمیانی نسبی تعلق ہو خواہ وہ وارث ہوں یا نہ ہوں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد صرف محارم ہی ہیں مگر اول قول راجح ہے اگر یہ معنی مراد لیا جائے تو اولا دالاعمام اور اولا دالاخوال اور دیگر ذوی الارحام اس سے خارج ہو جائیں گے بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ لغت کے اعتبار سے نسبی اقارب کو شامل ہے مگر اس سے مراد عام اقارب ہیں حتیٰ کہ صہری رشتہ دار بھی اس میں داخل ہیں۔

صلہ رحمی اور قطع رحمی کا کیا حکم ہے: صلہ رحمی سب حضرات کے نزدیک واجب ہے جبکہ قطع رحمی گناہ کبیرہ اور حرام ہے صلہ رحمی کا ادنیٰ درجہ سلام وکلام، عزت واحترام ہے۔

صلہ رحمی عمومی بھی ہوتی ہے اور صلہ رحمی خصوصی بھی۔ صلہ رحمی عمومی کہ سب کے ساتھ الفت ومحبت، نصیحت وخیر خواہی، عدل وانصاف اور حقوق واجبہ ومستحبہ کے ادا کرنے کا نام ہے۔

صلہ رحمی خصوص اپنے اعزہ واقارب کی خبر گیری کرتے رہنا بقدر وسعت ان سے مالی واخلاقی تعاون کرتے رہنا اور الاقرب فالاقرب کے تحت سب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

قَالَ اشْتَكَى أَبُو الرَّدَّادِ اللَّيْثِيُّ: بعض نسخوں میں اس طرح ہے جبکہ ہندوستانی نسخوں میں اشتکی ابوالدرداء ہے یہ تصحیف ہے جو قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے شارحین نے اس پر مختلف توجیہات کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ توجیہات رائیگاں نکلیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری صحابی ہیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریشی ہیں دونوں میں کوئی خاندانی تعلق نہیں لہٰذا ''خیرھم واوصلھم'' کہنا یعنی ہمارے خاندان کے سب سے بہتر آدمی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے کہنا، شارحین کی سمجھ میں نہیں آتا اس پر انہوں نے طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں حالانکہ یہ کاتبین کی غلطی ہے کہ انہوں نے ابوالرداد کو ابوالدرداء بنادیا صحیح عبارت مصری نسخوں میں ہے جو کہ ہمارے ہاں ہے اس پر تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے رداد لیثی کے تذکرہ میں امام ترمذیؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے اور تحفۃ الاشراف میں علامہ مزّی نے بھی اس کی صراحت کی ہے جلد ۷ ص ۴۱۴ پر۔ رداد لیثی اور عبدالرحمن بن عوف یہ دونوں حضرات قریشی ہیں قریش نضر بن کنانہ کی اولاد اور بنو لیث کنانہ کا ایک بطن ہے وہ بنولیث بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ ہیں اور زہرہ بھی قریش کا ایک بطن ہے پس ابوالرداد اور عبدالرحمن بن

عوف ایک ہی خاندان کے ہوئے۔

سند پر کلام: اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک شروع میں ہے اور دوسری اخیر میں ہے۔ شروع والی سند منقطع ہے حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں ان کا اپنے والد سے لقاء ثابت ہی نہیں کیونکہ ابو سلمۃ اس وقت بچے تھے جب عبدالرحمن بن عوف نے وفات پائی لہذا یہ سند منقطع ہے سفیان امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں وہ ابوسلمہ سے اور ابوسلمہ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ابوالرداد بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لئے عبدالرحمن بن عوف آئے یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اس وقت ابوسلمہ بچے تھے اس حدیث کی صحیح سند معمر کی ہے جو اس باب کے آخر میں ہے کہ یہ حدیث امام زہری سے وہ ابوسلمہ سے وہ رداد لیثی سے وہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں جب حضرت عبدالرحمن ردّاد لیثی کی عیادت کے لئے گئے اس وقت رداد وہاں موجود تھے انہوں نے یہ حدیث حضرت عبدالرحمن سے سنی پھر ان سے ابوسلمہ روایت کرتے ہیں پس صحیح سند یہی ہے اور معمر ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے اگر محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے معمر کی غلطی قرار دیا ہے مگر ابوداود (۱۶۹۵)، مسند احمد (ج ا ص ۱۹۴) وغیرہ میں اسی سند سے یہ حدیث مروی ہے پس امام بخاریؒ کی یہ بات صحیح نہیں یہ امام ترمذیؒ کا فیصلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِلَةِ الرَّحِمِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا بَشِيرٌ أَبُو إِسْمٰعِيلَ وَفِطْرُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا انْقَطَعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلْمَانَ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ

ابن عمر، سفیان، بشیر، ابواسماعیل، فطر بن خلیفہ، مجاہد، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی قرابت کی نیکی کے بدلے نیکی کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو قطع رحمی کے باوجود اسے ملائے اور صلہ رحمی کرے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت سلمان، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: قولہ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ: "ای المجازی لا قاربہ" یعنی اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی اس کو نہیں کہتے کہ نیک سلوک کرنے والے کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے یہ تو ایک ادلہ کا بدلہ اور احسان چکانا ہے ہاں اگر اس نے ایسے شخص کے ساتھ صلہ رحمی کی جس نے اس کے ساتھ کوئی احسان والا برتاؤ نہیں کیا تو پھر اس صورت میں یہ اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی ہے کیونکہ اس صورت میں بدلہ کا شبہ موجود ہی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے اپنے عمل سے بھی صلہ رحمی کو ثابت کر دکھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "أَحْسِنْ إِلٰى مَنْ أَسَاءَكَ" اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کا کامل ترین درجہ وہ ہے جس کی بنیاد بدلہ چکانے پر نہ ہو بلکہ زیادتی کے بعد معاف بھی کر دے اور الٹا ظالم پر کوئی احسان بھی کر دے اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جوان مرد وہی شخص ہے جو اپنا حق کسی سے طلب نہ کرے اور خود دوسروں کا حق ادا کرے۔ یہ کمال اخلاق اور عمدہ صفات کی دلیل ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن عمرو، نصر بن علی، سعید بن عبدالرحمن مخزومی، سفیان، زہری، حضرت محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ابن ابی عمر بھی سفیان سے یہی نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد قطع رحمی کرنے والا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قوله لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ: "ای للرحم أو للطريق" یعنی جو قطع رحمی کرے یا کسی کو راستہ میں لوٹے دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے۔ اس ارشاد گرامی کی یہ مراد بیان کی گئی ہے کہ جو شخص یہ جاننے کے باوجود کہ قطع رحمی کرنا حرام ہے یا بغیر کسی عذر وسبب کے قطع رحمی کرے تو وہ جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا یا اس سے مراد یہ ہے کہ قطع رحمی کرنے والا نجات یافتہ اور اولین لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ روایت کا محمل ایسا شخص ہو جو قطع رحم کو حلال سمجھتا ہو وہ کبھی بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ حرام کو حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے اور کافر کا داخلہ جنت میں ممنوع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُبِّ الْوَلَدِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي سُوَيْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ يَقُولُ زَعَمَتِ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ قَالَتْ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُحْتَضِنٌ أَحَدَ ابْنَيِ ابْنَتِهِ وَهُوَ يَقُولُ إِنَّكُمْ لَتُبَخِّلُونَ وَتُجَبِّنُونَ وَتُجَهِّلُونَ وَإِنَّكُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ حَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ وَلَا نَعْرِفُ لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ سَمَاعًا مِنْ خَوْلَةَ

ابن ابی عمر، سفیان، ابراہیم بن میسرہ، ابن ابوسوید، عمر بن عبدالعزیز، حضرت خولہ بنت حکیمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے ایک نواسے کو گود میں لے کر نکلے اور فرمایا بے شک تمہارا کام بخیل، بزدل اور جاہل بنانا ہے اور بلاشبہ تم اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے پھولوں سے ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ ابن عیینہ کی ابراہیم بن میسرہ سے منقول حدیث کو ہم صرف انہی کی سند سے جانتے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز کا خولہ سے سماع ہمیں معلوم نہیں۔

تشریح: خَوْلَةُ بِنْتُ حَكِيمٍ: یہ جملہ المرأة الصالحة سے بدل ہے مختضن یہ احتضان سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے گود لینا
أَحَدَ ابْنَيِ ابْنَتِهِ: اس سے مراد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

لَتُبَخِّلُونَ وَتُجَبِّنُونَ وَتُجَهِّلُونَ: یہ تینوں صیغے باب تفعیل کے ہیں اس کے معنی "تحملون علی البخل والجبن والجھل" ہیں۔

لَتُبَخِّلُونَ: انسان اولاد کی وجہ سے بخل کرتا ہے پیسہ پیسہ جوڑ کر رکھتا ہے کوئی چیز بھی ملتی ہے تو بچوں کے لئے جوڑ جوڑ کر رکھتا ہے اور خرچ کرنے سے ڈرتا ہے اس کو بخل سے تعبیر کیا۔

وَتُجَبِّنُونَ: بزدلی اختیار کرتا ہے بچوں کی محبت و پیار کی وجہ سے جہاد جیسی مبارک عبادت میں جہاں شجاعت کی ضرورت ہے وہ شریک نہیں ہوتا اس کو جبن سے تعبیر کیا حالانکہ حقیقۃً جبن نہیں۔

وَتُجَهِّلُونَ: اسی طرح جب اولاد ہو جاتی ہے تو آدمی ان کی پرورش میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ نہ تو وہ دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور نہ دینی علم کے لئے سفر کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: **تعلموا قبل أن تسوروا** تم سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرلو کیونکہ جب اہل وعیال کا خرچہ سر پر آپڑتا ہے تو انسان کمائی میں لگ جاتا ہے اور ضروری علم سے محروم ہو جاتا ہے۔

لِمَنْ رَيْحَانِ اللهِ: یہ اللہ تعالیٰ کے پھول ہیں اسی وجہ سے والدین اپنی اولاد کو چومتے ہیں بلکہ سونگھتے بھی ہیں کیونکہ وہ اللہ کے پھول ہیں۔

وَفِي الْبَاب: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن ابی سوید ہے یہ مجہول راوی ہے اس کا نام محمد ہے یہ ابن ابی سوید وہ نہیں جس سے حضرت غیلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مروی ہے جو کتاب النکاح میں ہے اس کا نام بھی محمد ہے مگر وہ ثقہ راوی ہے اور یہ ابن ابی سوید مجہول راوی ہے دوسرا یہ کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا حضرت خولہ بنت حکیم سے لقاء وسماع نہیں لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الْوَلَدِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبْصَرَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُقَبِّلُ الْحَسَنَ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ الْحُسَيْنَ أَوِ الْحَسَنَ فَقَالَ إِنَّ لِي مِنَ الْوَلَدِ عَشَرَةً مَا قَبَّلْتُ أَحَدًا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سعید بن عبد الرحمن سفیان، زہری، ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسنؓ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ابن ابی عمر اپنی بیان کردہ روایت میں حسن یا حسین کا ذکر کرتے ہیں پس اقرعؓ نے کہا میرے دس بیٹے ہیں میں نے کبھی ان کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ اس باب میں حضرت انس اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ ابوسلمہ بن عبد الرحمن کا نام عبد اللہ ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ: پہلا یرحم معروف ہے اور دوسرا مجہول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک یہ دونوں خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہیں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اکثر نے اس کو مرفوع ہی پڑھا ہے ابو البقاء فرماتے ہیں کہ من موصولہ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور دونوں صیغے مجزوم ہوں۔ رحم کرنے کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ بالکل رحم نہ کرنا، یا کم رحم کرنا، بہت ہی کم رحم کرنا جو نہ ہونے کے برابر ہو۔ جو شخص اپنی اولاد وغیرہ پر جتنا زیادہ مہربان ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''الرّاحمون یرحمهم الرحمن، ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء'' مہربانی کرنے والوں پر رحمن مہربانی کرتے ہیں پس تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

کرو تم مہربانی اہل زمین پر رحمن مہربان ہوگا عرش بریں پر

اب جو شخص بچوں سے الفت و محبت کرتا ہے یہ اس کے دل کے نرم ہونے کی طرف اشارہ ہے اس کے بالمقابل جو شخص بچوں سے محبت کا برتاؤ نہ کرے تو یہ اس کے دل کی قساوت اور سختی ہے جو مذموم ہے اللہ تعالیٰ کی ایسے شخص پر رحمت متوجہ نہیں ہوتی کیونکہ اس میں مادہ رحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ رحمت کا مستحق نہیں ہوتا۔

صحیحین میں ایک واقعہ ہے کہ ایک بدو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا کہ آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو ان کو نہیں چومتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''او املك لك ان نزع الله من قلبك الرحمة'' اگر اللہ تعالیٰ تیرے دل سے مہربانی نکال دیں تو میں کیا کروں۔

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ: صرف انسانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہے کہ انسانوں اور دیگر مخلوقات کے ساتھ بھی انسان کو رحم کا معاملہ کرنا چاہیے کیونکہ تمام مخلوقات اللہ کا کنبہ ہے ''کما فی الحدیث الخلق عیال اللہ'' جب انسان اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرے گا تو خود انسان بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْبَنَاتِ

بعض نسخوں میں یہ ترجمۃ الباب ہے ''باب فی الفقد علی البنات والاخوات'' اور فقد بمعنی تفقد یعنی خبر گیری کرنے کے معنی میں ہے حدیث مذکور فی الباب کا مضمون بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ بَشِيرٍ عَنْ سَعِيدٍ الْأَعْشَى عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ أَوِ ابْنَتَانِ أَوْ أُخْتَانِ فَأَحْسَنَ صُحْبَتَهُنَّ وَاتَّقَى اللهَ فِيهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، ابن عیینہ، سہیل بن ابو صالح، ایوب، بشیر، سعید الاعشی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں وہ ان سے اچھا سلوک کرے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اس کے لئے جنت ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَكُونُ لِأَحَدِكُمْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ أَوْ ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ فَيُحْسِنُ إِلَيْهِنَّ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ هُوَ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ وُهَيْبٍ وَقَدْ زَادُوا فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ رَجُلًا

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، سہیل بن ابوصالح، ابوسعید بن عبدالرحمن، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔ اس باب میں حضرت عائشہ، عقبہ بن عامر، انس، جابر، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوسعید کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے سعد بن ابی وقاص، سعد بن مالک بن وہیب ہیں لوگوں نے اس سند میں ایک آدمی کا اضافہ کیا ہے۔

تشریح: فاحسن صحبتهن: احسان صحبت کی تفسیر ابن ماجہ میں کی گئی ہے کہ اس سے مراد ہے "وسقاهن وكساهن" یعنی ان کو کھلائے، پلائے اور ان کو پہنائے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فصبر عليهن واقع ہے کہ ان کی پرورش ان کی تربیت میں جو مصائب و پریشانیاں آتی ہیں ان پر صبر کرے اور اسی طرح طبرانی کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے "فانفق عليهن وزوجهن واحسن ادبهن" یہ سب احسان کی تفسیر ہیں لیکن ان سب کا استحقاق جب ہوگا جب بنات و اخوات کے ساتھ یہ حسن سلوک اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ ضروریات سے مستغنی نہ ہو جائیں بہر حال جو ان کی کفالت کرے اور ان کے بارے میں جو مشقتیں پیش آئیں ان کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرے تو ایسا شخص جنت کا مستحق ہوگا گویا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

حدیث الباب میں ان بچیوں کی پرورش کے بارے میں کتنی بڑی فضیلت آئی ہے اس کے برخلاف وہ لوگ جو بچیوں کی پیدائش کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں ان کے لئے عبرت کا مقام ہے قرآن پاک کی آیت ہے "واذا بُشّر احدهم بالانثى ظلّ وجهه مسودًّا وهو كظيم يتوارى من القوم من سوء ما بشّر به الآية"۔ اس کے علاوہ دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں سے اکتانا اور ان کو اپنے لئے مصیبت سمجھنا کفار کا عمل ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ لڑکیوں کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کریں۔ دیکھئے قرآن پاک کی ایک آیت میں ہے "يهب لمن يشاء اناثًا و يهب لمن يشاء الذكور" اس آیت میں اناث کو مقدم کر کے اس کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ گھر میں لڑکی کی پیدائش برکت اور فضیلت کی بات ہے۔

وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ: امام ترمذیؒ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو ذکر کر رہے ہیں کہ ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے البتہ یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں امام ترمذی آگے فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدری اور سعد بن ابی وقاص دونوں کا نام سعد ہے اور دونوں کے والد کا نام بھی مالک ہے مگر دادا کے نام میں فرق ہے ابو سعید کے دادا کا نام سنان ہے اور سعد کے دادا کا نام وہیب ہے۔

وَقَدْ زَادُوا فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ رَجُلًا: محدثین حضرات فرماتے ہیں کہ راویوں نے اس سند میں ایک آدمی بڑھایا ہے یہ وہی ایوب بن بشیر ہے جو پہلی سند میں آئے ہیں اور یہ اضافہ سعید اعشی اور ابوسعید خدریؓ کے درمیان ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ سعید اعشی چھٹے طبقہ کے راوی ہیں اور کسی صحابی سے ان کی ملاقات ثابت نہیں اس لئے لازمی ہے کہ درمیان میں کوئی واسطہ ہو چنانچہ ابوداود شریف کتاب الادب باب ۱۲۲ حدیث ۵۱۴۷ میں سعید اعشی اور ابوسعید خدریؓ کے درمیان ایوب بن بشیر کا واسطہ ہے باقی ابن عیینہ کی سند میں ایوب کا تذکرہ سعید اعشی سے پہلے ہے جو کہ ٹھیک نہیں۔

اس حدیث الباب کی جو سند ہے اس کے بارے میں امام بخاریؒ التاریخ الکبیر میں فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ اس حدیث کو سہیل عن ایوب، عن سعید الاعشی روایت کرتے ہیں مگر یہ سند درست نہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام ترمذیؒ کی اس سند میں کوئی قلب نہیں ہوا باقی امام ترمذیؒ نے جو فرمایا "قد زادوا فی هذا الاسناد رجلا" اس سے ان کی مراد حدیث کی دوسری سند میں ایوب کا اضافہ ہے جیسا کہ ابھی ابوداود کی دوسری سند کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

علاء بن مسلمہ، عبدالمجید بن عبدالعزیز، معمر، زہری، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی بیٹیوں کے ساتھ آزمایا گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا تو وہ اس کے لئے جہنم سے پردہ ہوں گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ: یہ تعبیر اس لئے اختیار کی کہ عموماً لوگ بچیوں کی پیدائش کو پسند نہیں کرتے اور بچیوں کی تخصیص اس وجہ سے بھی کی کہ عموماً بچیاں بچوں کی بنسبت احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہیں لہٰذا جو شخص بچیوں کو عار لاحق ہونے میں ڈھال بنے گا تو اس کا پورا بدلہ یہ ہے کہ اس کو جہنم کی آگ سے ڈھال فراہم کی جائے گی لہٰذا حدیث الباب کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ اپنے ہاں لڑکیاں پیدا ہونے پر شکستہ دل ہوتے ہیں اور ناگواری میں مبتلا ہوتے ہیں وہ اس حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں کہ لڑکیاں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی رحمت ہیں اور ان کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ پیار و محبت کا سلوک کرنا ایک بہت بڑی اخروی سعادت ہے۔ باقی احسان وسلوک سے مراد وہ نان ونفقہ ہے جو باپ پر واجب ہوتا ہے یا اس واجب نان ونفقہ کے علاوہ مزید حسن سلوک کرنا مراد ہے۔ راجح یہ ہے کہ مزید حسنِ سلوک مراد ہے۔ (مرقاۃ ج۹ ص ۲۱۲)

مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَنَاتِ: یہ بشارت ایک بیٹی کی تربیت کرنے والے کو بھی شامل ہوگی یا نہیں اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

عندالبعض: یہ بشارت ان لوگوں کے لئے ہے جو کم از کم تین یا دو بیٹیوں کی عیالداری کریں کیونکہ حدیث میں جمع کا صیغہ آیا ہے یا جاریتین کا صیغہ ہے لہٰذا اس حدیث میں ایک لڑکی کے لئے بشارت نہیں۔

عند البعض: حدیث کے ظاہری عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچی کی کفالت کرنے والے کو بھی یہ بشارت حاصل ہوگی اس پر پہلی دلیل "من ابتلی بشیٔ من البنات" میں مِن تبعیضیہ ہے اور لفظ شیٔ قلت پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس بات کی طرف

اشارہ مقصود ہے کہ ایک بیٹی والا بھی یہ خوشخبری پائے گا۔

دوسری دلیل طبرانی فی الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی صریح روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "قلنا و بنتین قال و بنتین قلنا و واحدة قال و واحدة" ہم نے کہا اور دو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو ہم نے کہا ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بھی۔ لہٰذا دوسرا قول راجح ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ: اس حدیث کی سند میں امام ترمذیؒ کے استاذ علاء بن مسلمہ متروک راوی ہیں ابن حبان نے اس کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے مگر یہ حدیث دوسری سند سے صحیحین میں بھی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کی تحسین کی ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا فَسَأَلَتْ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتُلِيَ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، معمر، ابن شہاب، عبداللہ بن ابو بکر بن حزم، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت جس کے ساتھ دو بچیاں تھیں میرے پاس آئی اور کچھ مانگا میرے پاس صرف ایک کھجور تھی میں نے وہ اسے دیدی اس نے وہ کھجور دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی اور خود کچھ نہ کھایا پھر اٹھ کر چلی گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ان لڑکیوں کے ساتھ آزمایا جائے قیامت کے دن یہ اس کے لئے جہنم سے پردہ ہوں گی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ: **سوال:** علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ اس مسکینہ کو انہوں نے تین کھجوریں عطا فرمائی تھیں اس نے ایک ایک کھجور دونوں بچیوں کو دے دی اور تیسری کھجور خود کھانے کا ارادہ کیا مگر اس کے دو ٹکڑے کر کے وہ بھی بچیوں کو ہی دے دی تھی اور خود نہیں کھائی جبکہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک ہی کھجور دی۔

جواب اول: ممکن ہے یہ مختلف واقعات ہوں ایک واقعہ میں ایک کھجور کا ذکر ہے دوسرے واقعہ میں دو کھجوروں کا ذکر ہے۔

جواب ثانی: یا یہ کہا جائے کہ اولاً حضرت عائشہؓ کو ایک کھجور ملی تھی تو آپؓ نے اس مسکینہ کو دے دی پھر بعد میں دو اور کھجوریں مل گئیں تو وہ بھی مسکینہ کو دے دیں۔

وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا: یعنی وہ عورت خود بھوکی رہی اور کھجور اس نے اپنی بچیوں کو دے دی خود نہیں کھائی۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مذکورہ واقعہ سے تعجب کیوں ہوا؟ دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حلاوت ولادت سے ناواقف تھیں کیونکہ صاحب اولاد بسا اوقات اپنی حاجت کو روک کر اپنی اولاد کی حاجت پورا کرنے پر مجبور ہوتا

ہے اور یہ امر طبعی ہے جس کو صاحب اولاد ہی سمجھ سکتا ہے چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صاحب اولاد نہیں تھیں اس لئے ان کو تعجب ہوا۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: اس حدیث کی سند میں جو عبداللہ بن ابی بکر بن حزم ہیں ان کا نام عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہے راوی کے باپ کی، اس کے باپ کے دادا کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔

دوسرا یہ کہ اس روایت اور پچھلی روایت میں زہری اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں بڑھاتے وہ حدیث مختصر ہے جبکہ دوسری حدیث میں اپنے اور حضرت عروہ کے درمیان عبداللہ بن ابی بکر کا واسطہ بڑھاتے ہیں اور یہ مفصل حدیث ہے اس سے معلوم ہوا کہ زہری نے مختصر روایت حضرت عروہ سے براہ راست سنی ہے اور تفصیلی روایت عبداللہ کے واسطہ سے سنی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ هُوَ الطَّنَافِسِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الرَّاسِبِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ دَخَلْتُ أَنَا وَهُوَ الْجَنَّةَ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ غَيْرَ حَدِيثٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ و قَالَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ وَالصَّحِيحُ هُوَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ

محمد بن وزیر واسطی، محمد بن عبید، محمد بن عبدالعزیز راسبی، ابوبکر بن عبیداللہ بن انس بن مالک، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے دو بچیوں کی پرورش کی میں اور وہ جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح داخل ہوں گے۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ کیا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے محمد بن عبید نے محمد بن عبدالعزیز سے اس سند کے ساتھ کئی احادیث روایت کیں اور کہا ابوبکر بن عبیداللہ بن انس جبکہ صحیح عبیداللہ بن ابوبکر بن انس ہے۔

تشریح: عال: ماخوذ من العول وھو الرقب: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں "قام علیھما بالمؤنة والتربية ونحوھا" جیسے کہا جاتا ہے "عال الرجل عياله يعولهم" مراد اس سے بچوں کی ذمہ داری لینا، مؤنت برداشت کرنا۔

وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ: اس سے مراد وسطی اور سبابہ ہے جیسا کہ آنے والی روایت میں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ بلافصل کے ہیں اسی طرح بچیوں کی کفالت کرنے والا میرے ساتھ جنت میں بلافصل داخل ہوگا اس روایت میں کافل بنات کی بہت بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انتہائی قرب حاصل ہوگا۔

وَقَدْ رَوٰى: اس روایت میں ابوبکر بن عبیداللہ مجہول راوی ہیں مگر یہ روایت دوسری سند سے مسلم میں بھی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن عبید نے اس سند سے متعدد احادیث روایت کی ہیں اس روایت کے علاوہ دوسری روایت بھی اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے تو انہوں نے اس میں بھی عن ابی بکر بن عبیداللہ بن انس ہی کہا جیسا کہ یہاں

بھی کہا ہے حالانکہ صحیح عن عبید اللہ بن ابی بکر ہے یعنی ابوبکر انس کے بیٹے ہیں نہ کہ پوتے۔ امام مسلمؒ نے جامع صحیح مسلم میں جو سند نقل کی ہے وہ اسی طرح ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي رَحْمَةِ الْيَتِيمِ وَكَفَالَتِهِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالِقَانِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ حَنَشٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَبَضَ يَتِيمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِينَ إِلَى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُرَّةَ الْفِهْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَحَنَشٌ هُوَ حُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ وَهُوَ أَبُو عَلِيٍّ الرَّحَبِيُّ وَسُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ يَقُولُ حَنَشٌ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ

سعید بن یعقوب طالقانی، معتمر بن سلیمان، حنش، عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں شامل کرے گا اللہ تعالیٰ بے شک وشبہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ مگر یہ کہ کوئی ایسا عمل کرے جس کی بخشش نہ ہو۔ اس باب میں حضرت مرہ فہری، ابوہریرہ، ابوامامہ اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حنش کا نام حسین بن قیس اور کنیت ابوعلی رجبی ہے سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ حنش محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

تشریح: یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو چونکہ ایسا نابالغ بچہ بے سہارا رہ گیا ہے اس لئے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ساتھ شفقت والا معاملہ کیا جائے۔

إِلَّا أَنْ يَعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ: علامہ طیبیؒ اور ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذلك لمن یشاء"۔ ہاں اگر اس یتیم کی کفالت کرنے والے نے شرک کیا ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقوق العباد ہیں کیونکہ حقوق العباد صاحب حق کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوں گے ورنہ نہیں اور ممکن ہے اس سے مراد دونوں ہوں اور اس بات پر اجماع ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔

لہٰذا روایت کا حاصل یہ ہے کہ کافل یتیم یقیناً جنت میں داخل ہوگا جب تک اس نے دو گناہ نہ کئے ہوں ایک اس نے شرک نہ کیا ہو اور دوسرا اس پر حقوق العباد واجب نہ ہوں۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ مُرَّةَ الْفِهْرِيِّ: امام ترمذیؒ یہاں ایک راوی کا تعارف کروا رہے ہیں حنش راوی کا نام حسین بن قیس ہے اور اس کی کنیت ابوعلی الرحبی ہے اس کا لقب حنش ہے یہ راوی محدثین کے نزدیک نہایت ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو متروک لکھا ہے ابوزرعہؒ ابن معینؒ نے فرمایا کہ یہ مطلقاً ضعیف ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں "لا یکتب احادیثه" بعض حضرات

نے ان کی احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عِمْرَانَ أَبُو الْقَاسِمِ الْمَكِّيُّ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

عبداللہ بن عمران، ابوقاسم مکی قرشی، عبدالعزیز بن ابوحازم، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور پھر دونوں انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ یعنی شہادت اور بیچ والی انگلی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **وَكَافِلُ الْيَتِيمِ**: اور یتیم اس نابالغ لڑکے، لڑکی کو کہتے ہیں جس کا والد فوت ہو چکا ہو (مرقاۃ ج۹ ص۲۱۳) اسی طرح جانوروں میں یتیم اُس چھوٹے بچہ کو کہتے ہیں جس کی والدہ مرگئی ہو اور یتیم موتی ذہ موتی ہے جو اپنی سیپ میں اکیلا ہو یہاں پر یتیم سے انسان مراد ہے (مرقاۃ ایضاً)۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ مطلق یتیم کی کفالت و پرورش کرنے کی فضیلت ہے خواہ وہ یتیم اس کا قریبی ہو یا دور کا ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگشت مبارک اور درمیانی انگلی کے ذریعے اشارہ کر کے واضح کر دیا کہ جنت میں میرے اور یتیم کی پرورش کرنے والے کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہوگا جتنا ان دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔

نیز اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ مرتبہ نبوت جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس کے اور سخاوت کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ بِأُصْبُعَيْهِ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم کی کفالت کرنے والے کو اپنا جنت کا رفیق قرار دیا۔

علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں جو شخص اس حدیث کو سنے اس کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس عمل کا بدلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت فی الجنۃ ہے۔ اس سے بڑھ کر آخرت میں کس کا درجہ ہوسکتا ہے۔

سوال: قرآنی آیات اور احادیث کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ قیامت والے دن تمام انبیاء سے بڑھ کر ہوگا حتیٰ کہ مقام محمود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے جو کسی کو نہیں عطا کیا گیا جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافل یتیم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ان درجات علیا میں داخل ہوگا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت رہ گئی۔

محدثین حضرات نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول: عند البعض اس معیت سے مراد معیت خادم مع المخدوم ہے کہ جس طرح مخدوم کے ساتھ خادم بھی اسی درجہ میں سفر کر لیتا ہے جس درجہ میں مخدوم کرتا ہے اسی طرح یہ کافل یتیم بطور خادم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ہوگا اس سے برابری لازم نہیں آتی جس طرح خادم کی مخدوم کے ساتھ برابری نہیں ہوتی۔

جواب ثانی: روایت میں درجات کی تعیین مقصود نہیں بلکہ صرف استحقاق معیت فی الدخول کو بیان کرنا مقصود ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں داخل ہونے کا مستحق بن گیا ہے۔

جواب ثالث: اس سے معیت فی الدخول ہی کو بیان کرنا مقصود ہے مگر اس سے درجات علیا کا حصول کافل یتیم کے لئے اولاً ضروری

نہیں ہے نیز اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں۔

جواب رابع: اس سے مقصود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت قرب کو بیان کرنا ہے نہ کہ معیت فی الدخول اور درجات کی برابری کو۔

جواب خامس: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان تقدم اور تاخر کا فرق ہے کہ سبابہ وسطی سے مؤخر ہے اسی طرح کافل یتیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤخر ہوگا۔

جواب سادس: بعض حضرات نے کہا کہ سبابہ اور وسطی کے درمیان طولاً فرق ہے کہ وسطی سبابہ کے اعتبار سے طویل ہے یہی فرق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کافل یتیم کے درمیان ہے۔

جواب سابع: بعض نے کہا کہ بخاری شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں **وفرج بین اصبعیه** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کرتے ہوئے دو انگلیوں کے درمیان کشادگی فرمائی جس سے کافل یتیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فرق متحقق ہوجاتا ہے یہ ایسا ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بُعِثْتُ انا والساعۃ کھاتین" کہ میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح (قریب، قریب) معبوث ہوئے اب ظاہر ہے ان دونوں کے درمیان فرق ہے۔

جواب ثامن: بعض حضرات نے کہا کہ اس روایت سے مقصود صرف سرعت دخول کو بیان کرنا ہے یعنی کافل یتیم میری طرح بہت جلد جنت میں داخل ہوگا۔

جواب تاسع: یا سرعت دخول کے ساتھ ساتھ مطلق درجات علیا کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

جواب عاشر: بعض حضرات نے کہا کہ بوقت دخول کافل یتیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہوگا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے جنت کا دروازہ سب سے پہلے کھولا جائے گا میں دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے پہلے دروازہ پر پہنچی ہوئی ہے میں اس سے پوچھوں گا تو کون ہے تو وہ کہے گی میں یتیموں کی پرورش کرنے والی ہوں۔ اب اس سے مراد یہی ہے کہ وہ عورت بوقت دخول میرے ساتھ جنت میں ہوگی یا میرے بعد جنت میں داخل ہوگی۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ الصِّبْيَانِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَرْزُوقٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ زَرْبِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيدُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبْطَأَ الْقَوْمُ عَنْهُ أَنْ يُوَسِّعُوا لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي

محمد بن مرزوق بصری، عبید اللہ بن واقد، زربی، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا لوگوں نے اسے جگہ دینے میں تاخیر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام نہ کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو، ابوہریرہ، ابن عباس اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے بھی

أُمَامَةَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَزَرْبِيٌّ لَهُ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ۔

احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے زربی کی حضرت انس بن مالک وغیرہ سے منکر حدیثیں ہیں۔

تشریح: لَيْسَ مِنَّا: بعض حضرات نے ''لیس منا'' کا معنی بیان کیا کہ ''لیس من سنتنا'' یعنی وہ شخص ہمارے طریقے پر نہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں یہ مطلب ٹھیک نہیں اور وہ ''لیس منا'' کی تفسیر کرتے ہیں لیس مثلنا'' یعنی وہ ہم مسلمانوں جیسا نہیں۔ مصری نسخہ میں یہ الفاظ ہیں ''لیس من ملتنا'' یعنی وہ ہماری ملت میں سے نہیں۔ بہترین رائے یہ ہے کہ حدیث میں کوئی تاویل نہ کی جائے۔

وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا: یہ لفظ بڑے، جوان اور شیخ دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں پر اہتمام شان کی وجہ سے چھوٹوں کے ساتھ رحمت کا پہلے ذکر کیا نیز توقیر الکبیر کا حکم تمام مسلمانوں کو شامل ہے بعض نے کہا کہ یہ وعید غیر مسلمین کے لئے نہیں کیونکہ ان میں نہ شفقت ہوتی ہے اور نہ ہی بڑوں کی عزت ہوتی ہے جیسا کہ ان کے ہاں رواج ہے بچوں کو آیا پالتی ہے مائیں اتنا تکلف نہیں کرتیں اور نہ ہی غیر مسلموں کے پاس بچوں کی پرورش کے لئے ٹائم ہوتا ہے پھر جب جوان ہوتے ہیں تو والدین کی تربیت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں جب بوڑھے ہو گئے تو اولڈ ہاؤس بھیج دیئے جاتے ہیں اولاد کا نہ ان کے پاس جانا نہ ان کی خدمت کرنا۔ ہاں کبھی مہینہ میں ایک بار ان کے پاس چلا گیا تو فبہا ورنہ اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے اس لئے یہ حکم مسلمانوں کے لئے ہے نہ کہ غیر مسلموں کے لئے۔ لیکن پھر بھی مسلمان ہونے کے ناطے والدین کے ساتھ اور بڑوں کے ساتھ ایسا اچھا سلوک نہیں کیا جاتا جیسا سلوک کرنا چاہیے۔

تشریح: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کہ اس میں ایک راوی زربی بن عبداللہ ازدی بصری ہے جو کہ ضعیف راوی ہے یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے علاوہ سے بھی ضعیف احادیث روایت کرتا ہے لیکن یہی حدیث آگے سند صحیح کے ساتھ آ رہی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا

ابوبکر محمد بن ابان، محمد بن فضیل، محمد بن اسحاق، حضرت عمرو بن شعیب بواسطہ اپنے والد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ابوبکر محمد بن ابان، یزید بن ہارون، شریک، لیث، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے۔ یہ حدیث حسن

غَرِيبٌ وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ أَيْضًا قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا لَيْسَ مِنْ سُنَّتِنَا وَيَقُولُ لَيْسَ مِنْ أَدَبِنَا وَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ كَانَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يُنْكِرُ هٰذَا التَّفْسِيرَ لَيْسَ مِنَّا لَيْسَ مِثْلَنَا

غریب ہے محمد بن اسحاق کی عمرو بن شعیب سے روایت حسن صحیح ہے اور یہ روایت عبداللہ بن عمرو سے دوسرے طرق سے بھی مروی ہے۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کہ وہ ہم میں سے نہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہماری سنت اور طریقے پر نہیں۔ علی بن مدینی، یحیی بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ اس تفسیر کو ناپسند کرتے تھے۔ ہم میں سے نہیں، یعنی ہماری مانند نہیں۔

تشریح: وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا: یہ لفظ ''لم یوقر کبیرنا'' کی جگہ پر واقع ہے اس کے معنیٰ ''لم یعرف شرف کبیرنا'' کے ہیں ایک نسخہ میں لَمْ کی صراحت کے ساتھ منقول ہے۔

وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب والی روایت محمد بن اسحاق مدلس راوی کے عنعنہ کے ساتھ اگرچہ منقول ہے اور یہ حدیث حسن صحیح نہیں ہونی چاہیے مگر اس کے متعدد طرق ہیں اور دیگر شواہد بھی ہیں اس بناء پر اس کو حسن وصحیح قرار دے دیا گیا ہے۔

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ: یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ صحابی سے جس طرح ان کی اولاد نے نقل کی ہے جس کو محمد بن اسحاق نے روایت کیا ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کے دوسرے لوگ بھی ناقل ہیں اسی وجہ سے حدیث درجہ حسن وصحیح کو پہنچ گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَحْمَةِ النَّاسِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ حَدَّثَنِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، اسماعیل بن ابو خالد، قیس بن ابو حازم، حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمن بن عوف، ابو سعید، ابن عمر، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: مَنْ لَمْ يَرْحَمِ النَّاسَ: حافظ ابن عربی کے ہاں رحمت کا معنیٰ ہے ''ارادۃ المنفعۃ فی حق الخالق و المخلوق''۔ علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظ کا عموم تقاضا کرتا ہے کہ رحمت کا معاملہ تمام مخلوق کے لئے عمومی ہو۔

مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحم کا معاملہ نہیں فرمائیں گے۔ پھر انسانوں کے ساتھ رحمت کا معاملہ مختلف نوعیت کا ہے اور حیوانوں کے ساتھ مختلف نوعیت کا اور پڑوس والے کے ساتھ مختلف اور دور والے کے ساتھ مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ كَتَبَ بِهِ إِلَيَّ مَنْصُورٌ وَقَرَأْتُهُ عَلَيْهِ سَمِعَ أَبَا عُثْمَانَ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو عُثْمَانَ الَّذِي رَوٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نُعْرَفُ اسْمُهُ يُقَالُ هُوَ وَالِدُ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ الَّذِي رَوٰى عَنْهُ أَبُو الزِّنَادِ وَقَدْ رَوٰى أَبُو الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ حَدِيثٍ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالقاسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شقی القلب ہی کو رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوعثمان جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہمیں ان کا نام معلوم نہیں کہا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ بن ابی عثمان کے والد ہیں جن سے ابوالزناد راوی ہیں۔ ابوزناد نے بواسطہ موسیٰ بن ابی عثمان، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متعدد احادیث روایت کی ہیں۔

تشریح: كَتَبَ بِهِ إِلَيَّ مَنْصُورٌ: شعبہ فرماتے ہیں کہ اولاً منصور نے اس حدیث کو میرے پاس لکھ کر بھیجا، پھر میں نے منصور سے ملاقات کرکے بالمشافہ ان کے سامنے بیٹھ کر پڑھی لہذا یہ روایت دونوں طریقوں سے مجھے حاصل ہوگئی کتابت کے ذریعے سے بھی اور قراءت کے ذریعے سے بھی۔

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ دراصل رحمت نام ہے رقتِ قلب کا جو علامت ایمان ہے جس شخص میں رقت قلب نہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس میں ایمان نہیں اور جس شخص میں ایمان نہیں اس سے زیادہ بدبخت کون ہوسکتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں لاتنزع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں جو رقت قلب رکھی تھی وہ اس کے دل سے سلب ہوگئی یہ علامت شقاوت اور بدبختی ہے۔ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ رحمت کے معنی ارادہ منفعت کے ہیں جب ارادہ منفعت کسی کے دل سے دور ہوگیا تو ایسا شخص ایصال مکروھات و مصائب میں مبتلا ہوگا۔ اور جو مخلوق خدا کو مصائب پہنچائے اس سے زیادہ بدبخت کون ہوسکتا ہے۔

وَأَبُو عُثْمَانَ الَّذِي رَوٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نُعْرَفُ اسْمُهُ: اس کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کے شاگرد ابوعثمان کا نام ہمیں معلوم نہیں ہے البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ موسیٰ بن ابی عثمان کے والد ہیں اور موسیٰ بن ابی عثمان سے ابوالزناد روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ

ابن ابی عمر سفیان، عمرو بن دینار، ابوقابوس، حضرت عبداللہ

عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي قَابُوسَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَهُ اللهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمن بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔ رحم بھی رحمن کی شاخ ہے جس نے اس کو جوڑا اللہ بھی اس سے رشتہ جوڑ لیں گے۔ اور جو اسے قطع کرے گا اللہ بھی اس سے قطع تعلق کرلیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قوله ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ: اس سے زمین کے تمام جاندار مراد ہیں۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ برے لوگوں کے ساتھ شفقت والا معاملہ اس صورت میں ہوگا کہ ان کو بدی اور برائی سے روکا جائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "انصر اخاك ظالما او مظلوما" ہے اور ظالم کے ساتھ اعانت یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے۔

يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ: جو آسمان میں ہے اس سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا کمال قدرت اور جس کی سلطنت آسمان میں ہے اور جس کا امر آسمان وزمین میں نافذ ہے۔ یا اس سے مراد ملائکہ ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تم زمین والوں پر رحم وشفقت کرو تا کہ آسمانوں میں رہنے والے ملائکہ کا تم پر رحم ہو اور تمہارے حق میں ان کا رحم یہ ہے کہ وہ تمہارے دشمنوں اور شیطان وجنوں سے تمہاری حفاظت کریں اور شریر انسانوں سے تمہاری حفاظت کریں اور بارگاہ کبریائی میں تمہارے لئے دعا و استغفار کریں "قوله من فی السماء" آسمان کا خصوصی ذکر شرافت کی وجہ سے کیا یا آسمان کے ذکر میں ارض بطریق اولیٰ شامل ہوگئی یا آسمان زمین کو بھی شامل ہے اور زمین آسمان کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے بیچوں بیچ کوئی حلقہ پڑا ہوا ہو نیز حقارت کی وجہ سے زمین کا ذکر نہیں کیا (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۲۷)۔

الرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ: شجنة درخت کی جڑوں کو کہا جاتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوتی ہیں یا اس سے مراد شاخیں ہیں یعنی لفظ رحم اللہ کے اسم رحمن سے ماخوذ ہے۔ بہر حال جو شخص صلہ رحمی کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ رحم کا برتاؤ کریں گے اور جو شخص صلہ رحمی کو قطع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ حسن سلوک اور رحمت کا برتاؤ نہیں کریں گے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ابن عیینہ تک تو مسلسل ہے اور اس کے بعد منقطع ہے۔ علامہ سخاویؒ نے بھی یہی فرمایا ہے البتہ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّصِيحَةِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

محمد بن بشار، صفوان بن عیسیٰ محمد بن عجلان، قعقاع بن حکیم، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دین نصیحت ہے تین

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَتَمِيمِ الدَّارِيِّ وَجَرِيرٍ وَحَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ وَثَوْبَانَ

مرتبہ فرمایا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کس کے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ، اس کی کتاب، مسلمان اہل اقتدار اور عام مسلمانوں کے لیے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابن عمر، تمیم داری، جریر، حکیم بن ابی یزید بواسطہ اپنے والد اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔

تشریح: **الدِّينُ النَّصِيحَةُ** : اس کے دو مطلب ہیں ① دین کا دارومدار نصیحت پر ہے نصیحت کے ذریعے سے دین کو قوت وثبات حاصل ہوتا ہے ② دین میں اہم ترین چیز نصیحت ہے۔

قوله ثَلَاثَ : آپ ﷺ نے اہتمام شان اور تاکید کے طور پر یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۲۴)

قَالَ لِلّٰهِ : اللہ تعالیٰ کیلئے خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے دین کو قبول کیا جائے اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا جائے اور اس کے اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے۔

وَلِكِتَابِهِ : اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے حق میں خیر خواہی یہ ہے کہ قرآن کریم کو اللہ کا کلام مانا جائے اور اللہ کی طرف سے وحی مانا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس جیسے کلام پر مخلوقات میں سے کوئی بھی قادر نہیں اور یہ کتاب ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔

وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ : مسلمانوں کے اماموں اور حکمرانوں کے حق میں خیر خواہی یہ ہے کہ تمام جائز امور میں ان کی اطاعت کی جائے ہر قسم کی بغاوت اور سرکشی سے اجتناب کیا جائے ان کی دینی حالت کی بہتری کیلئے ہر ممکن کوشش کی جائے اور ان کو اچھی دعاؤں سے یاد کیا جائے۔

وَعَامَّتِهِمْ : اور تمام مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی یہ ہے کہ ان کی دینی ودنیاوی خیر وبھلائی کا طالب رہا جائے ان کو دین کی تبلیغ کی جائے ان کو دنیا میں فائدہ والے راستے پر چلانے کی کوشش کی جائے اور ان کو کسی بھی طرح نقصان پہنچانے کے بجائے نفع پہنچانے کی سعی کی جائے۔ اس حدیث کو بھی بعض حضرات نے جوامع الکلم میں سے شمار کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، اسماعیل بن ابو خالد، قیس بن ابو حازم، حضرت جریر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر نماز قائم کرنے، زکوۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کو نصیحت کرنے کی بیعت کی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ عبادات دو طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک کا تعلق حقوق اللہ سے ہے اور دوسری کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ رسول کریم ﷺ نے حقوق اللہ میں سے خاص طور پر ان عبادات (نماز روزہ) کا ذکر کیا جو تمام بدنی اور مالی

عبادتوں میں شہادت کے بعد سب سے اعلیٰ و افضل ہیں اور ارکان اسلام میں سے اہم ترین رکن ہیں۔ باقی حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں۔ ہو سکتا ہے جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہو اس وقت تک یہ دونوں (روزہ، حج) مسلمانوں پر فرض نہ ہوئے ہوں اور اسی طرح حقوق العباد سے متعلق اس چیز کو ذکر کیا جسکے دائرے میں بندوں کے تمام حقوق آ جاتے ہیں۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک اہم واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنے غلام کو گھوڑا خریدنے کیلئے بھیجا چنانچہ غلام نے تین سو میں گھوڑا خریدا اور بائع کو اپنے ساتھ لایا تا کہ اپنے مولیٰ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے نقد رقم دلوائے جب بائع آیا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گھوڑا تو تین سو درہم سے زیادہ ہے آپ اس کو چار سو درہم پر فروخت کرو گے اس شخص نے کہا یہ آپ کی مرضی ہے پھر حضرت جریرؓ نے فرمایا کہ آپ کا یہ گھوڑا چار سو درہم سے زیادہ کا ہے کیا آپ اس کو مجھے پانچ سو درہم پر فروخت کرو گے اس نے کہا کہ یہ آپ کی مرضی ہے اس طرح حضرت جریر رضی اللہ عنہ خود گھوڑے کی قیمت بڑھاتے گئے یہاں تک کہ آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا مجلس میں موجود شخص نے حیران ہو کر کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ خود قیمت بڑھاتے رہے تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی ہے کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا یہ شخص گھوڑے کی قیمت نہیں جانتا تھا میں نے اسکی خیر خواہی کی حضرت جریرؓ نہایت خوبصورت تھے اس امت کے یوسف کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ (مرقاۃ ج۹ ص۲۲۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي شَفَقَةِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُونُهُ وَلَا يَكْذِبُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهُ وَمَالُهُ وَدَمُهُ التَّقْوَى هٰهُنَا بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

عبید بن اسباط بن محمد قرشی، ہشام بن سعد، زید، ابن اسلم، ابو صالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے لہذا وہ اس کے ساتھ خیانت کا معاملہ نہ کرے۔ جھوٹ نہ بولے اور اسے اپنی مدد و نصرت سے محروم نہ کرے، ہر مسلمان کی دوسرے مسلمان پر عزت، مال اور خون حرام ہے۔ تقویٰ یہاں ہے (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل کی طرف اشارہ کیا)۔ کسی شخص کے برے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: وَلَا يَخْذُلُهُ: یعنی کسی مسلمان کو ذلیل و حقیر نہ جانے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی بھائی کے عیب کو اچھال کر لوگوں کے سامنے بیان کر کے اس کو رسوا اور بدنام نہ کرے اور نہ اس کے ساتھ بدزبانی اور سخت کلامی کرے اور اسی طرح کوئی مسلمان خواہ کتنا ہی خستہ حال ہو اس کو حقیر نہ سمجھا جائے کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا مقام ہے۔

التَّقْوَى: متقی وہ شخص ہے جو شرک اور گناہوں سے اجتناب و پرہیز کرتا ہے اس کو کسی بھی صورت میں حقیر و کمتر سمجھنا جائز نہیں ہے۔

هٰهُنَا: اس سے مراد یہ ہے کہ تقویٰ کا مصدر و مخزن اصل میں سینہ یعنی دل ہے۔ اور تقویٰ ایک ایسی صفت ہے جو باطن کی ہدایت

اور نورانیت سے پیدا ہوتی ہے یا اسکا مطلب یہ ہے کہ جو چیز انسان کو معزز و مکرم بناتی ہے وہ تقویٰ ہے اور جب تقویٰ کا تعلق باطن سے ہے اور اس کی جگہ دل ہے جو ایک پوشیدہ چیز ہے جس کو انسان ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتا تو ہوسکتا ہے جس مومن کو حقیر سمجھا جا رہا ہے اس کا دل تقویٰ کی شمع سے روشن ہو اور وہ اللہ کا محبوب ہو تم سے اچھا ہو۔ یا تقویٰ کی جگہ دل کو قرار دے کر اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ جس کے دل میں تقویٰ ہو وہ کسی مسلمان کو حقیر و ذلیل نہ کرے کیونکہ کوئی بھی متقی کسی بھی مسلمان کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کا مرکز میرا سینہ ہے اور میرے سینہ سے علماء صلحاء کے دلوں کی طرف تقویٰ کے دریا بہتے ہیں پھر علماء صلحاء کے سینوں سے عوام کے دلوں کی طرف پرہیز گاری کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۱۹)

لہٰذا کوئی بھی مسلمان اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالے جس سے کسی مسلمان بھائی کی خونریزی ہو یا اس کا مال ضائع ہو یا اس کی عزت و آبرو کو نقصان پہنچے۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۱۷)

الحاصل کوئی مسلمان ایسا کام نہ کرے یا کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے کسی مسلمان کی عزت و آبرو چلی جائے اور اسکا نقصان ہو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے حدیث میں اختصار ہے لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔

بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْتَقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ: آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو ذلیل و حقیر سمجھے لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی مسلمان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں۔ **بحسب امرئ** میں با زائدہ ہے اور یہ مبتدأ ہے اور **أن يحتقر** اس کی خبر ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي أَيُّوبَ

حسن بن علی خلال، ابواسامہ، برید بن عبداللہ بن ابوبردہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا اور قوت بخشتا ہے یہ حدیث صحیح ہے اس باب میں حضرت علی اور ابوایوب رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ: ان دونوں میں الف لام جنسی ہے "یشد بعضه" یہ جملہ حالیہ ہے یا صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو وجہ شبہ بیان کرنے کے لئے فرمایا ہے **بعضًا**

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "یشد" کا مفعول بہ ہے۔

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ مومن مؤمن کے لئے اس دیوار کی مانند ہے جس دیوار میں مختلف اینٹیں آپس میں مل کر ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہیں اسی طرح ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی کے لئے معاون و مددگار رہنا چاہیے نہ کہ اس کی ٹانگیں کھینچ کر اپنی جگہ بنانے کی کوشش کی جائے جیسا کہ آج کل خاص طور پر دینی حلقوں میں یہ حسد جیسی بیماری اکثر پائی جاتی ہے اس سے

تقویت کے بجائے نفرت اور کمزوری پیدا ہوتی ہے ایسی صفات کے لوگوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ''جیسا کرد گے ویسا بھرو گے'' کل کلاں تمہارے اوپر بھی ایسا وقت آسکتا ہے۔ نیز جو انسان دوسرے انسان کی مدد کا ذریعہ بنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کا ذریعہ بنتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے'' واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ''۔ کہ اللہ پاک اپنے بندہ کی مدد میں رہتے ہیں جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مسلمانوں کے حقوق کی عظمت اور ان کے آپس میں ترحم اور ایک دوسرے کی مدد کے بارے میں صریح حکم معلوم ہوتا ہے نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امور معنویہ سمجھانے کے لئے تشبیہ اور ضرب الامثال جائز ہے۔

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَدَكُمْ مِرْآةُ أَخِيهِ فَإِنْ رَأَى بِهِ أَذًى فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ وَيَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللهِ ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ

احمد بن محمد بن عبداللہ بن مبارک، یحیی بن عبید اللہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی (دوسرے مسلمان) کے لئے آئینے کی طرح ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے تو اسے دور کر دے یعنی اسے بتائے۔ یحیی بن عبید اللہ کو شعبہ نے ضعیف کہا ہے اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: **مِرْآةُ:** میم کے کسرہ اور ہمزہ کی مد کے ساتھ آئینہ۔ **اذًی** سے مراد عیب یا ایسی چیز جو خود غیر کے لئے تکلیف و پریشانی کا سبب بنے۔ **فَلْيُمِطْهُ:** اس کا معنی ہے دور کرنا۔ حدیث کی وضاحت میں شراح نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

اول: جب انسان آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ آئینہ انسان کے چہرہ کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دیتا ہے جو خود انسان کو معلوم نہیں ہوتیں اسی طرح ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہے کہ وہ اپنے مؤمن بھائی کو اس کی اچھائیاں اور برائیاں بتا دے اور اس کا یہ راز اپنے پاس رکھے افشاء نہ کرے۔ **ثانی:** جس طرح انسان آئینہ کے سامنے اپنے چہرے کے داغوں کو دیکھ کر دور کرتا ہے اسی طرح مؤمن کو چاہیے کہ دوسرے مؤمن کے عیوب دیکھ کر اپنا محاسبہ کرے ان عیوب سے بچنے کی کوشش اور اپنی اصلاح کی فکر کرے۔

فوائد مستنبطہ: حضرات محدثین نے اس حدیث پاک سے چند فوائد کا استنباط کیا ہے۔

اول: اس حدیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے عیوب بتانے والے شخص کو اپنا محسن سمجھنا چاہیے اور اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے کے عیوب دیکھ کر کوئی شخص آئینہ کو نہیں توڑتا بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ رکھتا ہے اسی طرح عیب بتانے والے مؤمن بھائی کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنا چاہیے اس کو برا بھلا نہ کہنا چاہیے اور اس میں اپنی بے عزتی بھی نہیں سمجھنی چاہیے۔ **ثانی:** اس حدیث سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے چہرے کے اتنے ہی عیوب بتاتا ہے جو اس کے چہرے پر ہوتے ہیں اور اس سے زائد بڑھ چڑھ کر بیان نہیں کرتا اسی طرح مؤمن کو اپنے مسلمان بھائی کے اتنے ہی عیوب بتانے چاہیے جو اس میں موجود ہیں اس سے زائد بیان نہ کرے۔

ثالث: سبق یہ ملتا ہے کہ جب آئینہ عیب اسی دیکھنے والے کو بتاتا ہے کسی اور کو نہیں بتاتا اسی طرح مؤمن کو چاہیے کہ اپنے بھائی کے

عیوب صرف اسی کو بتائے دوسرے سے نہ کہے اور نہ اس کو ملامت کرے۔

رابع: جب بھی کوئی انسان آئینہ کے سامنے آتا ہے تو وہ آئینہ اس انسان کو اس کے عیوب بتا دیتا ہے اس سے اکتاتا نہیں اسی طرح مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کی غلطیوں کو بار بار بتاتا رہے اگرچہ ایسا شخص اصلاح نہ کرے تو پھر بھی اس کی اصلاح کرنے سے نہ اکتائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وذكّر فان الذكرى تنفع المؤمنين"۔

خامس: آئینہ کے ساتھ تشبیہ دے کر جانبین کے افراد کو متنبہ کرنا ہے کہ دونوں کے قلوب آئینہ کی طرف صاف و شفاف ہونے چاہئیں بغض وعداوت، تحقیر وتذلیل اور کدورت کسی کے دل میں نہ ہو۔

وَيَحْيَى بْنُ عُبَيْدِ اللهِ ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ: شعبہ نے یحییٰ بن عبداللہ کو ضعیف قرار دیا ہے چنانچہ علامہ نوویؒ نے میزان میں شعبہ کا قول نقل کیا ہے "قال رأيته يصلي صلوة لا يُقِيمُهَا فَتَرَكْتُ حديثه" اور صاحب تقریب نے اس کو متروک قرار دیا ہے حاکم فرماتے ہیں کہ یہ وضع حدیث کے ساتھ متہم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّتْرِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشِ قَالَ حُدِّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوٰى أَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ حُدِّثْتُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

عبید بن اسباط بن محمد قرشی، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مسلمان سے کوئی دنیاوی تکلیف دور کرے۔ اللہ اس سے قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک دور کر دیں گے۔ اور جو کسی تنگدست پر دنیا میں آسانی وسہولت کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا وآخرت میں آسانی کریں گے۔ اور جو دنیا میں کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کرے گا اللہ دنیا وآخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ اس وقت تک بندے کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ابوعوانہ اور دیگر راوی اعمش سے وہ ابوصالح سے وہ حضرت ابوھریرہؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ لیکن اعمش کے اس قول کا ذکر نہیں کرتے کہ ابوصالح سے روایت ہے۔

تشریح: نَفَّسَ: تنفیس سے ہے جس کے معنی فرج، ازالہ وکشف، دور کرنا زائل کرنا۔

كُرْبَةً: کاف کے ضمہ کے ساتھ فعلة کے وزن پر ماخوذ من الكرب ایسی چیز جس سے غم پیدا ہو کربة پر تنوین یا تو تحقیر کے لئے ہے یا افراد کے لئے۔

حدیث شریف میں چند امور مذکور ہیں اول جو شخص کسی کی تکلیف کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور فرمائیں گے۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی انسان کی ایک مصیبت دنیا کی دور کرنے پر دس مصائب آخرت کے دور ہونے چاہئیں۔ جبکہ اس حدیث میں ایک مصیبت کے بدلے ایک مصیبت کے دور کیے جانے کا ذکر ہے۔

جواب: قیامت کے دن کی ایک مصیبت دنیا کے ہزارہا مصائب سے بڑھ کر ہے اگر دنیوی ایک مصیبت کے ازالہ کے بدلہ قیامت کے دن کی ایک مصیبت بھی زائل ہو جائے تو کیفیت کے اعتبار سے متعدد گنا، ازالہ مصائب پایا جاتا ہے۔ فلا اشکال۔

كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ وَالْآخِرَةِ: اس میں تنوین تعظیم کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن کے مصائب میں سے بڑی مصیبت اللہ پاک دور فرمائیں گے۔

وَمَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ فِي الدُّنْيَا: جو شخص کسی مسلمان کے عیوب وغیرہ کی پردہ پوشی کرے خواہ ان عیوب کا تعلق اس کے بدن سے ہو یا اس کے اخلاق و کردار سے ہو یا نسب و نسبت سے ہو یا عام معاشرہ سے متعلق عیوب ہوں تو ان کی بھی پردہ پوشی کرے البتہ اگر ایسے عیوب و ذنوب ہوں جو حدود الٰہی کے قبیل سے ہوں یا ان کے چھپانے سے لوگوں کو دینی یا دنیاوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو پھر ان عیوب کا اظہار ضروری ہے اسی طرح کوئی شخص کسی منکر فعل میں مبتلا ہے اور بقدر طاقت اس پر نکیر کر دی گئی اور وہ اس نکیر سے باز نہیں آیا تو حاکم (نگران) کے ہاں اصلاح کی نیت سے اظہار کرنا ضروری ہے یہ ستر مسلم کے خلاف نہیں ہے۔

سَتَرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: مسلمان کی پردہ پوشی کرنے والے کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کو دنیا و آخرت میں رسوا نہ فرمائیں گے۔

وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ: اس کی وضاحت دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو مسلم شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے'' من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته'' یعنی جو شخص کسی مسلمان بھائی کی باخلاص مدد کرتا ہے اور اس کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی سعی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی تمام حاجات پوری فرما دیتے ہیں۔

وَقَدْ رَوَى أَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اعمش نے ابو صالح سے اس روایت کو دو طرح نقل کیا ہے۔

اول حدثت کے صیغہ کے ساتھ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعمش نے براہ راست ابو صالح سے نہیں سنا بلکہ ابو صالح کی جانب سے یہ روایت ان کو نقل کی گئی ہے اور ناقل معلوم نہیں تو اس صورت میں یہ روایت منقطع ہوئی یہ اسباط بن محمد کا طریق ہے جو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔

دوسرا وہ طریق جس کی طرف امام موصوف مذکورہ عبارت سے اشارہ فرما رہے ہیں یعنی اس روایت کو جب ابو عوانہ اور دوسرے حضرات نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ''۔

ان دونوں طریق میں تطبیق یہ ہے کہ اعمش نے اولاً یہ روایت جس واسطہ سے سنی تھی تو اس وقت'' حدثت '' صیغہ مجہول کہہ کر

روایت نقل کرتے رہے جس کو اسباط بن محمد نے نقل کیا ہے پھر اعمش کی ملاقات براہ راست ابو صالح سے ہوگئی اور اعمش نے اس روایت کو ابو صالح سے سنا تو انہوں نے ''عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ'' کہہ کر نقل کر دیا اس کو ابو عوانہ نے نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الذَّبِّ عَنِ الْمُسْلِمِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ النَّهْشَلِيِّ عَنْ مَرْزُوقٍ أَبِي بَكْرٍ التَّيْمِيِّ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ رَدَّ اللهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

احمد بن محمد، عبد اللہ، ابو بکر، نہشلی، مرزوق ابو بکر تیمی، ام درداء، حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی عزت سے اس چیز کو دور کرے گا جو اسے عیب دار کرتی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے منہ سے دوزخ کی آگ دور کر دے گا۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: ذبّ عنه: دفع کرنا، بچانا، ہٹانا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کی آبرو پر کوئی حرف آرہا ہو تو اس کی مدافعت کرنا۔ عرض کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی کہ عموماً لوگ معمولی باتوں پر تحقیر کے درپے ہو جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں احتیاط کم کرتے ہیں۔ نیز عزت سب سے بڑھ کر دولت ہے۔

وَجْهِهِ: اس سے مراد ذات ہے ''وجہ'' کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی ہے کہ تکلیف کا اثر چہرے میں نمایاں ہوتا ہے اور اس تکلیف کو بھی وجہ ہی سے محسوس و تعبیر کیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْهَجْرِ لِلْمُسْلِمِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيَصُدُّ هٰذَا وَيَصُدُّ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، سعید بن عبد الرحمن، سفیان، زہری عطاء بن یزید لیثی، حضرت ابو ایوبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ بات نہ کرنا حلال نہیں۔ اس حالت میں کہ وہ دونوں راستے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور وہ ایک دوسرے سے اعراض کریں پھر ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔ اس باب میں حضرت عبد اللہ بن

هُرَيْرَةَ وَهِشَامِ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي هِنْدٍ الدَّارِيِّ مسعود، انس، ابوہریرہ، ہشام بن عامر، ابوہندی داری رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

تشریح: يَهْجُرَ: ہا کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ باب نصر سے اس سے مراد دو مسلمان بھائیوں کا باہم گفتگو نہ کرنا اور ایک دوسرے سے منہ موڑنا ہے برابر ہے کہ دونوں مسلمانوں کی یہ حالت بوقت اجتماع ہو یا بوقت افتراق ہو، نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں اُهجر سے مراد ہجرت وطن نہیں ہے۔

أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ: یہاں اخ سے مراد عام ہے خواہ اخوت قرابت ہو یا اخوت رفاقت۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہاں اخوت اسلامی مراد ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی اس اخوت اسلامی کا تارک ہو تو اس سے ہجران جائز ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن سے زائد مسلمانوں کی بول چال بند رکھنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور بطور مفہوم مخالف تین دن تک ہجران کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے زائد قطع تعلق دنیاوی امور کی وجہ سے جائز نہیں۔

نیز حدیث مذکور میں تین دن کی قید اس لئے لگائی گئی کہ عموماً انسانی طبیعت میں غیظ وغضب، غیرت وحمیت اور بے صبری کا مادہ تین دن تک رہ سکتا ہے اور تین دن تک عموماً غصہ بھی ختم ہو جاتا ہے اس لئے تین دن معذور سمجھ کر اس کی اجازت دی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی نے دینی معاملات میں دینی غیرت کی بناء پر اور دین کے فائدے کیلئے تین دن سے زائد قطع تعلق کیا تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہونے والے تین صحابہ حضرت کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، حضرت مرارہ رضی اللہ عنہم سے اہل مدینہ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس دن تک قطع تعلق کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ایک مہینہ تک ملنا جلنا چھوڑے رکھا۔

امام سیوطیؒ نے عبدالبرؒ سے نقل کیا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر میں فلاں آدمی سے ملنا جلنا رکھوں تو اس کی وجہ سے مجھے دینی یا دنیاوی نقصان برداشت کرنا پڑے گا اور میرا قیمتی وقت لایعنی امور میں ضائع ہوگا تو ایسے شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرے اور اس سے دور رہنے کی کوشش کرے لیکن یہ کنارہ کشی اور دوری اختیار کرنا اچھے انداز میں ہونا چاہیے۔ کسی سے دوری کی بناء پر اس کی غیبت نہ کی جائے اور اس پر عیب نہ لگائے جائیں اور اس کے ساتھ عداوت نہ رکھی جائے بول چال نہ چھوڑی جائے۔

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین دن سے زائد ہجران کیوں اختیار کیا حالانکہ تین دن سے زائد ہجران تو جائز نہیں۔ **جواب:** محقق طبرانی نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو سلام وجواب سے منع نہیں کیا تھا بلکہ بعض مصالح کی وجہ سے ان کو اپنے گھر آنے سے منع کیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس جواب کو ٹھیک قرار نہیں دیا۔ فرماتے ہیں کہ اس سے بہتر جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے۔

کہ دراصل حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں ان پر حجر واقع کروں گا حتی کہ ان کے جملہ تصرفات سے ان کو روکنا چاہتے تھے ظاہر ہے اس میں حضرت عائشہؓ کی تنقیص لازم

آتی ہے حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی خالہ بھی تھیں گویا ابن زبیرؓ کی جانب سے ان کے بارے میں ایک قسم کا عقوق پایا گیا اور بسا اوقات اجنبی شخص سے اتنی تکلیف نہیں پہنچتی جتنی اپنے قریبی سے پہنچتی ہے اس وجہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بطور بدلہ یہ سزا تجویز کی کہ ان سے مکالمہ نہ کیا جائے۔

وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ اى افضلهما: حدیث کے آخر میں فرمایا کہ قطع تعلق کرنے کے بعد جو سلام میں پہل کرے وہ دوسرے سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اس کے افضل ہونے کی وجہ عاجزی اختیار کرنا اور اپنے تکبر کو مٹانا ہے ہاں اگر سلام کرنے والے نے سلام کیا دوسرے نے جواب نہ دیا تو سلام کرنے والا بری ہو جائے گا۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سلام میں پہل کر رہا ہے وہ افضل ہے کیونکہ اس نے سلام کے ذریعے ابتداء کر کے یہ بتا دیا کہ اس کے قلب میں مسلمان بھائی سے کوئی بغض و عداوت نہیں ہے اور اس کا دل صاف ہے اس وجہ سے یہ افضل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام قاطع ہجران ہے لہٰذا جو سلام کر لے تو اس سے قطع تعلقی کا گناہ ختم ہو جائے گا۔

علامہ نوویؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو شخص دوسرے کو خط لکھے یا کوئی پیغام کسی کے ذریعے کہلائے تو آیا یہ قاطع ہجران ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں اول: یہ کہ یہ قاطع ہجران ہے کہ اس سے وحشت دور ہو گئی۔ دوسرا: یہ کہ قاطع ہجرت نہیں چونکہ اس کو عرفاً کلام کرنا نہیں کہا جاتا۔ اس پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ کسی سے دینی غرض کے لئے ارتکاب قبیح کے بعد زجر و توبیخ اور اصلاح کی غرض سے تین دن سے زیادہ تہاجر جائز ہے لیکن دنیاوی امور کی وجہ سے بغض وعناد اور کینہ و حسد کی بنیاد پر قطع تعلق تین دن سے زائد حرام ہے۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۲۶۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُوَاسَاةِ الْأَخِ

مواساۃ الاخ: مواساۃ کہتے ہیں کہ کسی کے غم میں شریک ہونا، غم خواری کرنا، تسلی دینا۔ اور اسی سے آتا ہے آسی فلاناً بماله اپنے مال میں سے دینا، اپنے مال میں سے دوسرے کو برابر کا شریک کرنا۔ اس باب میں دونوں معنی مراد ہیں اور حدیث کا باب سے تعلق دوسرے معنی کے اعتبار سے ہے اور پہلے معنی استدلال سے ثابت ہوگا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ آخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ أُقَاسِمْكَ مَالِي نِصْفَيْنِ وَلِيَ امْرَأَتَانِ فَأُطَلِّقُ إِحْدَاهُمَا فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَتَزَوَّجْهَا فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سعد بن ربیعؓ کا بھائی بنا دیا سعد نے کہا کہ آؤ میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کر دوں اور میری دو بیویاں ہیں لہٰذا میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو تم اس سے شادی کر لینا۔ عبدالرحمنؓ نے کہا اللہ تمہارے اہل اور مال

أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ فَدَلُّوهُ عَلَى السُّوقِ فَمَا رَجَعَ يَوْمَئِذٍ إِلَّا وَمَعَهُ شَيْءٌ مِنْ أَقِطٍ وَسَمْنٍ قَدْ اسْتَفْضَلَهُ فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذَلِكَ وَعَلَيْهِ وَضَرُ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَهْيَمْ فَقَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَمَا أَصْدَقْتَهَا قَالَ نَوَاةً قَالَ حُمَيْدٌ أَوْ قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ و قَالَ إِسْحٰقُ وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ أَخْبَرَنِي بِذٰلِكَ سَمِعْتُ إِسْحٰقَ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَإِسْحَاقَ

میں برکت عطا فرمائے تم مجھے بازار کا راستہ بتا دو۔ انہیں بازار کا راستہ بتا دیا گیا۔ جب وہ اس روز بازار سے واپس آئے تو ان کے پاس کچھ پنیر اور گھی تھا جسے انہوں نے منافع کے طور پر کمایا تھا۔ اس کے بعد ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ ان پر زردی کے نشان ہیں پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا میں نے ایک انصاری عورت سے شادی کر لی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مہر مقرر کیا ہے عرض کیا ایک گٹھلی کے برابر سونا۔ فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کے ساتھ ہی ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ گٹھلی برابر سونا تین اور ثلث 3۔1/3 درہم کے برابر ہوتا ہے اسحاق کہتے ہیں کہ پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے۔ مجھے (ترمذی) یہ قول اسحاق بن منصور نے امام احمد بن حنبل اور اسحاق سے نقل کر کے بتایا ہے۔

تشریح: آخی: مواخاۃ سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے کسی کو بھائی بنا دینا یعنی دو آدمیوں کے درمیان بھائی چارگی پیدا کرنا۔

فائدہ: مواخاۃ کے حقوق: محدثین کرام نے اور بعض اہل علم نے اس کے مختلف حقوق بیان فرمائے ہیں۔

حق المواخات فی الانفاق: سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے آپ پر دوسرے مسلمان بھائی کو ترجیح دے اس سے دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی دوسرے مسلمان پر اپنے نفس کے برابر انفاق میں خرچ کرے اور آخری درجہ یہ ہے کہ خدام اور غلاموں کے برابر میں خرچ کرے۔

حق المواخاۃ فی النفس: مسلمان بھائی کی ضروریات کو پورا کرے اور اس کا تعاون کرتا رہے۔ اس کے ساتھ مخلص ہو کر رہے اور اس کو دھوکہ نہ دے۔ اپنے مسلمان بھائی کو تکلیف نہ دے جس سے اس کی دل آزاری ہو۔

حق المواخاۃ فی اللسان: اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا رہے اور اس کی کوتاہیوں پر تنبیہ کرتا رہے۔ اس کی غلطیوں کو معاف کرتا رہے۔ مسلمان بھائی کے لئے دعا خیر کرتا رہے۔

فَقَالَ لَهُ هَلُمَّ: ھلم بمعنی تعال خلیل نحوی فرماتے ہیں کہ اس کی اصل لم ہے اور ''لم اللّٰہ شعثہ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے پراگندہ حالات کو درست کر دے۔

قَدْ اسْتَفْضَلَهُ: اس کے معنی ہیں بطور نفع کے بچا...... یا یہ ماخوذ ہے ''من افضلت منہ الشیٔ'' سے۔

وَضَرُ صُفْرَةٍ: بمعنی اثر اور صفرۃ سے مراد خلوق ہے وہ خوشبو جو زعفران سے بنائی جاتی ہے اس کو عموماً عورتیں استعمال کرتی ہیں۔

مَهْيَمْ: ای ماشانك او ماھذا یہ کلمہ استفہامیہ ہے جو مبنی بر سکون ہے۔

أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ : ماخوذ من الولم بمعنی ولیمہ یعنی وہ کھانا جو عقد نکاح کے موقع پر شب زفاف کے بعد کھلایا جائے اس حدیث کی بقیہ شرح کتاب النکاح باب ماجاء فی الولیمۃ (باب ۱۰) کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغِيبَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْغِيبَةُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ قَالَ إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، علاء بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ غیبت کیا ہے فرمایا تو اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے عرض کیا اگر وہ عیب واقعی اس میں موجود ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس عیب کا تذکرہ کرو جو واقعی اس میں ہے تو غیبت ہے ورنہ تو نے بہتان باندھا۔ اس باب میں حضرت ابو برزہ، ابن عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: ذِكْرُكَ أَخَاكَ: یہ غیبت کی تعریف ہے کہ اپنے کسی بھائی کی کمی وکوتاہی کو بیان کرنا کہ جب اُس بھائی کو اس بات کا پتہ چلے تو اسکو برا لگے۔ ابو حامد امام غزالیؒ نے کہا ہے کہ جس طرح غیبت قول سے حرام ہے اسی طرح تعریض اور کنایہ سے بھی حرام ہے اور کسی طرح سے بھی کسی کی نقل کرنا سب غیبت میں شامل ہیں اور بہتان کہتے ہیں کہ جس کا جو عیب بیان کیا جا رہا ہے وہ عیب اُس میں موجود نہ ہو۔

نیز کچھ مقامات ایسے ہیں جن میں غیبت کرنا گناہ نہیں **اول:** ان میں اوّل قسم مجاہر فاسق کی غیبت ہے اس کی غیبت اس نیت سے جائز ہے کہ لوگ اس کی شرارت وخباثت سے محفوظ رہیں

ثانی: مظلوم شخص ظالم کا ظلم حاکم وقت کے سامنے بیان کرے اگرچہ یہ غیبت ہے کہ ظالم کی برائیاں اور زیادتیاں بیان ہو رہی ہیں تو یہ ظلم سے نجات پانے کیلئے جائز ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم"

ثالث: وہ بدعتی جس کی بدعت متعدی ہو رہی ہو اور غیبت کرنیوالے کی غیبت سے فائدہ بھی ہوتا ہو اور وہ اصلاح کی نیت سے اور بچاؤ کے ارادے سے غیبت کر رہا ہو اگر یہ فوائد وشرائط نہ ہوں تو بدعتی کی غیبت برائے غیبت جائز نہیں ہے۔

رابع: کسی کی برائی کو دور کرنے میں مدد کرنا اس طور پر کہ وہ اس سے اصلاح کرلے یعنی کوئی ایسے کام میں مشغول ہو جو گناہ کا کام ہے اسکو گناہ سے بچانے کیلئے اس کی شکایت کرنا۔ مثلاً روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے جواب نہ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی شکایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اب انکا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس اس بات کا ذکر کرنا یہ برائے غیبت نہیں تھا

بلکہ برائے اصلاح تھا یہی حکم ہر اس گفتگو کا ہے جس سے مقصود اصلاح ہو اور اس کے بارے میں متفکر ہونا ہو

خامس: کسی مفتی سے کسی کے متعلق مسئلہ دریافت کرتے وقت یہ کہے کہ میرے باپ نے میرے اوپر ظلم کیا یا کسی کی بیوی کہے کہ خاوند نے میرے اوپر ظلم کیا اب یہ ظلم بیان کرتے وقت ان کا ذکر بطور غیبت کے آتا ہے لیکن اسکا گناہ نہیں جیسا کہ روایت میں آتا ہے ہند بنت عتبہ نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ ابوسفیان بہت کنجوس ہیں مجھے اور میرے بیٹے کو اتنا خرچ بھی نہیں دیتے جو ہم دونوں کو کافی ہو جائے تو کیا میں اس کی عدم موجودگی میں پوشیدہ طور پر اسکے مال سے لے کر بطور کفایت خرچ کر سکتی ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اور اپنے بچے کی کفالت کے بقدر لے سکتی ہو اس واقعہ میں ہند بنت عتبہ نے ابوسفیان کو شحیح کے لفظ سے پکارا لیکن آپ ﷺ نے نہیں ڈانٹا کیونکہ یہ استفتاء کر رہی تھیں

سادس: مشتری کو بائع و مبیعہ کا عیب بتانا تا کہ مشتری دھوکہ سے محفوظ ہو جائے اسی طرح حاکم (نگران) کو عبد سارق و شارب خمر کی اطلاع دینا بھی غیبت نہیں ہے۔

غیبت سے توبہ کرنے کا حکم: غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی طلب کرے۔

علامہ خیاطیؒ نے کہا کہ اگر مغتاب لہ کو غیبت نہیں پہنچی تو ایسی غیبت سے توبہ کیلئے صرف استغفار اور توبہ کافی ہے اکثر اہل علم نے اس کو پسند کیا ہے ہاں اگر مغتاب لہ کو اس کی غیبت پہنچی ہے تو پھر اس غیبت میں مغتاب لہ کا حق متعلق ہو چکا ہے اور یہ حقوق العباد بن چکی ہے تو مغتاب لہ سے معافی بھی لازمی ہے اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے لئے توبہ و استغفار کیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَسَدِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ الْعَطَّارُ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا وَلَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ

عبد الجبار بن علاء، سعید بن عبد الرحمن، سفیان بن عیینہ، زہری، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہ قطع تعلق کرو اور کسی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی نہ کرو کسی سے بغض نہ رکھو اور کسی سے حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرنا جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر، زبیر بن عوام، ابن عمر، ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: حدیث الباب میں چھ احکام بیان کئے ہیں۔

لَا تَقَاطَعُوا: ایک دوسرے سے قطع تعلق مت ہو یعنی آپس میں ملاقاتیں بند نہ کرو ایک دوسرے کے بارے میں اپنے دلوں کو

صاف رکھو میل پیدا نہ کرو ایسا کرنا فساد ذات البین کی قبیل سے ہے۔

وَلَا تَدَابَرُوْا: ماخوذ ہے **من الدبر** اعراض کرنا اور باب تفاعل میں اس کے معنی ہیں ایک دوسرے کی طرف پیٹھ پھیرنا یعنی جب ملنے کا وقت آئے یا آمنا سامنا ہو جائے تو ایک دوسرے سے اعراض کرنا پیٹھ موڑنا تقاطع اور تدابر کے معنی قریب ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی مت کرو۔ دوسرا مطلب ملا علی قاریؒ نے بیان کیا ہے کہ دو مسلمان باہمی قطع تعلقی کی وجہ سے ایک دوسرے کو پیٹھ نہ دکھائیں جیسا کہ اوپر ابھی گزرا ہے۔

وَلَا تَبَاغَضُوْا: ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو یعنی دینی اور دنیاوی اعتبار سے ایسے اسباب پیدا نہ کرو جس سے بغض وحسد جنم لیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ "ولا تباغضوا" کا مطلب یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے درمیان عداوت ودشمنی پیدا نہ کرو اس صورت میں مذکورہ ممانعت کا تعلق چغل خوری سے ہوگا کیونکہ چغل خوری سے فساد وعداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے نیز تباغض کا درجہ تدابر سے زیادہ برا ہے۔

وَلَا تَحَاسَدُوْا: باہم حسد نہ کرو ایک دوسرے پر مت جلو اس کی خوشی اور نصیب وری کے زوال کی تمنا مت کرو اس کا درجہ تباغض سے زیادہ برا ہے یہ آخری درجہ ہے اس کے بعد جادو کرنا قتل وقتال کرنا وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

الحسد: حسد کہتے ہیں غیر کی نعمت کو دیکھ کر اس کے ختم ہونے کی تمنا کرنا۔ وہ نعمت خواہ خود کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ ہاں اگر اس نعمت کا حصول اپنے لئے ہو دوسرے سے زائل ہونے کے بغیر تو یہ غبطہ ہے اور جائز ہے۔ حسد حرام ہے بلکہ اگر وہ نعمتیں ایسی ہیں جن کا حصول ضروری ہے مثلاً ایمان، صلوٰۃ، صوم وغیرہ تو یہ غبطہ واجب ہے اگر وہ چیزیں فضائل کے متعلق ہیں جیسے انفاق فی سبیل اللہ تو پھر یہ غبطہ مستحب ہے۔

حسد کے چند مراتب یہ ہیں: **اول:** دوسرے سے نعمت کا زوال چاہے خواہ وہ نعمت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔

ثانی: دوسرے سے اس نعمت کے زوال کو چاہے تا کہ اس کو وہ نعمت حاصل ہو جائے۔

ثالث: ابتداءً تو کسی نعمت خاص کے زوال کو دوسرے سے نہ چاہے مگر جب خود کو وہ حاصل نہ ہو تو پھر یہ خواہش کرے کہ اس سے بھی یہ نعمت چھن جائے تا کہ دونوں برابر ہو جائیں۔

رابع: دوسرے سے نعمت کے زوال کو نہ چاہے مگر اس جیسی نعمت کے حصول کی تمنا رکھتا ہو۔

حسد کے مختلف اسباب: **اول:** عداوت وبغض، **دوم:** عزت کی خواہش، **سوم:** تکبر، **چہارم:** تعجب، **پنجم:** مقصود کا فوت ہو جانا، **ششم:** حب جاہ، **ہفتم:** خباثت نفس۔

حسد کا انجام: حسد ایسی مذموم چیز ہے کہ انسان اس کی وجہ سے اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین میں جا گرتا ہے حسد کرنے والا دین سے محروم ہوتا ہے حسد کرنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں سے راضی نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ حاسد سے ناراض ہوتے ہیں۔ حسد ابلیس لعین اور کفار کا راستہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں برا چاہتے ہیں نیز حسد کا دنیاوی نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ تکلیف و رنج میں مبتلا رہتا ہے ہر وقت دوسرے کی نعمتوں کے زوال کی فکر رہتی ہے اور جس پر حسد کیا جاتا ہے اس کو دینی اور دنیوی دونوں مفاد حاصل ہوتے ہیں دین میں نفع یہ ہے کہ محسود مظلوم بن جاتا ہے حاسد کی نیکیاں اس کے حق میں لکھ دی جاتی ہیں حاسد کے پاس قیامت کے دن صرف حسرتیں رہ جائیں گی اور محسود کا دنیاوی فائدہ یہ ہے کہ جب حاسد ناکام و نامراد دکھائی دیتا ہے تو اس کو سکون ملتا ہے۔

حاسد حسد کی آگ میں خود ہی جلا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا: اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ یہ حکم مثبت پہلو سے دیا تا کہ مذکورہ چار خرابیاں پیدا نہ ہوں۔ پھر بھائی کیوں بنیں؟ اس کا طریقہ اور وجہ بتادی کہ تم سب اللہ کے بندے ہو جس کو جو خوبی اور نعمت ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ملی ہے پھر ایک دوسرے پر حسد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ: اور مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلقی کرے یہ منفی پہلو کے اعتبار سے حکم دیا تا کہ مذکورہ چار خرابیاں لازم نہ آئیں۔ انسان میں غصہ فطری چیز ہے لیکن یہ غصہ تین دن میں ختم ہو جانا چاہیے تین دن سے زائد نہ ہو۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رشک صرف دو آدمیوں پر جائز ہے ایک وہ جس کو اللہ نے مال عطا فرمایا اور وہ دن رات اس میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ اس کے حق کو ادا کرتا ہے رات میں اور دن کے وقتوں میں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اس کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔

تشریح: **اثْنَتَيْنِ:** تاء تانیث ہے اس سے مراد دو خصلتیں ہیں انفاق فی سبیل اللہ اشتغال بالقرآن اس حدیث شریف میں حسد سے مجازی معنی مراد ہے یعنی ان دو اشخاص پر رشک کرنا جائز ہے ان دو کاموں سے مراد تمام دینی کام اور عبادات ہیں اور ان دو باتوں کا ذکر بطور مثال کیا ہے۔

سوال: روایت میں بظاہر دو خصلتوں میں حسد کا جواز معلوم ہو رہا ہے حالانکہ حسد تو تمام انواع کے ساتھ حرام ہے۔

شراح نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

توجیہ اول: تمام خصلتوں میں سب سے بڑھ کر محمود، کامل غبطہ دو خصلتوں میں ہے ان کے علاوہ دوسرے امور میں کوئی امر خاص قابل غبطہ نہیں۔

توجیہ ثانی: کہ اگر حسد جائز ہوتا تو یہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان میں جائز ہوتا مگر ان میں بھی حسد جائز نہیں لہذا کسی بھی خصلت میں جائز نہیں۔

توجیہ ثالث: علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ حسد سے مراد یہاں شدت حرص اور رغبت ہے یعنی شدید حرص والا ہونا کسی خصلت کے لئے درست نہیں سوائے ان دو خصلتوں کے۔

توجیہ رابع: اگر چہ فی نفسہ حرام ہے مگر ان دو چیزوں میں جائز ہے جیسا کہ کذب حرام ہے مگر بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

توجیہ خامس: بعض حضرات نے جواب دیا ''الا فی اثنتین'' میں استثناء منقطع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبَاغُضِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو سُفْيَانَ اسْمُهُ طَلْحَةُ بْنُ نَافِعٍ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، ابی سفیان، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی اس کی پوجا کریں لیکن وہ انہیں لڑنے پر اکساتا ہے۔ اس باب میں حضرت انس، اور سلیمان بن عمرو بن احوص سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے ابوسفیان کا نام طلحہ بن نافع ہے۔

تشریح: **قَدْ يَئِسَ**: مایوس ہونا، ناامید ہونا یہ باب سمع سے ہے۔

الشَّيْطَانَ: معرف بلام الجنس ہے مگر راجح یہ ہے کہ معرف بلام العہد ہو اس سے مراد رأس الشیطین ابلیس ہے۔

أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ: مسلم شریف میں فی جزیرۃ العرب کے الفاظ ہیں عبادت شیطان کنایہ ہے عبادت اصنام سے چونکہ شیطان عبادت اصنام کی ترغیب دیتا ہے مصلون سے مراد مؤمنین ہیں۔

التَّحْرِيشِ: اس کے معنی ہیں بعض کو بعض کے خلاف بھڑکانا یا تو یہ خبر ہے اور مبتدا **هو** محذوف ہے یا ظرف ہے اور فعل مقدر ہے ''لیسعی فی التحریش''۔

شراح نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں: اول: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ شیطان شدت کفر اور شوکت کفر سے مایوس ہو چکا ہے یعنی اب اسلام کو شوکت حاصل ہوگی اور کفر و اہل کفر مغلوب ہوں گے۔

ثانی: ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ روایت کے معنی یہ ہین کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان عبادت اصنام اور عبادت الٰہی کو جمع نہیں کریں گے جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانیوں نے حضرت مریم علیہ السلام اور ان کے بیٹے کو اللہ کے ساتھ مستقل معبود قرار دیا۔

ثالث: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب جزیرۃ العرب میں کوئی مسلمان بت کی عبادت کرے اور شرک کی طرف لوٹے یعنی جزیرۃ العرب میں اب بتوں کی پوجا نہیں ہوگی۔

رابع: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ارتداد ہے کہ شیطان اس سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب عمومی ارتداد ہو کہ سارے مسلمان ایمان سے پھر جائیں اور کفر میں داخل ہو جائیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں یہ روایت معجزات نبوی میں سے ہے چنانچہ جزیرۃ العرب میں بتوں کی عبادت نہیں ہوسکی البتہ شیطان نے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرا کر نزاع و خصومات ضرور پیدا کر دیئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُو أَحْمَدَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ و قَالَ مَحْمُودٌ فِي حَدِيثِهِ لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ خُثَيْمٍ وَرَوَى دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ

محمد بن بشار، ابواحمد، سفیان، محمود بن غیلان، بشر بن سری، ابواحمد، سفیان، ابن خثیم، شہر بن حوشب، حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین باتوں کے سوا جھوٹ بولنا جائز نہیں۔ خاوند اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے کوئی بات کہے۔ لڑائی کے موقع پر جھوٹ بولنا اور لوگوں کے درمیان صلح کروانے کے لئے جھوٹ بولنا۔ محمود نے اپنی روایت میں (لا یحل) کی جگہ (لَا يَصْلُحُ الْكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ) کہا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اسماء کی حدیث سے ہم اسے صرف ابن خثیم کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ داؤد بن ابی ہند نے یہ حدیث شہر بن حوشب سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی اور اس میں حضرت اسماء کا ذکر نہیں کیا۔ ہمیں اس کی خبر دی ابوکریب نے انہوں نے روایت کی ابن ابی زائدہ سے انہوں نے داؤد بن ابی ہند سے اور اس باب میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی روایت ہے۔

تشریح: لَا يَحِلُّ الْكَذِبُ: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس جھوٹ سے کیا مراد ہے اس میں حضرات علماء کے دو قول ہیں۔

قول اول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلقاً کذب ہے یعنی صریح جھوٹ ان مواقع پر بطور مصلحت کے بولنا جائز ہے۔

قول ثانی: محقق طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صریح کذب نہیں بلکہ توریہ ہے۔

قول اول والوں کی دلیل اول: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مواقع پر کذب سے کام لیا۔ (۱) اپنی بیوی حضرت سارہؑ کو اپنی بہن بتایا۔ (۲) عید میلہ کے دن شرکت نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی ''انی سقیم''۔ (۳) بتوں کے توڑنے پر قوم والوں نے پوچھا تو جواب دیا ''بل فعله کبیرهم''۔

دلیل ثانی: ان حضرات کا دوسرا استدلال حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے ہے کہ منادی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب سے اعلان کیا تھا ''ایتها العیر انکم لسارقون'' حالانکہ وہ تو چور نہیں تھے۔

دلیل ثالث: اس بات میں اتفاق ہے کہ اگر کوئی ظالم کسی شخص کے ناحق قتل کے ارادے سے آئے اور کسی سے پوچھے کہ فلاں کہاں ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ یہ جواب دے کہ مجھے اس کا علم نہیں اگرچہ وہ اس کے بارے میں جانتا بھی ہو کہ وہ کہاں ہے۔

فریق ثانی کی طرف سے جوابات: **دلیل اول کا جواب:** کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں یہ تینوں کذبات نہیں ہیں بلکہ توریہ ہیں بیوی کو بہن کہنا اسلامی اور دینی بہن ہے اسی طرح ''انی سقیم'' کے معنی غمگین اور محزون کے ہیں اور ''بل فعله کبیرهم'' میں اسناد مجازی ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے جو بتوں کو توڑا ہے اس کا داعیہ بڑا بت بنا ہے۔

دوسری دلیل کا جواب: حضرت یوسف علیہ السلام کے منادی کا بھائیوں کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں تھا۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان کو چور اس وجہ سے کہا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والد سے چوری کر کے دھوکہ دے کر لائے تھے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو چور کہنا بنیامین کی خواہش کی وجہ سے تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی تجویز نہ تھی اس بارے میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ حیلہ اور تدبیر سب کچھ بامر الٰہی ہوا ہے جو اس کی حکمت بالغہ کا مظہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے امتحان و ابتلاء کی تکمیل تھی لہذا اس پر بھی کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

تیسری دلیل کا جواب: یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو بچانا فرض ہے جس کے لئے بہر حال اس قدر اجازت ہونی چاہیے یا مراد یہ ہو کہ اس وقت مطلوب کہاں ہے مجھے معلوم نہیں یہ کہہ دیا جائے۔ الحاصل حتی الامکان صریح جھوٹ سے بچا جائے اور توریہ کو استعمال کیا جائے۔ بالفاظ دیگر ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو ذومعنی ہوں متکلم کی مراد اور ہو اور مخاطب کچھ اور سمجھے۔

يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا: شوہر اپنی ناراض بیوی کو منانے کے لئے ایسے الفاظ بول سکتا ہے تاکہ وہ راضی ہو جائے جو کذب کے مشابہ تو ہوں صریح کذب نہ ہوں۔ مثلاً یوں کہے کہ تجھے فائیو سٹار ہوٹل پر دعوت پر لے جاؤں گا اگرچہ راضی ہونے کے بعد ایک چھپڑ والے ہوٹل سے چائے ہی پلا دے مقصود راضی کرنا ہے۔

وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ: جنگ کے موقع پر کذب مؤول کی اجازت ہے مثلاً کہے کہ ''مات امامکم الاعلم'' اور نیت سابق امام کی کرے جو پہلے فوت ہو چکا ہے۔

وَالْكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ: جب دو آدمیوں میں جھگڑا ہو یا اختلاف ہو ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے فی الجملہ کذب کی اجازت ہے کہ ہر فریق دوسرے فریق کی اچھی باتیں نقل کرے خواہ ان میں مبالغہ ہی کرنا پڑے کیونکہ اختلاف فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے بہتر ہے کہ مؤول کذب یا فی الجملہ کذب سے فتنہ ختم ہو جائے تاکہ اصلاح ہو جائے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اسماء بنت یزید کی یہ روایت بطریق ابن خثیم پہچانی گئی ہے ابن خثیم نے اس حدیث کو شہر بن حوشب سے نقل کرتے ہوئے اسماء بنت یزید کا نام ذکر کیا ہے ورنہ شہر بن حوشب سے نقل کرنے والے دوسرے شاگرد داؤد بن ابی ھند نے اسماء کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ یوں کہا ''عن شهر بن حوشب عن النبي صلى الله عليه وسلم'' مصنفؒ نے حدثنا بذلک ابو کریب سے اس کی سند ذکر کی ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، معمر، زہری، حمید بن

إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أُمِّهِ أُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ عُقْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْسَ بِالْكَاذِبِ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَقَالَ خَيْرًا أَوْ نَمٰى خَيْرًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

عبدالرحمن، حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جو شخص لوگوں میں صلح کرانے کے لئے جھوٹ بولے وہ جھوٹا نہیں بلکہ وہ اچھی بات کہنے والا اور اچھائی کو فروغ دینے والا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فَقَالَ خَيْرًا: یعنی اصلاح کے لئے ایسی بات کہے جو خیر کو متضمن ہو اور آپس میں محبت کا ذریعہ بنے اور آپس میں عداوت ختم ہو جائے۔

أَوْ نَمٰى خَيْرًا: یہ راوی کا شک ہے ''نمی ینمی'' باب ضرب سے اس کے معنی ہیں اچھی بات، اچھی بات بطور اصلاح کے دوسرے تک پہنچانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے کذب کا استعمال کیا جائے تو ایسے شخص کو کاذب نہ کہا جائے اس مصلحت خاص کی بناء پر وہ کذب مذموم نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَانَةِ وَالْغِشِّ

الخیانۃ : خان یخون خونًا خیانت کرنا، امانت خرد برد کرنا، غبن کرنا، بے ایمانی کرنا، الغش : فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے دھوکہ دینا دل میں چھپی ہوئی بات کے خلاف ظاہر کرنا غیر مفید اشیاء کو مفید اشیا بنا کر پیش کرنا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنْ لُؤْلُؤَةَ عَنْ أَبِي صِرْمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

قتیبہ، لیث، یحیی بن سعید، محمد بن یحیی بن حبان، لولوۃ، حضرت ابوصرمہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کسی کو ضرر یا تکلیف پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی اسے ضرر اور تکلیف پہنچائیں گے اور جو کوئی کسی کو مشقت میں ڈالے اللہ اس کو مشقت میں مبتلا کرتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهِ: جس نے کسی مسلمان کو ضرر پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے جس کو اللہ تعالیٰ نقصان پہنچائیں اس کا کیا حال ہوگا اور اس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔

وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ: شاق قاف کی تشدید کے ساتھ اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔

اول: جو شخص کسی سے دشمنی کرے گا اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے دشمنی فرمائیں گے۔

ثانی: جو شخص کسی کو مشقت میں ڈالے گا اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو مشقت میں ڈال دیں گے۔

''شاق'' کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جو شخص کسی مسلمان سے عداوت و مخالفت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے عداوت و

مخالفت رکھے گا یعنی اس کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ "شاق" یہ مشقت سے بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کو ایسی تکلیف دینا جس کو برداشت کرنے کی طاقت اس میں نہ ہو۔

"شاق" اور "ضار" میں فرق: "ضار" کا استعمال مال کے ضائع ہونے پر ہوتا ہے اور "شاق" کا استعمال طاقت سے بڑھ کر اذیت (بدنی) کے لئے ہوتا ہے لیکن اظہر یہ ہے کہ "ضرر" بدنی، مالی، دنیاوی، اُخروی سب کو شامل ہے جبکہ "مشاقه" اس مخالفت کو کہا جاتا ہے جو "مفضی الی المنازعة والمحاربة" ہو۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ الْعُكْلِيُّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا فَرْقَدُ السَّبَخِيُّ عَنْ مُرَّةَ بْنِ شَرَاحِيلَ الْهَمْدَانِيِّ وَهُوَ الطَّيِّبُ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

عبد بن حمید، زید بن حباب عکلی، ابوسلمہ الکندی، فرقد سبخی، مرہ بن شراحیل ہمدانی، حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مومن کو تکلیف دیتا ہے یا دھوکہ دے وہ ملعون ہے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: مَكَرَ بِهِ: اس سے مراد حقیقی طور پر نقصان پہنچانا ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مومن کو کسی طرح کا نقصان دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے خواہ وہ نقصان جانی ہو، مالی ہو، ظاہری ہو یا باطنی ظاہر ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگیا تو دنیا وآخرت میں اس کو تو کامیابی مل سکتی ہے اس کو دنیا وآخرت دونوں جہاں میں خسارہ ملے گا۔

سند پر کلام: اس حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے شراحیل ہمدانی ہیں یہ لوگوں میں مرہ ہمدانی کے نام سے مشہور تھے مرّہ کڑواہٹ کو کہتے ہیں اس کے ساتھ لوگوں نے الطیب لگایا تا کہ کڑواہٹ کچھ ختم ہوجائے۔ ابوسلمہ کندی مجہول راوی ہے فرقہ سبخی لین الحدیث اور کثیر الحدیث ہے اس لئے حدیث غریب بمعنی ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْجِوَارِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ شَابُورَ وَبَشِيرٍ أَبِي إِسْمٰعِيلَ عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهُ شَاةٌ فِي أَهْلِهِ فَلَمَّا جَاءَ قَالَ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ أَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُودِيِّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ

محمد بن عبدالاعلی، سفیان، داؤد بن شابور، بشیر، ابواسماعیل، حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے گھر میں ان کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی۔ جب آپؓ تشریف لائے تو پوچھا کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو گوشت بھیجا ہے۔ (دومرتبہ فرمایا) اس لئے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا جبرائیل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے ساتھ بھلائی اور احسان کی وصیت کرتے رہے یہاں

عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ وَأَبِي شُرَيْحٍ وَأَبِي أُمَامَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا

تک کہ میں سمجھا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، عقبہ بن عامر، ابوہریرہ، انس، عبداللہ بن عمرو، مقداد بن اسود، ابوشریح اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے مجاہد سے بھی ابوہریرہؓ اور عائشہؓ کے واسطے سے منقول ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث بن سعد، یحیی بن سعید، ابوبکر بن محمد، ابن عمر، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبرائیل مسلسل مجھے پڑوسی کے متعلق نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، حیوۃ بن شریح، شرحبیل بن شریک، ابی عبدالرحمن، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک بہتر ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہے اور بہتر پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ابوعبدالرحمن حبلی کا نام عبداللہ بن یزید ہے۔

تشریح: **يُوصِينِي**: اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل امین مجھے حکم دیتے رہے۔

سَيُوَرِّثُهُ: اس سے مراد کیا ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مشارکت مالی مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیگر اقارب کے حقوق شرعاً متعین ہیں اسی طرح پڑوسی کا حق بھی دیگر اقارب کے ساتھ متعین کیا جائے۔

دوسرا قول اس سے حسن سلوک مراد ہے یعنی جس طرح دیگر اقارب اور ورثا کے ساتھ حسن سلوک کرنا ضروری ہے اسی طرح پڑوسی کے ساتھ بھی حسن سلوک واجب قرار دیا جائے۔

پڑوسیوں کی اقسام: پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں۔ حق جوار، حق اسلام، حق قرابت

پھر مسلمان پڑوسی اور غیر مسلم پڑوسی کی بھی اقسام ہیں۔ یہ تین اقسام مسلمان، عزیز پڑوسی کی ہیں۔

اور صرف مسلمان پڑوسی کے دو حقوق ہیں حق جوار اور حق اسلام۔ اور اگر کافر مشرک پڑوسی ہو تو اس کا ایک ہی حق ہے حق جوار۔

پڑوسی کی حد کتنی ہے: قول اول: بعض حضرات نے جوار اور پڑوسی کی حد چاروں طرف چالیس گھر رکھے ہیں اقرب فالاقرب سب کا خیال رکھا جائے۔ **قول ثانی:** حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز آجاتی ہے (بغیر مکبر آلہ صوت کے) وہ پڑوسی کی حد ہے۔ **قول ثالث:** ایک قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ فجر کی نماز میں حاضر ہوتے ہیں وہ سب پڑوسی ہیں۔

قول رابع: اپنے گھر کی طرف سے ہر طرف دس دس گھر گویا چار جوانب سے ملا کر کل چالیس گھر ہوئے۔

کافر وارث ہوسکتا ہے یا نہیں: شارح مسلمؒ فرماتے ہیں کہ پڑوسی صرف مسلمان ہوسکتا ہے کافر کے لئے حقوق جوار نہیں۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس کے یہ الفاظ ہیں ''المسلم لا یرث الکافر و بالعکس'' جب کافر کے لئے حق وراثت نہیں تو حق جوار بھی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِحْسَانِ إِلَى الْخَادِمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ وَاصِلٍ عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ فِتْيَةً تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِهِ وَلْيُلْبِسْهُ مِنْ لِبَاسِهِ وَلَا يُكَلِّفْهُ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، واصل، معرور بن سعید، حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ نے تمہارے بھائیوں کو تمہارا ماتحت بنایا جس کا مسلمان بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہیے کہ اس کو اپنے کھانے میں سے کھانا اور لباس میں سے لباس دے اور اسے ایسی چیز کا مکلف نہ بنائے جو اس پر غالب ہو جائے اگر ایسی چیز کا مکلف بنائے تو اس کی مدد بھی کرے۔ اس باب میں حضرت علی، ام سلمہ، ابن عمر، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: إِخْوَانُكُمْ: بخاری شریف میں ''اخوانکم'' صراحۃً واقع ہوئی ہے اس کے معنی خدام اور ممالیک کے ہیں۔ اخوانکم برائے ترحم کے فرمایا ہے۔

فتیه جمع فتًی: ای غلمة فلیعنه اس کی مدد کرے خواہ خود مدد کرے یا دوسرے سے کرائے۔

اس حدیث مبارکہ میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے کہ کھانے پینے، پہننے میں اپنے خدام کا خیال کرو ایسا نہ ہو کہ تم اچھا پہنو اور اچھا کھاؤ اور خدام کو پوچھو ہی نہیں۔ جیسا کہ آج کل مالک اور اس کے ملازمین کا حال ہے کہ مالک اچھے سے اچھا کھانا، لباس، گاڑی جبکہ ملازمین بیچارے کسمپرسی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى عَنْ فَرْقَدٍ عَنْ مُرَّةَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِي فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

احمد بن منیع ، یزید بن ہارون ، ہمام ، فرقد ، مُرّہ ، حضرت ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ غلاموں سے برا سلوک کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ حدیث غریب ہے ابوایوب سختیانی اور کئی راوی فرقد سبخی پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کا حافظہ قوی نہیں۔

تشریح: الْمَلَكَةِ: علامہ جزریؒ فرماتے ہیں حسن "الملکۃ" اُن کو کہا جاتا ہے جو اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

سَيِّئُ الْمَلَكَةِ: جو اپنے غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: فرقد بن یعقوب کے بارے میں ایوب سختیانی وغیرہ نے حافظہ کے اعتبار سے کلام کیا ہے چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے فرمایا کہ ابوحاتم نے "انه ليس بالقوى" کہا۔ ابن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا "فی احادیثه مناکیر" اسی طرح نسائی نے کہا کہ "لیس بثقة"۔ بہر حال فرقد السبخی کے بارے میں فرمایا گیا "عابد صدوق لکنه الحدیث کثیر الخطا"۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدَّامِ وَشَتْمِهِمْ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ التَّوْبَةِ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بَرِيئًا مِمَّا قَالَ لَهُ أَقَامَ اللهُ عَلَيْهِ الْحَدَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَابْنُ أَبِي نُعْمٍ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي نُعْمٍ الْبَجَلِيُّ يُكْنَى أَبَا الْحَكَمِ

احمد بن منیع ، عبداللہ ، فضیل بن غزوان ، ابن ابی نعم ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اپنے غلام یا لونڈی پر زنا کی تہمت لگائے گا اور وہ اس سے بری ہوں گے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد جاری کریں گے۔ اس باب میں حضرت سوید بن مقرن اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ ابن ابی نعم ، عبدالرحمن بن ابی نعم بجلی ہیں۔ ان کی کنیت ابوالحکم ہے۔

تشریح: نَبِيُّ التَّوْبَةِ: یہ لفظ ابوالقاسم سے بدل ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت توبہ کی بناء پر نبی التوبہ کہا جاتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے توبہ واستغفار کرتے تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت رحم کی بنا پر نبی التوبہ والرحم بھی کہا گیا ہے۔

مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ بَرِيئًا: اگر مملوک میں وہ بات پائی جاتی ہو جو آقا نے کہی ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد قائم

نہیں فرمائیں گے کیونکہ مولیٰ نفس الامر میں صادق ہے یہ استثناء منقطع ہے۔

حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ غلام یا باندی پر تہمت نہیں لگانی چاہیے ورنہ قیامت کے دن آقا سزا کا مستحق ہوگا کیونکہ قیامت میں آقا کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور سب کے حقوق برابر ہوجائیں گے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آقا اگر اپنے غلام یا باندی پر تہمت لگائے تو دنیا میں آقا پر حد جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ حدود شکوک وشبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں جبکہ یہاں ملکیت کی وجہ سے حد میں شبہ آگیا۔

بعض حضرات نے اس پر تمام علماء کا اجماع بھی نقل کیا ہے نیز کامل غلام، مدبر اور ام ولد وغیرہ سب کا یہی حکم ہے۔

مگر حافظ ابن حجرؒ نے ام ولد کے بارے میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے لیکن واضح رہے کہ اگر حد شرعی یعنی حد قذف ہو تو آقا پر حد جاری نہیں ہوگی البتہ تعزیر کی جائے گی تاکہ اس قسم کے برے فعل سے لوگ اجتناب کریں۔

وَابْنُ أَبِي نُعْمٍ: نون کے ضمہ اور عین کے سکون کے ساتھ ان کا نام عبدالرحمن بن ابی نعم البجلی ہے اور کنیت ابوالحکم ہے عابد، صادق راوی ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ كُنْتُ أَضْرِبُ مَمْلُوكًا لِي فَسَمِعْتُ قَائِلًا مِنْ خَلْفِي يَقُولُ اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ فَالْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ فَمَا ضَرَبْتُ مَمْلُوكًا لِي بَعْدَ ذٰلِكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ شَرِيكٍ

محمود بن غیلان، مؤمل، سفیان، ابراہیم، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ میرے پیچھے سے ایک آواز آئی جان لو ابومسعود، جان لو ابومسعود، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا تو اس غلام پر قادر ہے اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے ابومسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد کبھی بھی اپنے کسی غلام کو نہیں مارا یہ حدیث حسن صحیح ہے ابراہیم تیمی، ابراہیم بن یزید بن شریک ہیں۔

تشریح: لَلّٰهُ أَقْدَرُ: لام کے فتحہ کے ساتھ، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ للہ میں لام تاکید کے لئے ہے اور لفظ اللہ مبتدا ہے اور اقدر خبر ہے اور "عليك اقدر" کے متعلق ہے اور "منك" بھی اسی سے متعلق ہے اور لفظ "عليه" کاف خطاب سے حال ہے "ای اقدر منك حال كونك قادرا عليه"۔

بہر حال آقا کو چاہیے کہ وہ غلام کے ساتھ ظلم نہ کرے اگر ظلم کرنے کا ارادہ کرے تو سوچ لے کہ اس کے اوپر بھی ایک طاقت ہے جو اس کا محاسبہ کرسکتی ہے اس طرح وہ آقا ظلم سے رک جائے گا اور اس کا غصہ بھی جاتا رہے گا۔ اگر غلام یا باندی کو بامر مجبوری مارنا چاہے تو اس کے مارنے کی بھی حد ہوتی ہے لہذا سزا بقدر جرم کی شرعاً اجازت ہے لیکن پھر بھی معاف کرنا بہتر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْخَادِمِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي هَارُونَ الْعَبْدِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ فَذَكَرَ اللهَ فَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ وَأَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ اسْمُهُ عُمَارَةُ بْنُ جُوَيْنٍ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ ضَعَّفَ شُعْبَةُ أَبَا هَارُونَ الْعَبْدِيَّ قَالَ يَحْيَى وَمَا زَالَ ابْنُ عَوْنٍ يَرْوِي عَنْ أَبِي هَارُونَ حَتَّى مَاتَ

احمد بن محمد، عبد اللہ، سفیان، ابی ہارون، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے خادم کو مار رہا ہو اور وہ اللہ کو یاد کرنے لگے تو اسے فورا اپنا ہاتھ اٹھا لینا چاہیے ابو ہارون عبدی، عمارہ بن جوین ہے۔ یحیی بن سعید کہتے ہیں کہ شعبہ نے ابو ہارون عبدی کو ضعیف قرار دیا ہے یحیی فرماتے ہیں کہ ابن عون اپنے انتقال تک ابو ہارون سے احادیث نقل کرتے رہے۔

تشریح: فَذَكَرَ اللهَ: یعنی جب تم غلام یا باندی کو مارو اور وہ تمہیں اللہ کا واسطہ دیں کہ چھوڑ دو تو تمہیں ان کے اوپر سے ہاتھ ہٹا دینا چاہیے تا کہ اللہ کے نام کی تعظیم باقی رہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت پر محمول ہے جب غلام یا باندی کو بطور تادیب کے سزا دی جارہی ہو اگر ان کو سزا بطور حد کے دی جارہی ہو اور وہ اللہ کا نام بھی لے تو بھی اس کی حد کو روکا نہیں جائے گا کیونکہ حدود کا قائم کرنا اللہ ہی کا حکم ہے اللہ تعالیٰ حدود کے نافذ کرنے سے نہیں روکتے۔

أَبَا هَارُونَ الْعَبْدِيَّ: یہ حدیث ابو ہارون العبدی کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ یہ راوی متروک ہے امام شعبہ نے اس کی تضعیف کی ہے مگر عبد اللہ بن عون بصری وہ اس راوی سے برابر روایت کرتے رہے تا آنکہ ان کی وفات ہوگئی یعنی وہ اس راوی کو معتبر سمجھتے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَفْوِ عَنِ الْخَادِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِي هَانِئٍ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ عَبَّاسِ بْنِ جُلَيْدٍ الْحَجْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَمْ أَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ كَمْ أَعْفُو عَنِ

قتیبہ، رشدین بن سعد، ابی ہانی خولانی، عباس بن جلید حجری، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ کتنی مرتبہ اپنے خادم کو معاف کروں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے پھر عرض کیا یا رسول اللہ خادم کو کتنی بار معاف کروں نبی کریم صلی

الْخَادِمِ فَقَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِي هَانِئٍ الْخَوْلَانِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر روز ستر مرتبہ۔ یہ حدیث حسن غریب ہے عبداللہ بن وہب ابو ہانی خولانی سے اسی سند سے اس کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِي هَانِئٍ الْخَوْلَانِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

قتیبہ، عبداللہ بن وہب، ابی ہانی خولانی، عبداللہ بن وہب ہم سے روایت کی قتیبہ نے انہوں نے عبداللہ بن وہب سے انہوں نے ام ہانی خولانی سے اسی سند سے اسی کے ہم معنی اور بعض راوی اسی سند سے یہ حدیث نقل کرتے ہوئے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: فَصَمَتَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا انتظار وحی کی وجہ سے۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا کراہت سوال کی بنا پر تھا کیونکہ معاف کرنا تو امر مندوب ہے۔ جس میں عدد کی تعیین مناسب نہیں۔ فَقَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً: اس سے مراد کثرت ہے تحدید نہیں۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حتی الامکان غلاموں اور خدام کو معاف کیا جائے ان کی غلطیوں پر ان کو سزا نہ دی جائے۔

باقی روایت میں ستر کا ذکر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زایدہ خدام کے ساتھ عفو و درگزر والا معاملہ کیا جائے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ: اس حدیث کے راوی کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ حدیث ابن عمرؓ کی ہے یا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ہے اس میں شدید اختلاف ہے۔ رشدین بن سعد جو ضعیف راوی ہے اس کی سند ابن عمرؓ تک پہنچاتا ہے مگر عبداللہ بن وھب جو ثقہ راوی ہیں، ان کے متابع ہیں اس لئے یہی سند صحیح ہے اور عبداللہ بن وہب کے بعض تلامذہ عبداللہ بن عمرو بن عاص تک سند پہنچاتے ہیں یہ سند ٹھیک نہیں ہے مگر امیر ابو نصر نے فرمایا کہ یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن جزیؒ تینوں سے مروی ہے امام بخاریؒ نے تاریخ میں حضرت عبداللہ بن عمرو العاصؓ اور عبداللہ بن عمرو بن الخطابؓ دونو ں سے روایت ذکر کی ہے علامہ منذریؒ نے فرمایا "هو حديث فيه نظر"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَعْلَى عَنْ نَاصِحٍ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ هٰذَا حَدِيثٌ

قتیبہ، یحیی بن یعلی، ناصح، سماک، حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے یہ حدیث غریب ہے ناصح بن علاء کوفی محدثین کے نزدیک

غَرِيبٌ وَنَاصِحٌ بْنُ الْعَلَاءِ الْكُوفِيُّ لَيْسَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ وَلَا يُعْرَفُ هٰذَا الْحَدِيثُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَنَاصِحٌ شَيْخٌ آخَرُ بَصْرِيٌّ يَرْوِي عَنْ عَمَّارِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ وَغَيْرِهِ هُوَ أَثْبَتُ مِنْ هٰذَا

قوی نہیں یہ حدیث اسی سند سے معروف ہے ناصح بصری ایک دوسرے محدث ہیں جو عمار بن ابو عمار سے نقل کرتے ہیں اور یہ اثبت ہیں اس سے۔

تشریح: لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ: شراح نے اس کی مختلف وجوہات بیان کی ہیں۔

اول: تادیب ولد فائدہ علمیہ حالیہ ہے اور صدقہ دینا فائدہ عملیہ مالیہ ہے۔

ثانی: تادیب ولد اپنے محل میں واقع ہے برخلاف تصدق کے کہ وہ تحت الاحتمال ہے۔

ثالث: تادیب ولد کے ترک پر بسا اوقات انسان لعن طعن کا سبب بن جاتا ہے برخلاف ترک تصدق کے۔

رابع: علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص تادیب ولد کرتا ہے تو ولد کے افعال حسنہ کو باپ کے لئے صدقہ جاریہ شمار کیا جاتا ہے جبکہ تصدق ضائع کے ثواب کا متعدی ہونا ضروری نہیں۔ **خامس:** تادیب ولد طویل البقاء ہے اور تصدق سریع الفنا ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث غریب ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے کیونکہ اس میں یحییٰ بن یعلی اور ناصح دونوں راوی ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے" وناصح ابن علاء الکوفی لیس عند اھل الحدیث بالقوی " مگر امام ترمذیؒ کا یہ وہم ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ناصح کے باپ کا نام علاء ہے اور یہ کوفہ کا باشندہ ہے اور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے یہی راوی یہ حدیث سماک سے بیان کرتا ہے اور دوسرا راوی بھی ناصح نامی ہے جو بصری ہے اور وہ عمار بن ابی عمار کا شاگرد ہے یہ راوی اس راوی سے اچھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس راوی کے باپ کا نام علاء نہیں بلکہ عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہے اور اس کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور نسبت الحائک ہے یہی سماک بن حرب کا شاگرد ہے یہ ضعیف راوی ہے ترمذی شریف کی سند میں یہی راوی ہے اور جس ناصح کے والد کا نام علاء ہے اس کی کنیت ابن یا ابوالعلاء ہے اور وہ بصرہ کا رہنے والا ہے اور وہ ضعیف نہیں ہے بلکہ لین الحدیث ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازُ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَامِرِ بْنِ أَبِي عَامِرٍ الْخَزَّازِ وَأَيُّوبُ بْنُ مُوسَى هُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ وَهٰذَا عِنْدِي حَدِيثٌ مُرْسَلٌ

نصر بن علی جہضمی، عامر بن ابو خزار، حضرت ایوب بن موسیٰ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی والد اپنے بیٹے کو اچھے ادب سے بہتر عطیہ نہیں دیتا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف عامر بن ابو عامر خزاز کی روایت سے پہچانتے ہیں ایوب بن موسیٰ، ابن عمرو بن سعید بن عاص ہیں۔ یہ روایت میرے نزدیک مرسل ہے۔

تشریح: نَحَلَ: وہ ھبہ یا عطیہ جو بلا عوض وبلا استحقاق کے ہو۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو جس قدر عطیات (انعام) دیتا ہے ان سب عطیات سے بڑھ کر عطیہ، حسن ادب کی تعلیم وتادیب دینا ہے خواہ وہ تادیب نرمی کے ساتھ ہو یا سختی کے ساتھ۔ "کما فی الحدیث اکرموا اولادکم واحسنوا ادبھم" کہ اپنی اولاد کو عزت دو ان کو اچھا ادب سکھلاؤ۔ کیونکہ اچھے ادب کے ذریعے بیٹا افعال حسنہ سے آراستہ ہوگا اور افعال قبیحہ سے بچے گا جو اس بیٹے کے لئے دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ ہے اور والدین کی نیک نامی کا باعث بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی جیسا کہ مشہور مقولہ ہے "حسن الادب یرفع العبد المملوك الی رتبة الملوك"
هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: اس حدیث کی سند میں ایک راوی عامر بن صالح رستم ابوبکر بن عامر الخزاز بصری صدوق راوی ہے مگر سیء الحفظ ہے ابن حبان وغیرہ نے اس پر وضع حدیث کی تہمت لگائی ہے اس کا استاذ ابوایوب بن موسیٰ ہے جس کا پورا نسب یوں ہے ایوب بن موسیٰ بن عمرو بن سعید بن العاص۔
جدہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ **اول:** یا تو ضمیر کا مرجع ایوب ہے تو اس صورت میں دادا عمرو بن سعید ہوئے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پیدا ہوئے لہٰذا حدیث مرسل ہوگی۔
الثانی: ضمیر کا مرجع موسیٰ ہے تو دادا سعید ہوئے یہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہو گئے تھے مگر ان کا سماع بھی محدثین کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اس وجہ سے ان کی روایات کو مرسل ہی قرار دیا گیا ہے بہر حال یہ روایت مرسل ہی ہے یا تو تابعی کی مرسل ہے یا صحابی صغیر کی مرسل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قُبُولِ الْهَدِيَّةِ وَالْمُكَافَاةِ عَلَيْهَا

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ

یحییٰ بن اکثم، علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، انس، ابن عمر، جابر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف عیسیٰ بن یونس کی حدیث سے مرفوع جانتے ہیں۔

تشریح: الْهَدِيَّةَ: ازراہ محبت بلا معاوضہ اور عوض کے کسی کو کوئی چیز دینا۔ "المکافاة": بدلہ دینا
حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ قبول کرنا مسنون ہے۔ ہدیہ کی قبولیت کی چند شرائط ہیں۔
اول: دیکھ لیا جائے کہ وہ مال حلال ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہے یا نہیں اور شبہات سے خالی ہے کہ نہیں اگر وہ ہدیہ شبہات سے پاک

وصاف ہوتو اس کو قبول کر لینا چاہیے ورنہ نہیں۔

ثانی: ہدیہ دینے والے کی غرض دیکھیں اگر اس نے دل خوش کرنے کے لئے اور محض محبت کی بناء پر دیا ہے تو اسے قبول کر لینا چاہیے اور اگر صرف ناموری اور ریا کاری یا بطور صدقہ دیا ہے تو پھر قبول نہ کیا جائے۔

ثالث: ہدیہ دینے والا احسان نہ جتلائے اور مہدی الیہ کو حقیر شمار نہ کرے بلکہ قبول کرنے کو اپنے اوپر احسان تصور کرے۔

ہدیہ کے مختصر آداب: **اول:** ہدیہ دینے والا جس کو ہدیہ دے، پوشیدہ دے ہدیہ لینے والا اگر تشہیر کر دے تو کوئی حرج نہیں۔

ثانی: ہدیہ ایسی چیز دے جو دوسرے کو مرغوب ہو گویا ہدیہ دیئے جانے والے کی رغبت کا خیال کرے۔

ثالث: ہدیہ سے پہلے کوئی اپنی خواہش پیش نہ کرے تاکہ مہدی الیہ کو خود غرضی کا شبہ نہ ہو۔

رابع: مقدار ہدیہ اس قدر نہ ہو کہ مہدی الیہ کی طبیعت پر بار ہو اور کم چاہے جتنا ہو اس میں مضائقہ نہیں۔

سادس: جس کو ہدیہ دے رہا ہے اس کو ہدیہ اس وقت تک نہ دے جب تک کہ اس پر اپنا خلوص و محبت ثابت نہ کر دے۔

وَيُثِيبُ عَلَيْهَا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ہدیہ کا بدلہ عنایت فرماتے ہدیہ کا بدلہ کم از کم ہدیہ کے بقدر دے تو بہتر ہے۔

حضرات مالکیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واہب کوئی چیز ہبہ کرے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہے یہی قول قدیم حضرات شوافع کا ہے۔

جبکہ احناف کے نزدیک بدلہ کی نیت سے ہدیہ دینا درست نہیں بلکہ وہ منعقد ہی نہیں ہوتا اور شوافع حضرات کا جدید قول یہی ہے۔

وجہ منعقد نہ ہونے کی یہ ہے کہ یہ بیع بثمن مجہول ہے اس لئے کہ ہبہ کا مدار تبرع پر ہے۔

اور شرعاً و عرفاً بیع و ہبہ میں فرق ہے جس میں عوض ہو وہ بیع ہے اور جس میں عوض نہ ہو وہ ہبہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّكْرِ لِمَنْ أَحْسَنَ إِلَيْكَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا الرَّبِيعُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرُ اللهَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، ربیع بن مسلم، محمد بن زیاد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ح وحَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرُّؤَاسِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ وَفِي الْبَابِ

ہناد، ابومعاویہ، ابن ابی لیلی، سفیان بن وکیع، حمید بن عبدالرحمن رواسی، ابن ابولیلی، عطیہ، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اس نے اللہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس باب میں حضرت ابوہریرہ، اشعث بن

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قیس اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کی شرح میں علماء محدثین نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

مطلب اول: جو لوگوں کے حسن سلوک کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا وجہ اس کی یہ ہے کہ بندوں کے احسانات ظاہر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات مخفی ہیں لہذا جو شخص اس احسان کا شکر ادا نہیں کرتا جو ظاہر ہے تو ان احسانات کا شکر کیسے ادا کرے گا جو مخفی ہیں۔

مطلب ثانی: جس شخص کی فطرت اور عادت ثانیہ بن گئی ہو کہ وہ کسی بھی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرتا اور وہ لوگوں کے کسی احسان کا بھی شکریہ ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کیا شکر بجا لائے گا یہاں پر بھی وہ ناکام ونامراد ہی ہوگا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر موقوف ہے بندوں کے شکر پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَنَائِعِ الْمَعْرُوفِ

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَشِيُّ الْيَمَامِيُّ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو زُمَيْلٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو زُمَيْلٍ سِمَاكُ بْنُ الْوَلِيدِ الْحَنَفِيُّ

عباس بن عبد العظیم عنبری، نضر بن محمد جرشی، عکرمہ بن عمار، ابوزمیل، مالک بن مرثد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا اپنے مسلمان بھائی کے سامنے مسکرانا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا سب صدقہ ہے پھر کسی بھولے بھٹکے کو راستہ بتانا نابینا کے ساتھ چلنا، راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی وغیرہ ہٹا دینا اور اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا بھی صدقہ ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، جابر، حذیفہ، عائشہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ابوزمیل کا نام سماک بن ولید حنفی ہے۔

تشریح: صنائع المعروف یہ "صنیعة" کی جمع ہے اس کے معنی ہیں بھلائی اور نیکی اور حسن سلوک۔ المعروف کے بھی یہی معنی ہیں دونوں لفظ ہم معنی ہیں ایک کی دوسرے کی طرف نسبت اضافی ہے پس مضاف کے معنی میں تجرید کی جائے گی اور اس

سے اعمال وافعال مراد لئے جائیں گے۔ حدیث الباب میں حسن سلوک کے متعلق سات چیزیں بیان کی گئی ہیں۔

تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے وقت اپنے چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ لانا بھی تیرے لئے صدقہ ہے کیونکہ جب ایک شخص خوشی سے دوسرے سے ملے گا تو دوسرے شخص کا دل خوش ہوگا تو اس پر بھی اس کو ثواب ملے گا۔

وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ: امر بالمعروف ونہی عن المنکر یہ ایک جامع لفظ ہے اس میں معروف کے ذریعے تمام نیکیاں اور بھلائیاں آجاتی ہیں جن کا اسلام نے حکم فرمایا ہے چونکہ یہ امور جانے پہچانے جاتے ہیں اس لئے معروف کہلاتے ہیں اسی طرح منکر کے تحت وہ تمام برائیاں اور وہ تمام مفاسد آجاتے ہیں جن کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے بہرحال دونوں کے مجموعہ کا خلاصہ خیر خواہی ہے ظاہر ہے کہ مومن کی خیر خواہی کا ثواب ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ: راستہ بھٹکے ہوئے آدمی کو راستہ بتا دینا بھی صدقہ ہے ارض ضلال سے مراد وہ زمین ہے جس کی کوئی نشانی یا علامت معلوم نہ ہو اور ایسا شخص راستے سے بھٹک گیا ہو اور اس کو سیدھے راستے پر لگانے سے وہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا یہ اس کے لئے کتنی بڑی مدد ہوگی۔

وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيِّ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ: کسی نابینا یا کم نگاہ والے شخص کو صحیح راستہ بتا دینا اور اس کی مدد کر دینا صدقہ کے برابر ثواب رکھتا ہے نابینا شخص نہ معلوم کسی گڑھے میں گر جائے یا ایسی جگہ چلا جائے جہاں اس کو نقصان پہنچے تو اس مومن نے مدد کر کے اس کو تکلیف سے بچا لیا تو ظاہر ہے کہ صدقہ کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَةَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ: یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا لینا خواہ وہ پتھر ہو یا ہڈی ان کا راستہ سے ہٹانا بھی صدقہ ہے کیونکہ موذی چیز کے ہٹانے سے لوگوں کو تکلیف سے بچانا ہے اور مسلمان کو تکلیف سے بچانا بھی صدقہ ہے۔ آج کل کے زمانہ میں لوگ چلتے ہوئے اپنی سواری کو راستے میں روک لیتے ہیں تو یہ بھی غلط ہے اس سے آنے جانے والوں کو دقت ہوتی ہے۔

وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ: تیرا اپنے ڈول سے اپنی دینی بھائی کے ڈول میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے مثال کے طور پر کوئی شخص پانی بھرنے کے لئے آیا لیکن اس کے پاس ڈول نہیں ہے تو دوسرا شخص جس کے پاس ڈول ہے وہ اس کو اپنے ڈول سے پانی بھر دیتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے صدقہ اور باعث ثواب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِنْحَةِ

المنحة: اس کے معنی عطیہ دینے کے آتے ہیں۔ منیحہ کا لفظ اس اونٹنی یا دودھ دینے والے جانور کے لئے مستعمل ہے جس کو بچے کی پرورش اور اس کو نفع پہنچانے کے لئے بطور عاریت کے دیا گیا ہو اہل عرب کے ہاں منیحہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

اول: بطور عطیہ وصلہ کے کسی کو کوئی چیز دینا تا کہ وہ اس کا مالک بن جائے۔

دوم: دودھ دینے والے جانور کو اس طور پر دینا کہ اس سے کلی طور پر فائدہ اٹھائے اور پھر مالک اس کو واپس لے لے۔

قزاز فرماتے ہیں کہ منحۃ کا لفظ دودھ والے جانور کے ساتھ مخصوص ہے مگر قول اول اصح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْسَجَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةَ لَبَنٍ أَوْ وَرِقٍ أَوْ هَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوٰى مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ وَشُعْبَةُ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ هٰذَا الْحَدِيثَ وَفِي الْبَابِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ مَنْ مَنَحَ مَنِيحَةَ وَرِقٍ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ قَرْضَ الدَّرَاهِمِ قَوْلُهُ أَوْ هَدٰى زُقَاقًا قَالَ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ هِدَايَةَ الطَّرِيقِ وَهُوَ إِرْشَادُ السَّبِيلِ

ابوکریب، ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق، ابواسحاق، طلحہ بن مصرف، عبدالرحمن بن عوسجہ، حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے دودھ یا ورق کا منیحہ دیا یا کسی بھولے بھٹکے کو راستہ بتایا اس کے لئے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ابواسحاق کی روایت سے۔ ابواسحاق اسے طلحہ بن مصرف سے نقل کرتے ہیں کہ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ منصور بن معتمر اور شعبہ بھی طلحہ بن مصرف سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں اس باب میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ ورق کی عاریت دینے سے مراد ہے روپے پیسے کا قرض دینا۔ (ھدی زقاقا) کا مطلب راستہ دکھانا ہے۔

تشریح: **مَنِيحَةَ لَبَنٍ**: دودھ والا جانور ہوتا ہے۔ **أَوْ وَرِقٍ**: اس سے مراد دراہم ودنانیر ہیں علامہ جزریؒ فرماتے ہیں "منیحۃ الورق" سے مراد قرض ہے اور "منیحۃ اللبن" سے مراد وہ اونٹ یا بکری دینا ہے جو دودھ والی ہو اور اس سے فائدہ حاصل کر کے مالک کو واپس کر دیا جائے۔

أَوْ هَدٰى زُقَاقًا: زقاق ضمہ کے ساتھ اس کے معنیٰ راستہ کے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو راستہ دکھانا یا نابینا کی رہنمائی کرنا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے پھل والے درختوں کی قطار ہے مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنے باغ سے پھلوں والے درختوں کی قطار دیدے چنانچہ نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں اھدی زقاقا کے الفاظ کی صراحت ہے۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلام آزاد کر کے اس نے اپنے کل اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچالیا ہے اس طرح اس نے یہ عطیات کر کے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالیا گویا حدیث الباب میں عطیات کرنے والوں کو جہنم سے بچ جانے کی ایک خوشخبری ہے۔

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ: اس حدیث میں ایک راوی ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق ہے یہ ابواسحاق یوسف کے دادا ہیں یوسف کے باپ اسحاق ہیں لہٰذا عن ابیہ سے مراد یوسف ہیں اور عن ابی اسحاق سے یوسف کے دادا مراد ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِمَاطَةِ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي الطَّرِيقِ إِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، مالک بن انس، سمی، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی راستے پر چل رہا تھا کہ اس نے کانٹے دار شاخ دیکھی اس نے اسے ہٹایا اللہ اسے اس کی قدر دانی کی۔ اور اس کو بخش دیا اس باب میں حضرت ابوبرزہ، ابن عباس اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **غُصْنَ شَوْكٍ:** کانٹے دار ٹہنی جو راستے میں پڑی ہو یا درخت کے ساتھ راستے میں لٹکی ہوئی ہو۔ یا اس سے عموم مراد ہے کہ یہ راستہ میں پڑی ہوئی ہر اس چیز کو شامل ہے جس سے لوگوں کو گزرنے میں تکلیف ہو۔

فَأَخَّرَهُ: اس ٹہنی یا ایذاء دینے والی چیز کو مؤخر کر دے یعنی ہٹا دے۔ ہاں اگر وہ کانٹے دار مالٹے کا درخت ہے یا کینو وغیرہ کا ہے یا کسی اور پھل وغیرہ کا ہے تو مالک کی اجازت سے اس کو کاٹا جائے یا اس کو دوسری جانب کر کے باندھ دیا جائے تاکہ مالک کے پھل ضائع نہ ہوں اور لوگ بھی ایذاء سے بچ جائیں۔ مثال کے طور پر سڑک کے کنارے کسی کا مکان ہے اس نے مکان کے اندر مالٹے کا درخت لگایا ہوا ہے اب اس کی شاخیں سڑک کی جانب آ گئی ہیں تو اس کو اجنبی شخص ہاتھ لگائے تو چوری کا الزام لگ جائے گا لہذا مالک مکان کو کہا جائے گا کہ اس کی شاخیں اپنے گھر کی طرف کر لے یا ان کو کاٹ دے۔

فَشَكَرَ اللهُ لَهُ: شکور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اس کے معنی قدر دان کے ہیں **کما فی القرآن وکان اللہ شاکرا علیما** کہ اللہ تعالیٰ بندے کے تھوڑے عمل کو بڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَجَالِسَ بِالْأَمَانَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَإِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، ابن ابوذئب عبدالرحمن بن عطاء، عبدالملک بن جابر بن عتیک، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی بات کر کے چلا جائے تو وہ تمہارے پاس امانت ہے۔ یہ حدیث حسن ہے ہم اسے ابن ابی ذئب کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: ان المجالس بالامانة: مجالس کی باتیں دو طرح کی ہوتیں ہیں۔ایک عام دوسری خاص۔ عام بات کو راز رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ایسی بات کہاں راز رہ سکتی ہے جو عام مجمع میں کہی گئی ہو۔البتہ وہ باتیں جو خاص ہوں دلالۃ یا عرفاً ان کو راز رکھنے کا حکم ہے البتہ اگر اس بات سے کسی کو شدید ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو راز رکھنا جائز نہیں جیسا کہ مشکوٰۃ اور ابوداود میں روایت ہے "المجالس بالامانة الا ثلاثة مجالس، سفك دم حرام، أو فرج حرام، او اقتطاع مال بغير حق" مجالس کی باتیں امانت ہیں مگر تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔(۱) ناجائز خون بہانے کی مجلس (۲) ناجائز شرم گاہ استعمال کرنے کی مجلس (۳) ناحق کسی کے مال کو کھانے کی مجلس ان تینوں باتوں کو راز نہیں رکھا جائے گا۔

التفت اى يمينًا و شمالًا: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ التفات سے مراد یہ ہے کہ بات کرتے کرتے کوئی شخص ادھر ادھر دیکھے تاکہ دوسرا شخص نہ سن سکے گویا وہ دلالۃ مخاطب کو بتا رہا ہے کہ یہ بات چھپانے کی ہے کسی دوسرے کو نہ بتائی جائے۔یا التفات سے مراد یہ ہے کہ بات کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو جائے یا غائب ہو جائے تب بھی وہ بات امانت ہے بغیر ضرورت شرعی اس کا اظہار جائز نہیں۔

امام ترمذیؒ کے ترجمۃ الباب سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مطلقاً مجالس کی باتیں امانت ہیں متکلم خواہ دلالۃ یا صراحۃ اس کو چھپانے کو کہے یا نہ کہے کیونکہ امام ترمذیؒ نے "المجالس بالامانة" مطلقاً باب قائم فرمایا ہے۔خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اگر کسی مجلس میں کوئی بات ہو جس کے چھپانے میں متکلم کا فائدہ ہے تو وہ امانت ہے اور اگر ایسی بات ہو جس کے ظاہر کرنے سے متکلم کا نقصان نہیں یا لوگوں کو اس بات کے اظہار سے فائدہ ہوگا تو اس کے اظہار کی گنجائش ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ: علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ روایت کی سند میں عبدالرحمن بن عطاء المدنی ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں عنده مناكير اور اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے نیز موصلی نے فرمایا ہے "عبدالرحمن بن عطاء عن عبدالملك عن جابر لا يصح" مگر اس کے باوجود امام ترمذیؒ نے روایت کو حسن فرمایا ہے غالبًا یہ حکم علی طریق الذوق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّخَاءِ

امام ترمذیؒ نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں پہلے باب میں سخاوت کو بیان کیا ہے جبکہ آنے والے باب میں بخل کو بیان کیا ہے۔

سخاوت و بخل دونوں متضاد چیزیں ہیں اس کے ساتھ ایک اور لفظ شُح بھی ہوتا ہے علماء نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔

شُح کی تعریف: "الحرص على تحصيل ماليس عندك" غیر موجود کے حصول کی حرص و ہوس کرنا یہ شُح ہے۔

بخل کی تعریف: "الامتناء من اخراج ما عندك" اپنے پاس موجود کو خرچ نہ کرنا یہ بخل ہے۔

سخاوت اور بخل میں فرق: **قول اول:** کہ سخاوت بلا تامل کسی کی ضرورت پوری کرنے، احسان جتلائے بغیر دینے کا نام ہے جبکہ بخل اس کے برخلاف ہے۔ **قول ثانی:** کہ سخاوت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو بغیر مانگے دیا جائے اور اس تصور سے دیا جائے کہ میں نے تھوڑا دیا ہے جبکہ بخل اس کے برخلاف ہے۔

قول ثالث: کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا اور اپنی عطاء سے مسرت پانا سخاوت ہے اور اس کے برعکس بخل ہے۔

قول رابع: کہ اپنے مال میں سے کچھ دے دینا اور کچھ رکھ لینا سخاوت ہے اور اپنا زیادہ مال دے دینا اور کچھ رکھ لینا جود ہے اور خود مشقت برداشت کر لینا لیکن دوسرے کو تکلیف نہ ہونے دینا ایثار ہے۔

قول خامس: کہ مال کو اس نیت سے دینا کہ مال دینے والا اللہ ہے اور یہ آگے خرچ کرنے والا بھی اللہ کا بندہ ہے اس لئے اللہ کا بندہ اللہ کا مال بغیر فقر و فاقہ کے ڈر سے خرچ کر رہا ہے یہ سخاوت ہے اس کے برخلاف بخل ہے۔

قول سادس: کہ جو واجب بالشرع اور واجب بالمروۃ والعادۃ دونوں میں خرچ کرے وہ سخی ہے اور جو واجب بالشرع والمروۃ دونوں میں خرچ نہ کرے تو وہ بخیل ہے خلاصہ یہ ہوا کہ بخیل وہ ہے جو برمحل خرچ نہ کرے نیز زائد از ضرورت خرچ کرنا یا بلا ضرورت خرچ کرنا تو اسراف و تبذیر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں مال خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے اور جہاں روکنا ضروری ہے وہاں خرچ کرنا اسراف ہے ان دونوں کی درمیانی صورت محمود ہے اس کو سخاء جود کہا گیا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف یہ آیت نازل ہوئی: "ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط" اور اسی طرح دوسری آیت میں "اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما"۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانی راستہ اختیار کرنا جود و سخاء ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ لَيْسَ لِي مِنْ شَيْءٍ إِلَّا مَا دَخَلَ عَلَيَّ الزُّبَيْرُ أَفَأُعْطِي قَالَ نَعَمْ وَلَا تُوكِي فَيُوكَى عَلَيْكِ يَقُولُ لَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا عَنْ أَيُّوبَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

ابوخطاب زیاد بن یحیی حسانی بصری، حاتم بن وردان، ایوب، ابی ملیکہ، حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ زبیر ہی کی کمائی سے ہے کیا میں اس میں سے صدقہ دے سکتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں دے سکتی ہو بلکہ مال کو روک کے نہ رکھو ورنہ تم سے بھی روک لیا جائے گا۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اسے ابن ابی ملیکہ سے وہ عباد بن عبداللہ سے وہ حضرت اسماءؓ سے نقل کرتے ہیں جبکہ کئی راوی اسے ایوب سے نقل کرتے ہوئے عباد بن عبداللہ بن زبیر کو حذف کر دیتے ہیں۔

تشریح: لَيْسَ لِي مِنْ شَيْءٍ: بخاری شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں "مَالِيَ مَالٌ" اور بخاریؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "أفا تصدق"۔

وَلَا تُوكِي: یہ ''اوکی یوکی ایکاءٍ'' سے ماخوذ ہے بٹوہ باندھ کر رکھنا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''اوکی ما فی سقائه'' کہ مشکیزہ کے منہ کو دھاگے سے مضبوط باندھا جائے اس سے مراد بخل کرنا ہے۔ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں اس کے معنیٰ ''لا تدخری ولا تشدی ماعندك ومافی يدك فتنقطع مادة الرزق عنك''

لَا تُحْصِي فَيُحْصَى عَلَيْكِ: یہ ''لا توکی'' کی تفسیر ہے مطلب یہ ہے کہ تم گن گن کر نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی گن گن کر دیا جائے گا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ احصاء کے معنیٰ ''معرفة قدر الشی وزناً وعدداً'' مراد یہ ہے کہ تنگ دلی کے باعث گن گن کر مت دو اس سے برکت ختم ہو جائے گی۔

یا مطلب یہ ہے کہ تنگ دلی کے ساتھ گن گن کر مال ذخیرہ نہ کرے کہ اس سے خرچ نہ کرے کما مر۔ حاصل حدیث الباب کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو خوب خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس لئے کہ اس سے برکت ہوتی ہے اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس کے برخلاف اگر تنگ دلی کے ساتھ مال کو خرچ کیا جائے تو اس مال میں اللہ رب العزت برکت نہیں فرمائیں گے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے مال سے صدقہ وغیرہ کر سکتی ہے مگر شوہر کی طرف سے اجازت ہونا ضروری ہے خواہ اجازت دلالۃً ہو یا عرفاً ہو اگر کسی طرح اجازت نہ ہو تو وہ اپنے شوہر کے مال سے خرچ نہیں کر سکتی۔ البتہ اتنی مقدار میں خرچ کرنا جس کی عرفاً حق دلالۃً اجازت ہوتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ: اس حدیث کی سند میں حضرت ابو ایوب سختیانی، ابن ابی ملیکہ سے وہ حضرت اسماءؓ سے روایت کرتے ہیں ابن ابی ملیکہ کے دوسرے شاگرد حضرت ابن ابی ملیکہ اور اسماءؓ کے درمیان واسطہ عباد بن عبداللہ بن زبیر بڑھاتے ہیں مگر ایوب سختیانی کا کوئی شاگرد یہ واسطہ نہیں بڑھاتا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْوَرَّاقُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِّنَ اللهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِّنَ اللهِ بَعِيدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِّنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَقَدْ خُولِفَ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ فِي رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ إِنَّمَا يُرْوَى عَنْ

حسن بن عرفہ، سعید بن محمد بن وراق، یحیی بن سعید، اعرج، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سخی اللہ سے قریب جنت سے قریب اور لوگوں سے قریب ہوتا ہے۔ بخیل اللہ سے دور جنت سے دور اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ اللہ کو جاہل سخی، بخیل عالم سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے یحیی بن سعید عن اعرج عن ابی هریرہ کی سند سے صرف سعید بن محمد کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ اس حدیث کی یحییٰ بن سعید سے روایت میں سعید بن محمد سے اختلاف کیا گیا ہے۔ یحییٰ بن سعید کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَائِشَةَ شَيْئٌ مُرْسَلٌ سے کچھ احادیث مرسلاً بھی نقل کی جاتی ہیں۔

تشریح: **اَلسَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللهِ:** سخی شخص اللہ تعالیٰ کے قریب اس وجہ سے ہے کہ اس نے محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے مال کو خرچ کیا وہ اپنے اسی فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا وہ اس فعل کی وجہ سے جنت کے قریب ہوا بلکہ جنت میں داخل ہوگا اللہ پاک ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں اور یہ شخص لوگوں میں بھی مقبول ہوتا ہے اور لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں اس کے بر خلاف بخیل شخص جو واجب بالشرع والمروۃ میں بھی مال خرچ نہیں کرتا ایسا شخص اللہ کا مبغوض، لوگوں کا بھی معتوب اور بخل کی بناء پر جنت سے دور ہو جاتا ہے اور قریب ہے کہ جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ: جاہل سخی سے مراد وہ غیر عالم سخی ہے جو کثیر النوافل نہ ہو اور عالم بخیل سے مراد ایسا بخیل عابد ہے جو کثیر النوافل والعبادۃ ہو یعنی جو شخص جاہل سخی ہے اور عبادت ونوافل وغیرہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس عالم سے جو عابد اور بخیل ہے اور اگر غیر عالم بخیل ہے تو اس سے بدرجہ اولیٰ سخی شخص بہتر وعند اللہ محبوب ہوگا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث الباب میں سخاوت کی فضیلت اور بخل کی مذمت واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ بخیل کو بخل پر آمادہ کرنے والی چیز حب دنیا ہے جو کہ تمام خطاؤں کی جڑ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”حب الدنیا رأس کل خطیئة“۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا مسانید ابو ہریرہؓ میں سے ہونا صرف سعید بن محمد کے طریق سے معلوم ہوتا ہے جو کہ ضعیف ہے اسی وجہ سے یہ روایت غریب ہے غریب ہونے کے ساتھ ساتھ اس طریق سے سند متصل ہے محمد بن وراق یہ حدیث یحییٰ بن سعید انصاری سے اور وہ عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

جبکہ یحییٰ انصاری کے دوسرے تلامذہ سعید بن محمد کی سند کے برخلاف پیش کرتے ہیں وہ یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں پھر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرسلاً روایت کرتے ہیں یعنی بیچ کے کسی راوی کا تذکرہ نہیں کرتے پس یہ سند مرسل یعنی منقطع ہے اور صحیح سند پہلی ہے کہ یہ مسانید ابو ہریرہؓ میں سے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبُخْلِ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ غَالِبٍ الْحُدَّانِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَدَقَةَ بْنِ مُوسَى

ابو حفص عمرو بن علی، ابوداؤد، صدقہ بن موسیٰ، مالک بن دینار، عبد اللہ بن غالب حدانی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مومن میں یہ دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور بد اخلاقی۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف صدقہ بن موسیٰ کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: ابن ملک فرماتے ہیں کہ ترکیب میں یہ جملہ خبر مقدم ہے اور ''البخل وسوء الخلق'' مبتدا مؤخر ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ''خصلتان'' مبتدا ہے اور ''لا تجتمعان'' اس کے لئے صفت مخصصہ ہے تا کہ اس نکرہ کا مبتدا بنانا صحیح ہو جائے اور ''البخل وسوء الخلق خبر'' ہے۔

اس حدیث شریف میں مؤمن کے بارے میں بتایا ہے کہ مومن میں دو صفتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ مشاہدہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بخیل بد اخلاق نہیں ہوتا بلکہ خوش اخلاق ہوتا ہے اور بد اخلاق بخیل نہیں ہوتا بلکہ دریا دل ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ کی شارحین نے مختلف شرحیں کی ہیں۔

اول: کہ یہ خبر ہے کہ معنی یہ ہیں کہ کسی مؤمن میں یہ دونوں صفات اعلیٰ درجہ پر جمع نہیں ہو سکتیں کہ ان سے کبھی جدا نہ ہوں کبھی پائی جائیں گی اور کبھی نہ پائی جائیں گی۔

ثانی: کہ کسی مؤمن میں بخل اور سوء خلق کا جمع ہونا مناسب نہیں ہے چونکہ یہ دونوں صفات ذمیمہ ہیں جو ایمان کے مناسب نہیں ہیں۔

ثالث: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے اللہ کے بندوں کو نفع پہنچے اور بخیل آدمی کے بخل کی وجہ سے اور بد خلق انسان کی بد خلقی کی بنا پر کسی بندے کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا تو ایسے شخص کا ایمان ہی کیا ہے کہ جس سے کسی انسان کو فائدہ نہ ہو لہٰذا ایک انسان کو چاہیے کہ مؤمن ہونے کے ناطے ان دونوں عادتوں کو اپنے دل میں جگہ نہ دے بلکہ ان عادتوں سے دوری اختیار کرے۔

رابع: کہ کامل مؤمن میں یہ دونوں صفات ذمیمہ جمع نہیں ہو سکتیں اگر یہ صفات ذمیمہ کسی مومن میں پائی جا رہی ہیں تو اس کے ایمان میں صفت کمال نہیں ہے بلکہ نقص ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى عَنْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ عَنْ مُرَّةَ الطَّيِّبِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيلٌ وَلَا مَنَّانٌ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، صدقہ بن موسیٰ، فرقد سبخی، مرہ طیب، حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا فریب کرنیوالا، بخیل اور احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: **خَبٌّ:** خا کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ اور باء کی تشدید کے ساتھ اس کے معنی دھوکہ باز کے ہیں ایسا شخص جو لوگوں کو دھوکہ دیتا ہو اور ان میں فساد پھیلاتا ہو۔

مَنَّانٌ: یہ ماخوذ ہے مَن سے اس کے معنی قطع کے ہیں یعنی قطع رحمی، قطع تعلق کرنے والا، احسان جتلانے والا، دھوکہ دینے والا۔ قطع تعلقی یا احسان جتلانا ایسے امور ہیں کہ جو بسا اوقات مفضی الی الکفر ہوتے ہیں ایسا شخص جس کے افعال اس کو کفر تک پہنچا دیں وہ کافر ہے لہذا وہ دوسرے کافروں کی طرح جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حدیث الباب میں اس کا جنت میں داخل نہ ہونا اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور خب سے مراد بھی کافر ہے تو اس صورت میں

مذکورہ تاویل کی ضرورت نہیں اس صورت میں مطلق دخول کی نفی ہوگی۔

اور اگر اس سے مراد مؤمن خادع بخیل ومنان ہے تو دخول اولی کی نفی ہوگی اس لئے کہ ایمان کی وجہ سے بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا یا یہ کہا جائے گا کہ ان صفات مخصوصہ کے ہوتے ہوئے یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے البتہ ان صفات سے پاک و صاف ہو کر خواہ توبہ کر کے دنیا میں یا آخرت میں سزا پا کر یا اللہ تعالیٰ کے معاف کر دینے کے بعد یہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ بِشْرِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

محمد بن رافع، عبدالرزاق، بشر بن رافع، یحیی بن ابو کثیر، ابو سلمہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن بھولا اور کریم ہوتا ہے جبکہ فاجر دھوکہ باز اور بخیل ہوتا ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: **غِرٌّ**: غین کے کسرہ اور راء کی تشدید کے ساتھ بمعنی سیدھا سادہ جو مکر و فریب کو نہ جانتا ہو اور لوگوں سے حسن ظن رکھتا ہو کریم بمعنی شریف الطبع حَسَن الخلق۔ **وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ**: فاجر دھوکہ باز کمینہ ہوتا ہے اگر مؤمن سے مراد کامل مؤمن لیا جائے تو فاجر سے مراد فاسق ہوگا اور اگر مومن سے عام مؤمن مراد ہو تو فاجر سے مراد کافر ہوگا۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن سیدھا سادہ شریف الطبع، شرور و فتن سے ناواقف ہوتا ہے اور مکر و فریب کو نہیں جانتا۔ اس کے برخلاف فاسق و فاجر شخص لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کی طبیعت میں کمینہ پن ہوتا ہے۔

اشکال: حدیث الباب میں کہا گیا ہے کہ مؤمن سیدھا سادہ شریف الطبع ہوتا ہے یہ لوگوں کے مکر و فریب کو نہیں جانتا جبکہ دوسری احادیث میں ہے "لا یلدغ المؤمن من حجر واحد مرتین" کہ مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ایک اور حدیث میں ہے "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله" کہ مؤمن کی فراست سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کسی کے دھوکہ میں نہیں آتا تو احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

جواب اول: "المؤمن غر کریم" کے معنی دنیا کے امور کے بارے میں ہے اور "لا یلدغ من حجر" آخرت کے امور کے بارے میں ہے۔ **جواب ثانی:** بعض نے کہا کہ "لا یلدغ" نہی اور انشاء ہے اور "المؤمن غر کریم" خبر ہے لہٰذا دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ **جواب ثالث:** "المؤمن غر کریم" کے جو معنی اوپر بیان کئے گئے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شخص لوگوں سے حسن ظن رکھتا ہے کسی کو دھوکہ نہیں دیتا اور نہ کسی کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ لوگوں کے مکر و فریب میں آتا ہے البتہ کہیں دھوکہ بھی کھا جاتا ہے تو حسن ظن کی وجہ سے کھا جاتا ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جو کہ ضعیف ہے حدیث کی یہی ایک سند ہے۔ **اس بارے میں علمائے حدیث کی مختلف آراء ہیں: اول:** علامہ سراج الدین قزوینیؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اس کے جواب میں صلاح الدین علائی نے کہا کہ اس حدیث کے راوی بشر بن رافع کی امام احمد بن حنبلؒ نے تضعیف کی ہے۔

ثانی: ابن معینؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ لا بأس بہ کیونکہ ان کی متابعت حجاج بن فرافصہ نے کی ہے اور حجاج کے بارے میں ابن معینؒ نے فرمایا "لا بأس به"۔ ثالث: ابن عیسی نے فرمایا "لم أرله حديثا منكرًا"
رابع: ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ خامس: ابو حاتمؒ فرماتے ہیں "هو شيخ صالح متعبد"۔ لہذا یہ روایت متابعت حجاج کی بنا پر غرابت متن سے خارج ہوگئی اور درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔
سادس: ابن مبارکؒ نے اس حدیث کی تخریج ایسے طریق پر فرمائی ہے کہ اس میں نہ بشر بن رافع ہے نہ حجاج اور نہ ہی یحییٰ بن ابی کثیر۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہ ضعیف ہے نہ موضوع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى الْأَهْلِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، شعبہ، عدی بن ابی ثابت، عبداللہ بن یزید، حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو، عمرو بن امیہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ: بخاری ومسلم کی روایت میں آگے "ويحتسبها" کے الفاظ بھی ہیں اس کا معنی ہے "القصد الى طلب الاجر" اجر کے طلب کے ارادہ سے خرچ کر رہا ہے اسی وجہ سے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "يحتسبها" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انفاق میں اجر حاصل کرنے کے لئے قربت وثواب کی نیت ضروری ہے خواہ وہ انفاق واجب ہو یا مباح ہو اس سے معلوم ہوا کہ اگر انفاق میں اجر کی نیت نہیں ہے تو اجر نہیں ملے گا اگرچہ ذمہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔
أَهْلِهِ: اس سے مراد یا تو زوجہ ہے یا دوسرے اقارب مراد ہیں اس صورت میں دوسرے اقارب پر خرچ کرنے کا اجر بطریق اولیٰ ہوگا کیونکہ واجب نفقہ پر اجر ہے تو غیر واجب نفقہ پر بدرجہ اولیٰ اجر ملے گا۔

یا اس سے عموم مراد لیا جائے تو اس صورت میں اپنے بیوی بچوں، اقارب سب پر خرچ کرنا باعث ثواب ہے۔
علامہ طبریؒ فرماتے ہیں کہ اجر وثواب کے ارادہ سے اہل وعیال پر خرچ کرنا باعث اجر ہے بلکہ صدقہ تطوع سے بھی افضل ہے۔
علامہ مہلبؒ فرماتے ہیں کہ شارع نے انفاق علی الاہل کو صدقہ سے تعبیر کیا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ واجبات میں خرچ کرنا باعث اجر نہیں ہے اس لئے انفاق واجب کی اہمیت کی وجہ سے اس انفاق کو لفظ صدقہ سے تعبیر کیا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، ابو قلابہ، ابو اسماء، حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْضَلُ الدِّينَارِ دِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى عِيَالِهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى دَابَّتِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدِينَارٌ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ بَدَأَ بِالْعِيَالِ ثُمَّ قَالَ فَأَيُّ رَجُلٍ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ رَجُلٍ يُنْفِقُ عَلَى عِيَالٍ لَهُ صِغَارٍ يُعِفُّهُمُ اللهُ بِهِ وَيُغْنِيهِمُ اللهُ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

دینار وہ ہے جسے کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے یا وہ دینار جو جہاد میں جانے کے لئے اپنی سواری پر یا اپنے دوستوں پر فی سبیل اللہ خرچ کرتا ہے ابوقلابہ کہتے ہیں کہ راوی نے عیال کا شروع میں ذکر کیا اور پھر فرمایا اس شخص سے زیادہ ثواب کسے مل سکتا ہے جو اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرتا ہے جنہیں اللہ اس کی وجہ سے محنت ومشقت سے بچالیتا ہے۔ اور انہیں اس کے ذریعے غنی کر دیتا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الضِّيَافَةِ وَغَايَةِ الضِّيَافَةِ كَمْ هِيَ؟

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ أَبْصَرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَمِعَتْهُ أُذُنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ قَالُوا وَمَا جَائِزَتُهُ قَالَ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَمَا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث بن سعد، سعید بن ابوسعید مقبری، حضرت ابوشریح عدویؓ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان ہے اسے اپنے مہمان کی اچھی طرح مہمان نوازی کرنی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا پر تکلف مہمانی کب تک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن اور ایک رات پر تکلف ضیافت کرنا پھر فرمایا کہ ضیافت تین دن تک اور اس کے بعد صدقہ ہے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہوا سے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ**: اس سے مراد کامل ایمان ہے اور یوم آخرت کی تخصیص سے ایمان بالمعاد کی طرف اشارہ ہے جس طرح ایمان باللہ سے ایمان بالمبداء کی طرف اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لایا اللہ پر جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس پر ایمان لایا اس لئے کہ وہ ہمارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ: مہمان کا اکرام یہ ہے کہ طلاقت وجہ اور شیریں کلام سے پیش آئے اور تین دن تک اچھی طرح میزبانی کرے۔ یہ نہ ہو کہ اول یوم لحم ہو ثانی یوم دال اور ثالث یوم انڈا اور رابع یوم ڈنڈا کما فی العرف۔

جَائِزَتَهُ: اس کی ترکیب میں مختلف اقوال ہیں (۱) یا تو منصوب ہے فلیکرم کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے (۲) بمعنی مصدر کے ہے (۳) یا ظرف ہے (۴) یا منصوب بنزع الخافض ہے "الی ماجائزته قال یوم ولیلة ای جائزته یوم ولیلة" ایک دن رات کی میزبانی جائزہ کہلاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے روایت کا مطلب یہ لیا ہے کہ اول دن تو بتکلف کھانا پیش کرے اور باقی دو دن جو حاضر ہو وہی پیش کرے اور ایک دن کا جائزہ دیدے یعنی اتنا کھانا اس کے ساتھ دیدے تا کہ راستے میں بھوک لگے تو کھالے اور آسانی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ روایت کے معنی یہ ہیں کہ میزبانی تین دن ہے اور ان کے ہاں جائزتہ سے مراد پہلے دن کا تکلف ہے تین دن کے بعد اس مہمان کو سفری کھانا دینا مراد نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر مہمان ٹھہرتا ہے تو اس کی ضیافت تین دن ہے اگر نہیں ٹھہرتا تو اس کے لئے جائزہ ہے یعنی ایک دن رات کے برابر اس کو توشہ دینا۔

مسئلہ: ضیافت کا کیا حکم ہے ؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: جمہور حضرات کے نزدیک مہمان نوازی سنت مؤکدہ ہے۔ **قول ثانی:** امام لیثؒ کہتے ہیں ایک دن کی ضیافت واجبات میں سے ہے۔ **قول ثالث:** امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں گاؤں والوں پر ضیافت واجب ہے۔

امام لیثؒ کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں "فلیکرم" امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دلالت کرتا ہے لہذا ایک دن کی ضیافت واجب ہوگی۔

جواب: ہر جگہ امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ استحباب کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ "اذا حللتم فاصطادوا" میں امر ہے

دلیل ثانی: ابوداود شریف میں مرفوعاً روایت ہے "لیلة الضیف حق علی کل مسلم فمن اصبح بفنائه فهو علیه دین ان شاء اقتضی وان شاء ترك"۔ **دلیل ثالث:** "ایما رجل اضاف قوما فاصبح الضیف محروما فان نصره حق علی کل مسلم حتی یاخذ بقری لیلة من زرعه وماله" (ابوداؤد)

دلیل رابع: بخاری شریف میں روایت ہے" عن عقبة بن عامر قال قلنا للنبی صلی الله علیه وسلم انك تبعثنا فننزل بقوم لا یقروننا فما تری فیه فقال لنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نزلتم بقوم فامروا لکم بما ینبغی للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منهم حق الضیف الذی ینبغی لهم"

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان مذکورہ روایات سے مہمانی کا وجوب ثابت ہو رہا ہے نیز ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حق ضیافت نہ دے تو اس سے زبردستی لے سکتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ مسافر دیہات میں اپنے کھانے کا نظم ونسق نہیں چلا سکتا اس لئے گاؤں والوں پر اس کی ضیافت واجب ہے برخلاف شہر والوں کے، شہر والوں پر مسافر کی ضیافت واجب نہیں کیونکہ شہر میں ہوٹل وغیرہ ہوتے ہیں مسافر اپنے کھانے کا نظم ونسق چلا سکتا ہے۔

جمہور حضرات کی طرف سے وجوب والی روایات کی توجیہات:۔

اول: مذکورہ روایات کا محمل حالت اضطرار ہے یعنی اگر کوئی شخص حالت اضطرار کو پہنچ جائے اور صاحب قریہ اس کو کھانا نہ کھلائیں تو وہ

زبردستی بقدر ضرورت اس سے کھانا لے لے پھر اس کا عوض واجب ہے یا نہیں اس میں بھی دو قول ہیں وجوب اور عدم وجوب کا۔

ثانی: یہ روایات ابتداء اسلام پر محمول ہیں جب تنگی کا وقت تھا لوگوں کے پاس وافر مقدار میں کھانا نہیں ہوتا تھا کہ وہ ساتھ سفر میں لے جاسکیں لیکن بعد میں جب فتوحات ہوگئیں اور لوگوں کو فراوانی ہوگئی عسرت کا دور چلا گیا تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

ثالث: یا یہ روایات ان عمال کی طرف محمول ہیں جو صدقات وزکوٰۃ لینے کے لئے دور دور کا سفر کرتے ہیں اور اصحاب صدقات ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ ان سے کھانے پینے کے بارے میں بھی نہیں پوچھتے تھے تو ان کو زبردستی حق ضیافت لینے کا حکم ہے۔

رابع: یا یہ روایات ذمیوں کے حق میں ہیں جن سے یہ طے ہوا ہے کہ مسلمانوں کا جو قافلہ تمہارے ہاں سے گزرے گا تم اس کو کھانا وغیرہ دو گے پھر وہ ذمی کھانا دینے سے رک جائیں تو مسلمانوں کو حق ہے کہ ان سے زبردستی کھانا وصول کریں۔ کیونکہ انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کر دی۔ **خامس:** بعض حضرات نے کہا کہ ''خذوا'' سے مراد طعام لینا نہیں بلکہ برا بھلا کہنا ہے یعنی لوگوں کے سامنے ان کی قباحت اور یہ مذکورہ بری خصلت بیان کریں تاکہ دوسرے لوگ اس سے محفوظ رہیں۔

میزبانی وضیافت: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ضیافت اور مہمانداری کی تین قسمیں لکھی ہیں۔

اول: میزبان اپنے مہمان کو بطور ضیافت کچھ نقد رقم دیدے تاکہ وہ اپنی طبیعت کے مطابق راحت سے کھالے اور حرج وغیرہ سے بچ جائے۔ یہ میزبانی کا افضل درجہ ہے۔

ثانی: کھانا وغیرہ تیار کر کے جن کی ضیافت مقصود ہے ان کے پاس پہنچا دے تاکہ وہ اپنی سہولت سے بلا تکلف کھالیں۔ یہ اوسط درجہ ہے۔

ثالث: یا مہمان کو اپنے گھر میں یا اپنے دفتر میں یا اپنی دکان میں بلائیں اور وہاں اس کی مہمان نوازی کریں۔ یہ آخری درجہ ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَجَائِزَتُهُ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَمَا أُنْفِقَ عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ لَا يَثْوِي عِنْدَهُ يَعْنِي الضَّيْفَ لَا يُقِيمُ عِنْدَهُ حَتّٰى يَشْتَدَّ عَلٰى صَاحِبِ الْمَنْزِلِ وَالْحَرَجُ هُوَ الضِّيقُ إِنَّمَا قَوْلُهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ يَقُولُ حَتّٰى يُضَيِّقَ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَاللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيُّ هُوَ

ابن ابی عمر، سفیان ابن عجلان، سعید مقبری، حضرت ابوشریح کعبیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضیافت تین دن تک ہے پر تکلف ضیافت ایک دن اور رات تک ہے اس کے بعد جو کچھ مہمان پر خرچ کیا جائے وہ صدقہ ہوتا ہے۔ کسی مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس زیادہ وقت تک ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اسے حرج ہونے لگے۔ (حرج کے معنی یہ ہیں کہ مہمان میزبان کے پاس اتنا طویل نہ رکے کہ اس پر شاق گزرنے لگے) اس باب میں حضرت عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں مالک بن انسؒ اور لیث بن سعدؒ بھی یہ حدیث سعید مقبری سے نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوشریح خزاعی کعبی

الْكَعْبِيُّ وَهُوَ الْعَدَوِيُّ وَاسْمُهُ خُوَيْلِدُ بْنُ عَمْرٍو عدوی ہیں ان کا نام خویلد بن عمرو ہے۔

تشریح: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوشریح الخزاعی وہ کعبی ہیں ان کو عدوی بھی کہتے ہیں ان کا نام خویلد بن عمرو ہے یہ صحابی ہیں مدینہ منورہ میں ۸۶ھ میں علی الصحیح وفات پائی۔

وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ: جس طرح سعید مقبری سے اس روایت کو ابن عجلان نے نقل کیا ہے اس طرح مالک بن انس اور لیث بن سعد نے بھی نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْيَتِيمِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ

انصاری، معن، مالک، حضرت صفوان بن سلیم مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیوہ اور محتاج کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کوشش کرنے والا جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے یا پھر ایسے شخص کی طرح جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازیں پڑھتا ہے۔

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَهٰذَا الْحَدِيثُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَأَبُو الْغَيْثِ اسْمُهُ سَالِمٌ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مُطِيعٍ وَثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ شَامِيٌّ وَثَوْرُ بْنُ زَيْدٍ مَدَنِيٌّ

معن، مالک، ثور بن زید، ابوغیث، ابوہریرہ ہم سے روایت کی انصاری نے انہوں نے معن سے انہوں نے مالک سے انہوں نے ثور بن یزید سے انہوں نے ابی الغیث سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کی مثل۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور ابوغیث کا نام سالم ہے وہ عبداللہ بن مطیع کے مولیٰ ہیں اور ثور بن یزید شامی اور ثور بن زید مدنی ہیں۔

تشریح: الْأَرْمَلَةِ اس کی جمع ارامل آتی ہے اس کے معنی محتاج اور مسکین کے ہیں ارملۃ کی مختلف شروحات کی گئی ہیں۔

قول اول: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ارملۃ وہ عورت کہلاتی ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ اس نے نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو یعنی کنواری ہو۔

قول ثانی: اس سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو جس کو عرف عام میں بیوہ کہا جاتا ہے۔

ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ بیوہ عورت کو ارملۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد اس کو فقر لاحق ہو جاتا ہے اسی وجہ سے ارامل کے معنی فقر کے ہیں۔ الیتیم سے مراد مسکین ہے خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم ہو۔

المسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور بعض نے کہا کہ تھوڑا بہت ہو اس کا اطلاق ضعیف پر بھی ہوتا ہے لہٰذا فقیر بھی اس میں داخل ہے۔

السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ: ان دونوں کے لئے کمائی کرنے والا یعنی بیوہ اور فقیر و مسکین کے لئے محنت مزدوری کر کے روزی مہیا کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا یعنی جس طرح غازی فی سبیل اللہ کو ثواب ملتا ہے اسی طرح اس

سائل کو بھی ملے گا جس طرح مجاہد فی سبیل اللہ مال غنیمت لا کر بیت المال میں جمع کرتا ہے جو بیوہ اور مساکین وغیرہ پر خرچ ہوتا ہے اور اسے ثواب ملتا ہے اسی طرح یہ شخص جو بیوہ وغیرہ کے لئے روزی کما کر لاتا ہے اس کو بھی ثواب ملتا ہے۔

وَهٰذَا الْحَدِيثُ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ: دوسری حدیث میں امام ترمذیؒ نے دوسرے طریق سے روایت کی تخریج کی ہے جو مسانید ابی ہریرہؓ میں سے ہے اور پہلی حدیث جو بطریق صفوان بن سلیم ہے وہ مرسل ہے اس لئے کہ صفوان تابعی ہیں۔ دوسری سند متصل ہے یہ بھی امام مالکؒ کی سند ہے مگر وہ ثور بن زید سے روایت کرتے ہیں یہ دِیلی مدنی ہیں اور ثقہ ہیں اور ایک دوسرا راوی ثور بن یزید ہے یہ حمص کا باشندہ ہے یعنی شامی ہے اور یہ بھی ثقہ ہے مگر اس سند میں یہ راوی نہیں اور ابوالغیث کا نام سالم ہے یہ مدنی ہے اور ابن مطیع کا آزاد کردہ ہے اور ثقہ راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقَةِ الْوَجْهِ وَحُسْنِ الْبِشْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْمُنْكَدِرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، منکدر بن محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے اور یہ بھی نیکیوں میں سے ہے کہ تم اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملو اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی انڈیل دو۔ اس باب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ: معروف کی وضاحت میں شراح نے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

اول: امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ معروف ہر اس کو فعل کو کہا جاتا ہے جس کا حسن ہونا شرعاً وعقلاً معلوم ہو اور اس کا اطلاق ہر اس عمل پر ہوتا ہے جس میں حد سے تجاوز نہ ہو۔

ابن ابی جمرۃ فرماتے ہیں کہ معروف وہ عمل ہے جس کا اعمال بر سے ہونا ادلہ شرعیہ سے معلوم ہو خواہ عرف میں اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

صدقہ: اس سے مراد ثواب ہے اگر صاحب عمل کی جانب سے ثواب کی نیت پائی جائے تو یقیناً اجر ملے گا نیز کل معروف صدقۃ کا یہ مطلب نہیں کہ صرف امیر ہی صدقہ دے بلکہ ہر شخص صدقہ پر قادر ہے مالدار صدقہ دے کر اور غریب مذکورہ نیکیاں کر کے صدقہ کرنے والا شمار ہوگا۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ: امام ترمذیؒ نے اس روایت میں منکدر بن محمد بن المنکدر ضعیف راوی کے ہوتے ہوئے بھی روایت کو حسن قرار دیا ہے ایسے ہی متعدد مقامات پر انہوں نے ایسا ہی کیا ہے شاید حسن کا حکم لگانا ذوق کی بنا پر ہو نہ کہ اصول حدیث کی بناء پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، شقیق بن سلمہ، حضرت عبداللہ بن

عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سچ کو لازم پکڑو بے شک سچ نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور اس کا ارادہ کرتا رہتا ہے۔ حتی کہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے جھوٹ سے اجتناب کرو بے شک جھوٹ گناہ کا راستہ دکھاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی مسلسل جھوٹ بولتا ہے۔ اور اس کا ارادہ کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر، عمر، عبداللہ بن شخیر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قوله عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ: ”اى الزموا الصدق“ ملا علی قاریؒ نے صدق کی تعریف یہ لکھی ہے ”وهو الاخبار على وفق ما فى الواقع“ یعنی وہ خبر جو واقع کے مطابق ہو۔

قوله فَإِنَّ الصِّدْقَ: ”اى على وجه ملازمته ومداومته“ یعنی صدق کو لازم پکڑنا اور اس پر دوام اختیار کرنا۔

قوله يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ: ”وهو جامع الخيرات من اكتساب الحسنات واجتناب السيئات“ یعنی سچ بولنا یہ نیکیوں کو جامع ہے اور برائیوں سے اجتناب کروانے والا ہے اور اونچے درجات کا ذریعہ ووسیلہ بنتا ہے اس لئے ایک روایت میں آیا ہے کہ مومن کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ ”حتى يكتب عندالله صديقًا“: ”اشارة الى ان الصديق يكون مامون العاقبة“ اس کے تین مطلب ہیں۔

① وصف صدیقیت کا حامل مقام صدیقیت پر فائز قرار دیا جاتا ہے اور اس اونچے درجے کے وصف ومقام کے اجر وثواب کا مستحق شمار کیا جاتا ہے ② ملأ اعلیٰ (جس کتاب میں تمام بندوں کے اعمال لکھے ہوئے ہیں) میں مذکورہ شخص کا نام صدیق لکھا جاتا ہے۔

③ دنیا میں لوگ ایسے شخص کو اپنی کتابوں اور قلم پاروں میں صدیق کے نام سے لکھتے اور یاد کرتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ اس کو سچا وصادق سمجھتے ہیں اور اس کی سچائی وصداقت کا ہمیشہ تذکرہ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ان الذين امنوا وعملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودًا“ الاية (مریم:۹۶)۔ رہی یہ بات کہ صدیق کسے کہتے ہیں؟ عند البعض جو اپنے تمام اقوال واحوال اپنانے میں سچا ہو۔ عند البعض صدیق وہ ہے جو کبھی جھوٹ بولے ہی نہیں۔ عند البعض صدیق وہ ہے جو اپنے دوست کے راز خواہ ظاہر کے ہوں یا باطن کے اپنے پاس پوشیدہ رکھے۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۱۷۶) (مرقاۃ ج ۹ ص ۱۴۰)

وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ: اسی طرح جھوٹ سے بچو اس لئے کہ جھوٹ انسان کو

فسق وفجور میں مبتلا کر دیتا ہے اور اللہ کے نزدیک اور فرشتوں کے ہاں اس کا نام جھوٹوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔

وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا: اس کے مختلف مطالب ہیں کہ جھوٹ بولنے والے شخص کے بارے میں یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور اس کی سزا جھوٹوں والی مقرر کی جاتی ہے یا اس کے بارے میں لوگوں کی نظروں اور دلوں میں یہ بات ظاہر اور راسخ کر دی جاتی ہے کہ یہ شخص انتہائی ناقابل اعتبار ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جاتا ہے اور ہر شخص اس سے بغض ونفرت کرنے لگتا ہے یہ جھوٹ کا دنیاوی انجام ہے اور جھوٹ آخرت میں اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ هَارُونَ الْغَسَّانِيِّ حَدَّثَكُمْ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ قَالَ يَحْيَى فَأَقَرَّ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ هَارُونَ وَقَالَ نَعَمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ تَفَرَّدَ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ هَارُونَ

یحیی بن موسی، عبدالرحیم بن ہارون غسانی، عبدالعزیز بن ابی رواد، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اس کی بو کی وجہ سے اس آدمی سے ایک میل تک دور ہو جاتے ہیں یحیی کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ حدیث عبدالرحیم بن ہارون سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا ہاں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں عبدالرحیم بن ہارون اس میں متفرد ہیں۔

تشریح: حَدَّثَكُمْ: اس میں ہمزہ استفہام محذوف ہے اس کا جواب حدیث کے آخر میں ہے نعم الملک یا تو اس پر الف لام جنسی ہے مطلقا کوئی فرشتہ مراد ہے یا الف لام عہدی ہے اور اس صورت میں محافظ فرشتے مراد ہیں۔

مِيلًا: اس سے مراد میل کی مسافت ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مقصود بُعد کو بیان کرنا ہے یعنی انسان کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے فرشتے اتنا دور ہو جاتے ہیں کہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

نَتْنِ: یہ فرح کی ضد ہے اس سے مراد بد بو ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ: یہ روایت گو بسند جید منقول ہے مگر عبدالرحمن بن ہارون اس کے نقل کرنے میں منفرد ہیں اس وجہ سے یہ بھی غریب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفُحْشِ

فحش وہ گناہ کہلاتا ہے جس کی قباحت دوسرے گناہوں سے بھی شدید ہو اس وجہ سے اس کا اطلاق زنا پر بھی ہوتا ہے نیز فعل قبیح اور قول قبیح پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ

محمد بن عبدالاعلی صنعانی، عبدالرزاق، معمر، ثابت، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْئٍ إِلَّا شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ

وسلم نے فرمایا بے حیائی جس چیز میں آتی ہے اسے عیب دار بناتی ہے اور حیاء جس چیز میں آتا ہے اسے مزین کر دیتا ہے۔اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث منقول ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ہم اس حدیث کو صرف عبدالرزاق کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: مَا كَانَ الْفُحْشُ: فحش کا اطلاق قول وفعل دونوں کو عام ہے فحش قولی یہ ہے کہ قبیح امور کو صریح الفاظ میں ذکر کیا جائے مثلاً شرم گاہ کا نام لینا اور گالی گلوچ بھی اس میں داخل ہے۔

فحش فعلی یہ ہے کہ ایسی حرکات کرنا جس کو دیکھ کر شرم محسوس ہو بہر حال فحش قولی اور فحش فعلی دونوں ہی مذموم ہیں ان کا منبع ومصدر خبث باطن اور گھٹیا پن ہے۔جیسا کہ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ''لو کان الفحش رجلاً لکان رجل سوء''۔رواہ ابن ابی الدنیا۔ایک اور روایت میں فرمایا ''ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش''۔

شَانَهُ : اس کا معنی ہے معیوب بنانا اس کا مقصد یہ ہے کہ فحش ہر شئی کو خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو معیوب بنا دیتی ہے اگر فحش قولی ہے تو یہ بھی عیب کا سبب ہے اور فحش فعلی بھی انسان کو معیوب بنانے کے لئے کافی ہے۔

وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْئٍ إِلَّا زَانَهُ: جس چیز میں بھی بد گوئی شامل ہو جاتی ہے وہ اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔اور جس چیز میں حیاء شامل ہو وہ اس کو شاندار بنا دیتا ہے۔یہاں حیاء سے مراد فحش کا مقابل ہے یعنی ایسا قول وفعل جس میں کوئی قباحت نہ ہو یہ چیز انسان کی زینت کا باعث ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا وَلَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، اعمش، ابووائل، مسروق، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کا اخلاق سب سے بہتر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کبھی فحش گوئی کرتے اور نہ ہی یہ ان کی عادات میں سے تھا۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حسن اخلاق کا معیار: حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ آدمی خندہ رو رہے مال خرچ کرے اور لوگوں کی اذیت پر صبر کرے۔

امام واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے جھگڑے اور نہ لوگ اس سے جھگڑیں۔نیز یہ بھی فرمایا کہ تنگی اور کشادگی میں لوگوں کو راضی رکھنے کا نام خوش خلقی ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خوش خلقی تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے محرمات سے اجتناب، حلال کی طلب اور اہل وعیال پر توسیع۔بہر حال حدیث الباب میں اچھے اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِهِ وَلَا بِالنَّارِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن مثنی، عبدالرحمن بن مہدی، ہشام، قتادہ، حسن، حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپس میں ایک دوسرے پر اللہ کی لعنت، غضب اور دوزخ کی پھٹکار نہ بھیجو۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، ابن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لعنت کی لغوی تعریف: لعن یلعن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔ یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال کرنا جائز ہے جس میں خدا سے دور کرنے والی صفت موجود ہو جیسے کفر وظلم وغیرہ۔

لعنت کی اصلاحی تعریف: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور ثواب سے محرومی اور سزا وعتاب میں گرفتاری کو بھی کہتے ہیں۔

لعنت کے اسباب: لعنت کے تین اسباب ہیں کفر، بدعت، فسق اگر ان تین صفات میں سے کوئی ایک صفت کسی شخص میں ہو تو اس پر لعنت کرنا درست ہے۔ ان تینوں اسباب میں سے ہر ایک کے تین درجات ہیں۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ وصف کے حوالے سے لعنت کی جائے مثلاً یہ کہا جائے اللہ کی لعنت ہو کافروں پر۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی وصف میں تخصیص کر کے لعنت بھیجے مثلاً یہ کہے کہ اللہ کی لعنت ہو یہودیوں پر، نصاریٰ پر، قدریہ پر، مجوس پر۔

تیسرا درجہ کسی متعین ومخصوص شخص پر لعنت کی جائے اس میں بھی تفصیل ہے کہ شریعت نے جن پر لعنت کی ہے ان کا نام لے کر لعنت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً فرعون ابو جہل وغیرہ۔ نیز کسی بھی زندہ شخص کا نام لے کر اس کو ملعون کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ یہ شخص مرنے سے پہلے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کر لے جب کافر کے بارے میں اتنی احتیاط ہے تو فاسق وبدعتی کے بارے میں بطریق اولیٰ احتیاط ہو گی۔ الحاصل اگر کسی کا کفر پر مرنا یقینی ہو جائے تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ لعنت سے کسی مسلمان کو ایذا نہ پہنچتی ہو۔ اگر ایذا پہنچتی ہو تو جائز نہیں۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رعل، ذکوان، عصیہ وغیرہ قبائل پر لعنت کی ہے جبکہ مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں لعنت کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ **جواب:** علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب ناسخ ہے جبکہ ان قبائل پر لعنت کا واقعہ پہلے کا ہے بعض نے کہا کہ اس سے بعض مواقع مستثنیٰ ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْأَزْدِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ

محمد بن یحیی ازدی بصری، محمد بن سابق، اسرائیل، اعمش، ابراہیم، علقمہ، حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طعن کرنے والا، کسی پر لعنت

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ

بھیجنے والا، فحش گوئی کرنے والا اور بدتمیزی کرنے والا مومن نہیں ہے یہ حدیث حسن غریب ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے کئی سندوں سے منقول ہیں۔

تشریح: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ: ''اى الكامل'' مومن سے مراد کامل مؤمن ہے یا یہ کلام اسلوب حکیم کے طور پر ہے کہ ان بری صفات والا تو مومن ہو ہی نہیں سکتا یا یہ کلام تشدید، تغلیظ اور تہدید وتوبیخ پر مشتمل ہے یا پھر طعن ولعن حلال سمجھنے والا مراد ہو تو نفس ایمان کی نفی ہوگی۔

بِالطَّعَّانِ: ''اى عيابًا للناس'' یعنی لوگوں پر شدید طعن کرنے والا، یہ مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر الطعن ہونا مراد ہے۔

وَلَا اللَّعَّانِ: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے کثیر اللعن شخص مراد ہے۔

وَلَا الْفَاحِشِ: یعنی فحش گفتگو کرنے والا یا فحاشی کا ارتکاب کرنے والا تو فرمایا فاحش مومن نہیں ہوسکتا۔

وَلَا الْبَذِيِّ: ''وهو الذى لا حياء له''۔ بذی وہ شخص جس میں حیاء نہ ہو۔ یعنی بذی بھی فحش گفتگو کرنے والا ہے۔ فاحش کے بعد بذی کو ذکر اس لئے کیا کہ یہ عطف تفسیری ہے اور بعض شارحین نے تکرار سے بچنے کیلئے اس کو فعلی فحاشی پر محمول کیا ہے۔

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا أَبَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنِ الرِّيحَ فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ بِشْرِ بْنِ عُمَرَ

زید بن اخزم طائی بصری، بشر بن عمر، ابان بن یزید، قتادہ، ابوعالیہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوا پر لعنت بھیجی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ بھیجو یہ تو پابند حکم ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے جو اس کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی پر واپس آتی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف بشر بن عمر کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں۔

تشریح: قوله فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ: ہوا اللہ کے حکم کے تابع ہے یعنی ہوا اپنی مرضی سے نہیں چلتی بلکہ اس کو اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے تو وہ چلتی ہے۔ نیز ہوا پر لعنت دو وجہ سے ہوتی ہے یا تو بندہ اس ہوا سے تنگ ہوجاتا ہے یا بندہ کو ہوا ناپسند لگتی ہے بہرحال انسان خوشی میں ہو یا غمی میں، مصیبت میں ہو یا خوشی میں اسکو ہوا پر لعن نہیں کرنی چاہیے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے علاوہ دوسری اشیاء پر بھی لعنت بھیجنا منع ہے ہاں کسی خاص وصف کے ساتھ لعنت بھیجی جاسکتی ہے جیسے کہا جائے کہ چوروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو شرابیوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کے راوی صرف بشر بن عمر زہرانی ہیں لیکن ان کی روایت سے امام مسلم وبخاری نے استدلال کیا ہے یعنی اس کی روایت کو معتبر مانا ہے لہذا یہ روایت درست ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعَلُّمِ النَّسَبِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عِيسَى الثَّقَفِيِّ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَمَعْنَى قَوْلِهِ مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ يَعْنِي بِهِ الزِّيَادَةَ فِي الْعُمُرِ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک عبدالملک بن عیسیٰ ثقفی، یزید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نسب کی اتنی تعلیم حاصل کرو جس کے ذریعے تم اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرسکو۔ اس لئے کہ رشتے داروں سے حسن سلوک کرنا اپنے گھروالوں میں محبت کا موجب، مال میں زیادتی اور موت میں تاخیر، عمر بڑھنے کا موجب ہے یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور منساۃ کا مطلب عمر میں اضافہ ہے۔

تشریح: تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ: تم اپنے نسبوں میں سے اتنا سیکھو جن کے ذریعے تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرسکو۔ یعنی یہ پہچان سکو کہ یہ ہمارے رشتہ دار ہیں۔

مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ: تاکہ حسب رشتہ اس کے ساتھ صلہ رحمی اور حسن سلوک کرسکو اس سے خاص اور عام دونوں طرح کے رشتہ ہیں مطلب یہ ہے کہ اپنے اعزاء واقرباء کو پہچانو کہ کس قسم کی قرابت ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے تاکہ اسی اعتبار سے اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کرسکو۔

فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ: یعنی اعزاء کے ساتھ صلہ رحمی محبت بڑھنے کا ذریعہ ہے۔

مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ: اس کے معنی کثرت مال کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اقارب کے ساتھ صلہ رحمی مال کے کثیر ہونے کا ذریعہ ہے۔

مَنْسَأَةٌ: ''نساء'' کہتے ہیں دیر لگانے کو ادھار کو نسیۃ اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں وصولی دیر سے ہوتی ہے۔

قوله الْأَثَرِ: ''اثر'' اصل میں پاؤں کے اس نشان کو کہتے ہیں جو چلتے وقت زمین پر پڑتا ہے اور وہ نشان گویا زندگی کی علامت ہے جب انسان مرجاتا ہے تو انسان کے قدموں کے نشانات زمین سے مٹ جاتے ہیں۔

سوال: امام نوویؒ یہاں پر تاخیر الاجل کے متعلق مشہور سوال کررہے ہیں کہ جب انسان کی اجل تقدیر میں لکھی ہوئی ہے اس میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے اور نہ ہی کمی ہوسکتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے'' فاذا جاء اجلهم لايستأخرون عنه ساعة ولايستقدمون '' تو صلہ رحمی تقدیر کو کیسے بدل سکتی ہے؟

جوابات: ① اس کی نسبت اُن ملائکہ کی طرف ہے جن کے سامنے لوح محفوظ کا لکھا ہوا ظاہر ہوا کہ اسکی عمر ساٹھ سال ہوگی اگر یہ فلاں کے ساتھ صلہ رحمی کرے گا تو اس کی عمر چالیس سال بڑھادی جائے گی اب یہ بات اللہ کے علم میں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں اب اللہ کے علم سے نہ یہ مقدم ہوسکتا ہے اور نہ ہی مؤخر البتہ جو فرشتوں کے علم میں ہے اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے اور اسی کی طرف اشارہ کیا

گیا ہے۔ "یمحو اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب" (الرعد:۳۹)۔ اس آیت میں محو اور اثبات کی نسبت فرشتوں کے علم کی طرف ہے اور جو کچھ کتاب میں ہے وہ اللہ کے علم میں ہے اس میں محو نہیں ہوگا اس کو قضاء مبرم اور قسم اول کو قضاء معلق کہتے ہیں۔
② بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد انسان کے مرنے کے بعد ذکر خیر کا ہونا ہے۔ گویا وہ مرا ہی نہیں یہ جواب ضعیف ہے لیکن طبرانی فی الصغیر میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ جو شخص صلہ رحمی نہ کرے اسکی اجل کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسکی عمر میں زیادتی نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاذا جاء اجلھم" (الاعراف:۳۴) ہاں اگر ایسی میت جس کی اولاد نیک صالح ہو اور اسکے مرنے کے بعد اسکے لئے دعا مانگیں۔ اور طبرانی فی الکبیر میں مشجعہ الجہنی سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اجل کو مؤخر نہیں کرتے۔ "لقولہ تعالیٰ اذا جاء اجلھا" لہٰذا عمر کی زیادتی نیک اولاد ہے (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۲۲۰)۔ ③ زیادتی عمر سے مراد برکت ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ اس صلہ رحمی کی وجہ سے اس کی عمر میں برکت، نیک اعمال کی کثرت سے توفیق اور رزق میں برکت دی جاتی ہے جس وجہ سے وہ تھوڑی سی عمر میں بہت سارا کام سرانجام دے سکتا ہے۔

اس عقیدے کی روشنی میں حدیث کے جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ رزق میں وسعت اور درازی عمر سے مراد رزق میں برکت کا محسوس ہونا، شب و روز کا خوشی و مسرت اور اطمینان و سکون کیساتھ گزرنا اور طاعات و عبادات کی زیادہ سے زیادہ توفیق کا حاصل ہونا اور قلب کی نورانیت اور باطن کی صفائی و پاکیزگی کا نصیب ہونا ہے۔ اور درازی عمر سے مراد دنیا جہاں میں نام کو نیک بقا حاصل رہنا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَعْوَةِ الْأَخِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ

بظھر الغیب: پوشیدہ کی پیٹھ پیچھے بھائی کے لئے دعا کرنا خواہ وہ حقیقۃً غائب ہو یا حاضر ہو پھر اس صورت میں اس کے لئے دل میں دعا کرنا کہ وہ نہ سن سکے یہ بھی غائب کی دعا ہو جائے گی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَٰنِ بْنِ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا دَعْوَةٌ أَسْرَعَ إِجَابَةً مِنْ دَعْوَةِ غَائِبٍ لِغَائِبٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْأَفْرِيقِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ الْأَفْرِيقِيُّ

عبد بن حمید، قبیصہ، سفیان، عبد الرحمن، زیاد بن انعم، عبد اللہ بن یزید، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی دعا اس سے زیادہ جلد قبول نہیں ہوتی جس قدر غائب کے حق میں دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں افریقی کا نام عبد الرحمن بن زیاد بن انعم افریقی ہے اور ان کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔

تشریح: أَسْرَعَ: اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی غائب یا غیر حاضر شخص کے لئے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی دعا کو بہت جلد قبول کرتا ہے چونکہ حاضر شخص کے لئے دعا کرنے میں ریاء و سمعہ کا احتمال ہے مگر غائب کے لئے دعا کرنا خلوص اور

صدق نیت پر مبنی ہے اور وہ دعا دکھلاوے اور ریاء سے دور ہوگی اس لئے اللہ تعالیٰ اس دعا کو جلد قبول کرتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے "اذا دعا الرجل لاخیه بظهر الغیب قال الملك لك بمثل ذلك" ایک اور حدیث میں ہے "دعوة الاخ لاخیه فی الغیب لا ترد"۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوستوں کے لئے مسجد میں دعا کرتا ہوں۔ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ اپنے احباب غائبین کے لئے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّتْمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِي مِنْهُمَا مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، علاء بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو آدمی گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں وہ ان میں سے ابتداء کرنے والے پر ہے۔ جب تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھے۔ اس باب میں حضرت سعد، ابن مسعود اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ اگر دو شخص آپس میں گالم گلوچ کرنے لگیں یا ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگیں تو گالم گلوچ کرنے اور برا بھلا کہنے کا گناہ ان دونوں میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالم گلوچ کی ابتداء کی اور دوسرے شخص کی گالم گلوچ کا گناہ ابتداء کرنے والے کے ذمہ ہی ہوگا کیونکہ اس نے گالی کی ابتداء کرکے گویا دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے اس اعتبار سے وہ ظالم کہلائے گا۔ اور دوسرا شخص مظلوم کہلائے گا لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب دوسرے شخص نے گالی دینے میں زیادتی نہ کی ہو صرف جواب دیا ہو ہاں اگر اس نے جواب میں زیادتی کی تو پھر ابتداء کرنے والے سے زیادہ گناہ دوسرے شخص کو ہوگا۔ اسی وجہ سے عند البعض دوسرا شخص بھی اس تعدی اور زیادتی کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ (مرقاۃ ج ص ۱۳۷)

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَتُؤْذُوا الْأَحْيَاءَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ سُفْيَانَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَرَوٰى بَعْضُهُمْ مِثْلَ رِوَايَةِ الْحَفَرِيِّ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يُحَدِّثُ عِنْدَ الْمُغِيرَةِ

محمود بن غیلان، ابوداؤد حفری، سفیان، زیاد بن علاقہ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مُردوں کو گالی نہ دو کیونکہ اس سے زندہ لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے میں سفیان کے ساتھیوں کا اختلاف ہے بعض اسے حفری کی مروایت کی طرح نقل کرتے ہیں جبکہ بعض سفیان سے اور وہ زیاد بن علاقہ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مغیرہ بن شعبہؓ کے پاس ایک آدمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ — اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہوئے سنا۔

تشریح: **اَلْاَمْوَاتُ:** علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد اموات مسلمین ہیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے جس کی تخریج امام ترمذی نے کی ہے "اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم" اس سے معلوم ہوا مراد مسلمین ہیں۔ لہٰذا اموات کفار کو برا کہنا جائز ہے بشرطیکہ اس کافر کے عزیز جو مسلمان ہیں ان کو ایذاء نہ پہنچے۔

علامہ ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ وہ کفار جن کی موت کفر پر یقینی ہوئی ہے اور دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے شر وفساد پھیلایا ہو تو ان کو برا بھلا کہنا جائز ہے نیز فرمایا کہ اموات مسلمین کو برا کہنا غیبت میں داخل ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔

وَقَدِ اخْتَلَفَ أَصْحَابُ سُفْيَانَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ: اس حدیث کی سند میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ ابوداود حضری نے زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان کوئی واسطہ ذکر نہیں کیا اور سفیان کے بعض تلامذہ جیسے عبدالرحمن بن مہدی زیاد اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان ایک مجہول شخص کا واسطہ بڑھاتے ہیں ان دونوں سندوں میں صحیح سند پہلے والی ہے جس میں واسطہ نہیں ہے سند میں اختلاف کی وجہ سے امام ترمذیؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ قَالَ زُبَيْدٌ قُلْتُ لِأَبِي وَائِلٍ أَنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، زبید بن حارث، ابووائل، حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے زبید کہتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے پوچھا کہ کیا آپ نے خود یہ حدیث عبداللہ سے سنی ہے انہوں نے فرمایا ہاں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **قوله سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ:** فسوق لغت میں خروج کو کہتے ہیں اصطلاح شرع میں "الخروج عن طاعة الله ورسوله" یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکلنے کو کہتے ہیں کما فی التعلیق الصبیح۔

نیز اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کا ذریعہ بھی ہوتا ہے اس لئے لفظ فاسق کافر کیلئے بھی بولا جاتا ہے اسی طرح جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اور اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے اور جو شخص فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۱۶۸) اور "کل امتی معافی الا المجاہرین" کے پیش نظر فجور زیادہ خطرناک ہے۔

قوله وَقِتَالُهُ كُفْرٌ: مسلمان کے ساتھ لڑنا یا اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ **سوال:** اہل سنت والجماعت کے نزدیک کبیرہ گناہ کے ارتکاب کرنے سے مؤمن کافر نہیں ہوتا حدیث مذکورہ میں اس کو کافر کیسے کہا گیا۔ اس سے تو خوارج اور معتزلہ کا مسلک ثابت ہو رہا ہے۔

جوابات: ① مسلمان کے قتل وقتال کو حلال اور جائز سمجھنا کفر ہے کیونکہ اس نے حرام کو حلال قرار دیا ہے ② اس نے مسلمان کو قتل کر کے

اتنا بڑا گناہ کیا کہ وہ کفر کے قریب ہو گیا جس وجہ سے اس شخص کے ایمان کا کمال ختم ہو گیا لہٰذا یہاں کمال اسلام کی نفی مراد ہے ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده'' میں جس طرح کمال اسلام کی نفی مراد تھی ایسے ہی یہاں پر ہے (مرقاۃ ج۹ص۱۴۶)

سوال: سباب المسلم اور قتال المسلم دونوں ہی بصورت استحلال کفر ہے اور دوسری صورت میں فسق پھر سباب المسلم کو فسوق سے اور قتال المسلم کو کفر سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب: قتال مسلم سباب مسلم سے بڑھا ہوا ہے نیز قتال مسلم کافروں کا عمل ہے نہ کہ مسلمانوں کا اس وجہ سے ان کو کفر سے تعبیر کیا۔

زُبَيْدِ بْنِ الْحَارِثِ: زبید بن الحارث نے ابووائل شقیق بن سلمہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے انہوں نے کہا جی ہاں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ الْمَعْرُوفِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرٰى ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا وَبُطُونُهَا مِنْ ظُهُورِهَا فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ لِمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ

علی بن حجر، علی بن مسہر، عبدالرحمن بن اسحاق، نعمان بن سعد، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بالا خانے ہیں جن کے بیرونی حصے اندر سے اور اندر کے حصے باہر سے نظر آتے ہوں گے۔ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس کے لئے ہوں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی گفتگو کرے، کھانا کھلائے، ہمیشہ روزے رکھے اور رات کو نماز ادا کرے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف عبدالرحمن بن اسحاق کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: ظُهُورُهَا مِنْ بُطُونِهَا: جنت میں بالا خانوں کی ظاہری اور اندرونی بناوٹ ایسی اعلیٰ قسم کی ہے کہ وہ بالکل شفاف وصاف نظر آتے ہیں باہر کے حصہ کا عکس اندر کے حصہ پر اور اندر کے حصہ کا عکس باہر کے حصہ پر نظر آتا ہے۔

فَقَامَ أَعْرَابِيٌّ: اس اعرابی کا نام معلوم نہیں کہ کون ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا۔

قَالَ لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ: بعض روایات میں اطاب کی جگہ ''الان'' اور بعض میں الین ہے اور بعض روایات میں لین تشدید کے ساتھ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شیریں کلام کے ساتھ پیش آئے نرم گفتگو کرنے والا ہو اس کی زبان پر تلخی نہ ہو اور نہ ہی دل آزاری کرنے والا ہو۔ ''قال اللہ تعالیٰ واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما''۔

وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ: دوسری صفت بیان کی کہ مساکین کو اور مستحقین کو کھانا کھلائے اور اہل وعیال اور اقرباء کو کھانا کھلائے الحاصل خرچ کرنے میں تنگی نہ کرے بلکہ فراخی سے کام لیتا ہو۔

وَأَدَامَ الصِّيَامَ: یعنی فرض روزوں کے بعد نفل روزے کثرت سے رکھتا ہوا ایسا نہ ہو کہ نفلی روزوں کی طرف بالکل توجہ ہی نہ ہو بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہر ماہ کے تین روزے رکھنا مراد ہے۔

وَصَلَّى لِلّٰهِ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو جس وقت لوگ سور ہے ہوں یا وہ لوگ عبادت سے غافل ہوں۔ بہر حال روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ لوگوں کے ساتھ نرم کلامی، سخاوت کرنا، نفلی روزے رکھنا، رات کو عبادت کرنا یہ سب ایسے نیک کام ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی جنت کے بالا خانوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعِمَّا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يُطِيعَ رَبَّهُ وَيُؤَدِّيَ حَقَّ سَيِّدِهِ يَعْنِي الْمَمْلُوكَ وَقَالَ كَعْبٌ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنا بہترین ہے وہ شخص جو اللہ کی بھی اطاعت کرے اور اپنے آقا کا بھی حق ادا کرے۔ (یعنی غلام یا باندی) کعب کہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نِعِمَّا میں ما نکرہ ہے بمعنی شی، نکرہ کے افعال مدح ان یطیع اللہ مخصوص بالمدح تقدیری عبارت یہ ہے۔ حدیث الباب میں اس غلام کی تعریف کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور مولیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا ایک روایت میں آتا ہے کہ ایسے غلام کو دہرا اجر ملتا ہے۔

وقَالَ كَعْبٌ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ: کعب احبار کا صدق اللہ ورسولہ فرمانا یا تو اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے کتب سماویہ میں یہ مضمون پڑھا ہوگا کیونکہ وہ کتب سماویہ کے ماہر تھے یا یونہی خوشی کے طور پر کہا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الْيَقْظَانِ عَنْ زَاذَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ عَلَى كُثْبَانِ الْمِسْكِ أُرَاهُ قَالَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَبْدٌ أَدَّى حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ وَرَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ وَرَجُلٌ يُنَادِي بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ابوکریب، وکیع، سفیان، ابوالیقظان، زاذان، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جو مشک کے ٹیلے پر ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ قیامت کے دن بھی فرمایا ایک وہ شخص جو اللہ کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مالک کا بھی حق ادا کرے گا۔ دوسرا وہ امام جس سے اس کے مقتدی راضی ہوں اور تیسرا وہ شخص جو پانچوں نمازوں کے لئے اذان دیتا ہے۔ یہ حدیث

غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف سفیان کی روایت سے
وَأَبُو الْيَقْظَانِ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ قَيْسٍ پہچانتے ہیں۔ ابوالیقظان کا نام عثمان بن قیس ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے اس باب میں مذکور غلام کے لئے فضیلت بیان کی ہے کہ وہ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوگا کثبان، کثیب کی جمع ہے ریت کا اونچا ٹیلہ۔

أُرَاهُ: ہ ضمیر کا مرجع ابن عمرؓ ہے اور اس کے قائل زاذان ہیں یعنی زاذان کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ''علی کثبان المسك'' کے بعد ''یوم القیامة'' کا لفظ بھی فرمایا ہے۔

أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهِ رَاضُونَ: یعنی قوم کی امامت اس طرح کی کہ سب لوگ اس سے راضی رہیں یہ بھی اہم بات ہے لہٰذا اگر امام کے فسق وجہل اور بدعت کی وجہ سے لوگ ناراض ہوں تو ایسے امام کے لئے روایات میں وعید آئی ہے اگر ناراضگی کی وجہ محض دنیاوی عداوت ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

نیز ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ پسند کرنے والے بعض افراد ہوں تو اعتبار عالم کا ہوگا خواہ وہ تنہا ہو بعض حضرات نے اکثریت کا اعتبار کیا ہے شاید اکثریت علماء کی مراد ہے۔

وَرَجُلٌ يُنَادِي: اذان دینا بھی بہت بڑے ثواب کا عمل ہے موذن دراصل اللہ کے نام کی بڑائی بیان کرتا ہے اس وجہ سے اللہ پاک مذکور ثواب سے نوازیں گے اسی مضمون سے متعلق ایک حدیث پاک میں ہے ''اطول الناس اعناقا'' الخ کہ موذن قیامت کے دن اونچی گردن والے ہونگے یعنی اونچے مقام پر ہونگے۔ اس سے اونچا کیا مقام ہوسکتا ہے کہ مشک کے ٹیلے پر مقام نصیب ہوجائے۔ **وَأَبُو الْيَقْظَانِ:** اس کا نام عثمان بن قیس ہے اور تقریب میں عثمان بن عمرو ویقال ابن قیس واقع ہے مگر صحیح یہ ہے کہ قیس اس کے باپ کے دادا کا نام ہے یہ طبقہ سادسہ کا غالی فی التشیع مدلس اور ضعیف راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُعَاشَرَةِ النَّاسِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقِ اللهِ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، حبیب بن ابوثابت، میمون بن ابوشبیب، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور برائی کے بعد بھلائی کرو تا کہ وہ اسے مٹا دے اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں تقویٰ اور اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی وضاحت آسان ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ وَأَبُو نُعَيْمٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ مَحْمُودٌ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ

محمود بن غیلان، ابواحمد، ابونعیم، سفیان، حبیب، محمود، وکیع، سفیان، حبیب بن ابی ثابت، میمون بن ابی شبیب، معاذ بن جبل ہم سے روایت کی محمود بن غیلان نے انہوں نے ابواحمد اور ابونعیم سے وہ سفیان سے اور وہ حبیب سے اسی سند سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں وکیع بھی سفیان سے وہ میمون بن ابی شبیب سے وہ معاذ بن جبلؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مثل نقل کرتے ہیں۔ محمود کہتے ہیں کہ صحیح حدیث ابوذرؓ کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ظَنِّ السُّوْءِ

سؤ ضمہ کے ساتھ اسم ہے برائی کے معنی میں آتا ہے بعض اہل لغت نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر یہ لفظ مضاف ہو تو سوء بضم السین ہوگا جیسے "سوء الحساب" اور مضاف الیہ ہونے کی صورت میں بفتح السین، سین کے فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَسَمِعْتُ عَبْدَ بْنَ حُمَيْدٍ يَذْكُرُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ سُفْيَانَ قَالَ قَالَ سُفْيَانُ الظَّنُّ ظَنَّانِ فَظَنٌّ إِثْمٌ وَظَنٌّ لَيْسَ بِإِثْمٍ فَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِي هُوَ إِثْمٌ فَالَّذِي يَظُنُّ ظَنًّا وَيَتَكَلَّمُ بِهِ وَأَمَّا الظَّنُّ الَّذِي لَيْسَ بِإِثْمٍ فَالَّذِي يَظُنُّ وَلَا يَتَكَلَّمُ بِهِ

ابن عمر، سفیان، ابوزناد، اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے پرہیز کرو کیونکہ یہ سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں (امام ترمذی) نے عبد بن حمید سے سنا وہ سفیان کے بعض ساتھیوں سے نقل کرتے ہیں کہ سفیان نے فرمایا گمان دو قسم کے ہیں ایک قسم کا گمان گناہ ہے جبکہ دوسری قسم کا گمان گناہ نہیں۔ گناہ یہ ہے کہ بدگمانی دل میں بھی کرے اور زبان پر بھی آئے جبکہ صرف دل ہی میں بدگمانی کرنا گناہ نہیں۔

تشریح: ظن کے معنی: غالب گمان کے ہیں۔ بدگمان سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف گمان اور تخیلات پر عمل مت کرو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو دوسروں کے بارے میں بدگمان نہ کرو اور اسی بدگمانی کی وجہ سے کسی کے پیچھے مت پڑو۔ نیز ایک گمان یہ ہے کہ صرف دل میں بدگمانی کرے اس پر گرفت نہیں البتہ وہ ظن قابل گرفت ہے کہ جو دل میں بدگمانی کرے اور اس کو زبان پر بھی لے آئے اور مظنون بہ کے لئے مضرت اور خجالت کا سبب بنے۔

ظن کی چار قسمیں ہیں: ① حرام، ② مامور بہ اور واجب، ③ مستحب ومندوب، ④ مباح اور جائز۔

ظن حرام: کہ کوئی شخص اللہ رب العزت کے بارے میں یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ عذاب ہی دے گا راحت نہیں دے گا اور اسی

طرح اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس ہوجانا بھی اللہ سے بدگمانی کرنا ہے۔

ظن واجب: وہ کام جس کی دو جوانب ہوں اور اس کی ایک جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہو اور اس کے متعلق قرآن وسنت میں کوئی واضح دلیل موجود نہ ہو جیسے جھگڑے ومنازعت کے مقدمات میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم وقاضی جس کی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اس کا فیصلہ دینا واجب ہے حالانکہ اس کے بارے میں کوئی نص خاص موجود نہیں لہذا ظن غالب پر عمل کرتے ہوئے ثقہ گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرنا واجب ہے اگر چہ یہاں گواہوں کے جھوٹ بولنے کا بھی احتمال ہے مگر پھر بھی وہ فیصلہ کرنا واجب ہے۔

ظن مندوب: مثلاً نماز کی رکعتوں میں شک پیدا ہو گیا تو ظن غالب پر عمل کرنا جائز ومباح ہے اور اگر ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے تو درست ہے۔

ظن مباح وجائز: مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھنا اس پر ثواب ملتا ہے بہرحال حدیث شریف میں حسن ظن کی ترغیب اور بد گمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ گمان بسا اوقات جھوٹ ہو جاتا ہے اس سے بدگمانی بھی پیدا ہوتی ہے اس سے بچنے کا حکم بھی ہے۔ کیونکہ کسی کے بارے میں غلط خیال لانا اور قصداً اس کو برا سمجھنا حرام ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے **''اجتنبوا كثيرا من الظن''** اسی طرح ایک حدیث میں مومن کے بارے میں اچھے گمان کا حکم دیا گیا ہے **ظنوا المومنون خيرًا**

فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ: یہاں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر کو لائے ہیں گمان کو اکذب الحدیث فرمایا ہے کہ دل میں آنے والی باتوں میں سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے کیونکہ شیطان کے القاء سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے۔

ظن کو اکذب الحدیث کیوں کہا: **اول:** سب سے بڑا جھوٹ اس لئے فرمایا کہ کذب میں کوئی نہ کوئی ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے جبکہ ظن میں نہ ابتداء ہوتی ہے اور نہ ہی انتہاء محض خالی گمان ہوتا ہے۔

ثانی: جھوٹا انسان اپنے آپ کو کاذب وجھوٹا سمجھتا ہے اور گناہ گار گردانتا ہے جبکہ بدگمان تو اپنے آپ کو گناہ گار بھی نہیں سمجھتا۔ اس لئے بدگمانی سے بچنے کے لئے تغلیظ ومبالغہ کیا گیا اسی وجہ سے بدگمانی کذب سے اشد ہے۔

وَسَمِعْتُ عَبْدَ بْنَ حُمَيْدٍ يَذْكُرُ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ سُفْيَانَ: سفیان کے بعض شاگردوں نے بیان کیا کہ سفیان نے فرمایا ظن کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ ظن جو گناہ ہیں (۲) وہ ظن جو گناہ نہیں ہیں۔ گناہ یہ ہے کہ آدمی بدگمانی کرے اور اس کا زبان سے بھی تکلم کرے اور اگر بدگمانی کی مگر زبان سے تکلم نہیں کیا تو گناہ نہیں ہے مگر یہ سفیان کی رائے ہے محققین کی رائے وہی ہے جو بیان کی گئی ہے کہ کسی کے بارے میں بدگمانی کو دل میں جما لینا حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِزَاحِ

میم کے ضمہ اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے زیر کے ساتھ بمعنی کسی کے ساتھ خوش طبعی اختیار کرنا، ہنسی مذاق کرنا اور میم کے ضمہ کے ساتھ خوش دلی یا مذاق یا کھیل کو کہا جاتا ہے۔

مزاح کی تعریف: خوش طبعی اور ہنسی مذاق جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذاء رسانی کا پہلو نہ ہو۔ جس میں دل شکنی اور ایذاء رسانی ہو گی

وہ تحریہ ہے اور یہ مذموم ہے اس طرح ایک حدیث میں آیا ہے "لا تمار اخاك ولا تمازحه" یعنی اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا فساد نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرو۔ اس پر علماء نے لکھا ہے کہ جس مزاح سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے یہی تحریہ مراد ہے۔ نیز مزاح بھی مراد ہے کہ ہر وقت اس میں مبتلا رہے اور ایسے مزاح میں حد سے زیادہ تجاوز کرنا بہت زیادہ ہنسنے اور قہقہہ لگانے کا باعث ہوتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مزاح سے نہی آئی ہے جس میں افراط ہو اور ہنسنے میں مداومت حاصل ہو اور زیادہ ہنسا دل کو مردہ بنا دیتا ہے اور دل کو ذکر اللہ سے غافل کر دیتا ہے لیکن ان امور کے برخلاف کبھی کبھار مخاطب کو خوش کرنے کیلئے مزاح کرتے ہوئے مسکرا دینا جائز ہے جیسا کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے اور ایسا کرنا سنت ہے (مرقاۃ ج ۹ ص ۱۷۱)۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْوَضَّاحِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى إِنْ كَانَ لَيَقُولُ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ

عبداللہ وضاح کوفی، عبداللہ بن ادریس، شعبہ، ابی تیاح، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے ملے جلے رہتے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے اے ابو عمیر تمہارے نُغیر کو کیا ہوا۔ (نُغیر ایک چھوٹا پرندہ ہے)

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو التَّيَّاحِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ الضُّبَعِيُّ

ہم سے روایت کی ہناد نے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے ابی تیاح سے اور وہ انسؓ سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابو تیاح کا نام یزید بن حمید ہے۔

تشریح: اس حدیث سے آپ ﷺ کا بچوں کے ساتھ مزاح کرنا ثابت ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے اخیافی بھائی ہیں ان کے والد کا نام ابوطلحہ زید بن سہل تھا اور اس لڑکے کا نام کبشہ تھا یہ وہی بچہ ہے جس کا ذکر مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کسی سفر سے واپس آئے تو ان کے بچہ کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نہیں بتایا جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا گیا کہ وہ سو رہا ہے رات دونوں نے ساتھ گزاری اور صبح جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ تم نے مجھے رات کو کیوں نہیں بتلایا تو ان کی بیوی نے جواب دیا کہ آپ سفر سے تھکے ہوئے آئے تھے اگر آتے ہی میں آپ کو اطلاع دیتی تو آپ پر پریشانی کا بوجھ پڑتا ایک سفر کی تھکاوٹ اور دوسری بچہ کے موت کی خبر اس وجہ سے میں نے رات کو نہیں بتلایا۔ دیکھئے اس وقت کی ماؤں میں کتنا صبر و استقامت تھا۔ حدیث الباب میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی کے پاس ایک چھوٹی چڑیا تھی چنانچہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آتے تو اپنی چڑیا بھی ساتھ رکھتے عام طور پر چھوٹے بچوں کو کوئی چڑیا وغیرہ مل جائے تو وہ اس سے کھیلا کرتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں پھر اچانک وہ چڑیا مر گئی اس کے بعد جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کو ازراہ مزاح یہ فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر" گویا ان کو مخاطب کر کے قافیہ کے طور پر فرماتے۔

نُغیر کی وضاحت میں بعض حضرات نے کہا کہ یہ ایک پرندے کا نام ہے یہ چھوٹی چڑیا کی طرح ہوتا ہے بعض حضرات نے کہا

کہ یہ ایسا پرندہ ہے جس کی گردن سرخ ہوتی ہے جس کو بلبل کے نام سے لوگ پکارتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کو چڑیا وغیرہ سے دل بہلانا اور ان کے ساتھ کھیلن کود کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کو تکلیف و ایذاء نہ پہنچائیں۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے اور کمسن بچے کی کنیت مقرر کرنا جائز ہے اور یہ جھوٹ میں داخل نہیں ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معمولی سی تکلیف پہنچنے پر بھی تعزیت کرنا جائز ہے اور یہ کہ مدینہ منورہ میں شکار کرنا اور پرندے، جانور پالنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پرندوں کو پنجروں میں رکھ کر پالنا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى قَوْلِهِ إِنَّمَا تُدَاعِبُنَا إِنَّمَا يَعْنُونَ إِنَّكَ تُمَازِحُنَا

عباس، بن محمد، دوری، علی بن حسن، عبداللہ بن مبارک، اسامہ بن زید، سعید مقبری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہم سے خوش طبعی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (تُدَاعِبُنَا) کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے مزاح کرتے ہیں۔

تشریح: قولہ تُدَاعِبُنَا: یہ مداعبہ سے ماخوذ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ بھی ہمارے ساتھ خوش طبعی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں میں بھی مزاح کرتا ہوں لیکن میرے مزاح میں ہمیشہ سچائی ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مجھے معصوم بنایا گیا ہے جبکہ تم معصوم نہیں۔ لہٰذا میرے مزاح اور تمہارے مزاح میں بہت فرق ہے۔ اس حدیث سے مزاح کی اباحت معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزاح میں بھی سچ بولنا ضروری ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ يُمَازِحُهُ

محمود بن غیلان، ابواسامہ، شریک، عاصم، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا اے دو کانوں والے۔ محمود کہتے ہیں ابواسامہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے (ان الفاظ کے ساتھ) مزاح کیا۔

تشریح: سوال: اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دو کانوں والا فرمایا حالانکہ ہر انسان کے دو ہی کان ہوتے ہیں؟ جواب: دو کانوں والا کی تخصیص سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف مقصود ہے کہ تم نہایت فہیم و ذکی ہو اور تم سے جو بات کہی جائے اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہو یا دو کانوں والا اس لئے فرمایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کان کسی قدر بڑے تھے جیسے خرباق بن ساریہ کو بڑے ہاتھ ہونے کی وجہ سے ذوالیدین فرمایا کرتے تھے یا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی قوت سماعت بہت قوی تھی اس لئے "ذا الاذنین" فرمایا یا ان کو تنبیہ و تحریض مقصود ہے کہ جو بات کہی جائے اس کو اچھے انداز سے سنا جائے۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۱۶۳)۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ

قتیبہ، خالد بن عبداللہ واسطی، حمید، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

الْوَاسِطِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری مانگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ ان نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اونٹوں کو اونٹنیوں کے علاوہ بھی کوئی جنتا ہے (تمام اونٹ اونٹنیوں کے بچے ہیں) یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

تشریح: اسْتَحْمَلَ: اس کے معنی ہیں سواری طلب کرنا النوق یہ ناقہ کی جمع ہے بمعنی اونٹنی۔

إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ النَّاقَةِ: سائل نے اس جملہ سے اونٹنی کا بچہ سمجھا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اونٹ پر سوار کرنا تھا اس لئے سائل نے سوال کیا کہ میں بچے کا کیا کروں گا حالانکہ اس نے اپنے ذہن سے کام نہیں لیا کیونکہ ہر اونٹ تو اونٹنی کا ہی بچہ ہوتا ہے گائے، بھینس کا تو نہیں ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ کی وضاحت فرمائی تو اس شخص کو سمجھ آ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مذاق فرما رہے تھے اور اس بات پر بھی تنبیہ ہوگئی کہ آدمی کو غور وفکر کے ساتھ ہی جواب دینا چاہیے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خوش طبعی کے لئے مزاح بھی فرمایا ہے اور مقصد کسی کو ایذاء دینا یا تمسخر کرنا نہیں تھا بلکہ حقیقت کو بیان کیا جس سے مقصود مخاطب کی دلجوئی تھی۔

مذاق پر مزید واقعات: اول: حضرت زاہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں پیچھے سے جا کر پکڑ لیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکیں تو وہ کہنے لگے کون ہے مجھے چھوڑ دو جس وقت ان کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو انہوں نے اپنی پیٹھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملالی تا کہ مزید برکت حاصل ہو جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اس غلام کو خریدے زاہر نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ مجھ کو کم قیمت پائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”لست عند اللہ بکاسد“ یعنی تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یہ زاہر دیہات کے رہنے والے دیہات کی چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ لاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو واپسی کے وقت شہر کی چیزیں ہدیہ دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا ”ان زاہرا بادیتنا نحن حاضرہ“ کہ زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں یہ واقعہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولی وفعلی مزاح پر دلالت کرتا ہے۔

ثانی: اسی طرح ایک مرتبہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے شوہر وہی تو ہیں جن کی آنکھ میں سفیدی ہے ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ بخدا میرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ان کی آنکھ میں سفیدی ہے پھر ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ بخدا ان کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ (ابن ابی الدنیا)

ثالث: مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی وہ عورت یہ سن کر رونے لگی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو خبر دے دو کہ تم اس روز بوڑھی نہیں رہو گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''انا انشاھن انشاء فجعلنھن ابکارًا''۔

رابع: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ازواج مطہرات کو کپڑا دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور دلہن کی طرح اس کا دامن بناؤ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کو دلہن کی طرح کا دامن کہہ کر مزاح فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِرَاءِ

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ قَالَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ وَرْدَانَ اللَّيْثِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَلَمَةَ بْنِ وَرْدَانَ عَنْ أَنَسٍ

عقبہ بن مکرم عمی بصری، ابن ابوفدیک، سلمہ بن وردان لیثی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسا جھوٹ چھوڑ دیا جو باطل تھا تو اس کے لئے جنت کے کنارے پر ایک مکان بنایا جائے گا اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا ترک کر دے۔ اس کے لئے جنت کے درمیان مکان بنایا جائے گا اور جو شخص خوش اخلاق ہوگا اس کے لئے جنت کے اوپر والے حصے میں مکان بنایا جائے گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ہم اسے صرف سلمہ بن وردان کی روایت سے جانتے ہیں اور وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اَلْمِرَاءُ: باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں بحث ومباحثہ کرنا، حجت بازی کرنا، جھگڑا کرنا۔

مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ: جس شخص نے جھوٹ ترک کر دیا در آنحالیکہ وہ باطل پر ہے تو اس کے لئے جنت کے سرے پر مکان بنایا جائے گا۔ **وَهُوَ بَاطِلٌ:** اس جملہ کی ترکیب میں چند اقوال ہیں۔

یہ جملہ معترضہ ہے جو شرط و جزاء کے درمیان واقع ہے جھوٹ سے نفرت دلانے کے لئے یہ جملہ لائے ہیں۔

یا یہ جملہ حالیہ ہے یا تو مفعول سے حال واقع ہے تو معنی یہ ہوں گے'' والحاصل انہ باطل لا مصلحۃ فیہ''۔

یا یہ فاعل سے حال واقع ہے اور معنی یہ ہیں'' وھو ذو باطل بمعنی صاحب بطلان''۔

وھو باطل کی ضمیر کا مرجع من ہے کذب نہیں ہے کذب تو ہمیشہ ہی باطل ہوتا ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بات کہنے والا غلط موقف پر ہے مگر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہے اور بحث ومباحثہ کر رہا ہے یہ غلط طریقہ ہے۔

وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا: اور جس نے بحث وتکرار جھگڑے سے احتراز کیا حالانکہ وہ حق پر ہے یعنی اس کا موقف صحیح ہے تو اس کے لئے جنت کے درمیان میں بہترین حصہ میں مکان بنایا جائے گا اس جملہ میں بھی ''ھو'' کا مرجع من ہے اور ''وَسَطَ'' زبر کے ساتھ ہے جس کے معنی بہترین حصہ کے ہیں کیونکہ خیر الامور اوسطھا درمیانی چیز بہترین ہوتی ہے۔

نیز جھگڑا چھوڑنے والے کے لئے جنت کے درمیان میں گھر اس لئے ہوگا کہ اس نے حق پر ہوتے ہوئے محض فتنہ کو رو کنے کی وجہ سے اپنے حق سے دست برداری کی تو ایسے شخص کے لئے جنت کے بیچ میں گھر بنایا جائے گا چونکہ اس نے اپنا حق چھوڑا ہے اور اپنے مسلمان بھائی کی دلجوئی کی ہے جو فضیلت کی چیز ہے۔

جدال اور مراء کے مابین فرق: علمانے اس کے درمیان مختلف اقوال نقل کئے ہیں۔

قول اول: بعض حضرات نے کہا کہ جدال اور مراء ایک ہی ہیں کہ مراء کا معنی بھی جھگڑا کرنا ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کے نزدیک مراء اور جدال کے درمیان فرق ہے مراء کسی کے کلام میں نقص نکال کر اس پر طعن کرنا اور اس سے مقصود متکلم کی تحقیر و اہانت اور اپنی ذہانت کا اعلان ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ تیسر الفظ بھی ہے اس میں خصوصت، جدال پایا جاتا ہے ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے جدال میں کسی کے مال یا حق پر قبضہ کرنا ہوتا ہے اور خصومت میں کبھی اعتراض ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اور مراء وجدال میں اعتراض ضرور ہوتا ہے۔

وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا: اور جس نے اپنے اندر سے اخلاق ذمیمہ کو دور کیا اور اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کے اعلیٰ مقام میں گھر بنائیں گے معلوم ہوا کہ حسن اخلاق سب سے زیادہ فضیلت کی چیز ہے۔

سند پر کلام: اس حدیث کا راوی سلمہ بن وردان لیثی ضعیف راوی ہے مگر امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے کیونکہ آپ ہلکے ضعیف راوی کی حدیث کی بھی تحسین کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا فَضَالَةُ بْنُ الْفَضْلِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ ابْنِ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِكَ إِثْمًا أَنْ لَا تَزَالَ مُخَاصِمًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

فضالہ بن فضل کوفی، ابوبکر بن عیاش، ابن وہب بن منبہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ جھگڑتے رہنا تمہارے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنِ اللَّيْثِ وَهُوَ ابْنُ أَبِي سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ أَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدَةً فَتُخْلِفَهُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

زیاد بن ایوب بغدادی، محاربی، لیث، ابن ابوسلیم، عبدالملک، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی سے جھگڑا نہ کرو، مزاح نہ کرو اور نہ ہی اس سے ایسا وعدہ کرو۔ جسے تم پورا نہ کرسکو۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: مَوْعِدَةً: اس کی ترکیب میں یہ احتمال ہیں۔ موعد مصدر میمی ہے یا ظرف زمان ومکان ہے۔

فَتُخْلِفَهُ: اول: یا تو یہ منصوب ہے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ منصوب بتقدیر أن ہے اور نہی کا جواب ہے اس کے معنی یہ ہے کہ

اپنے بھائی سے ایسا وعدہ نہ کر جس کو پورا نہ کر سکے، ایسا وعدہ نہ کر جس کے پورا کرنے کی نیت ہی نہ ہو یہ علامت نفاق ہے۔

ثانی: یا یہ مرفوع ہے اس صورت میں یہ مراد ہوگی کہ ایسا وعدہ نہ کر جس میں خلاف وعدہ لازم آئے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی "لا تعدہ موعدًا فانت تخلفه" لہٰذا یہ جملہ "معطوف علی الانشاء" ہوگا۔

ایفاء وعدہ کا کیا حکم ہے: وعدہ کرنا جائز ہے مگر اس کو پورا کرنا لازم ہے قرآن پاک کی آیت ہے "یا ایھا الذین اٰمنوا وفوا بالعقود"۔ البتہ وعدہ کے ساتھ شاید یا ان شاء اللہ ضرور کہا جائے ہاں اگر وعدہ کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ ہے مگر بعد میں کوئی عذر پیش آئے تو یہ اس وعید میں داخل نہیں ہے اور اس کو علامت نفاق نہیں کہا جائے گا اگرچہ یہ صورت بھی نفاق کی ہے لہٰذا اس سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاں جبکہ وعدہ پورا کرنا واجب ہے جمہور حضرات کے نزدیک وعدہ پورا کرنا مستحب ہے اگر وعدہ خلافی سے تکلیف مقصود نہ ہو تو اس صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا اگر تکلیف پہنچانا مقصود ہے تو گناہ گار ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُدَارَاةِ

المداراۃ: اس کے معنی ہیں کہ ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کرنا، مداراۃ غیر مسلموں سے جائز ہے جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو یا وہ اپنے مہمان ہوں یا ان کے شر اور ضرر سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو قرآن کریم کی آیت "الا ان تتقوا منھم تقاۃ" سے یہی مراد ہے۔ اس کے برخلاف مداہنت یعنی دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرنا یہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں دین کی اضاعت لازم آتی ہے۔

غیر مسلم اقوام سے کیسا تعلق رکھا جائے: دو جماعتوں یا دو شخصوں کے درمیان تعلقات ہوں تو اس کے درجات مختلف ہیں۔

اول: موالات دلی محبت کا نام ہے یہ صرف مؤمنین کے ساتھ خاص ہے غیر مسلم کے ساتھ دل محبت کا تعلق کسی حالت میں قطعاً جائز نہیں۔

ثانی: مواساۃ اس کے معنی ہمدردی و خیر خواہی اور نفع رسانی کے ہیں یہ خیر خواہی و ہمدردی حربی کفار کے علاوہ باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

ثالث: مدارات: باب کے ذیل میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

رابع: معاملات: تجارت، اجرت، ملازمت، معاملات، جن معاملات میں مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو کافر کے ساتھ وہ معاملات جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل اس پر شاہد ہے جیسا کہ کفار اہل عرب کو اسلحہ وغیرہ فروخت کرنے کو منع فرمایا گیا ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ ہے کفار کے ساتھ تجارت کی اجازت ہے۔ البتہ روافض و قادیانیوں سے تجارت کرنے سے احتراز ہی کیا جائے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ

ابن ابو عمر، سفیان بن عیینہ، محمود بن منکدر، عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ ثُمَّ أَذِنَ لَهٗ فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ لَهٗ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قُلْتَ لَهٗ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ قَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهٖ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

چاہی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قبیلہ کا یہ بیٹا (یا فرمایا) قبیلہ کا یہ بھائی کیا ہی برا ہے۔ پھر اسے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے تو آپ نے اسے برا کہا اور پھر اس سے نرمی سے بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عائشہ بدترین شخص وہ ہے جسے اس کی فحش گوئی کی وجہ سے لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ: او شک کے لئے ہے جو سفیان کی جانب سے ہے کیونکہ محمد بن منکدر کے دوسرے تمام شاگردوں نے بغیر شک کے نقل کیا ہے بخاری شریف میں او کی جگہ واو ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''العشيرة'' بمعنی القبیلہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ''بئس هذا الرجل من هذه العشيرة'' اس قبیلہ کا یہ آدمی برا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس رجل کا مصداق عیینہ بن حصن ہے جو بظاہر مسلمان تھا لیکن باطن میں غیر مسلم تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوگیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس قید کر کے لایا گیا۔

فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ: فَأَلَانَ: الان لین سے ہے بمعنی نرم کلام، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نرم گفتگو کی اور بشاشت وجہ کے ساتھ ملاقات کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری عادت تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ظاہری حالت کو ظاہر کر دیا تاکہ لوگ اس سے دھوکہ نہ کھائیں اس سے معلوم ہوا کہ فاسق معلن کی غیبت جائز ہے لوگوں کو اس کے دھوکہ سے بچانے کے لئے لوگوں کو اس کے عیوب بتا دیئے جائیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

البتہ فاسق سے مدارات جائز ہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاسکتا ہے تاکہ اس کے ضرر سے بھی بچا جاسکے البتہ اگر اس عمل سے اس کی مدافعت لازم آئے تو درست نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِقْتِصَادِ فِي الْحُبِّ وَالْبُغْضِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَمْرٍو الْكَلْبِيُّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أُرَاهُ رَفَعَهٗ قَالَ أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَّا عَسَى أَنْ

ابوکریب، سوید بن عمرو کلبی، حماد بن سلمہ، ایوب، محمد بن سیرین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے (راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال کہ انہوں نے مرفوعاً بیان فرمایا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا معاملہ رکھو۔ شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے اور دشمن کے

يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَيُّوبَ بِإِسْنَادٍ غَيْرِ هٰذَا رَوَاهُ الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ وَهُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ أَيْضًا بِإِسْنَادٍ لَهُ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالصَّحِيحُ عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوفٌ

ساتھ دشمنی میں بھی میانہ روی ہی رکھو کیونکہ ممکن ہے کہ کل وہی تمہارا دوست بن جائے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ یہ حدیث ایوب سے بھی ایک اور سند سے منقول ہے۔ حسن بن ابی جعفر بھی اسے نقل کرتے ہیں۔ یہ بھی ضعیف ہے۔ حسن بھی اپنی سند حضرت علیؓ کے حوالے سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت علی پر موقوف ہے۔

تشریح: **أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا:** ''احبب'' باب افعال سے امر کا صیغہ ہے ''ھونا'' منصوب ہے اور ''احبابًا'' مصدر محذوف کی صفت ہے ''ماعسی'' میں ما تقلیل کے لئے ہے عبارت اس طرح ہوگی ''ای احبب احبابا ھونا قلیلًا بمعناہ حبا مقتصدًا لا افراط فیه ''یعنی کسی مسلمان کے ساتھ اگر محبت و دوستی ہو تو درمیانی درجہ کی ہو اس میں ایسا افراط نہ ہو کہ اس کو تمام راز کی باتیں کھول کر بتادی جائیں پھر کل وہ محبت دشمنی میں بدل جائے تو وہ تمہارے سب راز کھول کر رکھ دے اسی طرح کسی دشمن سے دشمنی بھی ایسی ہو کہ اس میں افراط نہ ہو تا کہ کل کلاں اگر دوبارہ ملنا چاہے تو مل سکے اور ملاقات کے وقت اس سے شرمندگی نہ ہو۔

اور اسی طرح دوستی میں تفریط بھی نہ ہو کہ آدمی دوستی کا دعویٰ تو کرے لیکن اس کے حقوق پس پشت ڈال دے اور اس کے حال احوال کی خبر تک نہ لے ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی دوستی میں نہ افراط ہو اور نہ ہی تفریط ہو بلکہ میانہ روی ہو جیسا کہ حدیث الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت و بغض کے حدود کو متعین کر کے حسن معاشرت کے اہم اصول کو بیان فرما دیا۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: اس سند کے ساتھ تو یہ روایت غریب ہے البتہ ایوب نے دوسری متعدد سندوں کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ روایت غریب نہیں رہتی۔

رَوَاهُ الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ: حسن بن ابی جعفر نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے جس کی تخریج دارقطنی نے افراد میں اور ابن عدی نے الکامل میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكِبْرِ

کِبر: امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ کبر استکبار اور تکبر تینوں متقارب المعنی ہیں۔ کبر نفس کی وہ عادت ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے کو دوسروں سے فائق اور برتر سمجھتا ہے اور اس میں وہ اپنے لئے لذت بھی محسوس کرتا ہے۔ کبر کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے ایک اپنا رتبہ اور دوسرا کسی اور شخص کا رتبہ۔ اپنے رتبہ کو دوسرے کے رتبہ سے فائق سمجھنا جبکہ عجب میں دوسرے شخص کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات انسان اپنے اندر کسی فن کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اسے خود پسندی کہتے ہیں اور عجب بھی کہتے ہیں باقی رہا یا یہ دینی کاموں میں ہوتا ہے جبکہ عجب و تکبر امور دینی و دنیاوی دونوں میں پائے جاتے ہیں۔

کبر اور تکبر میں فرق: بعض حضرات نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اگر بڑائی کا اثر اعضاء و جوارح پر ظاہر ہو تو تکبر ہے

اور اگر دل میں ہوتو کبر ہے۔

تکبر کی دو قسمیں ہیں: **اول:** اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تکبر کرنا۔ **ثانی:** اللہ کے بندوں کے تعلق سے تکبر کرنا۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے گھمنڈ کرنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات نہ مانے اور ''بطر الحق'' حق کا انکار کرے۔

بندوں کے سامنے گھمنڈ یہ ہے کہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے حقیر جانے حالانکہ تمام انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں کسی انسان کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں لوگوں میں معزز وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی اور ذلیل وخوار وہی ہے جس کو اللہ رب العزت رسوا کریں۔

تکبر کے اسباب: حضرات علماء نے تکبر کے مختلف اسباب نقل کئے ہیں۔

اول: علم کی وجہ سے۔ عالم بہت جلد تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا عالم اور دوسروں کو جاہل سمجھتا ہے اس صورت میں عالم کے لئے یہ علم آفت ہے اس لئے فرمایا کہ حقیقی علم وہ ہے جس کے ذریعے عالم اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور علم حقیقی سے تواضع، خشوع اور خوف خداوندی پیدا ہوتا ہے جس کو یہ علم نصیب ہوتا ہے وہ بھی اپنے نفس کو بڑا نہیں سمجھتا بلکہ ہر شخص کو اپنے سے بڑا اور بہتر سمجھتا ہے۔

ثانی: عمل اور عبادت۔ بسا اوقات زاہد عبادت کرنے والا اپنے زہد اور عبادت کی وجہ سے خود پسندی میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اپنے آپ کو بہت نیک اور بزرگ سمجھنے لگتا ہے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے جیسے رذائل سے خالی نہیں ہوتا بسا اوقات دین و دنیا دونوں کے معاملات میں ان رذائل کا اظہار ہوجاتا ہے۔

ثالث: حسب ونسب۔ جو شخص عالی نسب ہو وہ اپنے آپ کو فلاں بن فلاں سمجھتا ہے اور جو لوگ عالی نسب نہیں مگر علم وعمل میں بڑھے ہوتے ہیں ان کو حقیر سمجھتا ہے۔

رابع: حسن و جمال بھی بسا اوقات انسان کو تکبر میں ڈال دیتا ہے یہ صفت عموماً عورتوں میں پائی جاتی ہے حسن و جمال کا عطیہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ کسی کی ذاتی چیز نہیں اس لئے اس پر فخر کرنا اور دوسروں کو حقیر جاننا کیسے روا ہوسکتا ہے۔

خامس: مال بھی انسان کو تکبر میں مبتلا کردیتا ہے کہ انسان دوسرے کو کچھ نہیں سمجھتا ہم چوں ما دیگرے نیست (کچھ تصرف کے ساتھ) ہم چوں ماڈنگر نیست کی مثل ہوجاتا ہے چونکہ وہ شخص اپنے غربت اور فقیری کے دن بھول جاتا ہے اور اس کو اپنا عیش وعشرت سامنے نظر آتا ہے تو وہ دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھنے لگ جاتا ہے۔

سادس: طاقتور انسان دوسروں کو کمزور اور لاغر سمجھنے لگ جاتا ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مترادف قانون ہے یہ طاقت کا عطیہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس کا شکر بجالانا چاہیے نہ کہ کمزوروں پر اس کو آزمانا چاہیے۔

سابع: کثرت انصار واعوان بعض لوگ اپنے طلباء، مریدین، متبعین، خدام وغیرہ کی کثرت کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

خلاصۃ المقال یہ ہے کہ تکبر اس نعمت اور چیز سے ہوتا ہے جسے انسان کمال سمجھتا ہے اگرچہ حقیقت میں کمال ہو یا نہ ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تکبر پر آمادہ کرنے والی یہ چیزیں ہیں۔ حسد، ریاء، عجب، کینہ۔

قرآن پاک واحادیث مبارکہ میں کبر کی مذمت: بہت ساری آیات کبر کی مذمت میں آئی ہیں۔

اول: ''ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق''

ثانی: ''یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار''

ثالث: ''واستفتحوا وخاب کل جبار عنید انہ لا یحب المتکبرین''

رابع: ''لقد استکبروا فی انفسھم وعتوا عتوًا کبیرًا''

خامس: ''ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین''

اور اسی طرح بہت ساری احادیث میں تکبر کی مذمت آئی ہے جیسا کہ اس باب کی احادیث میں آ رہا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَأَبِي سَعِيدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابو ہشام رفاع، ابوبکر بن عیاش، اعمش، ابراہیم، علقمہ، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جس شخص کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، سلمہ بن اکوع اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ: حدیث الباب کے اس جملے میں اشکال ہے کہ حدیث میں ہے کہ متکبر جنت میں نہیں جائے گا حالانکہ مؤمن تو جنت میں جائے گا اگرچہ تکبر بھی کر لے تو یہاں کیسے کہہ دیا کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

جواب اول: اس تکبر سے مراد کفر و شرک ہے۔ **جواب ثانی:** یا اس سے مراد حق کو قبول نہ کرنا اور ایمان کو قبول نہ کرنا ہے اور ظاہر ہے ایسا کرنا کفر ہے اور کفر خلود فی النار کا سبب ہے گویا اس میں اشارہ ہے کہ تکبر کافروں کی صفات میں سے ہے۔

جواب ثالث: عند البعض مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص غرور لیکر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اللہ پاک جب اس شخص کو جنت میں داخل کرنا چاہیں گے تو اس کے دل سے تکبر نکال دیں گے' کما فی القرآن ''ونزعنا مافی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین''۔

جواب رابع: یا جنت میں دخول سے مراد دخول اوّلی ہے کہ اولین سابقین کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔ (التعلیق الصبیح ج۵ ص۲۹۵)

اس کی مزید تفصیل آگے حدیث میں آ رہی ہے کہ تکبر ''**بطر الحق وغمط الناس**'' کے معنی میں ہے یعنی حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص حق کو ٹھکراتا ہے وہ مسلمان کہاں رہ سکتا ہے۔

وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ: حدیث الباب کے اس جملے میں اشکال ہے کہ حدیث میں آیا کہ ''لا یدخل النار من کان الخ'' کہ وہ آگ میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ عاصی ہو؟ کیونکہ جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہو اور وہ گناہگار بھی ہو تو اللہ تعالیٰ چاہے تو اس

کو عذاب دے سکتا ہے تو یہاں کیسے کہہ دیا کہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا ایسا شخص دوزخ میں کفار کی طرح ہمیشہ نہیں جلے گا بلکہ گناہ گار ہونے کی وجہ سے سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے نکل آئے گا۔ (مرقاۃ ج۹ ص ۳۰۷)

نیز یہاں ایمان سے مراد اصل ایمان نہیں بلکہ اس کے ثمرات ہیں جن کو فضائل واخلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے خواہ ان کا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبَانَ بْنِ تَغْلِبٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ يَعْنِي مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّهُ يُعْجِبُنِي أَنْ يَكُونَ ثَوْبِي حَسَنًا وَنَعْلِي حَسَنًا قَالَ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

محمد بن مثنی، عبداللہ بن عبدالرحمن، یحیی بن حماد، شعبہ، ابان بن تغلب، فضیل بن عمرو، ابراہیم، علقمہ، حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا میں پسند کرتا ہوں کہ میرے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں۔ (تو کیا یہ بھی تکبر ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے جبکہ تکبر یہ ہے کہ کوئی شخص حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: فَقَالَ رَجُلٌ: اس ''رجل'' سے کون مراد ہے۔

اول: بعض حضرات نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ ان سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

ثالث: اور بعض حضرات نے ربیعہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے (مرقاۃ ج ص ۳۰۷)

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ: ''ذرہ'' کی مراد میں دو قول ہیں ① یا تو چیونٹی مراد ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس جیسی سو چیونٹیاں مل کر ایک جو کے وزن کے برابر ہوتی ہیں ② یا وہ ریزہ وغبار مراد ہے جو ہوا میں باریک باریک اڑتا ہوا نظر آتا ہے اور سورج کی روشنی میں چمکتا دکھائی دیتا ہے نیز چونکہ آگ میں کبر ہے اور خاک میں عاجزی وانکساری ہے یہی وجہ ہے کہ باغات وکھیت یعنی سبزہ وغیرہ خاک میں لگتے ہیں آگ میں نہیں۔ اسی طرح ایمانی بہاریں عاجزی والے دل میں لگتی ہیں متکبر دل میں نہیں لگتیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ رجل کا مصداق مالک بن مرارۃ الرہاوی ہیں قاضی عیاضؒ نے بھی یہی فرمایا ابن عبدالبرؒ نے بھی اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

أَنْ يَكُونَ ثَوْبِي حَسَنًا: اس سائل کا مطلب یہ تھا کہ اچھے کپڑے اور اچھا لباس اور اچھا جوتا اور اچھا رہنا سہنا ہر

مسلمان پسند کرتا ہے تو کیا یہ بھی تکبر کے دائرے میں آتا ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں یہ تو زینت و جمال ہے اور جمال اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تکبر یہ ہے کہ انسان لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہوئے ان کی حق بات کو بھی جھٹلائے یعنی اصل تکبر اس خود پسندی اور غرور کا نام ہے جو انسان کو حق سے ہٹادے اور راہ اعتدال سے بھٹکا دے۔

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْجَمَالَ: ایک حدیث میں ''ان اللہ جمیل یحب الجمال'' بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں اور اپنے افعال وقدرت میں اوصاف کاملہ سے موصوف ہے اور تمام ظاہری و باطنی حسن و جمال اس کے جمال کا عکس ہیں اور بعض حضرات نے جمیل کے معنی آراستہ کرنے والے اور جمال بخشنے والے کے بیان کئے ہیں بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جمیل دراصل جلیل کے معنی میں ہے اس صورت میں اللہ جمیل کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام تر نور اور حسن و جمال کا مالک ہے نیز بعض حضرات نے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کا اچھا کارساز ہے۔ (مرقاۃ ج ص ۲۰۸)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتَّى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِينَ فَيُصِيبُهُ مَا أَصَابَهُمْ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ابوکریب، ابومعاویہ، عمرو بن راشد، حضرت ایاس بن سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے نفس کو اس کے مرتبے سے اونچا لے جاتا اور تکبر کرتا ہے تو وہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اسے بھی اسی عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس میں وہ مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ: ''بنفسه'' کی باء کے اندر دو احتمال ہیں۔ اول: حرف باء مصاحبت کیلئے ہو تو اس صورت میں اسکے معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا ہو کر کبر، غرور کی طرف بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ مغرور و متکبر ہو جاتا ہے۔ ثانی: اگر باء تعدیہ کیلئے ہو تو پھر اسکے معنی ہونگے ''ای یعلی نفسه ویرفعها ویبعدها عن الناس فی المرتبة'' یعنی اپنے نفس کو اونچے مرتبہ میں سمجھ کر لوگوں سے دور رہتا ہے اور اپنے آپ کو ہر ایک کے مقابلے پر بزرگ و برتر جانتا ہے۔ الحاصل ایسا شخص چونکہ خود کو غرور و تکبر میں مبتلا کر کے اپنے آپ کو سرکشوں کی فہرست میں شامل کر لیتا ہے اس لئے بالآخر اس کا نام متکبرین و جبارین کی فہرست میں لکھا جاتا ہے چنانچہ متکبرین و جبارین کو جو دنیوی ذلت مل چکی اور آئندہ ان کو اُخروی رسوائی ملے گی وہی دنیوی ذلت اور اُخروی رسوائی اسکو بھی ملے گی۔

فَيُصِيبُهُ: یہ نصب اور رفع دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس سے مراد دنیا کی بلیات اور آخرت کی عقوبات ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس کی طرف توجہ رکھنی چاہیے اگر نفس کا میلان کبر کی طرف نظر آئے تو فوراً اس کا علاج کرنا چاہیے ورنہ نفس آہستہ آہستہ متکبر ہو کر جہنم کی طرف لے جائے گا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنَ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ نَافِعٍ

علی بن عیسیٰ بن یزید بغدادی، شبابہ بن سوار، ابن ابی ذئب قاسم بن عباس، حضرت نافع بن جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت

بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ يَقُولُونَ لِي فِيَّ التِّيهُ وَقَدْ رَكِبْتُ الْحِمَارَ وَلَبِسْتُ الشَّمْلَةَ وَقَدْ حَلَبْتُ الشَّاةَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ هٰذَا فَلَيْسَ فِيهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْءٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

کرتے ہیں انہوں نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ مجھ میں تکبر ہے حالانکہ میں گدھے پر سوار ہوا۔ موٹی چادر لباس کے طور پر استعمال کی اور بکری کا دودھ دھویا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جس نے یہ کام کئے اس میں کسی قسم کا تکبر نہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: **الشَّمْلَةَ:** معمولی چادر جس کو بدن سے لپیٹ لیا جائے یا معمولی گدڑی جس کو جسم پر اوڑھا جائے۔

فَلَيْسَ فِيهِ مِنَ الْكِبْرِ شَيْءٌ: چونکہ یہ تینوں امور معمولی ہیں اور متکبرین ان سے بچتے ہیں اور اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھتے ہیں اور جس میں تکبر نہیں وہ ان امور کو بہت آسانی سے بجا لاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے متعلقہ امور خواہ معمولی ہوں خود انجام دینے چاہئیں اور اس میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے چونکہ اس میں کبر سے دوری ہے اور تواضع و انکساری کی خصلت پیدا ہوتی ہے جو پسندیدہ خصلت ہے لہٰذا معمولی سواری پر سوار ہونا، معمولی کپڑے پہننا، سادہ زندگی گزارنا، کبر سے دوری کیلئے علاج ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْخُلُقِ

ایمان کے بعد احادیث میں جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ اخلاق حسنہ ہیں ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان اخلاق حسنہ کو اپنائے اور اخلاق رزیلہ سے بچے کیونکہ بعثت نبوی کا ایک بڑا مقصد انسانوں کا تزکیہ ہے قرآن کریم میں ہے **ويزكيهم** پاکیزہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اخلاق رزیلہ سے پاک کرتے ہیں اور اخلاق حسنہ سے مزین کرتے ہیں حدیث میں ہے کہ "**بعثت لا تمم حسن الاخلاق**" میں اس واسطہ بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں یعنی تمام اچھے اخلاق امت کو سکھا دوں۔ حسن خلق کے بارے میں چند اقوال اور بھی ہیں۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "الخلق الحسن الخلق الكريم والبذلة والاحتمال"

امام شعبیؒ نے ح خلق کے بارے میں ارشاد فرمایا "حسن الخلق البذلة والعطية والبشر الحسن"

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے حسن خلق کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا کہ تو غصہ نہ کر اور کینہ نہ رکھ۔

نیز لوگوں کی ایذاء پر صبر کرنا بھی حسن خلق میں داخل ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، ابن ابی ملیکہ، یعلی بن مملک، ام درداء، حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی اس لئے کہ بے حیاء اور فحش گو شخص سے اللہ

حَسَنٍ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابوہریرہ، انس اور اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **مَا شَيْءٌ أَثْقَلُ:** جو شخص اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوگا اس کا کلام شیریں اور عمدہ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا اور قیامت کے دن اس کی قدر و منزلت ہوگی تو اس کا قول حسن نہایت وزنی ہوگا اس کے بالمقابل فحش کلام برا و مبغوض ہوگا اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے بلکہ فحش کلام دنیا میں بھی رسوائی کا باعث ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی رسوائی کا باعث بنے گا۔

الْبَذِيَّ: فحش اور ردی کلام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ اللَّيْثِ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

ابوکریب، قبیصہ بن لیث، مطرف، عطاء، ام درداء، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں یعنی قیامت کے دن حساب وکتاب کے وقت۔ بے شک خوش اخلاق آدمی اچھے اخلاق کے ذریعے روزہ دار اور نمازی کا درجہ پالیتا ہے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

تشریح: روایت کا حاصل یہ ہے کہ اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں اور صاحب حسن خلق خواہ وہ زیادہ عبادت کرنے والا نہ ہو نہ کثرت سے نفل نماز پڑھنے والا ہو اور نہ ہی کثرت سے نفل روزے رکھنے والا ہو مگر اپنے حسن اخلاق کی بنا پر اجر وثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے اس شخص کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے جو بکثرت نفلی نماز روزہ کا ادا کرنے والا ہو اس سے حسن اخلاق کی فضیلت معلوم ہوئی۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ قَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ هُوَ ابْنُ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَوْدِيُّ

ابوکریب محمد بن علاء، عبداللہ بن ادریس، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس عمل کی وجہ سے لوگ زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے خوف اور حسن اخلاق سے۔ پھر پوچھا گیا کہ زیادہ تر لوگ جہنم میں کن اعمال کی وجہ سے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا منہ (یعنی زبان) اور شرمگاہ کی وجہ سے۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ عبداللہ بن ادریس، یزید بن عبدالرحمن اودی کے پوتے ہیں۔

تشریح: الفم: اس سے مراد انسان کی زبان ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اس کا حجم اگرچہ مختصر ہے مگر اس کی اطاعت بھی زیادہ اور اس سے گناہ بھی زیادہ سرزد ہوتے ہیں ایمان اور کفر دونوں کی حقیقتوں کا اظہار اسی سے ہوتا ہے زبان سے جہاں اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہوتی ہے وہاں زبان سے اعلیٰ درجہ کی معصیت کا صدور بھی ہوتا ہے۔ زبان ہر چیز سے متعلق نفی و اثبات کرتی ہے زبان کا دائرہ اختیار بڑا وسیع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھل یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد السنتھم" زبان کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام دے اور سنت کی زنجیریں اس میں ڈال دے اور اس وقت آزاد کرے جب کوئی ایسی بات کرنی ہو جو دین و دنیا کے لئے مفید ہو۔ اور ہر ایسی بات سے پرہیز کرے جس سے ابتداءً یا انتہاءً برے انجام کی توقع ہو انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمانیاں زبان سے ہوتی ہیں جیسا کہ احادیث میں اس کے متعلق پڑھ چکے ہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ وہ چیز بتائیے جس کی وجہ سے لوگ دوزخ میں جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الاجوفان الفم والفرج"۔ دو کھلی چیزیں ایک منہ اور دوسری شرمگاہ۔

وَالْفَرْجُ: اس سے مراد شہوت فرج ہے جس کی وجہ سے بکثرت آدمی جہنم میں پہنچتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت جماع مصلحۃً رکھی ہے لیکن اس پر قابو رکھنے کا حکم دیا ہے جو شخص اس کو قابو نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ رکھے تو بے شمار آفتوں کی وجہ سے دنیا کو کھو بیٹھتا ہے اور دین بھی ضائع کر دیتا ہے شیطان کا آدھا لشکر شہوت ہے اور آدھا لشکر غضب ہے شہوت میں افراط و تفریط کی وجہ سے انسان عشق مجازی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا جس سے اس کو دنیا میں بھی رسوائی ملتی ہے اور آخرت میں بھی رسوائی ملتی ہے لیکن اگر شہوت شریعت و عقل کے تابع ہو تو مذموم نہیں مگر یہ نادر ہے اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہوت فرج کو اسباب دخول نار میں شمار فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ حَدَّثَنَا أَبُو وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوفِ وَكَفُّ الْأَذَى

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حسن خلق کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خندہ پیشانی سے ملنا بھلائی کے کاموں پر خرچ کرنا اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِحْسَانِ الْعَفْوِ

الاحسان: احسان کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو بھلائی پہنچانا تحفہ دینا یا کسی کا کوئی کام کر دینا یا کسی کو آرام پہنچانا یا ایسا کوئی کام کرنا جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو۔

اور عفو یہ ہے کہ آدمی اپنے متعلقین کی خردہ گیری نہ کرے ان کی نازیبا حرکتوں سے صرف نظر کرے اور ان کے اچھے کاموں کو سراہے اور ان کی تکلیف دہ باتوں سے درگزر کرے۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَمَحْمُودُ بْنُ

حضرت ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے

غَيْلَانَ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ الرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ فَلَا يَقْرِينِي وَلَا يُضَيِّفُنِي فَيَمُرُّ بِي أَفَأُجْزِيهِ قَالَ لَا أَقْرِهِ قَالَ وَرَأٰنِي رَثَّ الثِّيَابِ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ مَالٍ قَالَ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِيَ اللهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ قَالَ فَلْيُرَ عَلَيْكَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْأَحْوَصِ اسْمُهُ عَوْفُ بْنُ مَالِكِ بْنِ نَضْلَةَ الْجُشَمِيُّ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ أَقْرِهِ أَضِفْهُ وَالْقِرٰى هُوَ الضِّيَافَةُ

عرض کیا یارسول اللہ میں ایک آدمی کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمان نوازی نہیں کرتا پھر وہ میرے پاس سے گزرتا ہے کیا میں بھی اسی کے بدلے میں اسی طرح کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی میزبانی کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو پوچھا۔ تمہارے پاس مال ہے۔ میں نے عرض کیا ہر قسم کا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ اور بکریاں عطاء کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم پر اس کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوالاحوص کا نام عوف بن مالک بن نضلہ جشمی ہے۔ اقرہ کا مطلب اس کی مہمان نوازی کرو۔ قری ضیافت کے معنی میں ہے۔

تشریح: **فَلَا يَقْرِينِي:** اس کا مطلب ہے اطعام الطعام اور ضیافت سے مراد اپنے گھر وغیرہ میں ٹھہرانا خواہ کھانا بھی نہ کھلائے۔

أَقْرِهِ: اس سے مراد قری اور ضیافت دونوں ہیں جیسا کہ مصنفؒ نے اشارہ کیا ہے۔

رَثَّ الثِّيَابِ: بمعنی البذاذۃ نہایت معمولی لباس جس سے غربت وفقر معلوم ہو۔ معمولی سامان کو رث متاع کہا جاتا ہے۔

مِنْ كُلِّ الْمَالِ: ''ای بعض کل المال من الابل والغنم''۔ یہ بعض مال کا بیان ہے بعض روایات میں ''من الابل والبقر والغنم والخیل والرقیق'' واقع ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں امیر ہوں اور میرے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے۔

فَلْيُرَ عَلَيْكَ: پس چاہیے کہ وہ آپ پر نظر آئے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر ظاہر ہونا چاہیے جب اللہ رب العزت نے عزت دی، مال دیا تو اس کو ظاہر ہونا چاہیے ایک حدیث میں ہے ''ان اللہ یحب ان یری اثر نعمتہ علی عبدہ'' کہ اللہ پسند کرتے ہیں کہ اپنی نعمتوں کا اثر اپنے بندوں پر دیکھیں۔ ''یُرَ، یری'' کا مجہول ہے آخر میں یاء جزم کی وجہ سے گرگئی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جُمَيْعٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُونُوا إِمَّعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ

ابوہشام رفاعی، محمد بن فضیل، ولید بن عبداللہ بن جمیع، ابوطفیل، حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ہر ایک کی رائے پر نہ چلو یعنی یوں نہ کہو کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے بلکہ اپنے آپ پر اعتماد واطمینان رکھو، اگر لوگ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر برائی

تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوا فَلَا تَظْلِمُوا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

کریں تو ظلم نہ کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: لَا تَكُونُوا إِمَّعَةً: مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی میں کام کرنے والے نہ بنو۔

إِمَّعَةٌ: "أنا مع الناس" کا مخفف ہے اور شروع میں ہمزہ وصلی ہے اور "ة" مبالغہ کے لئے ہے۔

تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا: اگر لوگ ہم سے حسن سلوک کریں گے تو ہم بھی لوگوں سے حسن سلوک کریں گے اگر لوگ ہم سے ظلم کریں گے تو ہم بھی لوگوں سے ظلم کریں گے یہ "امّعۃٌ" کی تفسیر ہے۔

وَلٰكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ: بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پختہ کرو یعنی اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ تم سے حسن سلوک کریں تو تب بھی لوگوں سے حسن سلوک کرو اور اگر وہ بدسلوکی کریں تو تم ان کے ساتھ پھر بھی حسن سلوک کرو۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے "احسن الی من اساءك" کہ جو تم سے برائی کرے اس کے ساتھ بھی تم اچھائی کرو۔ اور کمال بھی اسی میں ہے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ اچھائی کی جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں "ان تحسنوا" کا تعلق "وطنوا" سے ہے اور جواب شرط محذوف ہے "يدل عليه أن تحسنوا و التقدير وطنوا انفسكم على الاحسان ان احسن الناس فاحسنوا و ان اساء وافلا تظلموا" چونکہ عدم ظلم بھی احسان ہے۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ "فلاتظلموا" میں ظلم سے مراد اگر زیادتی ہے یعنی جس قدر بدلہ لینے کا حق ہے اس سے زیادتی کرنا تو حدیث شریف آیت شریفہ "وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به" کے موافق ہے۔ اور اگر اس سے مراد صرف ظلم ہو یعنی صرف بدلہ لینا تو پھر حدیث شریف میں احسان کی تعلیم ہے کہ اگر کسی نے ظلم کیا تو تم اس سے بدلہ نہ لو بلکہ معاف کردو "واعفوا واصفحوا لاتحبون ان يغفر الله لكم والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس" کے پیش نظر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْإِخْوَانِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ أَبِي كَبْشَةَ الْبَصْرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ السَّدُوسِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو سِنَانٍ الْقَسْمَلِيُّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سَوْدَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ

محمد بن بشار، حسین بن ابوکبشہ بصری، یوسف بن یعقوب سدوسی، ابوسنان قسملی، عثمان بن ابوسودہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے یا کسی دینی بھائی سے ملاقات کرے تو ایک اعلان کرنے والا بلائے گا اور کہے گا کہ تمہیں مبارک ہو تمہارا چلنا مبارک ہو۔ تم نے

وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَأَبُو سِنَانٍ اسْمُهُ عِيسَى بْنُ سِنَانٍ وَقَدْ رَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا

جنت میں اپنے ٹھہرنے کی جگہ بنالی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسنان کا نام عیسیٰ بن سنان ہے۔حماد بن سلمہ ابورافع سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس میں سے کچھ حصہ نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کے حقوق میں سے ایک حق ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مریض کی عیادت کرو یہ بڑی فضیلت کی بات ہے اللہ تعالیٰ کا منادی اس کو دنیا و آخرت کی خوش عیشی پر مبارک باد دیتا ہے۔ فضیلت عیادت کے لئے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: ''اذا عاد الرجل المريض خاض فی الرحمة فاذا قعد عنده انغمس فيها''۔

ایک اور روایت میں ہے''من اتى اخاه المسلم عائدًا مشى فی خزانة الجنة حتى يجلس فان كان غدوةً صلى عليه سبعون الف ملك حتى يمسى وان كان مسى صلى عليه سبعون الف ملك حتى يصبح''۔

ان طبت: یہ دعا دنیا و آخرت کی خوش عیشی کے لئے ہے۔''طاب ممشاك'' یہ مصدر ہے یا ظرف مکان یا زمان ہے یعنی یہ چلنا جہاں تو جا رہا ہے یا جس زمانہ میں جا رہا ہے یہ سب قابل مبارک باتیں ہیں یعنی اس کا ذریعہ ہیں۔حاصل یہ ہے کہ خوش رہ اور تیرا چلنا اچھا ہو اور تو جنت میں اپنا مقام بنالے۔

وَتَبَوَّأْتَ: اس کے معنی''تهيات''یعنی تیار کرلیا تو نے''منزل ای منزلًا عظيمًا'' اس سے عیش آخرت کی طرف اشارہ ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: علامہ منذریؒ نے کہا حسن غریب مگر ہمارے موجودہ نسخوں میں حسن کا لفظ موجود نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَيَاءِ

قوله الحياء: لغت میں حیاء کے معنی شرمندگی کے آتے ہیں اس کی چند اصطلاحی تعریفیں درج ذیل ہیں۔

پہلی تعریف: ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں''فقال الحكماء هو تغير وانكسار يعترى الانسان من خوف ما يلام به''(مرقاۃ)

دوسری تعریف: ''وقال الجنيد حالة تتولد من رؤية الالاء والتقصير فی شكر النعماء'' یعنی حیاء اس حالت و کیفیت کا نام ہے جو اللہ کی بے شمار نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔(مرقاۃ)(التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۲۸۲)

تیسری تعریف:''وقال ذو النون الحياء وجود الهيبة فی القلب مع وحشة ما سبق منك الى ربك''(مرقاۃ)

چوتھی تعریف:''وقال الدقاق هو ترك الدعوى بين يدى المولى''(مرقاۃ) کہ حیاء اس کیفیت کا نام ہے جو آقا کے سامنے طلب سے باز رکھتی ہے۔ **پانچویں تعریف:** علامہ طیبیؒ نے فرمایا''خلق يمنع من التقصير فی حق ذى الحق''۔حیاء وہ فطری ملکہ ہے جو برائی سے اجتناب و کنارہ کشی پر آمادہ کرے اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی سے روکے(التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۲۸۲)

چھٹی تعریف:''الحياء انقباض النفس عن القبائح وتركها لذلك'' برائیوں سے نفس کا رک جانا اور برائیوں کو چھوڑ دینا

حیاء ہے۔(المفردات غرائب القرآن:۱۴۰)

ساتویں تعریف:"الحیاء ھو الخلق یمنع الشخص عن ارتکاب القبیح لاجل الایمان"

آٹھویں تعریف:"ھو ان لا یراك مولاك حیث نھاك" یہ تعریف حیاء طبعی اور حیاء شرعی دونوں کو شامل ہے۔

حیاء انسانی: وہ حیاء جو انسان میں پایا جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر اور حیاء ایمانی کا تعلق ایمان واسلام کے ساتھ ہے لہٰذا حیاء ایمانی مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔

سوال: اگر حیاء کسی کافر میں پایا جائے تو کیا وہ بھی مسلمان کہلائے گا کیونکہ حدیث میں حیاء کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

جواب: مسلمان کیلئے حیاء کا ہونا لازمی ہے لیکن ہر حیاء والے کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

حیاء کی تین قسمیں ہیں: **اول:** حیاء حشمت وعظمت جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق مسئلہ پوچھا اور خود سوال کرنے سے حیاء مانع تھا۔ **ثانی:** حیاء اجلال جیسے "تسربل اسرافیل بجناحیه حیاء من الله لاجلاله" الحاصل حیاء اس کیفیت کا نام ہے کہ قبیح کے ارتکاب کے انجام کے خوف سے اعضاء سکڑ جائیں اور آدمی ارتکاب قبیح سے پیچھے ہٹ جائے لیکن اگر جائز حق مانگنے میں ایک آدمی حیاء کرتا ہے اور شرم کے مارے اپنی بات یا اپنا حق چھوڑ دیتا ہے تو یہ حیاء نہیں بلکہ بزدلی ہے۔ **ثالث:** حیاء جنایت یعنی کوئی جنایت کا مرتکب ہو اور وہ اپنے مالک سے حیاء کرے جیسے حضرت آدم علیہ السلام گندم کا دانہ کھانے کے بعد ایک طرف بھاگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہاں بھاگ رہے ہو "قال حیاء منك یا الله"

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَعَبْدُ الرَّحِيمِ وَمُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِي النَّارِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي بَكْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابوکریب، عبدہ بن سلیمان، عبدالرحیم، محمد بن بشر، محمد بن عمرو، ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے۔ بے حیائی ظلم ہے اور ظلم جہنم میں لے جاتا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر ابوبکرہ، ابوامامہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قولہ اَلْحَيَاءُ: مطلب یہ ہے کہ شرم وحیاء ایمان کا رکن ہے دنیاوالوں سے حیاء دنیاوی برائیوں سے اور دین والوں سے حیاء دینی برائیوں سے روک دیتا ہے۔ اللہ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء تمام بداعمالیوں سے روک دیتا ہے ایمان کی عمارت اسی شرم وحیاء پر قائم ہے ایمان کے درخت کی جڑ اگرچہ مومن کے دل میں رہتی ہے مگر اس کی شاخیں جنت میں ہیں ان میں سے ایک شاخ حیاء ہے۔

قولہ وَالْبَذَاءُ: بے حیائی اور فحش گفتگو کو "البذاء" کہتے ہیں۔

قولہ الْجَفَاءُ: بدی، برائی اور جہالت کو "جفاء" کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جاہل اَن پڑھ، بدگو، بداخلاق اور فحش گفتگو کرنے والے آدمی میں حیاء نہیں ہوتی اس کا دل سخت ہوجاتا ہے سخت دل آدمی بے دھڑک زبان سے جو منہ میں آئے نکال دیتا ہے ایسا آدمی دوزخ میں

جائے گا یا تو ابدی طور پر مستحق ہونے کی وجہ سے یا خاص مدت تک کے لئے چونکہ جفاء وبذاء کا ذکر ایمان کامل یا مطلق ایمان کے مقابل ہے اس لئے ان صفات "جفاء" و "بذاء" سے متصف شخص بھی اہل کفران میں سے ہے یا اہل کفر میں سے ہے۔(مرقاۃ ج۹ص ۲۹۳)

شقاوت وبدبختی کی چند علامات ہیں: فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ شقاوت وبدبختی کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) قسوۃ فی القلب ،(۲) جمود العین (۳) قلت حیا (۴) رغبۃ فی الدنیا (۵) طول الامل ۔ بہر حال روایت الباب میں حیاء کی فضیلت اور بے حیائی کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حیاء عجیب چیز ہے اگر مخلوق سے حیاء ہوگی تو کوئی ایسی حرکت نہ ہوگی جس کو مخلوق پسند نہ کرتی ہو اگر خالق سے حیاء ہوگی تو ان افعال سے اجتناب ہوگا جو خالق کے نزدیک ناپسند ہیں۔

مخلوق سے حیاء کرنا تو امر طبعی ہے البتہ خالق سے حیاء کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وقت تنہائی کا مقرر کر کے بیٹھے اور اپنا محاسبہ کرے اپنی نافرمانیاں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد کیا کرے چند روز میں حیاء کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّأَنِّي وَالْعَجَلَةِ

تأنّي: ترک استعجال کو کہتے ہیں یعنی متانت اور وقار اختیار کرنا عجلت وجلدی نہ کرنا جس سے سنجیدگی ختم ہو جائے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَرْجِسَ الْمُزَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالِاقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

نصر بن علی، نوح بن قیس، عبداللہ بن عمران، عاصم احول، حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھی خصلتیں، آہستہ آہستہ کام کرنا اور میانہ روی اختیار کرنا، نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: السَّمْتُ الْحَسَنُ: "ای السیرۃ" دائمی اچھی عادت۔

قوله وَالِاقْتِصَادُ: "أی التوسط فی الاحوال و التحرز عن طرفی الافراط والتفریط" یعنی ہر کام میں میانہ روی اختیار کرنا اور افراط وتفریط سے بچنا۔ مثال کے طور پر خرچ کرنے میں نہ تو اسراف کرنا اور نہ بخل کرنا بلکہ درمیانی طریقہ جود وسخاوت اختیار کرنا نیز میانہ روی بعض اچھی ہوتی ہے اور بعض بری۔ حدیث الباب میں اچھی میانہ روی مراد ہے۔ ملا علی قاریؒ نے بعض عارفین کا قول نقل کیا ہے کہ علم وہ اچھا ہے جو درمیانہ ہو کہ عمل سے نہ روکے اور عمل وہ اچھا ہے جو درمیانہ ہو کہ علم سے نہ روکے۔(مرقاۃ ج۹ص ۲۸۰)

الحاصل میانہ روی ہر چیز میں اچھی ہے کمانے میں، خرچ کرنے میں، اکل وشرب میں الغرض زندگی کے ہر شعبے میں حتیٰ کہ نوافل عبادات میں۔ اسی وجہ سے ایک حدیث میں ارشاد ہے "خیر الامور اوسطها" نیز میانہ چال چلنے والا مواظبت بھی

کر سکتا ہے اور نیکی وہی اچھی ہوتی ہے جو مواظبت کے ساتھ کی جائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "**خیر الاعمال ادومھا وان قل**" کہ نیکی وہی بہتر ہے جس میں ہمیشگی ہو اگرچہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔

جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ: ہوسکتا ہے کہ مذکورہ تینوں اشیاء مل کر نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء کا درجہ رکھتی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مذکورہ تین چیزوں میں سے ہر چیز چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء ہو۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشیاء انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک عادات میں سے تھیں اور یہ ان کے فضائل میں سے تھیں تم کو بھی چاہیے کہ تم ان انبیاء کرام علیہم السلام کی ان اشیاء وفضائل میں پیروی واقتداء کر لو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص میں یہ خصلتیں آگئیں وہ نبی کے درجہ میں پہنچ جائے گا (فالعیاذ باللہ) (مرقاۃ ج۹ ص۲۸۱)۔

باقی چوبیس کا عدد تکثیر کیلئے ہے تحدید کیلئے نہیں چنانچہ دوسری روایات میں پچیس کا عدد مذکور ہے یا یوں سمجھ لیں کہ عدد کا بیان کرنا شارع کے علم اور حکمت پر موقوف ہے ہم نہ اس میں دخل اندازی کر سکتے ہیں اور نہ کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ بعض شراح کا کہنا ہے کہ عددوں کا یہ تفاوت ممکن ہے کہ راویوں سے ہو گیا ہو۔ (مرقاۃ ایضا)

سوال: اس حدیث الباب میں چوبیس کا ذکر ہے جبکہ ابوداود شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الھدی الصالح والسمت والاقتصاد جزءٌ من خمس وعشرین جزءًا من النبوۃ**"۔ اس میں پچیس اجزاء کا ذکر ہے تو دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اول: اس سے مقصود کثرت اجزاء کو بیان کرنا ہے اس کی حد مقرر کرنا مقصود نہیں۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ اختلاف ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والوں کے احوال کے اعتبار سے کم وکیف کے اعتبار سے ہے۔

جواب ثالث: بعض حضرات کے نزدیک ان احادیث میں تفاوت وفرق کسی راوی کے وہم وخطا میں مبتلا ہو جانے کی بنا پر ہے۔

جواب رابع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی موقع پر چوبیس کا ذکر فرمایا اور کسی موقع پر پچیس کا۔

جواب خامس: پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوۃ کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ مہربانی ان خوبیوں کا ایک درجہ اور بڑھایا اور فرمایا یہ خوبیاں نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہیں۔

جواب سادس: ماقبل حدیث میں جن تین خوبیوں کا ذکر فرمایا وہ تین خوبیاں مل کر چوبیس اجزاء میں سے ایک جزء کا درجہ پاتی ہیں اور اس حدیث میں جن تین خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ مل کر پچیس اجزا میں سے ایک جزء کا درجہ پاتی ہیں لہذا اس صورت میں دونوں کے اندر کوئی تعارض نہیں۔

جزو نبوت ہونے کی وضاحت: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ ان امور کے جزو نبوت ہونے کا مطلب کسی کو معلوم نہیں اس کی مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ان امور ثلاثہ کے ساتھ انبیاء علیہ السلام متصف ہوتے ہیں اور یہ ان کی عادات میں سے ہیں لہذا یہ تینوں امور

فضائل کے اعتبار سے بہت اچھے ہیں جس میں یہ باتیں پائی جائیں گی اس کو انبیاء کے فضائل کے اجزاء میں سے ایک جزء حاصل ہوگا۔

یہ امور ثلاثہ ایسے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ان کی دعوت دی ہے لہذا ان اوصاف کے ساتھ متصف ہونے والا انبیاء علیہم السلام کی طرف داعی کہلائے گا۔

بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس شخص میں یہ امور پائے جائیں گے اس سے لوگ تعظیم وتکریم کے ساتھ ملاقات کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو لباس تقویٰ سے آراستہ فرمائیں گے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو آراستہ فرمایا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَاصِمٍ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ

ہم سے روایت کی قتیبہ نے وہ نوح بن قیس سے وہ عبداللہ بن عمران سے وہ عبداللہ بن سرجس سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ اس سند میں عاصم کا ذکر نہیں۔ صحیح حدیث نصر بن علی ہی کی ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت بطریق قتیبہ بھی مروی ہے مگر اس میں عاصم احول کا واسطہ نہیں ہے اس لئے یہ صحیح نہیں بلکہ نصر بن علی کے طریق سے جس طرح یہ روایت منقول ہے وہ صحیح ہے اس میں عاصم احول کا ذکر موجود ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَزِيعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْأَشَجِّ الْعَصَرِيِّ

محمد بن عبداللہ بن بزیع، بشر بن مفضل قرہ بن خالد، ابی جمرہ، حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدقیس کے قاصد اشج سے فرمایا تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ بردباری اور سوچ سمجھ کر کام کرنا (یعنی جلد بازی نہ کرنا)۔ اس باب میں اشج عصری سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: قَالَ لِأَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ: ''وهو كان رئيس عبدالقيس وهي قبيلة''۔ عبدالقیس ان کے بڑے دادا کا نام ہے جس کی وجہ سے یہ قبیلہ مشہور ہوا یا اس وفد کے بڑے سربراہ کا نام عبدالقیس تھا۔ اس وفد کے آنے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ راجح قول کے مطابق ایک دفعہ ۵ھ کو مدینہ منورہ آیا دوسری دفعہ ۹ھ کو آیا تھا۔ اور یہ چالیس افراد پر مشتمل تھا بہر حال مدینہ پہنچ کر وفد کے لوگ جلدی جلدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اشج نے پہلے سامان سنبھالا پھر غسل کر کے عمدہ کپڑے تبدیل کئے پھر اطمینان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوا دو رکعت نوافل ادا کرنے کے بعد دعا مانگی پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف کی کہ تیرے اندر دو خصلتیں ہیں۔

قولہ الْحِلْمُ: پہلی خصلت حلم وبردباری ہے۔ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ ظالم سے بدلہ لینے میں صبر سے کام لے پھر یہ گناہ کی معافی کیلئے استعمال ہونے لگا لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ کسی کام میں جلدی نہ کرنا بلکہ اس کے مصالح پر غور وفکر کرنا۔

قولہ وَالْأَنَاةُ: یہ دوسری خصلت ''اناۃ'' ہے ''اناۃ'' کا ایک معنی بعض حضرات نے وقار اور سنجیدگی سے کیا ہے اور بعض

حضرات نے طاعات کے اندر ثابت قدمی مراد لی ہے اور بعض حضرات نے سخاوت مراد لی ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ مستقبل کے بارے میں بہتر سوچ رکھنے کو ''اناۃ'' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے جب ان دو خصلتوں کی تعریف کی تو اس نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ خصلتیں خلقی ہیں یا کسبی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ خصلتیں خلقی ہیں اس پر اشج نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری تخلیق میں ایسی دو خصلتیں رکھیں جو اس کو پسند ہیں اور شکر ہے کہ یہ دونوں خصلتیں تخلیقی ہیں مصنوعی نہیں وگرنہ ان کے زائل ہونے کا خدشہ رہتا۔

الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ: یہ منصوب سے بدل ہونے کی وجہ سے یا مرفوع ہے مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حلم سے مراد عقل ہے اور اناۃ سے مراد وقار و متانت اور سنجیدگی ہے۔ حضرت حسنؒ بصری فرماتے ہیں کہ مومن بردبار، سنجیدہ اور پروقار ہوتا ہے رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں جو ہاتھ لگا اٹھالیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمُهَيْمِنِ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَنَاةُ مِنَ اللهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ بْنِ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلٍ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

ابومصعب مدینی، عبدالمہیمن بن عباس، حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کام میں جلد بازی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ بعض اہل علم نے عبدالمہیمن بن عباس کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اور انہیں حافظہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

تشریح: وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ: جلد بازی شیطان کی خصلت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی دنیاوی کام میں غور و فکر نہ کرنا اور اس کے انجام پر غور و فکر کئے بغیر جلدی جلدی اس کو شروع کر دینا چونکہ شیطان اس میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے جس سے شیطان کا مقصد اس کے کام کو خراب کرنا اور اس کو پریشانیوں میں مبتلا کرنا ہوتا ہے اس لئے یہ مذموم ہے لیکن اس سے وہ دینی امور مستثنیٰ ہیں جن میں آگے بڑھنے کو ثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ویسارعون فی الخیرات، وسارعوا الی مغفرۃ'' ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ طاعات و عبادات میں جلدی کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ طاعت و عبادت کی ادائیگی کی طرف سرعت و جلدی کو اختیار کرنا اور دوسرا یہ کہ اس عبادت و طاعت کو کرتے وقت جلد بازی کرنا دونوں میں فرق ہے پہلی صورت ممدوح ہے اور دوسری مذموم ہے۔ اس کو آسان مثال سے یوں سمجھ لیں کہ ایک ہے نماز کیلئے جلدی کرنا اور دوسرا ہے نماز میں جلدی کرنا کہ جلدی جلدی چار ٹھونگیں مار کر نماز سے فارغ ہو جانا۔ اس میں دوسری صورت مذموم ہے پہلی صورت ممدوح ہے۔

وَقَدْ تَكَلَّمَ فِي عَبْدِ الْمُهَيْمِنِ: عبدالمہیمن یہ سہل بن سعد الساعدی کے پوتے ہیں۔ مومن کامل اور متقی پرہیزگار تھے اور عادل وثقہ ہیں لیکن بعض حضرات نے ان پر یہ طعن کیا ہے کہ یہ ثقہ راوی نہیں ان کا حافظہ کمزور تھا۔ (مرقاۃ ج ص ۲۷۹)

قوله الرفق بالکسر: سختی کی ضد ہے عاجزی و انکساری اختیار کرنا اور اپنے ساتھیوں کیلئے مہربان اور نرم خو ہونا رفق کہلاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّفْقِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، ابن ابی ملیکہ، یعلی بن مملک، ام درداء، حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو نرمی سے حصہ دیا گیا اسے بھلائی سے حصہ دیا گیا اور جسے نرمی کے حصہ سے محروم رکھا گیا۔ اسے ہر بھلائی سے محروم رکھا گیا۔ اس باب میں حضرت عائشہ، جریر بن عبداللہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: الرِّفْقِ: یہ عنف کی ضد ہے کسرہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اپنے دوست احباب کے ساتھ نرمی والا برتاؤ کرنا۔
مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ: اعطی مجہول کا صیغہ ہے "حظہ" یہ مفعول ثانی ہے "ومن حرم" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے۔ نرمی اور سختی کا دائرہ وسیع ہے اپنے گھر والوں، پڑوسیوں اور دوست احباب کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اس کے بارے میں احادیث میں بہت فضیلت آئی ہے۔ چند احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ مسند احمد میں روایت ہے "اذا احب اللّٰہ اھل بیت ادخل علیھم الرفق"۔

طبرانی میں روایت کے یہ الفاظ ہیں "اذا احب اللّٰہ عبدا اعطاہ اللّٰہ الرفق ما من اھل بیت یحرمون الرفق الا حرموا محبۃ اللّٰہ تعالیٰ"۔ "مسند احمد میں دوسری روایت موجود ہے "ان للّٰہ اعطی علی الرفق ما لا یعطی علی الخرق"
مسلم شریف میں روایت ہے "ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق و یعطی علیہ ما لا یعطی علی العنف"۔
مسند احمد میں ایک اور روایت ہے "یا عائشۃ ارفقی فان اللّٰہ اذا اراد باھل بیت کرامتہ دمھم علی الرفق"۔
ایک روایت ماقبل میں گزر چکی ہے۔ "یا عائشۃ علیك بالرفق لا یدخل فی شئ الا زانہ ولا ینزع من شئ الا شانہ"
اور ایک روایت میں یہ ذکر کیا گیا کہ علم مومن کا دوست، حکم اس کا وزیر، عقل اس کی راہ نما، عمل اس کا نگران، رفق اس کا باپ، نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کی تمام اشیاء کا امیر ہے۔
حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے رفقاء سے پوچھا جانتے ہو رفق کیا چیز ہے؟ پھر خود فرمایا ہر امر کو اس کے موقع کے اصول میں رکھنے کا نام رفق ہے ضرورت پڑے تو سختی کرے اور نرمی کی ضرورت ہو تو نرمی برتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَعْوَةِ الْمَظْلُومِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ

ابوکریب، وکیع، زکریا بن اسحاق، یحیی بن عبداللہ بن صیفی،

إِسْحٰقَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَعْبَدٍ اسْمُهُ نَافِذٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيدٍ

ابومعبد، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا مظلوم کی بددعاء سے ڈرنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابومعبد کا نام نافذ ہے۔ اس باب میں حضرت انس، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: **بَعَثَ مُعَاذَ:** جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر یہ وصیت کی کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ بسا اوقات حاکم سے زیادتی ہو جاتی ہے۔

اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ: یہاں مظلوم سے عام مراد ہے اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا ظلم ہوا ہو۔

لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ: اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا اس کی دعا جلد قبول ہوتی ہے یہ سرعت اجابت دعا سے کنایہ ہے اور مراد یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا ضرور قبول ہوتی ہے اس کی دعا کی قبولیت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے بلکہ مظلوم کی بددعا کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جاتا ہے چونکہ مظلوم دل کی گہرائی سے بددعا کرتا ہے اس کا دل ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کی دعا اللہ تعالیٰ جلدی سنتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ لِمَ تَرَكْتَهُ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَمَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ

قتیبہ، جعفر بن سلیمان ضبعی، ثابت، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا۔ نہ میرے کسی کام کو کر لینے کے بعد فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے کسی کام کو چھوڑ دینے پر مجھے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے بہتر اخلاق والے تھے۔ میرے ہاتھوں نے کوئی کپڑا، ریشم یا کوئی بھی چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں چھوئی اور نہ ہی کوئی ایسا عطر یا مشک سونگھا جس کی خوشبو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک

رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَاب سے زیادہ ہو۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور براء رضی اللہ عنہما عَنْ عَائِشَةَ وَالْبَرَاءِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: عَشْرَ سِنِيْنَ: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن خلق کی ایک جامع ترین حدیث بتا رہے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال تک رہے انسان ہونے کے ناطے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی غلطی یا خطا سرزد نہ ہوئی ہو یہ بات ناممکنات میں سے ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال خدمت کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اف نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہ کیا۔ کبھی خادم وغیرہ کو تنبیہ نہ کرنا انتہائی درجہ کی تواضع ہے

قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَهُ: یعنی اگر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شئ کا حکم فرماتے یا اس سے منع فرماتے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچپن ہونے کی وجہ سے اس کو سرانجام نہ دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق باز پرس نہیں کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ وہ امور تکلیفیہ نہیں تھے کیونکہ امور تکلیفیہ کو بجانہ لانے کی وجہ سے باز پرس ضروری ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باز پرس نہ فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتے تھے اور اس پر راضی رہتے تھے۔ باقی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی اس حدیث سے فضیلت معلوم ہو رہی ہے کہ وہ خدمت نبوی میں ایسا محتاط رہتے اور ایسا کام نہ کرتے جو قابل اعتراض ہوتا اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو وہ جان کر نہ ہوتی بلکہ بھول چوک سے ہوتی اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو نہ ٹوکتے۔

سوال: اس روایت میں دس سال کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایت میں ⑨ سال کا ذکر ہے تو دونوں روایتوں میں تعارض آ گیا۔

جواب: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خدمت نو سال چند ماہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے سال کے درمیان ہی حاضر ہوئے لہذا جس روایت میں ⑨ سال ہے وہ کسر کے حذف کے ساتھ ہے اور جس روایت میں دس سال ہے وہ کسر کے ساتھ ملا کر ہے۔

فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ: اف ہمزہ کے ضمہ اور فاء کی تشدید تنوین کے ساتھ اور بلا تنوین دونوں طرح ضبط کیا گیا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس میں دس لغات بیان کی ہیں۔

(۱) أُفَّ فا کے فتحہ کے ساتھ (۲) أُفُّ دونوں کے ضمہ کے ساتھ (۳) إِفِّ دونوں کے کسرہ کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کو تنوین کے ساتھ ذکر کریں تو یہ کل چھ صورتیں ہوئیں۔

(۷) أُفْ: ہمزہ کے ضمہ اور فا کے سکون کے ساتھ (۸) إِفَّ ہمزہ کے کسرہ اور فا کے فتحہ کے ساتھ۔

(۹) أُفِّيْ: یہ متکلم کے ساتھ۔ اف اور تف دونوں یہ ناخنوں کی میل کے لئے بولے جاتے تھے پھر ان کا استعمال ہر اس شئ کے لئے ہونے لگا جس کو برا سمجھا جائے اور یہ اسم فعل ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر و مونث سب کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔

علامہ ہرویؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایسی چیز جس سے تکلیف ہو اور گرانی ہو تو اس کے لئے لفظ اف استعمال کرتے ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ لفظ اظہار حقارت کے لئے ہے اور یہ ماخوذ ہے افف سے جس کے معنی شئ قلیل کے ہیں۔ قاموس فی اللغۃ میں ہے کہ اف کلمہ نکرۃ اففہ تافیفا و تأفف کے معنی اف کہنا اور اس میں چالیس لغات کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ: شممت میں دونوں لغات موجود ہیں کسرہ کے ساتھ بھی اور فتحہ کے ساتھ بھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو عطر اور مشک سے بڑھ کر تھی۔

سوال: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عطر کیوں استعمال فرماتے تھے؟

جواب: ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پسینہ کی خوشبو از خود معلوم نہ ہوتی ہو بلکہ دوسروں کو معلوم ہوتی ہو اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو استعمال کرتے تھے۔

جواب ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت پسینہ نہیں آتا تھا جب پسینہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خوشبو استعمال نہ کرتے اور جب پسینہ نہ آتا اس وقت خوشبو کا استعمال کرتے تھے۔

جواب ثالث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کا استعمال ایک سنت کے جاری و ساری رکھنے کی وجہ سے کرتے تھے تاکہ بعد میں آنے والے اس سنت پر عمل کرتے رہیں۔

جواب رابع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیاء کی سنت پر عمل کرتے تھے کہ ماقبل انبیاء علیہم السلام خوشبو استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماقبل انبیاء علیہم السلام کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔ ''قال اللہ تعالیٰ فبھدٰھم اقتدہ''۔

جواب خامس: اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ میں خوشبو تھی مگر بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات لطیف مخلوق یعنی فرشتوں کے ساتھ ہوتی تھی اس وجہ سے مبالغۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید خوشبو لگاتے تھے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيَّ يَقُولُ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ اللهِ الْجَدَلِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ وَيُقَالُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدٍ

محمود بن غیلان، ابو داؤد، شعبہ، ابو اسحاق، عبداللہ جدلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا تو ام المؤمنین نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کبھی فحش گوئی کرتے اور نہ ہی اس کی عادت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازاروں میں شور کرنے والے بھی نہ تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو عبداللہ جدلی کا نام عبد بن عبد ہے۔ انہیں عبدالرحمن بن عبد بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعی طور پر فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش باتیں کرتے تھے بعض لوگوں کی فطرت میں ایسا ہوتا ہے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ عادۃً

تو ایسے نہیں ہوتے البتہ مجلس کو گرم کرنے کے لئے فحش گوئی کا سہارا لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان دونوں کی نفی فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعاً فحش گو تھے اور نہ بتکلف فحش باتیں کرتے تھے۔

وَلَا صَخَّابًا فِي الْأَسْوَاقِ: اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں چلا کر باتیں کرتے تھے۔ بازار جانا مختلف مصالح کی وجہ سے ہوتا تھا اور بازار جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں لیکن بازار میں شور وشغب کرنا وقار کے منافی ہے آدمی کو چاہیے کہ سکون کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کر کے بازار سے لوٹ آئے چونکہ بازار میں عموماً شور وشغب ہوتا ہے پس جو شخص وہاں بھی سکون و وقار کے ساتھ رہتا ہے وہ ہر جگہ پرسکون رہتا ہے۔

وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت تکالیف پہنچائیں لیکن پھر بھی فتح مکہ کے دن ''لا تثريب عليكم اليوم'' فرما کر سب کے لئے معافی کا اعلان کر دیا۔ نیز ایک ہے عفو اور ایک ہے صفح کہ غلط کام کرنے والے کو سزا نہ دینا اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور نہ ہی برا بھلا کہنا اور نہ ہی شکوہ شکایت کرنا یہ معنیٰ ''يعفو'' کا ہے اور ''يصفح'' کا مطلب یہ ہے کہ دل سے غلطی کرنے والے کو معاف کرنا جو کچھ اس نے کیا اس کو بھول جانا دل کو اس کی طرف سے صاف کر لینا۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ الجدلی کا نام عبدالرحمن ہے یہ متہم بالتشیع ہے طبقہ ثالثہ کا راوی ہے

بَابُ مَا جَاءَ فِي حُسْنِ الْعَهْدِ

العهد: اس کے چند معانی بیان کئے جاتے ہیں یہاں وفا کے معنیٰ میں ہے کہا جاتا ہے ھو ثابت العھد وہ وعدہ کا پابند ہے۔ ابوعبید فرماتے ہیں کہ یہاں عہد سے مراد رعایت حرمت ہے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ کسی چیز کی مکمل حفاظت والتزام ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کسی شئ کی بار بار حفاظت کرنا ہے یہاں مراد یہ ہے کہ قدیم زمانہ کو یاد کرتے ہوئے حسن سلوک کرنا۔

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ أَدْرَكْتُهَا وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِكَثْرَةِ ذِكْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ فَيَتَتَبَّعُ بِهَا صَدَائِقَ خَدِيجَةَ فَيُهْدِيهَا لَهُنَّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

ابوہشام رفاعی، حفص بن غیاث، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی حضرت خدیجہؓ پر کی۔ حالانکہ میں نے ان کا زمانہ بھی نہیں پایا اور یہ سب اس لئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بہت یاد کیا کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بکری ذبح کرتے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو تلاش کرتے اور ان کے ہاں ہدیہ بھیجتے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: مَا غِرْتُ: یہ ماخوذ ہے غار یغار سے بمعنیٰ رشک کرنا۔ اسی طرح اس کا معنیٰ غیرت کرنا بھی ہے۔

مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ: ما موصولہ ہے یا ما مصدریہ ہے اور علی بمعنی مِنْ کے ہے یا علی سببیہ ہے۔
وَمَا بِي أَنْ أَكُونَ: یہ جملہ حالیہ ہے اور اس میں ما نافیہ ہے جبکہ شیخین کی روایت میں ملاد ایتھا ہے۔
وَإِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ: ان مخففه من المثقلة ہے۔
فَيَتَتَبَّعُ: "يطلب بها الشاة المذبوحة"۔ ذبح شدہ بکری کے اعضا گوشت تلاش کرتے۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کرتے اور اس کے حصے کرتے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے۔
صَدَائِقَ: صدیقہ کی جمع ہے اور اس سے مراد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہلیاں اور ان کی دوست ہیں
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اگرچہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ نہیں پایا لیکن میرے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تذکرہ اس قدر فرماتے تھے کہ مجھے ان پر غیرت آتی غیرت تو سوکنوں سے ہوتی ہے اور سوکنیں وہ بیویاں ہیں جو ایک ساتھ کسی کے نکاح میں موجود ہوں۔ یہاں پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ مقدم ہے لہذا ان سے غیرت کھانے کی کوئی وجہ نہیں بنتی اس کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان پر بہت زیادہ غیرت آتی تھی وجہ گزر گئی "الا لكثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها"۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں کہ آپ قریش کی ایک بوڑھی عورت کو یاد کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہتر بیوی دے دی ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ان سے بہتر بیوی نہیں ملی اللہ تعالیٰ نے مجھے ساری اولاد ان سے دی ہے۔ یا پھر "ماغرت" کا معنی ہے رشک کرنا حضرت عائشہ کے فرمان کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کا اتنا تذکرہ کرتے کہ مجھے حضرت خدیجہ پر رشک آتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَعَالِي الْأَخْلَاقِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا مُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ. قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارِينَ وَالْمُتَشَدِّقِينَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ

احمد بن حسن بن خراش بغدادی، حبان بن ہلال مبارک بن فضالہ، عبدربہ، بن سعید، محمد بن منکدر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور قریب بیٹھنے والے لوگ وہ ہیں جو بہترین اخلاق والے ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور دور رہنے والے لوگ وہ ہیں جو زیادہ باتیں کرنے والے، بلا سوچے سمجھے اور بلا احتیاط بولنے والے اور تکبر کرنے والے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! بہت باتونی اور زبان دراز کا تو ہمیں علم ہے (مُتَفَيْهِقُون) کون ہیں۔ آپ

قَالَ الْمُتَكَبِّرُونَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ الثَّرْثَارُ هُوَ كَثِيرُ الْكَلَامِ وَالْمُتَشَدِّقُ هُوَ الَّذِي يَتَطَاوَلُ عَلَى النَّاسِ فِي الْكَلَامِ وَيَبْذُو عَلَيْهِمْ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْمُبَارَكِ بْنِ فَضَالَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ وَهٰذَا أَصَحُّ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تکبر کرنے والے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ (الثَّرْثَارُ) بہت کلام کرنے والا۔ (مُتَشَدِّق) گفتگو کے ذریعے لوگوں پر فخر کرنے والا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ حدیث بواسطہ مبارک بن فضالہ، محمد بن منکدر اور حضرت جابرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی لیکن اس میں عبدربہ بن سعید کا واسطہ مذکور نہیں۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا: اخلاقاً منصوب علی التمیز ہے کثرت انواع کی بنا پر جمع کا صیغہ لایا گیا۔

الثَّرْثَارُونَ: ثرثر فی الکلام فضول بولنا، کثرت کلام، ثرثار کہتے ہیں بہت زیادہ بولنے والے کو۔

وَالْمُتَشَدِّقُونَ: ماخوذ فی المتشدق غیر محتاط کلام کرنا یا لوگوں سے استہزاء کرنا یا عمدہ گفتگو کرنے کے لئے باچھوں کو موڑنا۔ یا تشدق اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کے سامنے ڈینگیں مارے اور بدزبانی کرے۔

وَالْمُتَفَيْهِقُونَ: مزین اور پر تکلف کلام کرنا اور مراد اس سے متکبر لوگ ہیں۔

اکثر مدعیان خطابت کی عادت ہے کہ وہ کلام کو خوب بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں تمہیدات ومقدمات گھڑتے ہیں اور اسے سجع وقافیہ بندی سے ادا کرتے ہیں یہ تکلف وتصنع مذموم ہے ''متفیهقه'' کا معنی مبالغہ کرنے والا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسے فعلی تصنع مذموم ہے اسی طرح قولی تصنع بھی مذموم ہے۔

سند پر کلام: وَرَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ: بعض رواۃ نے اس حدیث کو عبدربہ بن سعید کے واسطے کے بغیر یوں نقل کیا ہے ''عن المبارك بن فضالة عن محمد بن المنكدر'' ۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ اصح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے مبارک بن فضالہ نے اولاً اس کو بواسطہ عبدربہ بن سعید بن محمد بن منکدر سے سنا ہو اور بعد میں بلا واسطہ اور روایت کو دونوں طرح سے نقل کرتے ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللَّعْنِ وَالطَّعْنِ

اللعن: باب فتح کا مصدر ہے اس کا معنی ہے لعنت کرنا، اللہ کا کسی کو خیر سے محروم کرنا۔ اصطلاحی معنی: اللہ کی رحمت اور ثواب سے دوری اور محرومی۔ سزا وعتاب میں گرفتاری کو کہتے ہیں۔

الطعن: یہ بھی باب فتح کا مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی کو طعنہ دینا کسی کی برائی کو بیان کرنا، عیب نکالنا وغیرہ۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زَيْدٍ

محمد بن بشار، ابوعامر، کثیر بن زیاد، سالم، حضرت ابن عمرؓ

عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ بعض راوی اسی سند سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ لعنت کرنے والا ہو۔

تشریح: لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا: لعان یہ صیغہ مبالغہ کا ہے اور مؤمن سے مراد کامل مؤمن ہے یعنی جو شخص کامل مؤمن ہوگا اس سے یہ فعل بار بار صادر نہیں ہوگا غیر کامل مؤمن سے بار بار اس فعل کا صدور ہو سکتا ہے۔

لعنت کے چند اسباب ہیں: کفر، بدعت، فسق

لعنت خواہ انسان کے لئے ہو یا حیوان و جمادات کے لئے ہو مذموم ہے ایک روایت میں ہے "ان اللعانین لا یکونون شفعاء ولا شهداء یوم القیامة"۔ اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس قوم نے ایک دوسرے پر لعنت کی وہ قوم عذاب الٰہی کی مستحق ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص زمین پر لعنت کرتا ہے تو زمین کہتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو ہم میں زیادہ نافرمان ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام پر لعنت کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا صدیق بھی لعنت کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں رب کعبہ کی قسم ہرگز نہیں پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس غلام کو فوراً آزاد کر دیا اور عرض کیا کہ میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الْغَضَبِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِي شَيْئًا وَلَا تُكْثِرْ عَلَيَّ لَعَلِّي أَعِيهِ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا تَغْضَبْ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو حَصِينٍ اسْمُهُ عُثْمَانُ

ابوکریب، ابوبکر بن عیاش، ابوحصین، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ سکھائیے لیکن زیادہ نہ ہوتا کہ میں یاد رکھ سکوں۔ فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے کئی مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح پوچھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ اس باب میں حضرت ابوسعید اور سلیمان صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث اس سند سے

بْنُ عَاصِمِ الْأَسَدِيُّ حسن صحیح غریب ہے اور ابوحصین کا نام عثمان بن عاصم اسدی ہے۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں لفظ کثرۃ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نفس غضب امر طبعی ہے جس کا وجود ضروری ہے البتہ اس کی کثرت مضر اور مذموم ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو بار بار غصہ نہ کرنے کی تلقین کیوں فرمائی: ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص میں کثرت غضب کا مرض ہے اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بار بار یہ نصیحت فرمائی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے حکیم ہیں ہر ایک کے لئے اس کے مناسب علاج تجویز کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ ہوا کہ اگر کسی شخص کے لئے غصہ ترک کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے تمام امور منہیہ کا ترک آسان ہو جائے گا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ترک غضب ہی پر اکتفاء فرمایا۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے اپنے چند گناہ جھوٹ، شرب خمر، زنا وغیرہ بیان کئے اور عرض کیا کہ ان کو ایک ساتھ چھوڑنا مشکل ہے البتہ ان کو ایک ایک کر کے چھوڑ سکتا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کذب کا حکم فرمایا حالانکہ دوسرے گناہ بھی کبائر تھے اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عہد کیا کہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور چلا گیا اب جا کر کسی گناہ کا ارادہ کرتا تو یہ خیال آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے فلاں گناہ کیا ہے تو جھوٹ بولنا پڑے گا جس کے چھوڑنے کا عہد کیا ہے اس ڈر اور خوف سے اس نے سب گناہ چھوڑ دیئے۔

فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا: شاید بار بار سوال کا منشا یہ ہو کہ غضب کا ترک تو مشکل ہے کسی دوسری بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرما دیں۔ یا غصہ کے بارے میں تھوڑی بہت اجازت دے دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مرض کی تشخیص فرما دی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بار بار ترک غضب کا حکم دیتے تھے۔

غضب کے درجات: اس حدیث کی رو سے غضب کے تین درجات ہیں۔ افراط، تفریط، اعتدال۔

تفریط یہ ہے کہ آدمی کے اندر یہ قوت باقی نہ رہے یا کمزور پڑ جائے یہ مذموم ہے کہ جہاں غصہ آنا چاہیے وہاں غصہ نہ آئے ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے۔

افراط یہ ہے کہ آدمی کے مزاج پر غصہ غالب ہو جب غصہ آئے تو عقل مغلوب ہو جائے دین کی اطاعت کی پرواہ نہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے کی پرواہ ہو۔ یہ حالت بھی مذموم ہے۔

غضب میں اعتدال یہ ہے کہ جہاں غصہ کی ضرورت ہو وہاں غصہ آنا چاہیے اور جہاں غصہ کی ضرورت نہ ہو وہاں غصہ نہ آئے۔

غضب مذموم کے آثار: جب انسان کو غصہ آنے لگتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور رنگ متغیر ہو جاتا ہے زبان پر گالی گلوچ کے اثرات آتے ہیں اور اعضاء مار پیٹ شروع کر دیتے ہیں اور دل میں کینہ، بغض اور حسد پیدا ہو جاتا ہے۔

غصہ کا علاج: اول: اخلاق رزیلہ کو دور کیا جائے اور اس کی حقیقت سے واقف ہو تا کہ اس سے نفرت پیدا ہو۔

ثانی: اپنے نفس کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور نفس کو بتائے کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اس سے کہیں زیادہ قدرت والا ہے۔

ثالث: اپنے آپ کو عداوت، انتقام اور دشمنی سے آنے والے مصائب ومشکلات سے ڈرائے۔

رابع: جس وقت غصہ آئے تو اس کے سبب پر غور کرے۔

خامس: جب غصہ آئے اس وقت اپنے چہرے کی بدصورتی کا تصور کرے۔

سادس: دوران غصہ یہ خیال کرے کہ میری سوچ یہ ہے کہ فلاں کام میری مرضی اور میری خواہش کے مطابق کیوں نہیں ہوا حالانکہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیے اس صورت میں تو انسان کی مرضی اعلیٰ ہوئی حالانکہ ہوگا وہی جو اللہ کی مرضی ہوگی۔ ''ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن''۔ **سابع:** زبان سے تعوذ پڑھ لے۔

ثامن: اپنی مجلس بدل دے کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہے تو لیٹ جائے زمین کے زیادہ قریب ہوتا جائے جس سے اس کو پیدا کیا اس سے تواضع پیدا ہوگی اور دل کو سکون ملے گا۔

تاسع: ٹھنڈے پانی سے وضو کرلے اگر وضو سے غصہ ختم نہیں ہوتا تو غسل کرلے کیونکہ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔

عاشر: نماز پڑھنے لگ جائے کیونکہ غصہ شیطانی اثر کی وجہ سے آیا ہے اور شیطانی اثرات نماز سے دور ہو جائیں گے یا غصہ کو پینے کے فضائل کا تصور کرے۔ ''تلك عشرة كاملة''۔

غصہ کی اقسام: احادیث میں غصہ کی چار اقسام بیان کی گئی ہیں۔

سریع الغضب سریع الفئ: ایسا غصہ جو فوراً آئے اور فوراً چلا جائے یہ صورت آنے والی دونوں صورتوں سے افضل ہے۔

بطئ الغضب بطئ الفئ: غصہ بہت دیر سے آئے اور دیر سے جائے۔ تیسری صورت سے کم مذموم ہے۔

سریع الغضب بطئ الفئ: غصہ بہت جلدی آئے اور دیر سے جائے یہ سب سے زیادہ مذموم ہے۔

بطئی الغضب سریع الفئی: دیر سے آئے اور جلدی چلا جائے۔ یہ سب سے افضل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَظْمِ الْغَيْظِ

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ حَدَّثَنِي أَبُو مَرْحُومٍ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنَفِّذَهُ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الْحُورِ شَاءَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

عباس بن محمد دوری، عبداللہ بن مزید مقری، سعید بن ابوایوب، ابومرحوم عبدالرحیم بن میمون، حضرت سہل بن معاذ بن انس جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص غصے کو ضبط کرلے حالانکہ وہ اس کے نفاذ پر قادر ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اسے اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے پسند کرلے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: ہمارے نسخوں میں یہ باب نہیں ہے البتہ مصری نسخوں میں موجود ہے۔ کظم الباب کے معنی ہیں دروازہ بند کرنا اور کظم الغیظ کے معنی ہیں غصہ نگل جانا۔

أن ینفذہ: نفاذ کرنا۔ **نفّذَ الحکم:** حکم پر عمل کرانا۔ **نفّذ القول:** بات کو عملی جامہ پہنانا۔ **نفّذ الغضب:** کسی پر غصہ اتارنا۔ غصہ کو پینے کی فضیلت کس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''**والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین** ''یعنی اللہ سے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو فراخی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو نگل جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔ جو شخص غصہ اتارنے پر قدرت رکھنے والا تھا اور اس کو نافذ کرنے کا اختیار بھی تھا لیکن اس نے غصہ نہیں اتارا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہے پسند کرلے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر تین باتیں ہوتی ہیں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔

اول: جب خوش ہو تو ایسے کام پر خوش نہ ہو جو غیظ ہو۔ **ثانی:** جب غصہ ہو تو حد سے تجاوز نہ کرے۔

ثالث: قدرت کے باوجود ایسی چیز نہ لے جو اس کی نہ ہو۔ بہرحال غصہ کو دبانا اور ختم کردینا عمدہ خصلت ہے۔ دنیا میں بھی اس کے بے شمار فوائد ہیں اور آخرت میں بھی درجات حاصل ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجْلَالِ الْكَبِيرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ بَيَانٍ الْعُقَيْلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الرِّجَالِ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هٰذَا الشَّيْخِ يَزِيدَ بْنِ بَيَانٍ وَأَبُو الرِّحَالِ الْأَنْصَارِيُّ آخَرُ

محمد بن مثنی یزید بن بیان عقیلی، ابورجال انصاری، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو نوجوان کسی بوڑھے کے عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے اس کی عزت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جوان کے لئے کسی کو مقرر فرمادیتا ہے جو اس کے بڑھاپے کے دور میں اس کی عزت کرتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف یزید بن بیان کی روایت سے جانتے ہیں۔ اور ابورحال انصاری اور راوی ہیں۔

تشریح: **مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ:** جو اپنے بڑھاپے کی وجہ سے بڑی عمر تک پہنچ جائے نہ کہ کسی اور امر کی بنا پر۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بوڑھے کا اکرام اس وجہ سے کیا کہ وہ ایمان کے اعتبار سے بھی سابق ہے اور اس کا علم وعمل بھی زیادہ عمر کی بنا پر زیادہ ہوگا۔

إِلَّا قَيَّضَ اللهُ: یاء کی تشدید کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت اکرام وتوقیر کرنے والا شخص متعین فرمادیتے ہیں۔ ''لانه من خَدَمَ خُدِمَ'' کہ جو خدمت کرتا ہے خدمت کیا جاتا ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: اس کی سند میں دوراوی عقیلی اور ابوالرجال ہیں جو ضعیف ہیں اس وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

وَأَبُو الرِّحَّالِ الْأَنْصَارِيُّ آخَرُ: ابو الرجال بالجيم وفي آخر الحديث بالحاء: حدیث کے شروع میں رجال جیم کے ساتھ ہے اور حدیث کے آخر میں حا کے ساتھ ہے۔ الرجال جیم کے ساتھ۔ یہ دوسرے راوی ہیں جن کی اصل کنیت ابوعبدالرحمن ہے اور طبقہ سابعہ کے ثقہ راوی ہیں اور جو اس حدیث کی سند میں آئے ہیں وہ ابوالرحال حاء مہملہ کے ساتھ ہیں یہ ضعیف ہیں یہ بصری ہیں ان کا نام محمد بن خالد یا خالد بن محمد ہے۔ اور یہ طبقہ خامسہ کے راویوں میں سے ہیں۔ ابوالرحال انصاری جو واقع ہے اس کا صحیح ضبط "رَحَّال" ہے۔ یہ بصری ہیں اور ہمارے نسخوں میں الرجال جیم کے ساتھ غلط لکھا ہوا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَهَاجِرِيْنَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُفَتَّحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ فِيهِمَا لِمَنْ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ إِلَّا الْمُتَهَاجِرَيْنِ يُقَالُ رُدُّوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوٰى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ ذَرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا وَمَعْنٰى قَوْلِهِ الْمُتَهَاجِرَيْنِ يَعْنِي الْمُتَصَارِمَيْنِ وَهٰذَا مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، سہیل بن ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان دنوں میں ان لوگوں کی بخشش کی جاتی ہے جو شرک کے مرتکب نہیں ہوتے۔ البتہ ایسے دو آدمی جو آپس میں (ناراض ہوکر) جدا ہو گئے ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں کو واپس کر دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کریں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض احادیث میں یہ الفاظ ہیں کہ ان دونوں کو صلح کرنے تک چھوڑ دو۔ (الْمُتَهَاجِرَيْنِ) کا مطلب ہے قطع تعلق کرنے والے۔ یہ اس حدیث کی طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرنا جائز نہیں۔

تشریح: تُفَتَّحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ: فتح ابواب سے مراد ہے کہ جنت کے دروازے اس کے لئے کھولے جاتے ہیں یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے کیونکہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ جنت موجود ہے۔ یا اس میں احتمال ہے کہ یہ کنایہ ہے ازالہء، مانع اور رفع حجاب سے یعنی جنت میں داخل ہونے کے موانع کو ہٹا دیا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ کنایہ ہے کثرت صفح وغفران سے اور رفع منازل اور اعطاء الثواب سے۔ کہ اللہ اسے معاف کر کے اونچے درجات اور ثواب عطا کرتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ فتح ابواب کے معنی اپنے ظاہر پر ہیں اور یہ مغفرت کے لئے علامت کے درجہ میں ہیں۔

يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ: یہ دونوں دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت نازل ہونے کے ہیں پس اس وجہ سے انہی دو دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں لوگوں کی طرف نازل ہوتی ہے۔

رُدُّوا هٰذَيْنِ: یہاں روایت میں ''ردوا'' کے الفاظ ہیں جبکہ مسلم شریف کی روایت میں ''انظروا'' کے الفاظ ہیں یعنی مہلت دے دو اور ان دونوں کی عدم مغفرت کا اعلان کر دو یا ان دونوں کی مغفرت کو مؤخر کر دو۔

حَتّٰى يَصْطَلِحَا: یعنی جب تک دونوں باہم آپس میں صلح نہ کرلیں اور ان دونوں کے درمیان جو بغض وعداوت ہے وہ زائل نہ ہو جائے اور باہم ایک دوسرے کے متعلق ان کے قلوب صاف نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک ان دونوں کی مغفرت کا اعلان نہ کیا جائے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صرف دکھاوے کے لئے صلح کرنا کافی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّبْرِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوهُ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ قَالَ مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ شَيْئًا هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوٰى هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَالِكٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَيُرْوٰى عَنْهُ فَلَمْ أَدَّخِرْهُ وَالْمَعْنٰى فِيهِ وَاحِدٌ يَقُولُ لَنْ أَحْبِسَهُ عَنْكُمْ

حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دے دیا۔ انہوں نے مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ دے دیا۔ اس کے بعد فرمایا میرے پاس جو کچھ مال ہوگا میں اسے تم سے روک کر ہرگز جمع نہیں کروں گا اور جو شخص بے نیازی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا۔ جو مانگنے سے بچے گا، اللہ تعالیٰ اسے سوال کرنے سے بچائے گا۔ جو صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق عطا فرمائے گا اور کسی کو صبر سے بہتر اور کشادہ چیز نہیں دی گئی۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مالک سے یہ حدیث (فَلَنْ أَدَّخِرَهُ) اور (فَلَمْ أَدَّخِرْهُ) کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔ معنی دونوں کا ایک ہے کہ تم سے روک کر نہیں رکھوں گا۔

تشریح: أَدَّخِرَهُ: یہ اصل میں ذال کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں جمع کرنا، ذخیرہ کرنا، اور ''ادّخر'' اصل میں ''اذتخر'' باب افتعال سے ہے وقت ضرورت کے لئے محفوظ کرنا، ذخیرہ کرنا، اسٹاک کرنا۔

يَسْتَغْنِ: استغناءً مالدار ہونا، بے نیاز ہونا، کسی چیز پر اکتفاء کرنا۔

يَسْتَعْفِفْ: استعفافًا پاکدامن ہونے کی خواہش رکھنا، پاکدامن بننا، بری اور ناجائز باتوں سے محفوظ رکھنا۔

يَتَصَبَّرْ: صبر سے کام لینا، صبر کا اظہار کرنا، برداشت کرنا۔

حدیث الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتیں ارشاد فرمائیں۔

(۱) **مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ**: میرے پاس جو بھی خیر ہوتی ہے اس کو میں اپنے پاس ذخیرہ کر کے نہیں رکھتا خیر سے مراد صرف مال نہیں بلکہ دنیا وآخرت کی ہر بھلائی مراد ہے۔ خواہ وہ علم دین ہو یا دنیاوی ساز وسامان، سب خیر کا مصداق ہے اور آگے "من خیر" یہ ماکا بیان ہے "فلن ادخرہ" ہو یا "فلم ادخرہ" دونوں صورتوں میں مراد ایک ہی ہے ماضی میں بھی ادخار کی نفی کرنا مقصود ہے اور مستقبل میں بھی کیونکہ جس نے ماضی میں ذخیرہ نہ کیا ہو وہ مستقبل میں کیا ذخیرہ کرے گا۔

(۲) **وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللهُ**: اور جو شخص مالداری ظاہر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مالدار بنا دیتے ہیں یا جو شخص غنا طلب کرتا ہے بایں طور کہ لوگوں کے اموال کی طرف نظر نہیں کرتا اور ان سے سوال کرنے سے بچتا ہے کہ لوگ اس کو غنی سمجھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی بالقلب بنا دیتا ہے۔ اور حقیقت میں غنیٰ بھی یہی ہے کما فی الحدیث "الغنٰی غنی النفس"۔

(۳) **وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللهُ**: استعفاف کہتے ہیں "طلب العفاف و الکف عن الحرام و السوال عن الناس"۔ اس کے دو معنی ہوئے۔ اول: جو لوگوں سے سوال کرنے سے بتکلف بچتا ہے یعنی جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو سوال کرنے سے بچا لیتے ہیں۔ ثانی: جو شخص پاکدامنی کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پاکدامن بنا دیتے ہیں۔

(۴) **وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللهُ**: جو شخص اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صابر بنا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "واصبر وما صبرك الا بالله" یا اس کے معنی یہ ہیں کہ مصائب ومشکلات کے وقت جس شخص کی زبان پر شکوہ نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صبر کی توفیق دے دیتے ہیں خواہ "صبر علی الطاعة" ہو یا "صبر عن المعصية" ہو یا "صبر علی البليات" ہو۔ یا جو شخص اپنے اوپر فقر وفاقہ برداشت کرتا ہے اور لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صبر کی توفیق دے دیتے ہیں۔ "وما اعطی احد" تم میں سے کسی کو صبر کی خیر مل گئی تو سمجھو کہ تمام خیریں مل گئیں۔

صبر کی تین قسمیں ہیں: اول نفس کو حرام وناجائز چیزوں سے روکنا۔ **ثانی**: نفس کو عبادات اور طاعات کی پابندی پر مجبور کرنا۔ **ثالث**: مصائب وآفات پر صبر کرنا مطلب یہ ہے کہ کوئی مصیبت آجائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سمجھ لینا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا یہ تینوں شعبے صبر کے فرائض میں داخل ہیں۔ ہر مسلمان پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے کہ تینوں طرح کے صبر کا پابند رہے۔ عند العوام صبر صرف تیسرا شعبہ کہلاتا ہے بقیہ دو شعبے صبر میں داخل نہیں سمجھتے حالانکہ صبر کے وہی شعبے اصل الاصول ہیں۔

قرآن وحدیث میں صابرین انہی لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان تینوں اقسام کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گزارتے ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے دو حصے ہیں آدھا صبر ہے اور آدھا شکر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صبر نصف ایمان ہے۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ: اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث امام مالک سے مروی ہے اور روایت کے الفاظ یہ ہیں "فلن ادخرہ عنکم یا فلم ادخرہ عنکم"۔ اور اس کا معنی ایک ہی ہے کہ یوں کہو "لن أحسبه عنكم"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِي الْوَجْهَيْنِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَمَّارٍ وَّ أَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہے جو دو دشمنوں میں سے ہر ایک پر یہ ظاہر کرے کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ اس باب میں حضرت عمار اور انس رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں ان لوگوں کیلئے سخت وعید وتنبیہ مقصود ہے جو منافقوں کی طرح دو منہ رکھتے ہیں ہر فریق کو خوش رکھنے کی خاطر کبھی صحیح اور حق بات نہیں کہتے بلکہ منہ دیکھی بات کرتے ہیں ان کی مذمت بیان کی گئی ہے کما فی القرآن ’’مذبذبین بین ذلك لا الی هولاء ولا الی هولاء‘‘ یعنی حق بات کہنے سے جی چراتے ہیں اگر کوئی اس منافق سے مذہب کے بارے میں پوچھ لے تو وہ جواب دے گا کون سے شہر کا مذہب یعنی ہر شہر میں اس منافق کا مذہب، دین الگ الگ ہوتا ہے، یہودیوں کے ہاں ٹھہر جائے تو یہودی، عیسائیوں کے ہاں جائے تو عیسائی بن جائے اسکے بارے میں سخت وعید آئی ہے نیز اس سے مراد منافق عملی نہیں بلکہ منافق حقیقی مرتد ہے۔

إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ: ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت شریر ہے کیونکہ اس کا کام یہی ہوتا ہے کہ ایک کی اٹھا کر دوسرے کو لگا دیں اور دوسرے کی اٹھا کر تیسرے کو لگا دیں یا پہلے والے کو ہی بتا دیں ایسا شخص ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہتا ہے پھر ان دونوں کا آپس میں جھگڑا کرواتا ہے پھر اس کے بعد خود بھی تماشا دیکھتا ہے اگر کوئی آدمی اصلاح کی نیت سے دو افراد کو مختلف باتیں کہتا ہے تو یہ مباح ہوگا۔

علامہ ابن عبد البرؒ نے کھوٹے اور اندر کے چور شخص کو بھی ذو الوجہین کا مصداق قرار دیا ہے گویا اس کے بھی دو منہ ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی لیکن ذو الوجہین کا صحیح معنی پہلا ہے اور ابن عبد البرؒ نے خود اس کا اقرار بھی کیا ہے یہ بھی علامت نفاق ہے اسی طرح دو رخی زبان والا شخص بھی دو شخصوں سے خوب فائدہ اٹھاتا ہے جس سے ملتا ہے اسے اپنے خلوص اور حمایت کا یقین دلاتا ہے اور دوسرے شخص کو برا کہتا ہے حدیث شریف میں آپ علیہ السلام کا فرمان ہے ’’من کان له وجهان فی الدنیا کان له لسانان من النار‘‘ کہ دنیا میں جس شخص کے دو چہرے ہوں گے قیامت کے دن اس کے لئے دوزخ سے دو زبانیں ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رخا شخص اللہ کے نزدیک امین نہیں ہوتا۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ اس شخص کی امانت باقی نہیں رہتی جو اپنے دوست سے دو رُخی بات کرتا ہو۔

باب ما جاء في النمام

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلَى حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هٰذَا يُبَلِّغُ الْأُمَرَاءَ الْحَدِيثَ عَنِ النَّاسِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ قَالَ سُفْيَانُ وَالْقَتَّاتُ النَّمَّامُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، منصور، ابراہیم، حضرت ہمام بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حذیفہ بن یمان کے پاس سے گزرا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ لوگوں کی باتیں امراء تک پہنچاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ (اَلْقَتَّاتُ) یعنی چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔ سفیان کہتے ہیں کہ قتات چغل خور کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **چغل خوری کی تعریف:** چغل خوری کی تعریف عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ کسی کا قول اس شخص کے بارے میں نقل کرنا جس کے بارے میں کہا گیا ہے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہہ رہا تھا مگر چغلی کی حقیقت صرف اسی میں منحصر نہیں ہے۔

چغلی کے محرکات: (۱) جس کی چغلی کر رہا ہے اس کو نقصان پہنچانا۔ (۲) اور جس کے لئے چغلی لگا رہا ہے اس سے محبت کا اظہار کرنا (۳) محض دل لگی کرنے اور لغویات میں پڑنے کی عادت بھی بسا اوقات چغل خوری پر آمادہ کرتی ہے۔

چغل خوری کی مذمت: قرآن پاک میں چغل خوری کی بڑی مذمت فرمائی گئی ہے۔ ”ولا تطع کل حلاف مهين۔ “همار مشاء بنميم۔۔۔ ويل لكل همزة لمزة“ بعض حضرات نے همزة سے چغل خور ہی مراد لیا ہے اسی طرح ”حمالة الحطب“ کی تفسیر بعض حضرات نے بات کو ادھر ادھر کرنے والی، چغل خوری کرنے والی فرمائی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی چغل خور کے بارے میں بہت ساری وعیدات آئی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے ”قال النبي صلى الله عليه وسلم احبكم الى الله احاسنكم اخلاقا“۔ ظاہر ہے چغل خوری حسن اخلاق کے منافی ہے۔ اسی طرح حدیث الباب میں ہے ”لا يدخل الجنة نمامٌ“ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ”المشاءون بالنمية بين الاحبة الباغون للبراء العيب“ یعنی شر پسند وہ لوگ ہیں جو چغلی کرنے والے ہیں دوستوں کے درمیان فساد پیدا کرنے والے، بے عیبوں کے عیب تلاش کرنے والے ہوں۔

قَالَ سُفْيَانُ وَالْقَتَّاتُ: سفیان کہتے ہیں قتات بھی نمام ہی کو کہتے ہیں۔ قتات یہ وقت الحدیث کے معنی میں ہیں فساد پھیلانے کی غرض سے باتیں لوگوں تک پہنچانا یہی تعریف نمام کی بھی ہے۔

غیبت اور نمیمہ میں فرق: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ دونوں متحد ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے نمیمہ میں کسی شخص کے حال کو دوسرے سے نقل کرنا بطور فساد ہوتا ہے اور غیبت میں فساد کی نیت ضروری نہیں اور غیبت کے لئے مغتاب کی غیبت لازم ہے جو کہ نمیمہ میں ضروری نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعِيِّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ عَنْ حَسَّانَ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ قَالَ وَالْعِيُّ قِلَّةُ الْكَلَامِ وَالْبَذَاءُ هُوَ الْفُحْشُ فِي الْكَلَامِ وَالْبَيَانُ هُوَ كَثْرَةُ الْكَلَامِ مِثْلُ هٰؤُلَاءِ الْخُطَبَاءِ الَّذِينَ يَخْطُبُونَ فَيُوَسِّعُونَ فِي الْكَلَامِ وَيَتَفَصَّحُونَ فِيهِ مِنْ مَدْحِ النَّاسِ فِيمَا لَا يُرْضِي اللهَ

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، ابوغسان محمد بن مطرف، حسان بن عطیہ، حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیاء اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں۔ فحش گوئی اور زیادہ باتیں کرنا نفاق کے شعبے ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے ابوغسان محمد بن مطرف کی روایت سے جانتے ہیں۔ (الْعِيُّ) قلت کلام اور (الْبَذَاءُ) فحش گوئی اور (الْبَيَانُ) سے مراد کثرت کلام ہے۔ جس طرح ان خطباء کی عادت ہے کہ خطبہ دیتے وقت بات کو بڑھا دیتے ہیں اور لوگوں کی ایسی تعریف کرتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔

تشریح: **الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ**: اس کے معنی ہیں ایسا تغیر و انکسار جو عیب و ملامت کے خوف سے انسان کو پیش آئے حیا کی تعریف ماقبل میں گزر چکی ہے۔

وَالْعِيُّ: بمعنی حصر یہاں پر اس سے مراد قلت کلام ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے خود تفسیر فرمائی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ کام کی بات نہ کہہ سکنا۔ یا افہام مقصود پر قادر نہ ہونا۔ اس کا ذکر حیا کے ساتھ آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حیا کی وجہ سے بات نہ کہہ سکنا یہ وصف محمود ہے جیسے بیہودہ گوئی، طلاقت لسانی وصف مذموم ہے۔

الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ: حیا اور قلت کلام یہ دونوں ایمان کی شاخیں ہیں یہ دونوں باتیں ایمان کے تقاضا سے پائی جاتی ہیں اور قلت کلام خود حیا میں داخل ہے حیا کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ حیا جس کا اثر ظاہر نہ ہو اور دوسرا وہ حیا جس کا اثر ظاہر ہو۔ حیا کی پہلی قسم لفظ الحیاء سے مراد لی گئی ہے اور حیاء کی دوسری قسم لفظ **العیّ** سے لی گئی ہے۔

وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ: بیہودہ گوئی، طلاقت لسانی نفاق کی دو شاخیں ہیں۔ بے ہودہ گوئی یعنی بغیر سوچے سمجھے اور اس کے نتیجے کی پرواہ کئے بغیر بولنا۔ اور ''البیان'' یعنی طلاقت لسانی جیسا کہ آج کل زمانے میں مقررین کی زبانیں چلتی ہیں اور بولتے چلے جاتے ہیں اور اگر کسی کے خلاف بات کرنی ہو تو اس کے خلاف جھوٹ اور بہتان تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر کسی کی تعریف کرنے لگ جائیں تو اس کو آسمان تک پہنچا دیتے ہیں خوشامدی اور چاپلوسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے یہی بیان نفاق کا شعبہ ہے۔

کلام کی چار اقسام ہیں: **اول**: وہ کلام جس میں خالص ضرر و نقصان ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔

ثانی: وہ کلام جس میں خالص نفع ہو یہ فائدہ مند ہے۔

ثالث: وہ کلام جس میں نہ نفع ہو اور نہ ہی ضرر ہو۔ یہ کلام لایعنی اور لغو ہے اس سے سکوت ہونا چاہیے۔

رابع: وہ کلام جس میں نفع بھی ہو اور ضرر بھی ہو اس قسم سے بھی بچنا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ حدیث الباب میں حیا اور قلت کلام کو ایمان کے دو شعبے فرمایا گیا ہے یعنی ایمان کے من جملہ آثار میں سے یہ دو اثر ہیں جو شخص کامل مومن ہوگا وہ باحیا اور قلیل الکلام ہوگا اور اس کی گفتگو غور و فکر کے ساتھ ہوگی۔

قَالَ وَالْعِيُّ: حدیث کے آخر میں امام ترمذیؒ حدیث کے الفاظ کی وضاحت کر رہے ہیں ''العیّ'' کے معنی قلت کلام اور البذاء کے معنی ہیں بے ہودہ گوئی۔ **وَالْبَيَانُ**: کے معنی ہیں کلام کی زیادتی جیسا کہ خطباء حضرات کرتے ہیں کما مر۔

فَيُوَسِّعُونَ: اپنے کلام میں درازی اور وسعت پیدا کرتے ہیں۔

وَيَتَفَصَّحُونَ: اور بتکلف فصیح بننے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کی ایسی تعریفیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلَيْنِ قَدِمَا فِي زَمَانِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِهِمَا فَالْتَفَتَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا أَوْ إِنَّ بَعْضَ الْبَيَانِ سِحْرٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَمَّارٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، زید بن اسلم، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں دو شخص آئے اور دونوں نے لوگوں سے خطاب کیا جس سے لوگ حیرت میں پڑ گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا بعض لوگوں کا کسی چیز کو بیان کرنا جادو کی طرح ہوتا ہے۔ راوی کو شک ہے کہ بعض البیان فرمایا یا **مِنَ الْبَيَانِ** فرمایا اس باب میں حضرت عمار، ابن مسعود، اور عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **سِحْرًا**: مطلب یہ ہے کہ بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔ امام تورپشتیؒ رجلین کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب مشرقی علاقہ سے بنو تمیم کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں آیا اس مجلس میں دو فصیح و بلیغ آدمی تھے۔ ایک کا نام زبرقان بن بدر اور دوسرے کا نام عمرو بن الاھتم تھا۔ آپ ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے اور یہ دونوں اشخاص بھی تھے چنانچہ زبرقان نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھرے مجمع میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنے مفاخر و مآثر کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا اور پھر اس نے کہا یا رسول اللہ! یہ شخص عمرو بن الاھتم بھی میری خوبیوں کو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں اور میرے کیا کارنامے ہیں اس کے بعد عمرو بن الاھتم اٹھے انہوں نے زبرقان کے بیان کردہ تمام کارنامے جھوٹے ثابت کر دیے اور کہا کہ اس شخص میں کوئی خوبی نہیں ہے اس کا بیان بھی بڑا موثر تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے

بارے میں شک کے اندر مبتلا ہو گئے اس کے بعد زبرقان اٹھا اور بڑے دلکش انداز میں کہا کہ اس شخص کا دل جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں لیکن حسد نے اس کو اس طرح کہنے پر مجبور کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع جب ان دونوں کے بیان کو سنتا تو ان دونوں کو داد دیتے اور حیران ہونے کے ساتھ تعجب بھی کرتے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ان من البیان سحرٌ'' یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔

اس بارے میں آئمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد گرامی بیان کی تعریف میں فرمایا یا اس کی مذمت میں۔ ان تمام اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بیان کی تعریف و مذمت دونوں واضح ہوتی ہیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں جامعیت ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تکلفات وتصنعات اور تزئین فی الکلام کی مذمت فرما رہے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ بے تکلف اور سیدھی سادھی بات کرنا مناسب ہے اور اس کا اثر دیرپا بھی ہوتا ہے برخلاف تصنع والے کلام کے کہ اس کا اثر فوری تو ہوگا لیکن دیرپا نہیں رہے گا یہی حال موجودہ زمانہ میں شعلہ بیان خطباء کا ہے کہ جذبہ تو بنتا ہے لیکن نظریہ نہیں بنتا ہے۔

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی تعریف و مدح فرما رہے ہیں بشرطیکہ اس بیان کا تعلق سچائی کو ظاہر کرنے سے ہو اور کلام کو حسن اسلوب اور مناسب الفاظ کے ذریعے بیان کرنے پر ترغیب دی جا رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیان کو جادو کیوں فرمایا: اس بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

اول: بعض بیان کو جادو اکتساب معصیت کے اعتبار سے فرمایا کہ جس طرح جادو کے ذریعہ آدمی معصیت کا مرتکب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض بیان بھی معصیت کے ارتکاب کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیان کو جادو اس لئے فرمایا کہ جس طرح جادو کا اثر مخفی طور پر ہوتا ہے اسی طرح بیان کا اثر بھی مخفی طور پر ہوتا ہے اور بیان کے ذریعہ لوگ قلوب کو مائل کر دیتے ہیں۔

ثالث: بعض حضرات نے فرمایا کہ بیان کو جادو کے ساتھ زود اثرات ہونے کے اعتبار سے مناسبت ہے کہ جس طرح جادو کا اثر جلدی ہوتا ہے اسی طرح بعض بیان کا اثر جلدی ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّوَاضُعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللهُ رَجُلًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، علاء بن عبدالرحمن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔ اللہ معاف کرنے والے کی عزت ہی بڑھاتے ہیں اور جو شخص اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند

رَفَعَهُ اللهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي كَبْشَةَ الْأَنْمَارِيِّ وَاسْمُهُ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمن بن عوف ابن عباس اور ابوکبشہ انماری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: تَوَاضَعَ: ''ای تذلل و تخشع ''یعنی اپنے آپ کو دوسرے سے کمتر سمجھنا یہ تکبر اور گھمنڈ کی ضد ہے جس قدر تکبر برا ہے اسی قدر تواضع اچھی صفت ہے۔ حدیث مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں ارشاد فرمائیں۔

اول: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ: اس میں ما نافیہ ہے اور من زائدہ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے عبارت یوں ہوگی ''ما نقصت صدقة مالا او بعض مال او شيئا'' من مال یعنی صدقہ کرنے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے یا تو مخفی طور پر باقی ماندہ مال میں برکت ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس مال کو اپنی عطایا کے ذریعہ سے بڑھا دیتا ہے۔

الثانی: ''وما زاد الله رجلا بعفو الّا عزًّا'': اور نہیں بڑھاتے اللہ تعالیٰ کسی شخص کو درگزر کرنے کی وجہ سے مگر عزت میں۔ یعنی معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتے ہیں اور لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں ظاہرًا ابھی لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اس کو خیر کثیر سے نوازیں گے۔

الثالث: ''وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ'': اور جو بھی شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے خاکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلندی عطا فرماتے ہیں جبکہ بعض لوگ اپنی گردن کو نیچے کرتے ہی نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی گردن میں سریا لگا دیا گیا ہو حالانکہ جس شخص کے اندر عاجزی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسی کو سر بلند کرتے ہیں اور لوگوں کے ہاں اس کا مقام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الظُّلْمِ

حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَأَبِي مُوسَى وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ

عباس عنبری، ابوداؤد طیالسی، عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابوسلمہ، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا موجب ہے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو، عائشہ، ابوموسی، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے۔

تشریح: قوله ظُلُمَاتٌ: ''أی اسباب ظلمة لمرتكبه أو موجبات شدة لصاحبه يوم القيامة'' یعنی ظلم کی پاداش میں ایسے اندھیروں میں مبتلا ہوگا جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گے اور اس ظالم کے پاس کوئی نور نہیں ہوگا ظلم کی یہ تاریکیاں مختلف شکلوں میں ہونگی لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے جرم کے ضمن میں کئی دیگر جرائم کا بھی

ارتکاب ہوتا ہے اس لئے دُنیا میں کسی پر کیا ہوا ظلم قیامت میں ایک نہیں بلکہ کئی تاریکیاں بن جائے گا۔ اس لئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ظلمات سے آخرت کے وہ شدائد اور عذاب مراد ہیں کہ جن سے قیامت کے دن واسطہ پڑے گا اور جن میں اہل دوزخ مبتلا ہوں گے چنانچہ قرآن کریم میں بھی بعض جگہ ظلمات سے شدائد مراد لئے گئے ہیں جیسا کہ ایک آیت میں فرمایا گیا ہے "قل من ينجيكم من ظلمات البر والبحر" الآیۃ۔ (الانعام:۶۳) ۔ لہٰذا "ظلمات بعضها فوق بعض" کے پیش نظر تاریکیوں کی طرح ظلم کے درجے بھی مختلف ہوئے۔ سب سے بدترین ظلم کفر وشرک ہے اسی طرح فسق وفجور بھی ظلم ہے کسی کو ایذاء پہنچانا بھی ظلم ہے حقوق العباد تلف کرنا اور حقوق العباد میں کوتاہی کرنا بھی ظلم ہے بہرحال دنیا میں جس نے جیسا ظلم کیا ہوگا اس کو ویسے ہی تاریکیوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ (مرقاۃ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْعَيْبِ لِلنِّعْمَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ كَانَ إِذَا اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو حَازِمٍ هُوَ الْأَشْجَعِيُّ الْكُوفِيُّ وَاسْمُهُ سَلْمَانُ مَوْلَى عَزَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ

احمد بن محمد، عبداللہ بن مبارک، سفیان، اعمش، ابوحازم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اگر جی چاہتا تو کھا لیتے، ورنہ چھوڑ دیتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوحازم اشجعی ہیں۔ ان کا نام سلمان ہے اور وہ عزہ اشجعیہ کے مولیٰ ہیں۔

تشریح: مَا عَابَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مباح اور حلال کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے بلکہ حسب خواہش تناول فرما لیتے تھے کھانے میں عیب نکالنے کی دوصورتیں ہیں۔

اول باعتبار خلقت اور ثانی باعتبار صنعت: اگر کوئی شخص کسی کھانے میں باعتبار خلقت عیب لگاتا ہے تو یہ مکروہ بلکہ ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کی ہیں ان میں عیب نہیں اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز خلقۃً بنائی ہے اس میں عیب لگانا گویا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنے کو مستلزم ہے جو ناجائز ہے۔

البتہ اگر بطور صنعت، بنانے کے اعتبار سے کسی چیز کی کمی وزیادتی کو بیان کرے مثلاً یوں کہے کہ نمک زیادہ ہوگیا یا مرچ زیادہ ہوگئی یا روٹی میں نمک زیادہ ہے یا ڈالنا ہی بھول گئے ہیں تو اس کی گنجائش ہے جبکہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب میں عیب لگانے سے ممانعت عام ہے کہ نہ تو باعتبار خلقت کھانے میں عیب لگا سکتے ہیں اور نہ ہی باعتبار صنعت کیونکہ باعتبار صنعت عیب نکالنے میں کھانا بنانے والے کی دل شکنی ہوگی۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: وَأَبُو حَازِمٍ هُوَ الْأَشْجَعِيُّ: امام ترمذیؒ ان کا تعارف کروانا چاہ رہے ہیں کہ ان کا نام سلمان ہے اور ابوحازم ان کی کنیت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْظِيمِ الْمُؤْمِنِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ وَالْجَارُودُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ أَوْفَى بْنِ دَلْهَمٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ يَوْمًا إِلَى الْبَيْتِ أَوْ إِلَى الْكَعْبَةِ فَقَالَ مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ حُرْمَةً عِنْدَ اللهِ مِنْكِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ وَرَوَى إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ السَّمَرْقَنْدِيُّ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ نَحْوَهُ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا

یحییٰ بن اکثم، جارود بن معاذ، فضل بن موسیٰ، حسین بن واقد، اوفی بن دلہم نافع، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا اے لوگوں کی وہ جماعت جو صرف زبانوں سے اسلام لائی ہے اور ایمان ان کے دلوں میں نہیں پہنچا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو انہیں عار نہ دلاؤ اور ان میں عیوب مت تلاش کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب گیری کرتا ہے اور جس کی عیب گیری اللہ تعالیٰ کرنے لگے وہ ذلیل ہو جائے گا۔ اگر چہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابن عمرؓ نے بیت اللہ یا فرمایا کعبہ پر نظر ڈالی اور فرمایا تم کتنے عظیم ہو۔ تمہاری حرمت بھی کتنی عظیم ہے۔ لیکن مومن کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری عزت سے بھی زیادہ ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف حسین بن واقد کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ اسحاق بن ابراہیم سمرقندی نے حسین بن واقد سے اس کے ہم معنی روایت کیا۔ پھر ابو برزہ اسلمیؓ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: صَعِدَ: ای طلع قَالَ یا معشر: قال یہ منادی کا بیان ہے۔ ”من اسلم بلسانہ“: اس میں مؤمن اور منافق دونوں داخل ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی اہتمام کے ساتھ منبر پر تشریف فرما تھے اور بلند آواز سے خطاب فرمایا ”لا تؤذوا المسلمین“ کہ جو منافق ہیں یا کامل مسلمان نہیں ہیں وہ مؤمنین کاملین کو تکلیف نہ پہنچائیں اس لئے کہ ایذاء مسلم حرام ہے بلکہ اہل ایمان کو نفع پہنچانا لازم ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوا: کسی کی ٹوہ میں نہ لگو، جاسوسی میں نہ لگو، کسی کے تجسس میں نہ پڑو مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے اندر جو عیب نہ ہو وہ عیب اس میں تلاش نہ کرو ورنہ تمہیں اس کی سزا جلد ہی ملے گی جس کی صورت یہ ہوگی کہ اور لوگ بھی تمہارے عیب کی

جستجو میں لگ جائیں گے پھر لوگوں کے درمیان ظاہر کریں گے جس سے رسوائی ہوگی خواہ وہ عیوب کتنے ہی چھپے ہوئے ہوں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے البتہ کسی مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور وہ اپنی یا کسی دوسرے کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والوں کی خبر گیری کرے تو جائز ہے۔

مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کعبۃ اللہ کو دیکھ کر فرمایا تو کس قدر عظمت والا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور تیری عظمت کس قدر بلند ہے مگر مؤمن کی عظمت اس کے ایمان کی وجہ سے تجھ سے بھی زائد ہے نیز بیت اللہ کی عظمت شان ہے مگر اس کو آباد کرنے والے تو یہی مؤمن ہی ہیں" قال اللہ تعالیٰ انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاخر واقام الصلوۃ الخ"۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحُسَيْنِ: یہ اس روایت کے دوسرے طریق کی طرف اشارہ ہے۔

وَاقِدٍ وَرَوٰى إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کی طرح ابو برزہ اسلمیؓ سے بھی روایت مروی ہے جس کی تخریج امام احمد، ابوداود نے بھی کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَارِبِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ دَرَّاجٍ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

قتیبہ، عبداللہ بن وہب، عمرو بن حارث، دراج، ابوالہیثم، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک بردباری میں کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ ٹھوکر نہ کھائے۔ اسی طرح کوئی دانا بغیر تجربے کے دانائی میں کامل نہیں ہوسکتا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: لَا حَلِيمَ إِلَّا ذُو عَثْرَةٍ: "قال الشارح ای لا حلیم کاملا الامن وقع فی زلۃ وحصل منہ الخطأ والتخجل" مطلب اس کا یہ ہے کہ عموماً انسان ٹھوکریں کھا کر اور لغزشیں کر کے بردبار وحلیم بنتا ہے کہ لوگ اس کو اس کی غلطیوں پر ٹوکتے ہیں اور اس کی لغزشوں پر مطلع کرتے ہیں تب کہیں جا کر وہ حلیم بنتا ہے اسی پر شہید ناموس صحابہ حضرت علامہ ضیاء الرحمن فاروقی شہیدؒ فرمایا کرتے تھے

"اپنے پاؤں پر چلو کسی کا سہارا مت ڈھونڈو ٹھوکریں کھاؤ گے تو خود ہی سنبھل جاؤ گے"

جس کو ٹھوکریں لگی ہوں اور دھوکے کھائے ہوں اپنے معاملات میں جابجا نقصان اٹھایا ہوا ہو تو ایسے شخص کے مزاج میں چھوٹوں

کیلئے اور بلکہ پورے معاشرے کیلئے حلم و بردباری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کو عمومی الفاظ میں کہا جاتا ہے کہ "ٹھوکریں کھا کر سدھرنا"۔

وَلَا حَكِيمَ إِلَّا ذُو تَجْرِبَةٍ: "قال الشارح ای لا حکیم کاملًا الا من جرب الامور وعلم المصالح والمفاسد فانه لا یفعل فعلا الا عن حکمة" حکمت کے معنی ہیں ہر چیز کی حقیقت و اصلیت کو جاننا اور تجربہ کا مطلب ہے کاموں کی واقفیت حاصل ہونا اور کسی کام کے کرنے کا طریقہ جاننا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکیم کامل وہی ہے جو امور میں مہارت رکھتا ہو اور اس کام کے مصالح و مفاسد کو اچھی طرح جانتا ہو کیونکہ وہ کسی کام کو اس کے اصول کے بغیر سر انجام نہیں دے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ جس شخص کو اشیاء کی حقیقت، حالات کے اتار چڑھاؤ اور معاملات و افراد کی بھلائی و برائی سے واقفیت حاصل ہوگئی تو اس کو حکمت کی دولت مل گئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَشَبِّعِ بِمَا لَمْ يُعْطَهُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَعَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ يَقُولُ كَفَرَ تِلْكَ النِّعْمَةَ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو کوئی چیز دی گئی اور اس میں قدرت و استطاعت ہے تو اس کا بدلہ دے ورنہ اس کی تعریف کرے اس لئے کہ جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کیا اور جس نے کسی نعمت کو چھپایا اس نے ناشکری کی اور جس شخص نے کسی ایسی چیز سے اپنے آپ کو آراستہ کیا جو اسے عطاء نہیں کی گئی تو گویا کہ اس نے مکر (فریب) کا لباس اوڑھ لیا۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت ابوبکر اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (مَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ) کا مطلب ناشکری ہے۔

تشریح: تشبع: اپنے آپ کو بھرا ہوا سمجھنا یعنی شکم سیری کا اظہار کرنا جھوٹی نعمت کا مظاہرہ کرنا۔

بِمَا لَمْ يُعْطَهُ: ایسی چیز کے ذریعے جو اسے دی نہیں گئی۔

مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً: مجہول کا صیغہ ہے عطاء مفعول مطلق ہے دوسری روایت میں "عطاء" کی جگہ "شیئًا" مذکور ہے جو "اعطی" کا مفعول ثانی ہے۔

فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ: "فوجد ای من المال" اس کو مال میں کچھ فراوانی ہوئی تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کے ذریعے بدلہ دے جیسا کہ ماقبل میں ہدیہ کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ ہدیہ یک طرفہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا بدلہ دینا چاہیے۔

وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ: اور جو شخص بدلہ دینے کے لئے کوئی چیز نہ پائے تو اس کو چاہیے وہ ہدیہ دینے والے کے منہ پر تھوڑی سی تعریف کردے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ: پس جس نے اس کی تعریف کر لی گویا کہ اس نے شکر ادا کر لیا۔

وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ: اور جس نے چھپالیا یعنی تعریف یا شکریہ ادا نہیں کیا گویا اس نے ناشکری کی یہاں کفر سے مراد کفران نعمت ہے دین سے نکل جانے کے معنی میں کفر نہیں ہے۔

وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَهُ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ: اور جو شخص مزین ہوا ایسی چیز کے ذریعہ جو وہ دیا نہیں گیا تو وہ جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی طرح ہو گیا۔ **لم یعط** مجہول کا صیغہ ہے ضمیر مرفوع کا مرجع **من** ہے اور منصوب کا مرجع **ما** ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی ایسی فضیلت قولاً یا عملاً ظاہر کرے جو اس کو حاصل نہیں ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے جھوٹا لباس پہن کر لوگوں کو دھوکہ دیا ہو۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں ایک شخص ایسا فاخرہ لباس پہنتا تھا جس کو لوگ با اعتماد سمجھتے تھے جس کے بارے میں جھوٹ اور جھوٹی شہادت کا شبہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ شخص لوگوں کو اعتماد دلانے کے لئے ایسا لباس پہنتا تھا حالانکہ کاذب تھا۔

اس کے مصداق میں ابوعبید فرماتے ہیں کہ اس سے وہ ریا کار شخص مراد ہے جو زاہدین کا لباس و ہیئت اختیار کرے حالانکہ زہد اس میں نہیں پایا جاتا۔

بعض حضرات نے کہا کہ دراصل اس سے مراد وہ شخص ہے جو غریب ہے لیکن جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو برتری جتانے کے لئے ریا اور تکبر کے طور پر فاخرہ لباس پہنتا ہے تاکہ لوگوں پر رعب پڑے اور لوگ اس کے دھوکے میں آجائیں اس سے حدیث میں ممانعت فرمائی ہے۔

صیغہ تثنیہ لانے کی وجہ: **اول:** حدیث میں ایسے شخص کے لئے تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے متشبع شخص سر سے قدم تک گویا جھوٹ سے متصف ہے ایک جھوٹ کو چادر بنالیا اور دوسرے جھوٹ کو ازار جس سے نیچے کا حصہ چھپالیا۔

ثانی: یہ بھی ممکن ہے کہ تثنیہ میں اشارہ ہو دو مذموم حالتوں کی طرف اول ایسی چیز کا اظہار جو اس کو حاصل نہیں دوم باطل و کذب کا اظہار۔

حدیث کے آخری جملہ کا ماقبل سے ربط: پہلے حصہ میں بتایا کہ کسی نعمت کا چھپانا اس کی ناشکری ہے ایسے ہی اس کا الٹ بھی برا ہے یعنی نعمت تو حاصل نہیں مگر وہ ایسا مظاہرہ کرتا ہے کہ گویا اسے نعمت حاصل ہے یہ شخص اس جھوٹے آدمی کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے جھوٹا لباس پہنے۔

حدیث کا شان ورود: یہ جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمایا جب ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میری ایک سوکن ہے کیا میں اس کو چڑانے کے لئے ایسی ہیئت اختیار کرلوں جس سے معلوم ہو کہ میرے شوہر کو مجھ سے زیادہ محبت ہے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث مبارک ارشاد فرمائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّنَاءِ بِالْمَعْرُوْفِ

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ وَ الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَسَنِ الْمَرْوَزِيُّ بِمَكَّةَ قَالَا حَدَّثَنَا الْأَحْوَصُ — ابراہیم بن سعید جوہری، حسین بن حسن مروزی، الاحوص بن جواب، سعیر بن خمس، سلیمان تیمی، ابوعثمان نہدی،

بْنُ جَوَّابٍ عَنْ سُعَيْرِ بْنِ الْخِمْسِ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلُهُ اٰخِرُ أَبْوَابِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا گیا اور اس نے نیکی کرنے والے سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھا صلہ عطا فرمائے۔ اس نے پوری تعریف کی۔ یہ حدیث حسن جید غریب ہے۔ ہم اسے اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ بواسطہ ابوہریرہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ نیکی اور صلہ رحمی کے باب ختم ہوئے۔

تشریح: صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ: صنع کا مجہول صیغہ ہے "معروفا" منصوب مفعول ثانی ہے اور بعض نسخوں میں "معروف" مرفوع ضبط کیا گیا ہے۔ اس کے معنی میں ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ من اعطی عطاءً کے ہے اور صنع کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا ای خیر جزاءً: جس شخص کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا گیا اور اس نے حسن سلوک کرنے والے سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اس نے آخری درجہ کی تعریف کردی کیونکہ اس نے دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا دے کہ محسن کے بدلہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیا اور اعتراف کرلیا کہ میں شکریہ کی ادائیگی سے قاصر ہوں اب ظاہر ہے کہ اس میں اپنے عجز کا اعتراف بھی ہے اور بدلہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردینا بھی نیز اس میں اپنی عاجزی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بھی اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے اس محسن کو اس کے احسان کا بدلہ عطا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بدلہ اعلیٰ اور اوفیٰ ہوگا بہرحال جزاک اللہ کہنا یہ بھی شکر کی ایک قسم ہے۔

اَبْوَابُ الطِّبِّ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

طب کے لغوی واصطلاحی معنی: ''الطب بکسر اولہ وھو المشھور وقال السیوطی ھو مثلث الطاء علاج الامراض'' طاء کے کسرہ کے ساتھ مشہور ہے۔علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ طاء پر تینوں حرکتیں جائز ہیں اس کا معنی امراض کا علاج کرنا۔

اصطلاحی معنی: علم طب وہ علم کہلاتا ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج ومعالجہ کا بیان اور حفظان صحت کی تدابیر مذکور ہیں۔

طب کا موضوع: ''بدن انسانی'' من حیث الصحۃ و المرض''۔

طب کی غرض وغایت: حفظان صحت کے اصول وامراض سے شفاء حاصل کرنے کی تدابیر معلوم کرنا۔

علم طب کی ابتدا: علم طب کی ابتدا مختلف انبیا علیہم السلام کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

اول: بعض حضرات کہتے ہیں کہ علم طب کا علم سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا پھر ان کے واسطے سے حضرت شیث علیہ السلام کو پھر بنی آدم میں اس علم کی اشاعت ہوتی چلی گئی چنانچہ بعض مفسرینؒ نے ''وعلم آدم الاسماء'' کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا کی نافع اور مضر چیزیں اوران کے خواص اور آثار، ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج وطبائع اوران کے آثار وغیرہ سب بتادیئے تھے لہذا سب سے پہلے فن طب کی معلومات حضرت آدم علیہ السلام کو ہوئیں اوران کے بعدان کی اولاد کو ہوئیں۔

الثانی: بعض حضرات نے کہا کہ اس فن کی ابتدا حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب نماز پڑھتے اور کوئی پیڑ (درخت) سامنے ہوتا تو نماز کے بعد اس سے نام پوچھتے اور یہ بھی معلوم کرتے تھے کہ تجھے کس کام کے لئے پیدا کیا گیا تو وہ درخت اپنے خواص بتادیتا جس کو لکھ لیا جاتا اس طرح جڑی بوٹیوں کا علم ہوااوراس فن کی ابتدا ہوئی۔

الثالث: سدیدی میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیمار ہوئے انہوں نے بیماری کا علاج نہیں کیا بلکہ علاج معالجہ سے انکار کردیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ کیا تم چاہتے ہو کہ توکل پر میری حکمت بے کار کردو میرے سوا کون ہے جس نے عقاقیر اور حشائش میں یہ منافع رکھے ہیں لہذا جب تک ان داؤں کو استعمال نہیں کروگے صحت نہیں دی جائے گی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علاج کیا اور ٹھیک ہوگئے یہودیوں نے اسی وجہ سے اس علم کی ایجاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف کردی۔

الرابع: تفسیر عزیزی میں واقعہ لکھا ہے کہ جالینوس کے جگر میں درد ہوا ہر طرح کا علاج ومعالجہ کیا مگر صحت نہ ٹھیک ہوئی خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی شخص اس کو حکم دیتا ہے کہ بائیں ہاتھ کی پشت پر انگوٹھے اور سبابہ کے درمیان ایک رگ ہے اس سے خون نکالو انہوں نے ایسا ہی کیا اور فصد کروانے والے شخص کو تلاش کیا اور فصد کرایا چنانچہ وہ اچھا ہوگیا۔

طب کی قسمیں: ① جسمانی ② روحانی۔طب جسمانی علاج تحفظ صحت ودفع مرض کے لئے آتی ہے اور طب نفسانی یا روحانی علاج

روح بازالہ اخلاق رذیلہ مہلکہ کے لئے آتی ہے اب آپ ﷺ کی بعثت کا اصل مقصود طب روحانی ہے اس کو قرآن کریم میں "یزکیھم" کے جملہ سے بیان فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ طب جسمانی کو بھی بیان فرمایا تا کہ آپ ﷺ کی شریعت جامع ہو جائے۔

پھر علم طب کا ایک ماخذ وحی ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی کہ فلاں مرض کا علاج فلاں چیز ہے حتیٰ کہ فرمایا ہر بیماری کا علاج موجود ہے اور علم طب کا دوسرا ماخذ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے کسی دوا کو کسی مرض کیلئے مفید پانا جیسا کہ مسند بزار اور طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کسی درخت کے پیچھے جب نماز پڑھتے تو فرماتے تیرا کیا نام ہے وہ درخت اپنا نام بتاتا پھر فرماتے تو کس مرض کا علاج ہے تو وہ کہتا کہ میں فلاں مرض کا علاج ہوں تو حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو لکھ لیتے۔

مسئلہ اختلافی: علاج کروانا چاہیے یا توکل علی اللہ کرنا چاہیے؟

قول اوّل: بعض صوفیاء کے نزدیک علاج معالجہ نہیں کروانا چاہیے کیونکہ مرض اللہ کی تقدیر سے ہے اگر علاج کرواؤ گے تو تقدیر کا مقابلہ لازم آئے گا۔ **قول ثانی:** ائمہ اربعہ، جمہور سلف کے نزدیک علاج کروانا مستحب ہے۔

قول اول والوں کی دلیل: روایات میں آتا ہے کہ "الذین یدخلون الجنۃ بغیر حساب لا یرقون ولا یسترقون وعلی ربھم یتوکلون"۔ اسی طرح وہ احادیث جن میں علاج و رقیہ نہ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

ائمہ اربعہ کی پہلی دلیل: مشکوۃ شریف کی حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل داءٍ دواءٌ فاذا اصیب دواء الداء برء باذن اللہ" چونکہ اس مرض کی دوا طبیب نہیں جانتا اٹکل سے علاج کرتا ہے اسلئے ہزار علاج کے باوجود بھی شفاء حاصل نہیں ہوتی اور اگر تشخیص مرض پر اسکی دوا پڑے تو شفاء من جانب اللہ یقینی ہوگی اس کو اس حدیث میں "فاذا اصیب" سے ذکر کیا گیا۔

دوسری دلیل: مسند احمد میں روایت ہے "تداووا یا عباد اللہ فان اللہ لم یضع داء الا وضع لہ دواء غیر داء واحد الھرم"

قول اوّل والوں کی دلیل کے جوابات: ① دخول جنت بغیر حساب کا ذکر ان لوگوں کے متعلق ہے جو لوگ علاج بالحرام سے یا مجہول المعنی اور شرکیہ تعویذات سے پرہیز کرتے ہوئے مر جائیں۔ باقی رہی یہ بات کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ مل کر ہی رہے گا اور علاج کرنا تقدیر کیخلاف ہے تو اس کا الزامی جواب یہ ہے کہ بھوک لگنا بھی تقدیر ہے پھر کھانا بھی نہ کھاؤ کیونکہ کھانا کھاؤ گے تو تقدیر کے خلاف ہوگا حالانکہ کوئی بھی شخص ایسا نہیں کرتا لہٰذا علاج سے تقدیر کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ علاج کرنا بھی مقدر ہے جیسا کہ ترمذی میں روایت ہے "انہ سئل نبی ارأیت ادویۃ نتداوی بھا ورقی نسترقیھا ھل ترد من قدر اللہ شیئاً قال ھی قدر اللہ" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج کرنا بھی ایک تقدیر ہے کہ ہو سکتا ہے اللہ نے تقدیر میں ہی لکھا ہو کہ اس بیماری کا علاج کراؤ گے تو شفاء ملے گی ② رقیہ والی احادیث بیان جواز کیلئے ہیں اور "لا یسترقون" والی حدیث افضلیت کے بیان پر محمول ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِمْيَةِ

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ حَدَّثَنَا عباس بن محمد دوری، یونس بن محمد، فلیح بن سلیمان، عثمان بن

یُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ فُلَيْحٍ وَيُرْوٰى عَنْ فُلَيْحٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ وَأَبُو دَاوُدَ قَالَا حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ أَنْفَعُ لَكَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ فِي حَدِيثِهِ وَحَدَّثَنِيهِ أَيُّوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هٰذَا حَدِيثٌ جَيِّدٌ غَرِيبٌ

عبدالرحمن، یعقوب بن ابی یعقوب، حضرت ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر ہمارے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے (پکنے کے لئے) لٹک رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے کھانا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی ٹھہر جاؤ ٹھہر جاؤ، تم تو ابھی بیماری سے اٹھے ہو۔ ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے رہے۔ پھر میں نے ان کے لئے چقندر اور جو تیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی اس میں سے لے لو۔ یہ تمہاری طبیعت کے مطابق ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف فلیح بن سلیمان کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ وہ ایوب بن عبدالرحمن سے نقل کرتے ہیں۔

محمد بن بشار، ابوعامر، ابوداؤد، فلیح بن سلیمان، ایوب، عبدالرحمن، یعقوب بن ابویعقوب، ام منذر انصاریہ ہم سے روایت کی محمد بن بشار نے انہوں نے ابوعامر اور ابوداؤد سے یہ دونوں فلیح سے وہ ایوب بن عبدالرحمن سے وہ یعقوب بن ابی یعقوب سے اور وہ ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی کی مانند نقل کرتے ہوئے ان الفاظ کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ یعنی چقندر اور جو۔ محمد بن بشار اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ مجھ سے اسے ایوب بن عبدالرحمن نے بیان کیا ہے یہ حدیث جید غریب ہے۔

تشریح: عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ: ان کا نام سلمہ بنت قیس اخت سلیط ہے جو قبیلہ بنی نجار میں سے ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہیں ان کو دونوں قبلوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

نَاقِهٌ: یہ "ناقه نَقِهَ يَنْقَهُ" سے اسم فاعل ہے "هو قريب العهد من المرض لم يرجع اليه كمال صحته وقوته" "مرض کے قرب والا زمانہ جس میں مکمل صحت اور قوت حاصل نہ ہوئی ہو۔ بلکہ کمزوری اور نقاہت کا اثر ہو۔

دَوَالٍ: یہ دالیۃ کی جمع ہے بمعنی خوشہ اس سے کھجور کا وہ کچا خوشہ مراد ہے جس کو پکنے سے پہلے ہی کاٹ کر گھر میں لٹکا دیا جائے پھر پکنے پر کھایا جائے۔ وَمَهٌ: ''ای کف عن اکله و انته'' یعنی رک اس کے کھانے سے اور باز رہ۔ مَهٌ مبنی بر سکون اسم فعل بمعنی امر ہے اس روکنے کی علت وہی کمزوری تھی جس کی وجہ سے گرم چیز سے پرہیز کا حکم دیا۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے رک گئے یہ نہیں کہا کہ کھجور سے کیا ہوتا ہے صحت و بیماری تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے معلوم ہوا اسباب عادیہ اور مضرات سے بچنا توکل کے خلاف نہیں۔

فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا: سین کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ چقندر کو کہتے ہیں جو مولی کی طرح لمبا اور سرخ ہوتا ہے اس کو لوگ عام طور پر سلاد میں ڈالتے ہیں یہ ٹھنڈی تاثیر رکھتا ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پرہیز کھجور کے استعمال سے منع فرمایا اور چقندر کھانے کا حکم دیا لہٰذا اس حدیث سے پرہیز کرنا ثابت ہوا اسی مقصد کے لئے امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ: یہ روایت فلیح بن سلیمان کے طریق سے ہی مروی ہے اس کا دوسرا کوئی طریق نہیں اس لئے یہ غریب ہے مگر علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ ابو القاسم الدمشقی نے ذکر کیا ہے کہ فلیح کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

وَيُرْوٰى هٰذَا عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ: اس روایت کو جس طرح فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبد الرحمن سے نقل کیا ہے اسی طرح ایوب بن عبد الرحمن سے بھی نقل کیا ہے اسی طرح فلیح سے روایت کرنے والے ابو داؤد اور ابو عامر بھی ہیں جیسا کہ اگلی روایت میں ہے حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عامر و ابو داود قال حدثنا فلیح بن سلیمان''۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ وَفِي الْبَابِ عَنْ صُهَيْبٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

محمد بن یحییٰ، اسحاق بن محمد فزاری، اسماعیل بن جعفر، عمارہ بن غزیہ، عاصم بن عمر بن قتادہ، محمود بن لبید، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے دنیا سے اس طرح روکتے ہیں جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے روکتا ہے یعنی مرض استسقاء وغیرہ میں۔ اس باب میں حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور محمود بن لبید سے بھی منقول ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، عمر بن ابو عمرو، عاصم بن عمر بن قتادہ، محمود بن لبید ہم سے روایت کی علی بن حجر نے انہوں نے اسماعیل بن جعفر سے انہوں نے عمرو بن ابی عمرو سے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ وَقَتَادَةُ بْنُ النُّعْمَانِ الظَّفَرِيُّ هُوَ أَخُو أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لِأُمِّهِ وَمَحْمُودُ بْنُ لَبِيدٍ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآهُ وَهُوَ غُلَامٌ صَغِيرٌ

انہوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے اور وہ محمود بن لبید سے اسی کے مثل نقل کرتے ہوئے قتادہ بن نعمان کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ قتادہ بن نعمان ظفری، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی ہیں۔ محمود بن لبیدؓ نے بچپن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

تشریح: إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا: دنیا سے بچانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ سرے سے نیک بندے کو دنیا دی ہی نہ جائے اس کو غریب رکھا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو دنیا تو دی جائے مگر اس کے دل کو مال میں نہ الکایا جائے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان اس مریض کی پانی سے حفاظت کرتا ہے جس کو پانی کے استعمال کرنے سے نقصان پہنچتا ہے تا کہ کہیں پانی کا استعمال کر کے اس کا مرض نہ بڑھ جائے اسی طرح جب اللہ رب العزت کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو دنیا کے مال ومتاع سے اسی طرح بچاتے ہیں کیونکہ یہ دنیا کی عیش وعشرت اس بندے کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کو دنیا سے دور رکھتے ہیں۔

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا: یہ روایت محمود بن لبیدؓ نے حضرت قتادہ بن نعمان سے جس طرح متصلاً روایت کی ہے اسی طرح انہوں نے بغیر قتادہ کے مرسلاً بھی نقل کی ہے۔

هُوَ أَخُو أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لِأُمِّهِ: یعنی حضرت قتادہ بن نعمان حضرت ابوسعید خدریؓ کے ماں شریک بھائی ہیں۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمود بن لبیدؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پایا ہے مگر یہ اس وقت چھوٹی عمر کے ہونے کی وجہ سے تھے روایت کرنے کے قابل نہیں تھے اس وجہ سے ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم روایات مرسل ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ قَالَتِ الْأَعْرَابُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا نَتَدَاوَى قَالَ نَعَمْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ تَدَاوَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً أَوْ قَالَ دَوَاءً إِلَّا دَاءً وَاحِدًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا هُوَ قَالَ الْهَرَمُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي

بشر بن معاذ، عقدی بصری، ابوعوانہ، زیاد بن علاقہ، حضرت اسامہ بن شریکؓ کہتے ہیں کہ دیہاتیوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم دوا نہ کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے بندو، دوا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا نہیں رکھا کہ اس کا علاج نہ ہو یا فرمایا دوا نہ ہو۔ ہاں ایک مرض لاعلاج ہے۔ عرض کیا وہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بڑھاپا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابوخزامہ عن

خُزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ ۔ ابیہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قَالَتِ الْأَعْرَابُ: اعراب جمع مکسر ہے اس لئے قال اور قالت مذکر و مؤنث دونوں صیغے آسکتے ہیں۔

أَلَا نَتَدَاوٰى: کیا ہم علاج کریں جب بیمار ہوں ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مقصد یہ تھا کہ بیماری کا علاج کروانا توکل کے منافی تو نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تداووا" کہ تم دوائی وغیرہ لے سکتے ہو اسامہ بن شریک کی اس حدیث میں "تداووا" بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے علما نے علاج کے لئے مختلف احکام کا استنباط کیا ہے۔

علاج کا شرعی حکم: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔

قول اول: جمہور اہل علم کے نزدیک یہ امر اباحت اور ندب کے لئے ہے۔ دوا سے علاج کرنا ہے درست بلکہ مندوب ہے۔

قول ثانی: بعض شوافع اور حنابلہ علاج کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ جمہور حضرات کا قول قوی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کروایا اور اسباب عادیہ کو اختیار کیا۔ البتہ یہ بطور وجوب نہ تھا۔

اسباب کی تین اقسام ہیں: **اول:** سبب یقینی **ثانی:** سبب ظنی **ثالث:** سبب وہمی

سبب یقینی: وہ اسباب و آلات جن کے اختیار کرنے سے عادت و تجربہ یہی ہے کہ فائدہ ضرور مرتب ہوگا۔ مثلاً کھانے سے بھوک کا مٹ جانا۔ پانی کے ساتھ پیاس کا بجھنا وغیرہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔

سبب ظنی: غالب گمان یہ ہے کہ مسببات ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے مثال کے طور پر کوئی مسافر جنگل میں سفر کر رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ توشہ ساتھ ضرور رکھ لے کیونکہ غالب گمان یہ ہے کہ جنگل میں کھانے پینے کی اشیا میسر نہ ہوں گی لہذا ایسے اسباب ظنیہ کا اختیار کرنا سنت مؤکدہ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحین کا طریقہ ہے نیز دفع مضرت کے لئے علاج معالجہ کرنا، فصد وغیرہ کرنا اسباب مظنونہ میں داخل ہیں۔

سبب وہمی: وہ اسباب ہیں جن کے ذریعے مسبباب تک پہنچنا وہمی ہے ضروری نہیں تدبیر کے بعد مطلوب حاصل ہو مثلاً مال حاصل کرنے کے لئے بڑی بڑی تدبیریں کی جاتی ہیں اور وسیع تر منصوبے بنائے جاتے ہیں حالانکہ ان منصوبوں سے مال کا حصول یقینی و ظنی نہیں ہوتا بلکہ وہمی ہوتا ہے۔

تَدَاوَوْا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا اور علاج کرنے کا حکم دیا اس کی وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں ۶ ایسے اسباب بیان کئے ہیں اگر ان اسباب کی موجودگی میں کوئی علاج معالجہ نہ کروانا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض حضرات سلف نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

اول: یہ کہ مریض اہل کشف میں سے ہو اور اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس مرض میں وفات پا جائے گا۔

ثانی: یہ کہ مریض اپنے حال میں مستغرق ہو جائے کہ اس مرض کی تکلیف کا احساس ہی نہ ہو اور دوا علاج کی ضرورت بھی نہ ہو۔

ثالث: مرض اتنا پرانا ہے کہ اس پر کوئی دوا اثر نہیں کرتی جیسے داغ وغیرہ۔

رابع: جو شخص مرض کی اذیت پر صبر کر کے اجر حاصل کرنا چاہتا ہے یا اپنے نفس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

خامس: امراض کے تکفیر ذنوب ہونے کی وجہ سے علاج نہیں کرنا چاہتا۔

سادس: زیادہ صحت مند رہنے سے غرور و کبر کا اندیشہ ہے اس وجہ سے علاج نہیں کرتا۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُطْعَمُ الْمَرِيضُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ السَّائِبِ بْنِ بَرَكَةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعَكُ أَمَرَ بِالْحِسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُولُ إِنَّهُ لَيَرْتُقُ فُؤَادَ الْحَزِينِ وَيَسْرُو عَنْ فُؤَادِ السَّقِيمِ كَمَا تَسْرُو إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَى الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، محمد بن سائب بن برکہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو بخار ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حریرہ تیار کرنے کا حکم دیا کرتے اور پھر اس میں سے گھونٹ گھونٹ پینے کا حکم دیتے اور فرماتے یہ غمگین دلوں کو تقویت پہنچاتا اور بیمار کے دل سے تکلیف دور کرتا ہے۔ جس طرح تم میں سے کوئی عورت پانی کے ساتھ اپنے چہرے کا میل کچیل دور کرتی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ زہری بھی عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحُسَيْنُ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو إِسْحٰقَ الطَّالْقَانِيُّ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ أَبُو إِسْحٰقَ

حسین جریری، ابواسحاق طالقانی، ابن مبارک، یونس، زہری، عروہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ہمیں یہ بات ابواسحاق نے بتائی ہے۔

تشریح: إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ: یہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے "الوعك" فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہے اس کے معنی بخار کے ہیں۔

بِالْحِسَاءِ: دلیہ کو کہتے ہیں دلیہ اور پانی دونوں کو ملا کر گھی یا تیل میں بنایا جاتا ہے اہل مکہ اس کو حریرہ کہتے ہیں۔ اور بعض روایات میں اس کو تلبینہ بھی کہتے ہیں۔ یہ میٹھا اور نمکین دونوں طرح کا ہوتا ہے۔

اس حدیث سے بیمار کے لئے پرہیز کرنا ثابت ہوا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مزاج کے مطابق بیمار کو اشیاء استعمال کرانی چاہئیں۔ خاص طور پر جب مرض ایسا ہو جس سے انسان کو کمزوری لاحق ہو تو ایسے مریض کو ہلکی غذائیں اور خفیف غیر ثقیل ماکولات و مشروبات دی جائیں ایسے موقع پر اطباء کی ہدایت مریض کے حق میں مفید ہوتی ہے اس پر عمل کرنا چاہیے۔

سند پر بحث: اس حدیث کو محمد بن السائب نے اپنی ماں سے اور وہ حضرت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں محمد بن سائب کی ماں کا نام کسی نے نہیں لکھا البتہ ان کے نسب نامہ میں دادا کی جگہ برکہ عورت کا نام آتا ہے ممکن ہے کہ یہ تصحیف ہو اور یہ ان کی ماں کا نام ہو۔ ابن ماجہ میں سند اس طرح ہے "حدثنا محمد بن السائب عن برکۃ عن امہ عن عائشۃ" یعنی برکتہ سے پہلے بن نہیں ہے بلکہ "عن" ہے پس "عن امہ کو عن برکۃ" کا بدل بنائیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُكْرِهُوا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ يُونُسَ بْنِ بُكَيْرٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُلَيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْرِهُوا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَإِنَّ اللَّهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

ابو کریب، بکر بن یونس بن بکیر، موسیٰ بن علی، حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے مریضوں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: حدیث شریف میں ہے کہ تم مریضوں کو کھانا کھانے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے پلاتے ہیں ان کو نہ کھانے کی وجہ سے ضعف لاحق نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اس کا مداوا کر دیتے ہیں اگر بیمار کھانے سے انکار کرے گا اور اس کو زبردستی کھانا کھلایا جائے گا تو اس کی طبیعت کھانے کی طرف متوجہ ہوگی اور وہ اپنی بیماری کا مقابلہ نہیں کر سکے گا لہٰذا مریض کو کھانا کھلانے سے قبل اس کی دو حالتوں کا ضرور خیال کیا جائے۔ پہلی یہ کہ مریض کو بھوک لگی ہے لیکن کھانے کو جی نہیں چاہتا تو ایسے شخص کو حریرہ بنا کر دیا جائے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ مریض بالکل کھانا ہی نہیں چاہتا اس کو بھوک نہیں ہے ایسی حالت میں اس کو کھانا نہیں کھلانا چاہیے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کھانے پینے کی حاجت نہیں اس لئے زبردستی اس کو نہ کھلایا پلایا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ

ابن ابی عمر، سعید بن عبدالرحمن مخزومی، سفیان، زہری، ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس سیاہ دانے (کلونجی) کو ضرور استعمال کرو۔ اس میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی شفاء ہے۔ اس باب میں حضرت بریدہ، ابن

وَالسَّامُ الْمَوْتُ وَفِي الْبَاب عَنْ بُرَيْدَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

عمر اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: کلونجی کے فوائد: شونیز اور الحبۃ السوداء بھی اسے کہتے ہیں یہ پیاز کے دانے کے برابر سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں یہ گرم وخشک ہوتی ہے رطوبت کو خشک کرتی ہے قوت باہ کو پختہ اور معتدل کرتی ہے پیشاب اور حیض کے جریان کے لئے مفید ہے نزلہ کے لئے مفید ہے نہار منہ استعمال کرنے سے پیٹ کے کیڑوں کے لئے نافع ہوتی ہے۔ یرقان کے مریض کے لئے سعوطاً نافع ہے۔ بہر حال کلونجی کثیر المنافع دوا ہے کبھی اس کو مفرد استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی مرکب اور کبھی سفوف بنا کر استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی جوشاندہ کی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ: یہ حدیث عموم پر ہے یا خصوص پر اس میں اختلاف ہے۔

قول اول: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مرض کے لئے مفرداً اور کسی کے لئے مرکباً مفید ہے بشرطیکہ کوئی ماہر واقف اس کے مزاج اور استعمال کو صحیح جانتا ہو۔

قول ثانی: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ کلونجی مطلقاً جملہ امراض کے لئے مفید ہے بشرطیکہ اس کا اعتقاد بھی ہو کیونکہ طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے لئے اعتقاد طیب اور بدن طیب چاہیے۔

قول ثالث: موفق بن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اکثری ہے یعنی جملہ ادویات میں سب سے زیادہ امراض کے دفعیہ کے لئے کلونجی مفید ہے اس لئے تغلیباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ کلونجی میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

قول رابع: علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عمومی ہے مگر اس سے مراد خاص امراض ہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔

قول خامس: علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ روایت میں عموم ہی مراد ہے البتہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مرکب کر کے استعمال کی جائے۔

قول سادس: حافظ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں شہد کے بارے میں ارشاد فرمایا "فیہ شفاء للناس"۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہد جملہ امراض کے لئے شفاء ہے مگر اس کے باوجود بہت سے امراض کے لئے بعض مرتبہ شہد مضر بھی ہو جاتا ہے اسی طرح کلونجی کے بارے میں ارشاد فرمایا لہٰذا کلونجی کا بعض امراض کے لئے شفا نہ ہونا اس کے عموم کے خلاف نہیں۔

قول سابع: بعض حضرات نے کہا کہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے حال کو دیکھ کر ہی کچھ ارشاد فرماتے تھے ممکن ہے جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا مریض ہو جس کو امراض باردہ عارض ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاج کی تجویز کو دیکھ کر فرمایا "فان فیہا شفاء من کل داءٍ"۔

قول ثامن: ابن جمرہ کہتے ہیں کہ ہم اہل طب کے تجربات پر یقین کرتے ہیں اور اسی پر عمل کرنے لگ جاتے ہیں اس اعتبار سے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہر ایک بات کو بلا شک وشبہ بلا چوں چراں کے اس کی تصدیق کر لینی چاہیے اور کلونجی کو شفاء مان لینا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شُرْبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ وَثَابِتٌ وَقَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ عُرَيْنَةَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن محمد زعفرانی، عفان، حماد بن سلمہ، حمید، ثابت، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عرینہ قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے تو انہیں مدینہ کی ہوا موافق نہ آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صدقے (زکوۃ) کے اونٹوں میں بھیج دیا اور فرمایا ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب کی مکمل شرح الخیر الشذی جلد اول ص ۲۵۴، ۲۵۵ ابواب الطہارۃ میں گزرچکی ہے۔

بَابُ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسَمٍّ أَوْ غَيْرِهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أُرَاهُ رَفَعَهُ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُمٍّ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا

احمد بن منیع، عبیدہ بن حمید، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے آپ کو کسی لوہے سے قتل کیا وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اسے اپنے پیٹ پر مارتا رہے گا اور جہنم میں ہمیشہ رہے گا اور جو آدمی زہر پی کر خودکشی کرے گا۔ اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ جہنم میں اسے پیتا رہے گا۔

تشریح: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ: جو شخص اپنے آپ کو لوہے سے قتل کرے مطلب یہ ہے کہ جو شخص خودکشی کرے لوہے کے ساتھ تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ وہ لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اس کو اپنے پیٹ میں گھماتا ہوا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اسی طرح زہر پینے کا بھی حکم ہے کہ وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ زہر کا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس زہر کو گھونٹ گھونٹ پی رہا ہوگا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنا حرام ہے اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا وعید ہوگی کہ وہ شخص اپنے ساتھ وہی معاملہ قیامت تک کرتا رہے گا جو معاملہ موت کے وقت کیا اور اسی طرح قیامت کے دن جب اٹھایا جائے گا تو وہ اپنے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا رہے گا۔

خودکشی کو حرام کیوں قرار دیا گیا: وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو جو جسم و جان دی وہ اس کے پاس امانت ہے اس میں اللہ

تعالیٰ کے حکم کے خلاف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اگر کوئی بندہ بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے لئے علاج معالجہ کا حکم ہے لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاک کرتا اور خودکشی کر لیتا ہے تو یہ شخص خائن کہلائے گا اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا اور گناہ کبیرہ پر جہنم کی سزا ضرور ملے گی۔

خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا: معتزلہ حضرات اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوگا مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ اپنی سزا پا کر بالآخر ایمان کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا اور مخلد فی النار نہ ہوگا۔ باقی رہی حدیث الباب تو اس کی مختلف توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

اول: بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس روایت میں "خالدًا مخلدًا ابدًا" کی زیادتی وہم ہے لہذا یہ زیادتی ثابت نہیں۔

ثانی: یا یہ مستحل پر محمول ہے اور گناہ کو حلال سمجھ کر کرنے والا کفر میں داخل ہو جاتا ہے اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

ثالث: یہ زجر و تہدید پر محمول ہے۔ **رابع:** یا اس طرح کی روایت کو محمول کریں گے "الا ان یشاء اللہ" کے ساتھ کہ اگر اللہ چاہے تو اس کی سزا ختم کر کے جنت میں داخل کر دے۔ **خامس:** خلود سے مراد مکث طویل ہے اور آگے ابدًا اس کی تاکید ہے حقیقۃً دوام مراد نہیں مطلب یہ ہے کہ طویل مدت تک ایسا شخص جہنم میں رہے۔ **سادس:** یا اس سے مراد خاص جنت کی محرومی ہے یعنی وہ شخص مخصوص جنت کے لائق تھا مگر خودکشی کی وجہ سے اس جنت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا البتہ جنت کے ادنی درجہ میں ضرور داخل ہوگا۔ **سابع:** کہ اصل جزا تو ایسے قاتل کی یہی ہے مگر عقیدہ توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کرم فرماتے ہوئے بالآخر اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے۔ **ثامن:** یہ حکم کسی خاص شخص کے بارے میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا کہ یہ شخص جہنم میں رہے گا۔ **تاسع:** حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ خلود اپنے محل کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے مثلاً خلود دنیا موت تک، خلود عالم برزخ حشر و نشر تک، اسی طرح یہاں حدیث میں خلود کے معنی ایک حد تک ہے جس کی ایک انتہاء ہے مطلب یہ ہوگا کہ ایسے شخص کے لئے عذاب کی مدت متعین ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسُمٍّ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی لوہے سے خود کو قتل کرے گا وہ اس چیز کو ہاتھ میں لے کر آئے گا اور اسے اپنے پیٹ میں بار بار مار رہا ہوگا اور وہ یہ عمل جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے گا اور اسی طرح خود کو زہر سے مارنے والا بھی زہر ہاتھ میں لے کر آئے گا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح زہر پیتا رہے گا۔ پھر جو شخص پہاڑ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرے گا۔ وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں اسی طرح گرتا رہے گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد بن علاء، وکیع، ابومعاویہ، اعمش، ابوصالح، محمد بن علاء بھی وکیع سے اور وہ اور ابومعاویہ اعمش سے وہ ابوصالح سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شعبہ کی اعمش سے منقول حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اور پہلی سے زیادہ صحیح ہے۔ یہ حدیث اعمش سے بواسطہ ابوصالح بھی اسی طرح منقول ہے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں

تشریح: وَمَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ: اس حدیث میں پہاڑ سے گرانے کا ذکر ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرا کر خودکشی کرے گا اس کو بھی دوزخ کی آگ میں لمبے عرصے تک رہنا پڑے گا۔

سند پر کلام: اس حدیث کو اعمش سے وکیع روایت کرتے ہیں اور ابومعاویہ بھی شعبہ کی طرح روایت کرتے ہیں اعمش حدیث کو بالیقین مرفوع روایت کرتے ہیں اس پر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ صحیح حدیث ہے اور پہلی حدیث سے صحیح تر ہے اعمش کے دیگر متعدد تلامذہ نے بھی یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے لہٰذا عبیدہ کو حدیث میں جو شک تھا وہ ٹھیک نہیں تھا یہ حدیث بالیقین مرفوع ہے۔

وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِسُمٍّ عُذِّبَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَهٰكَذَا رَوَاهُ أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ إِنَّمَا تَجِيءُ بِأَنَّ أَهْلَ التَّوْحِيدِ يُعَذَّبُونَ فِي النَّارِ ثُمَّ يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّهُمْ يُخَلَّدُونَ فِيهَا

محمد بن عجلان، سعید مقبری سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے زہر کھا کر خودکشی کی وہ جہنم کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ کا ذکر نہیں۔ ابوزناد بھی اعرج سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کی متعدد روایات آئی ہیں کہ توحید والوں کو دوزخ میں عذاب دینے کے بعد نکالا جائے گا یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں ''خالدًا مخلدًا'' کی قید نہیں ہے اس لئے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تیسری روایت صحیح ترین ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں ہے کہ گنہگار مومن اہل توحید اگرچہ دوزخ میں جائیں گے مگر بعد میں وہ دوزخ سے نکال دیئے جائیں گے اور کسی روایت میں یہ ثابت نہیں کہ مومن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اس وجہ سے یہ تیسری روایت زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ مُجَاهِدٍ

سوید بن نصر، عبداللہ بن مبارک، یونس بن ابواسحاق، مجاہد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ يَعْنِي السُّمَّ

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبیث دوا یعنی زہر سے منع فرمایا۔

تشریح: عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ: اس سے مراد یا تو حرام دوا ہے یا ناپاک دوا ہے بعض نے کہا کہ خبیث دوا سے مراد ایسی دوا ہے جس سے طبیعت نفرت کرتی ہو۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ خبیث دوا سے مراد زہر ہی لیا جائے۔ ''الدواء الخبیث'' کی تفسیر یا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ہے یا کسی اور کی طرف سے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس باب میں اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ زہر کے ذریعے خودکشی کرنا عام ہے خواہ تو مرنے کے لئے زہر پیا یا دوائی کے طور پر زہر پیا دونوں صورتوں میں خودکشی کرنے کا گناہ ہوگا کیونکہ ماہر طبیب کی اجازت یا اس کے مشورہ کے بغیر زہر استعمال کرنا جائز نہیں۔

زہر کا شرعی حکم: علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ زہر کے بارے میں چار صورتیں ہیں۔

اول: ایسا تیز زہر جس کی تھوڑی مقدار اور زائد مقدار جان جانے کا سبب بن جائے اس کو بطور تداوی اور غیر تداوی دونوں طرح استعمال کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة ''۔

ثانی: ایسا زہر جس کی کثیر مقدار سے موت واقع ہو جاتی ہے اور قلیل مقدار سے موت واقع نہیں ہوتی تو کثیر زہر استعمال کرنا حرام ہے البتہ قلیل مقدار اگر بطور دوا کے مسلم حاذق کی تجویز سے ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے مگر اس کا بدل تلاش کرنا ضروری ہے۔

ثالث: ایسا زہر جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ اس سے موت واقع ہو جائے گی تو اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

رابع: ایسا زہر جس کے بارے میں یہ گمان ہو کہ موت واقع نہیں ہوگی البتہ موت کا امکان ہے اس کے متعلق شوافع کے دو قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق اباحت اور اجازت ہے اور دوسری جگہ حرمت کا قول فرمایا ہے بعض نے دونوں قولوں کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ زہر کا استعمال تداویاً جائز ہے ورنہ اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّدَاوِي بِالْمُسْكِرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سِمَاكٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلَهُ سُوَيْدُ بْنُ طَارِقٍ أَوْ طَارِقُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ عَنْهُ فَقَالَ إِنَّا نَتَدَاوَى بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ وَلَكِنَّهَا دَاءٌ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، سماک، علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔ سوید بن طارق یا طارق بن سوید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کیا ہم اس سے علاج کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔ محمود بھی نضر اور شبابہ سے اور

حَدَّثَنَا النَّضْرُ وَشَبَابَةُ عَنْ شُعْبَةَ بِمِثْلِهِ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ النَّضْرُ طَارِقُ بْنُ سُوَيْدٍ وَقَالَ شَبَابَةُ سُوَيْدُ بْنُ طَارِقٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

وہ شعبہ سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ محمود کی روایت میں طارق بن سوید اور شباب کی سند میں سوید بن طارق ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اگر خمر کے تداوی کے متعلق ہو تو پھر اس میں کسی تاویل وغیرہ کی گنجائش نہیں کیونکہ انگور کی شراب قطعاً حرام ہے اور اگر حدیث کو عام مانا جائے جیسا کہ ترجمۃ الباب سے واضح ہو رہا ہے اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے لوگوں میں یہ تصور تھا کہ اس طرح کی شراب میں ذاتی شفا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نفی فرمائی کہ خمر دوا نہیں یعنی اس میں ذاتی شفا نہیں بلکہ وہ بیماری ہے۔

شراب کی اقسام: چار قسم کی شرابیں بالاتفاق ناپاک اور حرام ہیں۔ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے گھر میں رکھنا اور کام میں لانا جائز نہیں۔ یہ چار شرابیں قطعاً حرام ہیں ان کے علاوہ کا حکم یہ ہے کہ بعض روایات سے ان کا بھی حرام اور نجس ہونا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات میں ان کا پاک ہونا اور دوا کے طور پر استعمال کرنا بشرطیکہ ان میں نشہ نہ ہو جائز ہے۔

دوسرا یہ کہ جس چیز کی حلت وحرمت میں اختلاف ہو تو اسے ایک مسلمان کی طبیعت قبول نہیں کر سکتی لیکن عموم بلوی ایسی چیز ہے جس سے فتوی میں ایسے موقع پر گنجائش نکلتی ہے لیکن پھر بھی ایسی دواؤں سے اگر ممکن ہو تو کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعُوطِ وَغَيْرِهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوَيْهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُودُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ فَلَمَّا اشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهُ أَصْحَابُهُ فَلَمَّا فَرَغُوا قَالَ لُدُّوهُمْ قَالَ فَلُدُّوا كُلُّهُمْ غَيْرَ الْعَبَّاسِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہاری دواؤں میں سے بہترین دوا سعوط، لدود، پچھنے لگوانا اور مشی ہے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ میں دوا ڈالی۔ جب وہ فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان سب کے منہ میں دواء ڈالو۔ راوی کہتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سوا تمام کے منہ میں دوا ڈالی گئی۔

تشریح: السَّعُوطُ: ناک کے ذریعے سے دوائی ڈالنا۔ اگر سین کے ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر ہوگا معنی ہوگا ناک میں دوا چڑھانا۔
وَاللَّدُودُ: منہ میں ایک جانب ڈالنے کی دوا۔ اگر لام کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے مریض کی زبان ایک طرف کر کے دوسری جانب دوا ڈالنا۔ **وَالْمَشِيُّ:** مسہل دوا۔ دوا کے ذریعے سے کسی کو دست لگانا۔ دست آور دوا کو ''مشی'' اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ پینے والے کو بار بار چلنے پر مجبور کرتی ہے۔

فَلَمَّا اشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهُ أَصْحَابُهُ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوئے تو صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں دوا ٹپکائی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے ساتھ منع فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ نے پھر بھی لدود کر دیا چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لدود کی تعریف سنی تھی جب لوگ اس سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جن لوگوں نے میرے منہ میں دوا ٹپکائی ہے ان کے منہ میں بھی دوا ٹپکائی جائے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ لدود کرنے والے تمام صحابہؓ کے ساتھ لدود کیا گیا۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ میں دوا ٹپکانے کا حکم کیوں فرمایا؟

جواب اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اس مرض میں میری وفات ہونے والی ہے لہذا لدود سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً منع فرمایا تھا لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر بھی لدود کر دیا یہ ایک قسم کی نافرمانی پائی گئی اس پر تعزیراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان حضرات کے منہ میں بھی دوا ٹپکائی جائے۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات الجنب کی بیماری ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بیماری نہیں تھی اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لدود سے منع کیا تھا مگر صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبعاً دوا سے کراہت فرما رہے ہیں اس وجہ سے صحابہ کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لدود کر دیا۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لدود کرایا تاکہ دنیا میں ہی لدود کا بدلہ لدود ہو جائے۔ ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لدود کرنے کا انتقام خود اللہ تعالیٰ لیتے تو معلوم نہیں تھا کہ کونسی سزا ملتی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی سزا تجویز کر دی۔

غَيْرَ الْعَبَّاسِ: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لدود کرنے سے روک دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقت لدود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر نہیں تھے۔

اشکال: ابن اسحاق کی رائے یہ ہے کہ لدود کا مشورہ دینے والے تو خود حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو ان کو مستثنیٰ کیونکر کیا گیا۔

جواب اول: ممکن ہے کہ لدود کا حکم تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا ہو لیکن بوقت لدود اس وقت حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود نہ ہوں۔ اس لئے ان کو لدود نہ کیا گیا دوسرا یہ قاعدہ ہے کہ مرتکب کے ہوتے ہوئے متسبب پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

جواب ثانی: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعظیماً و تکریماً لدود نہیں کروایا۔

جواب: بعض حضرات نے جواب دیا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزے سے تھے اس لئے ان کو مستثنیٰ کیا گیا مگر یہ جواب ٹھیک نہیں کیونکہ روزے کے بعد یا ایک دو دن بعد تو لدود کرایا جا سکتا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لدود کیوں نہ فرمایا۔ حالانکہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہاں موجود تھیں اور وہ بھی روزے سے تھیں لیکن پھر بھی ان کو لدود کیا گیا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمد بن یحیی، یزید بن ہارون، عباد بن منصور، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہاری دواؤں میں سے بہترین دوائیں لدود،

إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُودُ وَالسَّعُوطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ ‌وَخَيْرُ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ حَدِيثُ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ

سعوط، پچھنے لگانا اور مشی ہے۔ جبکہ بہترین سرمہ اثمد ہے اس سے نظر تیز ہوتی ہے اور پلکوں کے بال اگتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوتے وقت ہر آنکھ میں تین سلائیاں سرمہ لگایا کرتے تھے۔ یہ حدیث عباد بن منصور کی روایت سے حسن غریب ہے۔

تشریح: **اَلْإِثْمِدُ:** یہ ایک قسم کا پتھر ہے جو سرخی مائل ہوتا ہے عرب کے شہروں میں پایا جاتا ہے بعض حضرات نے کہا کہ یہ اصفہانی سرمہ ہے جو آنکھوں کی صحت وقوت کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے بالخصوص بوڑھوں اور بچوں کے لئے زیادہ مفید ہے۔
اَلشَّعْرَ: اس سے مراد پلکیں ہیں جو آنکھوں پر بال ہوتے ہیں جن کو پلکیں کہا جاتا ہے اور ان سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے۔
مُكْحُلَةٌ: مراد یہاں سرمہ دانی ہے۔ **فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ:** آنکھوں کو خوبصورت کرنا، روشن کرنا۔ سرمہ لگانے کی بحث ماقبل میں ابواب اللباس کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْكَيِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْكَيِّ قَالَ فَابْتُلِينَا فَاكْتَوَيْنَا فَمَا أَفْلَحْنَا وَلَا أَنْجَحْنَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، قتادہ، حسن، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داغنے سے منع فرمایا راوی کہتے ہیں پس جب ہم بیمار ہوئے تو ہم نے داغ لگایا لیکن ہم نے مرض سے چھٹکارا نہیں پایا اور نہ ہی کامیاب ہوئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نُهِينَا عَنِ الْكَيِّ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

عبدالقدوس بن محمد بن عمرو بن عاصم، ہمام قتادہ، حسن، حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں داغ لگانے سے منع کیا گیا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عقبہ بن عامر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **اَلْكَيِّ:** اور "الکیۃ" دونوں مصدر ہیں "کواہ یکوی" کے۔ لوہا تپا کر کھال کو داغنا یا بعض حضرات سوئی کے ذریعے جسم کو کرید کر اس میں سرمہ بھرتے ہیں وہ داغ ہمیشہ رہتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہاں دو باب قائم کئے ہیں ایک باب میں کراہت اور دوسرے باب میں رخصت کی روایات ذکر کی ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں دونوں طرح کی روایات ہیں

کراہت کی روایات بھی ہیں اور اباحت کی بھی ہیں۔

اباحت کی روایات: اگلے باب میں داغنے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے "عن انس أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کوی اسعد بن زرارة من الشوکة"۔

ممانعت کی روایات: (۱) یہی حدیث الباب ہے "نھی عن الکی قال فابتلینا فاکتوینا فما افلحنا ولا انجحنا"۔

(۲) اس باب کی دوسری روایت "عن عمران بن حصین قال نھینا عن الکیّ"۔ ہمیں داغنے سے منع کیا گیا۔

(۳) ابن ماجہ میں اسی طرح کی روایت ہے "نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فاکتویت فما افلحت ولا انجحت"

احادیث اباحت وممانعت میں تطبیق: اول: کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جس کا علاج ہر طرح سے کیا جا چکا ہو لیکن کسی علاج سے افاقہ نہ ہو رہا ہو تو پھر ماہر طبیب کی رائے پر داغنے والا عمل کیا جائے تو ایسی شدید حالت میں داغنا جائز و درست ہے جیسا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخم کو داغا گیا جب ان کا خون کسی بھی طرح سے رک نہیں رہا تھا آخری علاج یہی کیا گیا کہ ان کے زخم کو داغا گیا تو خون رسنا بند ہو گیا۔

ثانی: دوسرا یہ کہ ممانعت والی احادیث قولی ہیں اور اباحت والی فعلی روایات ہیں جب قولی اور فعلی میں تعارض ہو جائے تو قولی کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا ممانعت والی روایات راجح ہوں گی۔

ثالث: داغنا چونکہ انتہائی تکلیف دہ ہے اور آگ سے جلانا تعذیب من النار ہے اس لئے اس کی ممانعت ہے اور اسے اختیار کرنے سے حتی الوسع اجتناب کرنا چاہیے لیکن اس میں نہی تحریمی نہیں کیونکہ اول حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نہی تحریمی ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین منع کے باوجود اس کا ارتکاب واقدام نہ کرتے کہ نہی کا بھی ذکر کریں اور اس کے خلاف بھی کریں۔

احادیث ممانعت کے جوابات: جواب اول: داغنے سے نہی کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں بلکہ عرب کے لوگوں میں یہ عقیدہ جڑ پکڑ گیا تھا کہ داغنا ایسا علاج ہے جس کے ذریعے سے صحت یقینی ہے اور اگر نہ داغا گیا تو ہلاکت لازمی ہے حالانکہ علاج تو سنت ہے موت وحیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کسی بھی طریقہ علاج میں ایسا عقیدہ رکھنا درست نہیں کہ اسی میں صحت ہر صورت مضمر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرما کر اس باطل عقیدہ کا رد کر دیا۔ لہٰذا نفس کیّ کی ممانعت نہیں بلکہ عقیدہ فاسدہ کی تردید تھی۔

جواب ثانی: باقی رہی حضرت عمران بن حصین والی روایت کہ ان کو داغنے سے منع فرمایا اس لئے کہ ان کا زخم ایسا بگڑ چکا تھا جس میں داغنے کی افادیت متوقع نہیں تھی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر اندیشہ ہو کہ داغنے سے فائدہ نہیں ہو گا تو پھر اجتناب کرنا چاہیے۔

جواب ثالث: نہی اس صورت میں ہے کہ جب تکلیف وزخم ایسی جگہ پر ہو کہ داغنے سے زیادہ تکلیف ہو گی یا کوئی عضو شل ہو جائے گا یا خوبصورتی ختم ہو جائے گی تو ایسی صورت میں بھی نہ داغنا بہتر ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ داغنے سے نہی والی احادیث نہی تنزیہی پر اور اباحت والی احادیث نفس جواز پر محمول ہیں۔

داغنے کے عمل کو پسند نہ کرنے کی وجہ: یہ ہے کہ چونکہ داغنے سے انسان کو بہت شدید تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جیسا کہ کوئی آگ سے گرم لوہا لے کر لگا دے اس میں زندہ انسان کو آگ میں جلانے کا تصور ہے۔

بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ کو بواسیر کی بیماری تھی ان کو داغ لگوانا مضر تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو منع فرمایا تھا جب مرض بڑھ گیا تو انہوں نے مجبوراً داغ لگوایا لیکن اس سے شفاء نہیں ہوئی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوَى أَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أُبَيٍّ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حمید بن مسعدہ، یزید بن زریع، معمر، زہری، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسعد بن زرارہؓ کو شوکہ (سرخ پھنسی) کی بیماری میں داغ دیا۔ اس باب میں حضرت ابی بن کعب اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس باب میں داغنے کے عمل کو رخصت قرار دیا ہے رخصت اور ممانعت والی روایات کی توجیہات ماقبل میں گزر چکی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِجَامَةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَإِحْدٰى وَعِشْرِينَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

عبدالقدوس بن محمد، عمرو بن عاصم، ہمام جریر بن حازم، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر کے دونوں جانب کی رگوں اور شانوں کے درمیان پچھنے لگایا کرتے تھے اور یہ عمل سترہ، انیس یا اکیس تاریخ کو کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: **الْأَخْدَعَيْنِ**: اخدع کی تثنیہ ہے گردن کے دونوں پہلوؤں پر دو پوشیدہ رگوں کے نام ہیں۔

وَالْكَاهِلِ: گردن کے قریب ابھرے ہوئے حصہ کو کاہل کہتے ہیں جسے کندھا بھی کہا جاتا ہے۔

حجامہ کی وجہ اور اس کی ابتداء: زمانہ قدیم میں لوگوں کی غذائیں اچھی ہوتی تھیں جس سے خون زیادہ پیدا ہوتا تھا خون کی زیادتی کی وجہ سے مختلف امراض کے لاحق ہونے کا اندیشہ تھا اور وہ علاقے ریتلے اور گرم ہوتے تھے اس علاقے کے لوگ اگر حجامہ نہ کروائیں تو صحت کے بگڑنے کا اندیشہ رہتا تھا اس لئے وہ حجامہ کا استعمال کرتے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نقل کیا ہے کہ عبداللہ مارزی کا قول ہے کہ بیماریوں کی اقسام ہوتی ہیں بعض بیماریاں دموی ہوتی ہیں یا صفراوی یا بلغمی یا سوداوی ہوتی ہیں۔ اگر بیماری دموی ہو یعنی خون کے فساد اور بگاڑ سے ہوتی ہے تو اس کا

علاج فاسد مادہ اور خون کے اخراج سے ہوگا جیسے حجامہ لگوانا یا سینگی لگوانا۔

اور اگر باقی تین بیماریوں میں سے ہو تو پھر ان کا علاج اسہال اور پیٹ ہلکا کرنے سے ہوگا اور اس کا علاج شہد دینے میں بھی ہے اور یہی طب کی بنیادی اور اصل وجہ ہے کہ ان دونوں طریقوں سے علاج کیا جاتا ہے اور اگر بیماری ایسی بگڑ چکی ہے کہ ان تینوں علاجوں میں سے کسی علاج کے قابو میں نہیں آتی تو مجبوراً آخری درجہ داغنے کا ہے جو مریض کے لئے تکلیف دہ ہونے کی وجہ سے پسندیدہ نہیں۔

حجامہ کے لئے گردن کی رگوں میں سینگی لگوانا مفید ہے یہ سر، چہرے، دانت، آنکھ، ناک کے امراض کے لئے بھی مفید ہے کندھے پر حجامہ مضر ہے مگر حلق کے درد کے لئے مفید ہے اور پاؤں کے اوپر حجامہ لگوانا رانوں اور پنڈلیوں کے زخموں کے لئے مفید ہے اسی طرح ٹھوڑی کے نیچے حجامہ لگانا سر کے تنقیہ کے لئے مفید ہے سینے کے نیچے حجامہ خارش اور چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کے لئے مفید ہے نیز بواسیر کے لئے حجامہ بھی مفید ہے۔ اسی طرح حجامہ علی المقعد آنتوں کے لئے نافع ہے اور فساد حیض کے لئے بھی فائدہ مند ہے۔

حجامہ لگوانے کی تاریخ و ایام: سینگی لگوانے کے ایام یہ ہیں: جمعرات، جمعہ، اتوار، پیر اور تاریخوں میں اسلامی تاریخ سترہ، انیس، اکیس ہیں۔ مہینہ کے ابتدائی دنوں میں عموماً خون میں جوش و غلبہ ہوتا ہے کہ جسم میں اختلاط اور ملے ہوئے مادوں میں ہیجان ہوتا ہے جبکہ مہینے کے آخر میں مطمئن اور ساکن ہوتے ہیں اس لئے اعتدال والے دنوں کو موزوں قرار دیا۔ دن میں کب لگوائے جائیں تو اکثر اطباء کے ہاں دن کے ابتدائی حصہ کے بجائے تیسرے یا دوسرے حصے میں حجامہ لگوانا زیادہ نفع مند ہے اور خوب سیر ہو کر حجامہ نہ لگوائیں بلکہ کھانے وغیرہ کے بعد تین یا چار گھنٹے کا وقفہ ضروری ہے تاکہ طبیعت نہ بگڑ جائے۔ بہر حال حجامہ کے لئے محل تاریخ، دن، وقت، طبیعت کی حالت سب کا لحاظ کرتے ہوئے حجامہ کا عمل کرنا بڑا مفید ہے۔ یہ تمام تفاصیل احتیاطی تدابیر کی بنیاد پر ہیں شرعی حکم کے اعتبار سے بلا کراہت کسی بھی تاریخ دن اور وقت میں حجامہ کرایا جا سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ بُدَيْلِ بْنِ قُرَيْشٍ الْيَامِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحٰقَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِهٖ أَنَّهٗ لَمْ يَمُرَّ عَلٰى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا أَمَرُوْهُ أَنْ مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ

احمد بن بدیل بن قریش کوفی، محمد بن فضیل عبد الرحمن بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمن، ابن عبد اللہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کا قصہ سناتے ہوئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتوں کے کسی ایسے گروہ کے پاس سے نہیں گزرے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت کو پچھنے لگانے کا حکم دینے کا نہ کہا ہو۔ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے غریب حسن ہے۔

تشریح: ملائکہ انسانوں کی مصلحت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یہ مضمون حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے ملائکہ کی توجہات ہمیشہ انسانوں کی طرف رہتی ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مؤمنین کو حجامہ کا بتایا۔

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: یہ حدیث قاسم بن عبد الرحمن روایت کرتے ہیں اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے پوتے قاسم نہیں ہیں جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے بلکہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہیں جن کی طرف امام ترمذیؒ نے سند میں اشارہ فرمادیا ہے "هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ"۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ يَقُولُ كَانَ لِابْنِ عَبَّاسٍ غِلْمَةٌ ثَلَاثَةٌ حَجَّامُونَ فَكَانَ اثْنَانِ يُغِلَّانِ عَلَيْهِ وَعَلَى أَهْلِهِ وَوَاحِدٌ يَحْجُمُهُ وَيَحْجُمُ أَهْلَهُ قَالَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ نَبِيُّ اللهِ نِعْمَ الْعَبْدُ الْحَجَّامُ يَذْهَبُ الدَّمَ وَيُخِفُّ الصُّلْبَ وَيَجْلُو عَنِ الْبَصَرِ وَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عُرِجَ بِهِ مَا مَرَّ عَلَى مَلَإٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَحْتَجِمُونَ فِيهِ يَوْمَ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُودُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَدَّهُ الْعَبَّاسُ وَأَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَدَّنِي فَكُلُّهُمْ أَمْسَكُوا فَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِمَّنْ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ غَيْرَ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ قَالَ النَّضْرُ اللَّدُودُ الْوَجُورُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ مَنْصُورٍ

عبد بن حمید، نضر بن شمیل، عباد بن منصور، حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس تین غلام تھے جو پچھنے لگاتے تھے۔ ان میں سے دو تو اجرت پر کام کیا کرتے اور ایک ان کی اور ان کے گھر والوں کو حجامہ لگایا کرتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کرتے تھے کہ فرمایا حجامہ کرنے والا غلام کتنا بہترین ہے۔ خون کو لے جاتا ہے۔ پیٹھ کو ہلکا کر دیتا ہے اور نظر کو صاف کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے تو فرشتوں کے جس گروہ سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔ انہوں نے یہی کہا کہ حجامہ ضرور کیا کریں۔ فرمایا پچھنے لگانے کے لئے بہترین دن سترہ، انیس اور اکیس تاریخ ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ بہترین علاج سعوط، لدود، حجامہ اور مشی (اسہال) ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ میں حضرت عباسؓ اور بعض صحابہؓ نے دوا ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر موجود شخص کے منہ میں (بطور قصاص) دوا ڈالی جائے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباسؓ کے علاوہ سب حاضرین کے منہ میں دوائی ڈالی گئی۔ نضر کہتے ہیں کہ لدود، وجور کو کہتے ہیں یعنی منہ کی جانب سے دوائی پلانا۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف عباد بن منصور کی حدیث سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ترجمہ سے واضح ہے اور کچھ وضاحت احادیث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّدَاوِي بِالْحِنَّاءِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ

احمد بن منیع، حماد بن خالد خیاط، رافع، حضرت علی بن

الْخَيَّاطُ حَدَّثَنَا فَائِدٌ مَوْلًى لِآلِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ جَدَّتِهِ وَكَانَتْ تَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَا كَانَ يَكُونُ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ إِلَّا أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَّاءَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ فَائِدٍ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ فَائِدٍ فَقَالَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهِ سَلْمٰى وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَلِيٍّ أَصَحُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ فَائِدٍ مَوْلٰى عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ مَوْلَاهُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

عبیداللہ اپنی دادی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتی تھیں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اگر کسی پتھر یا کانٹے وغیرہ سے زخم ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اس زخم پر مہندی لگانے کا حکم فرماتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف فائد کی روایت سے جانتے ہیں۔ بعض راوی یہ حدیث اس طرح فائد سے نقل کرتے ہیں کہ فائد، عبیداللہ بن علی سے اور وہ اپنی دادی سلمٰی سے نقل کرتے ہیں اور عبیداللہ بن علی زیادہ صحیح ہے۔ محمد بن علاء، زید بن حباب سے وہ عبیداللہ بن علی کے مولیٰ فائد سے وہ اپنے آقا سے وہ اپنی دادی سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: قَرْحَةٌ: قاف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تلوار یا چھری کا زخم۔

نَكْبَةٌ: ن اور باء کے فتحہ کے ساتھ وہ زخم جو پتھر یا کانٹے سے لگا ہو یہاں مراد عام زخم ہے پھوڑا پھنسی بھی اس میں داخل ہے۔ زخم یا پھوڑے پھنسی میں مہندی لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ زخم کو خشک کرنے اور اس کو برودت پہنچانے میں مہندی نافع ہے اور اس سے زخم کا درد بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پاؤں کی انگلیوں کے بیچ میں تو مہندی لگانے سے وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

مردوں کیلئے مہندی کا حکم: اس کے متعلق ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حدیث پاک مطلق اور عام ہے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے تکلیف کے وقت جسم اور پاؤں وغیرہ پر مہندی لگانا درست ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مرد صرف پاؤں کے تلوؤں پر لگائیں اور ناخنوں پر نہ لگائیں عورتوں کے ساتھ مشابہت سے بچتے ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے مہندی صرف ضرورت اور علاج کے وقت صرف پاؤں کے لئے درست ہے اس میں بھی تشبہ بالنساء سے اجتناب ضروری ہے۔ بہر حال عورتوں اور مردوں کے لئے فرق ہونا چاہیے کہ عورتوں کے ہاتھ تو مہندی سے رنگے ہوئے ہوں اور مردوں کے ہاتھ بغیر مہندی کے ہوں۔

عن جدته وكانت تخدم: ان کا اصلی نام سلمٰی تھا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور اپنے آزاد کردہ ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی پھوڑا پھنسی نکلتا یا کوئی زخم ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیتے میں اس پر مہندی لگاتی۔

وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ فَائِدٍ فَقَالَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَلِيٍّ: اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت سلمہ اور ان کے پوتے عبیداللہ بن علی بن ابی رافع ہیں بعض حضرات نے ان کے نام کو الٹ کر دیا اور کہا کہ علی بن عبیداللہ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

یہ غلطی اس طرح ہوئی کہ حضرت ابورافع کے ایک صاحبزادے عبیداللہ نامی بھی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سیکرٹری تھے لوگوں نے اس علی کو ان عبیداللہ کا بیٹا قرار دیا حالانکہ ابورافع کے ایک اور لڑکے کا نام علی تھا جن کے ہاں عبیداللہ لڑکا پیدا ہوا پھر ان سے فائد روایت کرتے ہیں جو ابورافع کے خاندان کے آزاد کردہ ہیں۔ امام ترمذیؒ نے پہلے فائد کے شاگرد حماد کی سند لکھی ہے جس میں علی بن عبیداللہ ہے ذکر کیا ہے۔ صحیح نہیں پھر فائد کے دوسرے شاگرد زید بن حباب کی سند پیش کی ہے جس میں صحیح نام عبید اللہ بن علی ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّقْيَةِ

رُقیۃ : جھاڑ پھونک کا شرعی حکم: **اول:** جھاڑ پھونک آیات قرآنیہ، احادیث مبارکہ سے یا اسمائے الٰہیہ سے ہو تو پھر بالاتفاق جائز ہے اسی طرح وہ کلمات جو قرآن و حدیث میں تو نہ ہوں لیکن ان کا معنی و مفہوم ٹھیک ہو شرکیہ نہ ہوں تو ان سے بھی جھاڑ پھونک جائز ہے۔ **ثانی:** اور وہ الفاظ جو شرکیہ یا کفریہ ہوں جن الفاظ سے شیطانی قوتوں سے مدد لی گئی ہو یا ایسے الفاظ جن کے معنی و مفہوم اسلام کے عقائد کے خلاف ہوں تو ان سے جھاڑ پھونک کرنا جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَقَّارِ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوَى أَوِ اسْتَرْقَى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، منصور، مجاہد، عقار، حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے داغ دلوایا یا جھاڑ پھونک کی وہ اہل توکل کے زمرے سے نکل گیا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابن عباس اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مذکورہ روایت سے ظاہر ہوا کہ جھاڑ پھونک توکل کے خلاف ہے اس لئے ترجمۃ الباب سے کراھیۃ رقیہ ثابت ہوتی ہے۔ اگلے باب میں وہ روایات ذکر کی گئی ہیں جن سے جھاڑ پھونک کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالْعَيْنِ وَالنَّمْلَةِ

عبدہ بن عبداللہ خزاعی، معاویہ بن ہشام سفیان عاصم احول عبداللہ بن حارث، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچھو کے کاٹنے، نظر بد اور پہلو کے زخم (پھنسیوں وغیرہ) میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ وَهٰذَا عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ بْنِ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ وَفِي الْبَاب عَنْ بُرَيْدَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَطَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَأَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ

محمود بن غیلان، یحیی بن آدم، ابونعیم، سفیان، عاصم یوسف بن عبداللہ بن حارث، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچھو کے کاٹنے اور پہلو کی پھنسیوں میں جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت بریدہ، عمران بن حصین، جابر، عائشہ، طلق بن علی، عمرو بن حزم، ابوخزامہ (والد سے راوی ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احایث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ وَرَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ بُرَيْدَةَ

ابن ابوعمر، سفیان، حصین، شعبی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نظر بد اور بچھو کے کاٹنے کے علاوہ رقیہ (یعنی جھاڑ پھونک) نہیں۔ شعبہ نے یہ حدیث بواسطہ حصین اور شعبی، بریدہؓ سے روایت کی۔

تشریح: اَلْحُمَةِ: بچھو کے ڈنک مارنے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس کی اصل حمو یا حمی ہے آخر میں ۃ، واو یا ی کے عوض میں آئی ہے۔ اِلَّا مِنْ عَیْنٍ: اس سے مراد انسان یا جنات کی نظر بد لگنا ہے۔

وَالنَّمْلَةِ: یہ اصل میں چیونٹی کو کہتے ہیں یہاں نملہ سے مراد وہ پھوڑا ہے جو آدمی کے پہلو میں ہوتا ہے کبھی یہ پھوڑا چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کی صورت میں پسلی کے اوپر نکل آتا ہے نملہ کے پھوڑے میں آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے چیونٹیاں رینگ رہی ہوں اسی مناسبت سے اس کو نملہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اگر نملہ چھوٹی چھوٹی پھنسیوں کی صورت میں ہو تو پھر یہ مناسبت ہوگی کہ جس طرح چیونٹیاں پھیلی ہوتی ہیں اسی طرح پھنسیاں بھی پھیلی ہوتی ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ پھونک کے ذریعے ہر مرض کا علاج کرنا جائز ہے اس صورت میں خاص طور پر ان تین چیزوں کا ذکر محض اس لئے کیا گیا ہے کہ دوسرے امراض کی بنسبت ان تینوں میں جھاڑ پھونک کا اثر زیادہ ہوتا ہے یا ابتداء اسلام میں اہل عرب کی عادت کے پیش نظر آپ ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا لیکن جب لوگ مکمل طور پر جھاڑ پھونک سے رک گئے اور پھر رسول کریم ﷺ نے دیکھا کہ ان تین تکالیف میں خاص طور پر جھاڑ پھونک کا اثر ہے تو ان تین میں جھاڑ پھونک کی اجازت دیدی لیکن اس شرط پر کہ اس میں مشرکانہ الفاظ وکلمات استعمال نہ ہوں۔

جھاڑ پھونک کے سلسلہ میں متضاد روایات اور ان کا حل: اول: ابوداود شریف میں روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ''ان الرقی والتمائم والتولۃ شرکٌ''۔

ثانی: ترمذی جلد ثانی صفحہ ۶۷ میں روایت ہے" هم الذين يكتوون ولا يسترقون ولا يتطيرون وعلى ربهم يتوكلون"۔ اور اسی طرح طحاوی شریف میں حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت ہے اور یہ روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے ہم معنی ہے۔

وہ روایات جن سے جواز معلوم ہو رہا ہے: **اول:** حدیث بریدہ ؓ ہے جس کی تخریج مسلم اور ابن ماجہ نے کی ہے" لا رقية إلا من عين او حمة"۔

ثانی: حدیث الباب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے" رخص في الرقية من الحمة والعين والنملة"۔

ثالث: مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں" نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرقى فجائ ال عمرو بن حزم فقال يا رسول الله انه كانت عندنا رقية نرقى بها من العقرب وانت نهيت عن الرقى فعرضوها عليه فقال ما ارى بها بأسا من استطاع منكم ان ينفع اخاه فلينفعه"

رابع: صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے" قالت امر النبي صلى الله عليه وسلم ان يسترقى من العين"

خامس: صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے " رخص رسول الله صلى الله عليه وسلم الرقية من كل ذى حمة"۔

سادس: امام طحاوی ؒ نے طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے یہ حدیث نقل کی ہے" قال كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فلدغتني عقرب فجعل يمسها ويرقيه"۔

سابع: ترمذی شریف میں ابی خزامہ کی روایت ہے" لا ترد الرقى ولدواء من قدر الله شيئا" ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کی اجازت دی ہے۔

جواز وعدم جواز والی روایات میں تطبیق: **اول:** عدم جواز والی روایات کو کفریہ وشرکیہ الفاظ پر محمول کریں گے یا جن کے معنی معلوم نہیں اور جواز والی روایات محمول ہیں دعاؤں پر جو ماثور اور منقول ہیں۔

ثانی: عدم جواز ان لوگوں کے لئے ہے جو ان کو موثر بالذات سمجھتے ہیں اور جو لوگ ان کو اسباب کے درجہ میں رکھتے ہیں ان کے لئے جائز ہے۔

ثالث: علامہ تورپشتی ؒ فرماتے ہیں کہ پہلے عدم جواز تھا لیکن پھر منسوخ ہو کر جواز ہو گیا۔

لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ: جھاڑ پھونک ان دو بیماریوں میں زیادہ نافع ہے اول یہ کہ جس کو نظر بد ہو دوسرا یہ کہ جس کو بچھو نے ڈنک مارا ہو اس کے علاوہ دوسرے امراض میں رقیہ نہ کرنا بہتر ہے۔

وَرَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ: بعض نسخوں میں عن بریدہ ؓ کے بعد" عن النبي صلى الله عليه وسلم" واقع ہوا ہے امام بخاری ؒ نے اس روایت کو حضرت عمران بن حصین سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں کہ شعبہ نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے مگر انہوں نے عمران بن حصین ؓ کی جگہ بریدہ ؓ فرمایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ حَتَّى نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ أَخَذَ بِهِمَا وَتَرَكَ مَا سِوَاهُمَا وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنوں اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ (قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) نازل ہوئیں۔ جب یہ نازل ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے علاوہ سب کچھ ترک کر دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے۔ امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْإِنْسَانِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تعوذ فرماتے تھے "اعوذ باللہ من الجان وعین الانسان"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً انہی الفاظ کے ساتھ تعوذ فرماتے تھے۔

معوذتین کا نزول: مسند احمد وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید بن اعصم یہودی نے مدینہ منورہ میں جادو کر دیا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے اس کے ازالہ کے لئے اللہ پاک نے یہ دو سورتیں نازل فرمائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی بیماری پیش آتی تو ان دونوں سورتوں کو دم کر کے دونوں ہاتھوں پر پھونک مار کر تھتکار کر سارے بدن پر ہاتھ پھیر لیتے تھے اور جب مرض الوفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھی تو میں یہ دونوں سورتیں پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدن پر پھیر لیتے تھے کیونکہ میرے ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے بدل نہیں ہو سکتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معوذتین پڑھائیں پھر مغرب کی نماز میں بھی یہ دونوں سورتیں پڑھیں پھر فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کو سونے کے وقت بھی پڑھو اور اٹھنے کے بعد بھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عُرْوَةَ وَهُوَ ابْنُ عَامِرٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ وَلَدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ أَفَأَسْتَرْقِي لَهُمْ فَقَالَ نَعَمْ فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ

ابن ابی عمر سفیان، عمرو بن دینار، عروہ، ابن عامر، حضرت عبید بن رفاعہ زرقی فرماتے ہیں کہ اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جعفر کے بیٹوں کو جلدی نظر لگ جاتی ہے۔ کیا میں ان پر دم کر دیا کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے سکتی ہے تو وہ نظر بد

الْقَدْرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَبُرَيْدَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا

ہے۔ اس باب میں حضرت عمران بن حصین اور بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے ایوب بھی عمرو بن دینار سے وہ عروہ سے وہ عبید بن رفاعہ سے وہ اسماء بنت عمیس سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں۔ ہم سے اسے حسن بن علی خلال نے عبدالرزاق کے حوالے سے انہوں نے معمر سے اور انہوں نے ایوب سے بیان کیا ہے۔

تشریح: لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدْرِ لَسَبَقَتْهُ: حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر وقضاء ہمیشہ غالب رہتی ہے اگر اس پر کوئی چیز غالب آتی تو نظر بد ایسی چیز ہے جو ہر چیز پر غالب آجاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر کوئی چیز غالب نہیں آتی اس لئے نظر بد بھی غالب نہیں آتی۔ اہلسنت والجماعت فرماتے ہیں کہ ہر چیز میں مؤثر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ بغیر اس کے حکم کے کوئی اثر نہیں ہوتا مگر نظر بد کا اثر بحکم الٰہی بہت جلد ہو جاتا ہے۔

تُسْرِعُ إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ: ان بچوں کے کمال حسن صوری ومعنوی کی بناء پر نظر بد ان پر جلد اثر انداز ہو جاتی ہے۔

نظر بد کا اثر: بعض علماء نے فرمایا کہ عائن کی نظر سے زہریلا اثر معیون کے جسم تک پہنچتا ہے کہ اس کی وجہ سے معیون بیمار ہو جاتا ہے عائن کی یہ نظر استعجابی ہوتی ہے اور عائن کسی کو جب دیکھتا ہے تو اسی وقت اس کو معیوب بنا دیتا ہے۔

اسی طرح حضرات واصلین کاملین اور عارفین کی نظر کی تاثیر بسا اوقات کافر کو مؤمن بنا دیتی ہے۔ فاسق وفاجر کو صالح بنا دیتی ہے زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

نگاہِ ولی میں بڑی تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَيَعْلَى عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ يَقُولُ أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُولُ هٰكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يُعَوِّذُ إِسْحٰقَ وَإِسْمٰعِيلَ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے ان الفاظ سے دم کیا کرتے تھے (أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ) یعنی میں تم دونوں کے لئے اللہ کے تمام کلمات کے وسیلے سے ہر شیطان، ہر فکر میں ڈالنے والی چیز اور ہر نظر بد سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی اسماعیل واسحاق علیہما السلام پر اسی طرح دم کیا کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ

ہم سے روایت کی حسن بن علی خلال نے انہوں نے یزید بن

هَارُونَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہارون اور عبدالرزاق سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے منصور سے اسی کے ہم معنی حدیث نقل کی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ: کلمات سے مراد یا تو قرآن کریم ہے یا اللہ کے اسماء وصفات ہیں۔

علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے اسماء وصفات کو تامہ اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ نقص وعیب سے پاک ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تامۃ کے معنی یہ ہیں کہ ان کلمات کے ذریعے تعوذ نافع اور آفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

وَهَامَّةٍ: اس کا اطلاق ایسے جانور پر ہوتا ہے جس کے کاٹنے کی وجہ سے آدمی ہلاک ہوجائے۔ اور جو جانور زہریلا تو ہے مگر اس سے ہلاکت نہیں ہوتی اس کو سامۃ کہا جاتا ہے مثلاً بچھو، بھڑ وغیرہ۔ بعض مرتبہ ھوام کا اطلاق کل مایدب علی الارض پر ہوتا ہے یعنی ہر وہ جانور جو زمین پر چلتا ہو جیسے حشرات الارض وغیرہ۔

وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ: اس سے مراد ایسی نظر جو تکلیف کا ذریعہ ہے نہایہ میں ہے لمۃ جنون کی ایک قسم ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے حاصل یہ ہے کہ ایسی نظر بد سے پناہ چاہتا ہوں جو جنون کو پیدا کردے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْغُسْلَ لَهَا

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنِي حَيَّةُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ وَالْعَيْنُ حَقٌّ

ابوحفص عمرو بن علی یحیی بن کثیر، ابوغسان عنبری، علی بن مبارک، یحیی بن کثیر، حضرت حیہ بن حابس تمیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہام (ایک پرندہ جس سے عرب بدفالی لیتے تھے) کوئی چیز نہیں لیکن نظر لگ جانا صحیح ہے۔

تشریح: يَقُولُ لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ: ھام کا معنی کھوپڑی ہے۔ اس کے مطلب میں چند اقوال ہیں۔

قول اول: اگر کوئی آدمی قتل ہوجائے تو اس کی ہڈیوں سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے جو یہ آواز لگاتا ہے اسقونی، اسقونی مجھے پلاؤ جب اس کے قاتل سے قصاص لیا جاتا ہے یا قاتل خود بخود مر جاتا ہے تو یہ پرندہ خود بخود غائب ہوجاتا ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کہتے ہیں کہ خود مقتول کی روح ایک پرندہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ ھامۃ الو کا نام ہے یہ وہ پرندہ ہے جو کھوکھلے درخت کے تنے میں ہوتا ہے اور رات کو چلاتا ہے لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ الو جس کے گھر پر بیٹھ جائے تو وہ گھر ویران ہوجاتا ہے یا اس کا کوئی فرد مرجاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا ھامۃ" فرما کر اس نظریہ کی تردید کردی کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں اس چیز کا دین اسلام اور عقائد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ خِرَاشٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُوسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَإِذَا اغْتُسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ حَيَّةَ بْنِ حَابِسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوٰى شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ حَيَّةَ بْنِ حَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ وَحَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ لَا يَذْكُرَانِ فِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

احمد بن حسن بن خراش بغدادی، احمد بن اسحاق حضرمی، وہیب، ابن طاؤس، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب ہو سکتی ہے تو وہ نظر بد ہے اور جب تمہیں لوگ اعضاء دھونے کا کہیں تو تم اعضاء دھودو۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حیہ بن حابس کی روایت غریب ہے۔ اس روایت کو شیبان، یحیی بن ابی کثیر سے وہ حیہ بن حابس سے وہ اپنے والد سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ علی بن مبارک اور حرب بن شداد اس سند میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: وَإِذَا اغْتُسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا: اس حدیث میں نظر بد کا علاج بتایا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس آدمی یا عورت کی نظر لگی ہے وہ وضو کرے اور اس کے وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کر لیا جائے پھر اس پانی سے جسے نظر لگی ہے اسے نہلائیں ان شاء اللہ نظر کا اثر اور وہ تکلیف جاتی رہے گی اعضاء وضو کے ساتھ استنجاء کا بھی ذکر ہے۔

نظر بد سے بچنے کا وظیفہ: سورۂ کہف آیت ۳۹ میں ہے "ماشاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ" دیکھنے والا اور جس کو نظر لگتی ہے وہ بھی اس کو پڑھ لے تو نظر بد سے محفوظ رہیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَخْذِ الْأَجْرِ عَلَى التَّعْوِيذِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاهُمُ الْقِرٰى فَلَمْ يَقْرُونَا فَلُدِغَ سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَرْقِي مِنَ الْعَقْرَبِ قُلْتُ نَعَمْ أَنَا وَلٰكِنْ لَا أَرْقِيهِ حَتّٰى تُعْطُونَا غَنَمًا قَالَ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، جعفر بن ایاس، ابونضرہ، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا تو ہم ایک قوم کے پاس ٹھہرے اور ان سے ضیافت طلب کی لیکن انہوں نے ہماری میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر ان کے سردار کو بچھو نے ڈنک مار دیا۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی بچھو کے کاٹے پر دم کرتا ہے۔ میں نے کہا ہاں لیکن میں اس

فَأَنَا أُعْطِيكُمْ ثَلَاثِينَ شَاةً فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ وَقَبَضْنَا الْغَنَمَ قَالَ فَعَرَضَ فِي أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا تَعْجَلُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي صَنَعْتُ قَالَ وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ اقْبِضُوا الْغَنَمَ وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو نَضْرَةَ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ بْنُ مَالِكِ بْنِ قُطَعَةَ وَرَخَّصَ الشَّافِعِيُّ لِلْمُعَلِّمِ أَنْ يَأْخُذَ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ أَجْرًا وَيَرٰى لَهُ أَنْ يَشْتَرِطَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوٰى شُعْبَةُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ

صورت ہی میں دم کروں گا کہ تم ہمیں کچھ بکریاں دو۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں تیس بکریاں دیں گے۔ ہم نے قبول کرلیا اور پھر میں نے سات مرتبہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ ٹھیک ہوگیا اور ہم نے بکریاں لے لیں پھر ہمارے دل میں خیال آیا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم جلدی نہ کریں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھ لیں۔ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو میں نے پورا قصہ سنایا۔ فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ سے دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں رکھ لو اور میرا حصہ بھی دو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابونضرہ کا نام منذر بن مالک بن قطعہ ہے۔ امام شافعیؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قرآن کی تعلیم دینے پر اجرت لینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسے مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ شعبہ ابوعوانہ اور کئی راوی یہ حدیث ابوالمتوکل سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنِي عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرُوهُمْ وَلَمْ يُضَيِّفُوهُمْ فَاشْتَكٰى سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ قُلْنَا نَعَمْ وَلٰكِنْ لَمْ تَقْرُونَا وَلَمْ تُضَيِّفُونَا فَلَا نَفْعَلُ حَتّٰى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا فَجَعَلُوا عَلٰى ذٰلِكَ قَطِيعًا مِنَ الْغَنَمِ قَالَ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنَّا يَقْرَأُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبَرَأَ فَلَمَّا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ قَالَ وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ وَلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِنْهُ وَقَالَ كُلُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ بِسَهْمٍ

ابوموسیٰ محمد بن مثنی عبدالصمد بن عبدالوارث، شعبہ، ابوبشر، حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ صحابہ کی جماعت کا ایک بستی سے گزر ہوا، بستی والوں نے ان کی میزبانی نہیں کی۔ پھر ان کا سردار بیمار ہوگیا تو وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تمہارے پاس اس کا علاج ہے۔ ہم نے کہا ہاں۔ لیکن تم لوگوں نے ہمیں مہمان بنانے سے انکار دیا ہے اس لئے ہم اس وقت تک علاج نہیں کریں گے جب تک تم لوگ ہمارے لئے کوئی اجرت مقرر نہ کرو۔ پس انہوں نے اس پر بکریوں کا ایک ریوڑ اجرت مقرر کیا۔ پھر ہم میں سے ایک صحابی نے اس پر سورۂ فاتحہ پڑھی اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا! تمہیں کیسے علم ہوا کہ یہ (سورۂ فاتحہ) دم جھاڑ ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي وَحْشِيَّةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ هُوَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ

نے بکریاں لینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کھاؤ اور میرا بھی حصہ مقرر کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے اور اعمش کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ کئی راوی اسے ابو بشر، جعفر بن ابی وحشیہ سے وہ ابو المتوکل سے وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ جعفر بن ایاس سے جعفر بن ابی وحشیہ مراد ہیں۔

تشریح: بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ: اس سریہ کے امیر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اس سریہ میں تیس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے۔

فَلُدِغَ: اس کے معنی زہریلے سانپ یا بچھو وغیرہ کا ڈسنا کے ہیں، اکثر اس کا استعمال بچھو کے ڈسنے کے لئے ہوتا ہے۔ مذکورہ روایت میں عقرب کا لفظ بھی واقع ہوا ہے۔

سوال: اس حدیث الباب میں ہے کہ اس شخص کو سانپ نے ڈسا تھا اور ابوسعید نے دم کیا تھا ابوداود، نسائی وغیرہ کی دوسری روایت میں ہے کہ علاقہ بن صحار ؓ نے اس مجنون وموثق بالحدید پر تین دن تک سورۂ فاتحہ پڑھی تو وہ ٹھیک ہو گیا اور انہوں نے بکریاں ان حضرات کو دیں تو بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

جواب: دونوں واقعات الگ الگ ہیں ایک روایت میں جھاڑ پھونک کرنے والے ابوسعید ؓ اور دوسری روایت میں علاقہ بن صحار ؓ ہیں روایتوں کا سیاق وسباق، دونوں قصوں میں الگ الگ ہے۔

وَاضْرِبُوا: اس میں میرے لئے بھی حصہ رکھو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تطییباً وتانیساً فرمادیا تا کہ صحابہ کرام ؓ کو اس کے استعمال کرنے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اجرت علی الطاعات کا کیا حکم ہے: اس حدیث کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ بیان کیا جاتا ہے روایت مذکورہ میں تعویذات پر اجرت لینے کا جواز تو معلوم ہوا نیز اجرت علی الطاعات کے بارے میں روایات باہم متعارض ہیں اسی وجہ سے ائمہ کے مابین اختلاف ہو گیا۔

قول اول: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعلیم قرآن اور طاعات وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔

قول ثانی: احناف کا ہے۔ متقدمین احناف کے ہاں عدم جواز کا قول ہے البتہ متاخرین احناف کے ہاں ضرورت کی بنا پر جواز کا فتوی ہے۔ **جمہور کی دلیل اول:** حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابو محذورہ ؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کی اجرت عطا فرمائی تھی۔

دلیل ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے "ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله رواه البخاری"

دلیل رابع: ایک حدیث شریف میں یہ الفاظ آئے ہیں "ما ترکت بعد نفقة نسائی و مونة عاملی فهو صدقة"۔ اس میں عاملین کی اجرت کا بیان ہے اور امام، مؤذن بھی عاملین میں شامل ہیں۔

احناف کی دلیل: ترمذی شریف جلد اول باب "ما جاء فی کراهية أن يأخذ المؤذن على الاذان اجرا" میں

حضرت عثمان بن العاص ؓ کی روایت ہے کہ جب ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا گورنر بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''أن اتخذ مؤذنا لا يأخذ على اذانه أجرا'' کہ اپنا مؤذن مقرر کرنا جو اجرت نہ لے۔

یہ حکم اس وقت تھا جب تمام ائمہ مساجد و مؤذنین کو بیت المال سے تنخواہیں دی جاتی تھیں لیکن جب بیت المال نام کے رہ گئے تو پھر احناف متاخرین نے اس کے جواز کا فتوی دیا۔ مزید دلائل اور اس سند کی مکمل تفصیل خیر الشذی جلد اول صفحہ ۵۵۷۔۵۵۸ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّقَى وَالْأَدْوِيَةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰى بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، حضرت ابوخزامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ہم جھاڑ پھونک کریں یا دوا کریں اور پرہیز بھی کریں تو کیا یہ تقدیر الٰہی کو بدل سکتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خود اللہ کی تقدیر میں شامل ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ كِلْتَا الرِّوَايَتَيْنِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ وَقَدْ رَوٰى غَيْرُ ابْنِ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ وَهٰذَا أَصَحُّ وَلَا نَعْرِفُ لِأَبِي خِزَامَةَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ

سعید بن عبدالرحمن اسے سفیان سے وہ زہری وہ ابن ابی خزامہ وہ اپنے والد اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔ ابن عیینہ سے یہ دونوں احادیث منقول ہیں۔ بعض نے بواسطہ ابوخزامہ ان کے والد سے اور بعض نے بواسطہ ابن ابی خزامہ، ابوخزامہ سے روایت کی۔ جبکہ ابن عیینہ کے علاوہ دیگر حضرات نے یہ حدیث عن الزہری عن ابی خزامہ عن ابیہ کی سند سے نقل کی ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ ہم ابوخزامہ سے اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے۔

تشریح: اس حدیث کی مکمل تشریح آگے ابواب القدر میں آئے گی۔ یہاں پر سند پر کلام دیکھیں۔

سند پر کلام: اس حدیث میں سفیان بن عیینہ کے تلامذہ میں اختلاف ہے کہ زہری کے استاذ کون ہیں۔ ابوخزامہ یا ان کے بیٹے ابن ابی خزامہ۔ پہلی سند میں عن ابی خزامۃ ہے اور دوسری سند میں عن ابن ابی خزامۃ ہے ان دونوں سندوں میں صحیح سند پہلی ہے کیونکہ زہری کے دیگر تلامذہ عن ابی خزامۃ، عن ابیہ کہتے ہیں اور حضرت ابوخزامۃ کی یہی ایک حدیث ہے اس حدیث کے علاوہ ان سے کوئی دوسری حدیث منقول نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَمْأَةِ وَ الْعَجْوَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ أَبِي السَّفَرِ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْهَمْدَانِيُّ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَفِي الْبَاب عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ عَامِرٍ

ابوعبیدہ بن ابوسفر، محمود بن غیلان، سعید بن عامر، محمد بن عمرو، ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عجوہ جنت کے میووں میں سے ہے اور اس میں زہر سے شفاء ہے اور کھمبی مَن کی ایک قسم ہے (من وسلوی وہ کھانے جو بنی اسرائیل پر اترتے تھے) اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ اس باب میں حضرت سعید بن زید، ابوسعید اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ ہم اسے محمد بن عمرو کی روایت سے صرف سعید بن عامر کی حدیث سے پہچانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابوکریب، عمرو بن عبید الطنافسی، عبدالملک بن عمیر، محمد بن مثنیٰ، محمد بن جعفر، شعبہ، عبدالملک بن عمیر، عمرو بن حریث، حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھمبی مَن سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا الْكَمْأَةُ جُدَرِيُّ الْأَرْضِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ السُّمِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، شہر بن حوشب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ کھمبی زمین کی چیچک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ہے۔ اور اس میں زہر سے شفا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ

محمد بن بشار، معاذ، قتادہ، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں

قَتَادَةُ قَالَ حُدِّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذْتُ ثَلَاثَةَ أَكْمُؤٍ أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَائَهُنَّ فِي قَارُورَةٍ فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِي فَبَرَأَتْ

نے تین یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں انہیں نچوڑا اور ان کا پانی ایک شیشی میں رکھ لیا۔ پھر اسے اپنی ایک باندی کی آنکھوں میں ڈالا تو وہ صحیح ہوگئی۔

تشریح: **اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ:** عجوہ جنتی پھل ہے اور اس میں زہر کی دوا ہے اس کے دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں۔

اول: اگر یہ بطور تمثیل کے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ عجوہ بابرکت اور نہایت مفید پھل ہے صحیحین کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے نہار منہ روزانہ عجوہ کے سات دانے کھائے وہ سحر اور زہر سے متاثر نہیں ہوگا اس کے علاوہ بھی عجوہ کے بہت سارے فوائد ہیں۔

الثانی: اگر یہ حقیقت پر محمول ہے تو پھر اس کی تائید طبرانی وغیرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا تو ان کو جنت کے پھلوں سے توشہ دیا اور ان کو ہر صنعت سکھائی پس تمہارے یہ پھل جنت کے پھلوں میں سے ہیں البتہ ان پھلوں میں تبدیلی آگئی ہے اور جنت کے پھل بدستور ہیں۔

وَالْكَمْأَةُ: زمین میں ایک چھتری نما سفید چیز نکلتی ہے۔ ''قوله جدری الارض۔ وفی القاموس الجدری بضم الجیم و فتحها'' وہ پھوڑا جو بدن میں ظاہر ہوتا ہے جس طرح پھوڑا جسم میں نمودار ہو کر جسم کے فضلات کو خارج کرتا ہے اسی طرح الکماۃ یہ زمین کا فضلہ ہے جو موسم برسات میں نکلتا ہے۔

وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ: یہ من وسلویٰ کی ایک قسم ہے اور بعض حضرات نے اس کو من وسلویٰ کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جس طرح اللہ پاک نے من میٹھی چیز بنی اسرائیل کے لئے بغیر کسی محنت و بیج کے اتاری اسی طرح اللہ پاک نے کھمبی بغیر کسی تخم و بیج کے علاج کے لئے اتاری یعنی اس پر کسی کو بیج بونے اور پانی لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بغیر محنت و مشقت کے اسے اتارا۔

وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ: اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے اس کے بارے میں امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کے نزدیک کھمبی کا پانی آنکھ کو شفاء بخشتا ہے اور بعض حضرات کے نزدیک اس کے ساتھ دوسری دوائی ملائی جائے تو پھر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے وگرنہ نہیں۔ عندالبعض اگر آنکھوں میں تبرید حاصل کرنی ہو تو پھر محض کھمبی کا پانی ہی کافی ہے اور اگر آنکھ کی کسی اور بیماری کیلئے استعمال کرنا ہو تو پھر مرکب دوا استعمال کی جائے گی۔ مستغفریؒ کہتے ہیں کہ علی بن جہمؒ نے فرمایا کہ مجھے امیر المؤمنین متوکل نے بلایا اور مجھے کہا کہ میں بہت ساری دوائیں استعمال کر چکا ہوں لیکن آنکھوں کا بہنا ختم نہیں ہوا تم علماء سے اس کے متعلق کوئی حدیث دریافت کرو علی بن جہم کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس گیا میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے حدیث سنائی ''روی شهر بن حوشب عن عبدالرحمن بن غنم عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال الكمأة من المن وماؤها شفاء للعين''۔ علی بن جہم فرماتے ہیں کہ میں واپس متوکل کے پاس گیا اور اس کو اس حدیث کے بارے میں بتایا تو متوکل نے کہا کہ یوحنا بن ماسویہ کو بلاؤ اس کو بلایا گیا (اور یہ کماۃ حاضر کی گئی) پھر متوکل نے کہا کہ اس سے پانی کس طرح نکالا جاتا ہے۔ علی بن جہم کہتے ہیں کہ میں نے اس کو کہا کہ میں اس سے پانی نکال کر دیتا ہوں کہتے ہیں کہ میں نے اس کو لیا اس کا چھلکا اتارا اور اس کو جوش دیا پھر اس کو نچوڑا اور اس سے پانی نکالا اور پھر میں نے متوکل کی آنکھ میں وہ پانی ٹپکایا تو دوسری مرتبہ ڈالنے سے اس کی آنکھیں

ٹھیک ہو گئیں اس پر یوحنا نے تعجب کیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارا صاحب (یعنی نبی کریم ﷺ) حکیم ہے۔ تفصیلی واقعہ شرح مواہب میں موجود ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۴۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ قَتَادَةَ قَالَ حُدِّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ الشُّونِيزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ قَالَ قَتَادَةُ يَأْخُذُ كُلَّ يَوْمٍ إِحْدَى وَعِشْرِينَ حَبَّةً فَيَجْعَلُهُنَّ فِي خِرْقَةٍ فَلْيَنْقَعْهُ فَيَسْتَعِطُّ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِي مَنْخَرِهِ الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً وَالثَّانِي فِي الْأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْمَنِ قَطْرَةً وَالثَّالِثُ فِي الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ آدمی ہر روز اکیس دانے ایک کپڑے میں رکھے اور اُسے پانی میں تر کر لے۔ پھر ناک کے دائیں نتھنے میں دو قطرے، بائیں میں ایک قطرہ، دوسرے دن دائیں نتھنے میں ایک قطرہ، بائیں میں دو، تیسرے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں نتھنے میں ایک قطرہ ڈالے۔

تشریح: یہ حدیث ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ کلونجی میں موت کے علاوہ ہر بیماری کی دوا ہے پھر قتادہ نے اس کا طریقہ استعمال بتایا کہ کوئی شخص ہر روز اکیس دانے لے کر کپڑے میں پوٹلی باندھ لے پھر اس کو پانی میں بھگو دے پھر پہلے دن دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے اگر ایک دن میں بیماری دور نہ ہو تو پھر اکیس دانے کر بھگوئے جائیں اور دوسرے دن بائیں نتھنے میں دو قطرے اور دائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے اب بھی اگر شفا نہ ہو تو تیسرے دن پھر اکیس دانے بھگوئے جائیں اور دائیں نتھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ٹپکایا جائے اسی طرح شفاء ہونے تک عمل جاری رکھا جائے مگر یہ علاج کس بیماری کا ہے یہ بات بیان نہیں کی ہے اس لئے بات بے فائدہ ہے اور دوسرا یہ کہ اس حدیث کو کلونجی کے باب میں آنا چاہیے تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَجْرِ الْكَاهِنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، ابوبکر بن عبدالرحمن، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ہاتھ کی لکیر دیکھ کر فال نکالنے کو کہانت کہتے ہیں۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ کاہن وہ شخص ہے جو ہاتھ دیکھ کر یا نام کے عدد نکال کر مستقبل کے متعلق حادثات و واقعات کی خبر دے اور غیب کے اسرار کی معرفت کا دعویٰ کرے۔ اس کی مختلف اقسام ہیں
① بعض لوگ جنات و شیاطین کو اپنے تابع بنا لیتے ہیں جو آسمان میں جا کر فرشتوں کی کوئی ایک آدھ سن لیتے اور واپس آ کر اپنے

کاہن کو بتلاتے ہیں اور کاہن ان کے ساتھ ۹۹ جھوٹ ملا کر بولتے ہیں جب وہ ایک سچ نکلتا ہے تو اس کے مریدین کہتے ہیں کہ دیکھو ہمارے فلاں نے یہ بات کہی تھی ان کو ننانوے جھوٹ بھول جاتے اس کا سد باب شہاب ثاقب سے کر دیا گیا ہے ② اور بعض جنات کے ساتھ لوگوں کا رابطہ ہوتا ہے اور وہ انہیں بعض غیب کی خبریں بتا دیتے ہیں اور بعض اوقات وہ خبریں صحیح بھی نکل آتی ہیں ③ اور بعض لوگ اپنے حواس، تجربہ اور اندازے سے غیب کی خبریں بتاتے ہیں ان تمام صورتوں کو مذموم کہا گیا کیونکہ یہ ظنیات کی قبیل سے ہیں اور عموماً اس میں جھوٹ شامل کیا جاتا ہے۔

کہانت کی طرح ایک اور چیز عرافت ہے مثلاً بعض لوگ مخصوص چیزوں اور کچھ علامات و مقدمات کے ذریعے پوشیدہ چیزوں کی خبر دیتے تھے جیسے رمل جاننے والوں کی طرح کہ وہ بھی یہ بتا دیتے تھے کہ چوری کا مال کہاں موجود ہے یا گمشدہ شخص کس جگہ واقع ہے ایسے لوگوں کو عراف کہا جاتا ہے۔ علماء نے کہانت، عرافت، رمل و نجوم کا علم حرام قرار دیا ہے کہ ان کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا شریعت نے قطعاً روا نہیں رکھا ہے اس لئے ان علوم کے ذریعے کمایا ہوا مال بھی حرام ہوتا ہے، لینے اور دینے والے دونوں گناہگار ہیں۔

اَلْكَاهِنِ: کاہن کی اجرت جائز نہیں کیونکہ اجرت منفعت معلومہ ہی کی جائز ہے مگر حدیث میں اجرت کا ذکر نہیں ہے بلکہ حلوان کا ذکر ہے حلوان، حلوا سے ہے حلوا بطور نذرانہ کے پیش کیا جاتا ہے اس کے جواز کا کوئی راستہ نہیں اور کوئی شرط نہیں دینے والا اگر خوشی سے دیدے تو جائز ہے جیسا کہ سانڈ کی اجرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تو کسی نے عرض کیا ”انا نکرم“ کہ ہم طے کر کے اجرت نہیں لیتے بلکہ نذرانہ ہمیں دیا جاتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی تاہم کاہن کے حلوے کی ممانعت فرمائی تاکہ لوگ اس سے باز رہیں اور اس کو کسب معاش نہ بنائیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مطابقت نہیں مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاہن اپنے جن کو منتروں کے ذریعے حاضر کرتا ہے اور ابواب الطب میں رقی کا بھی بیان ہے ہو سکتا ہے اس مناسبت سے یہ حدیث یہاں پر لائے ہوں۔ یہ حدیث ماقبل ابواب النکاح اور ابواب البیوع میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّعْلِيقِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوَيْهِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عِيسَى وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَبِي مَعْبَدِ الْجُهَنِيِّ أَعُودُهُ وَبِهِ حُمْرَةٌ فَقُلْنَا أَلَا تُعَلِّقُ شَيْئًا قَالَ الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُكَيْمٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ

محمد بن مدویہ، عبید اللہ، ابن ابی لیلی، عیسی، ابن عبد الرحمن بن ابو لیلی عبد اللہ بن عکیم ابو معبد کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عکیم ابو معبد جہنی کے پاس ان کی عیادت کے لئے گیا تو ان کے جسم پر مرض کی سرخی تھی۔ میں نے عرض کیا آپ کوئی چیز (تعویذ) کیوں نہیں گلے میں ڈال لیتے۔ فرمایا موت اس سے زیادہ قریب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا یعنی غیبی مدد نہیں رہے گی۔ عبد اللہ بن عکیمؓ کی

مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى

روایت کو ہم صرف ابن ابی لیلی کی روایت سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

محمد بن بشار، یحیی بن سعید سے وہ ابن ابی لیلی سے اس کے ہم معنی حدیث بیان کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: قولہ وَبِهِ حُمْرَةٌ: "ہ" ضمیر کا مرجع عبداللہ ہے اور باء الصاق کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ ان کا چہرہ اور جسم سرخی کی طرف مائل تھا میں نے ان کو کہا کہ آپ کوئی تعویذ وغیرہ کیوں نہیں باندھ لیتے اس پر انہوں نے اللہ سے پناہ چاہی کہ یہ شرک کی ایک قسم ہے یا انہوں نے تعویذ باندھنے سے اس لئے خدا کی پناہ چاہی تھی کہ وہ مقام توکل اور رضا پر فائز تھے اور انہوں نے تعویذ باندھنے کو مرتبہ توکل کے منافی سمجھا اگرچہ دوسروں کے لئے یہ جائز ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ جو لوگ ان چیزوں کو مؤثر بالذات سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت سے محروم رہتے ہیں اور ان کو شفاء حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر نہ کوئی چیز فائدہ دیتی ہے اور نہ نقصان پہنچاتی ہے گویا حدیث کا مقصد تفویض و توکل کی طرف راغب کرنا ہے۔

راوی حدیث کے حالات: عیسی ابن حمزہ: ان کا نام عیسیٰ بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ عیسیٰ بن یونس بن اسحاق ہیں یہ بڑے متقی تھے یہ ایک سال حج کرتے اور ایک سال جہاد کرتے ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَبْرِيدِ الْحُمّٰى بِالْمَاءِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى فَوْرٌ مِّنَ النَّارِ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَامْرَأَةِ الزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ

ہناد بن ابوالاحوص، سعید، مسروق، عبایہ بن رفاعہ، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخار آگ کا جوش ہے، اسے پانی سے ٹھنڈا کرو، اس باب میں حضرت اسماء بنت ابوبکر، ابن عمر، ابن عباس، حضرت زبیر کی بیوی اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِدُوهَا بِالْمَاءِ

ہارون بن اسحاق ہمدانی، عبدہ بن سلیمان ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخار جہنم کے جوش سے ہے۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ

ہارون بن اسحاق، عبدہ، ہشام بن عروہ، فاطمہ بنت منذر، اسماء بنت ابی بکر عبدہ سے وہ ہشام بن عروہ سے وہ فاطمہ بنت منذر

أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَفِي حَدِيثِ أَسْمَاءَ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ

سے وہ اسماء بنت ابی بکر سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ حضرت اسماء کی حدیث میں اس سے زیادہ کلام ہے اور دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

تشریح: پہلی حدیث میں "فور من النار" ہے جبکہ دوسری احادیث میں "من فیح جہنم" کے الفاظ آئے ہیں۔ ایک روایت میں **فوح** کے الفاظ آئے ہیں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تینوں کے ایک ہی معنی ہیں اور اس سے مراد جہنم کی آگ کی تیزی ہے۔

قَالَ إِنَّ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ فیح کے معنی گرمی کی بھاپ ہے اور یہاں تشبیہ دینا مراد ہے کہ بخار کی گرمی جہنم کی گرمی کے مشابہ ہے اور بعض حضرات کے نزدیک یہ حقیقت پر محمول ہے کہ بخار کی گرمی جہنم سے ماخوذ ہے اور بخار والے کے جسم میں حرارت کا جو شعلہ ہوتا ہے وہ جہنم کا ایک حصہ ہے۔ لہٰذا اس کو ٹھنڈے پانی سے بجھاؤ۔ یہ علاج بھی اطباء کے نزدیک مافوق العقل ہے۔

سوال: اطباء کہتے ہیں کہ بخار والا آدمی اگر ٹھنڈا پانی استعمال کرے تو نمونیہ ہو جاتا ہے خاص کر سردیوں میں سردی لگنے کی وجہ سے جو بخار آتا ہے اس میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے مطلقاً بخار کا علاج پانی سے کیسے ارشاد فرما دیا۔

جواب: آپ ﷺ کا یہ ارشاد باعتبار اکثر واغلب کے ہے کیونکہ حجاز میں گرمی شدت سے پڑتی ہے اور وہاں عام طور پر گرمی کی وجہ سے بخار آتا ہے اس وجہ سے آپ ﷺ نے اس کا علاج ٹھنڈے پانی سے کرنے کا حکم دیا صفراء غالب آ کر حمی صفراوی ہوتا ہے اور اس کے لئے ٹھنڈا پانی مفید ہوتا ہے بسا اوقات اس کو برف بھی پلاتے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کو ٹھنڈے پانی سے دھوتے بھی ہیں۔ اب بخار میں ٹھنڈا پانی استعمال کرنے کا کوئی خاص طریقہ ہے یا کوئی بھی طریقہ استعمال کیا جائے فائدہ مند ہے اس کے بارے میں بہتر یہی ہے کہ ماہر طبیب حاذق سے مشورہ کیا جائے اور دوسرا طریقہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ بخار والے شخص کے سینے پر پانی چھڑک دیا کرتی تھیں اسی طرح امام ترمذیؒ نے بخار والے آدمی کے لئے آپ ﷺ سے علاج کا ایک اور طریقہ بتلا دیا اس کا حاصل یہ ہے کہ بخار والا شخص صبح کے بعد اور طلوع شمس سے پہلے کسی نہر میں اتر جائے اور جس طرف سے پانی آ رہا ہے اس طرف اپنا چہرہ اور سینہ کر دے اور "اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ" کہہ کر تین دفعہ پانی میں ڈبکی لگائے تین دن اس پر عمل کرتا رہے ٹھیک ہو جائے گا ورنہ پانچ دن ورنہ پھر سات دن ورنہ پھر نو دن یہ عمل دہرائے نو دن کے اندر اندر بخار ان شاء اللہ ختم ہو جائے گا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ مغرب اور عشاء کے درمیان کے وقت بخار والے پر پانی بہا دیا جائے تو بخار ختم ہو جاتا ہے۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۴۶)

جواب ثانی: ممکن ہے اس سے مراد مخصوص بخار ہو کیونکہ بخار کی اقسام بہت ہیں چنانچہ اطباء نے فرمایا **حمی عرضیه**۔ یہ بخار ورم، حرارت شمس کی بناء پر ہوتا ہے اس کے لئے ٹھنڈے پانی کا پینا اور ٹھنڈے پانی میں غوطہ لگانا مفید ہے۔ کیونکہ یہ بخار حرارت کی وجہ سے آتا ہے جس کا علاج برودت ہی ہو سکتا ہے۔

جواب ثالث: یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کا بخار ہو یعنی ہر بخار کے لئے پانی کا استعمال مفید ہے۔

جواب رابع: بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بوقت بخار غسل کرنا مراد ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب بخار ختم ہو جائے تب غسل کیا جائے تو ان شاء اللہ بخار نہیں آئے گا۔

جواب خامس: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر جزماً عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ علی الاطلاق مفید ہے جیسا کہ ایک شہر میرٹھ میں بخار پھیلا اس میں کثیر لوگ انتقال کر گئے تو حضرت نانوتویؒ نے بخار سے متاثر لوگوں کیلئے غسل تجویز فرمایا اور لوگوں نے غسل کیا تو سات سو افراد نے بخار سے نجات حاصل کی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْأَوْجَاعِ كُلِّهَا أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللهِ الْكَبِيرِ أَعُوذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ وَإِبْرَاهِيمُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَيُرْوٰى عِرْقٍ يَعَّارٌ

محمد بن بشار، ابو عامر، عقدی، ابراہیم بن اسماعیل بن ابو حبیبہ، داؤد بن حصین، عکرمہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو بخار اور تمام دردوں میں یہ دعا بتایا کرتے تھے (ترجمہ: اللہ کبیر کے نام سے ہر پھڑکنے والی رگ اور دوزخ کی گرمی سے اللہ تعالیٰ عظمت والے کی پناہ چاہتا ہوں)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے صرف ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ کی روایت سے جانتے ہیں۔ ابراہیم کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔ اس حدیث میں **عرق یعار** کے الفاظ ہیں یعنی آواز کرنے والی رگ۔

تشریح: عِرْقٍ نَعَّارٍ: خون کے تیزی سے نکلنے کو ''عرق نعار'' کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں ''عرق یعار'' منقول ہے جس کے معنی ''صوات'' کے ہیں، ''یعرت العنز'' جب بکری تیز آواز کے ساتھ بولتی ہے اور بعض حضرات نے **یُعَارُ** **العرارۃ** سے ماخوذ قرار دیا ہے جس کے معنی موقع کے مناسب نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغِيلَةِ

غیلہ: زمانہ حمل میں دودھ پلانا اور اسی سے غال الرجل ولدہ کے معنی ہیں بچہ کی شیر خوارگی کے وقت بیوی سے صحبت کرنا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ ابْنَةِ وَهْبٍ وَهِيَ جُدَامَةُ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَرَدْتُ

احمد بن منیع، یحییٰ بن اسحاق، یحییٰ ایوب، محمد بن عبدالرحمن بن نوفل عروہ، عائشہ یعنی حضرت جدامہ بنت وہب فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ تم لوگوں کو بچے کو دودھ پلانے والی بیوی سے صحبت کرنے سے منع کروں لیکن میں نے دیکھا کہ

أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيَالِ فَإِذَا فَارِسُ وَالرُّومُ يَفْعَلُونَ وَلَا يَقْتُلُونَ أَوْلَادَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ جُدَامَةَ ابْنَةِ وَهْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ مَالِكٌ وَالْغِيَالُ أَنْ يَطَأَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ تُرْضِعُ

فارس اور روم والے ایسے کرتے ہیں اور وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرتے۔ اس باب میں حضرت اسماء بن یزیدؓ سے بھی حدیث منقول ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مالک اسے اسود سے وہ عائشہ سے وہ جدامہ بنت وہب سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ غیلہ اسے کہتے ہیں کہ آدمی اپنی بیوی سے دودھ پلانے کے زمانے میں صحبت کرے۔

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ الْأَسَدِيَّةِ أَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهَى عَنِ الْغِيلَةِ حَتّٰى ذَكَرْتُ أَنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ يَصْنَعُونَ ذٰلِكَ فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ قَالَ مَالِكٌ وَالْغِيلَةُ أَنْ يَمَسَّ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَهِيَ تُرْضِعُ قَالَ عِيسَى بْنُ أَحْمَدَ وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

عیسیٰ بن احمد، ابن وہب، مالک، ابواسود، محمد بن عبدالرحمن بن نوفل عروہ، عائشہ، حضرت جدامہ بنت وہب اسدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ حالتِ رضاعت میں جماع سے منع کر دوں۔ یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایرانی (فارسی) اور رومی ایسا کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ غیلہ سے مراد عورت سے حالتِ رضاعت میں صحبت کرنا ہے۔ عیسیٰ بن احمد کہتے ہیں کہ ہم سے اسحاق بن عیسیٰ نے بواسطہ مالک ابوالاسود سے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل عرب کا یہ مقولہ پہنچا کہ حالت رضاعت یا حمل میں وطی کرنے سے بچہ کو دودھ کا نقصان پہنچتا ہے اطباء بھی یہی کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں دودھ بچے کی بیماری کا ذریعہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو اس سے روک دیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ روم اور فارس کے لوگ ایسی حالت میں وطی کرتے ہیں اور بچوں کو کوئی نقصان نہیں ہوتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا لہٰذا حمل کی صورت میں عورت سے وطی کرنا جائز ہے۔

سوال: ابن ماجہ میں اسماء بنت یزیدؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا تقتلوا اولادکم سرًّا فان الغیل یدرك الفارس ''۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیلہ سے منع فرما دیا تھا اور جدامہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمانے کا ارادہ کیا تھا لہٰذا دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اول: جن روایات میں غیل کے اثر کی نفی ہے وہ تو اعتقاد جاہلیت کے ابطال کے لئے تھی جبکہ اسماء کی روایت میں اصل بات کو بیان فرمایا ہے کہ فی الجملہ اس حالت میں وطی کرنے سے دودھ میں فساد ہو جاتا ہے جس سے کچھ نہ کچھ بچے کو نقصان پہنچ سکتا ہے اگرچہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

جواب ثانی: حدیث اسماء کا محمل کراہت تنزیہی ہے جس کے الفاظ صریح نہی کے ہیں اور حدیث جدامہ میں نہی تحریم پر محمول ہے۔

جواب ثالث: علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث اسماء کے بارے میں احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً منع فرمادیا ہو علیٰ زعم العرب پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ایسا کرنا نقصان نہیں دیتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی جس کو جدامہ کی حدیث میں بیان کیا گیا مگر یہ تاویل بعید ہے کیونکہ حدیث جدامہ میں نہی کا ارادہ ہے نہی نہیں ہے اور حدیث اسماء میں صراحۃً نہی واقع ہے۔

جواب رابع: بعض حضرات نے کہا کہ بہتر جواب یہ ہے کہ جدامہ کی روایت کے بعد حضرت اسماء کی روایت ہے یعنی اولاً تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا مگر بعد میں جب معلوم ہوا کہ فی الجملہ نقصان ہوتا ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دَوَاءِ ذَاتِ الْجَنْبِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ قَالَ قَتَادَةُ وَيَلُدُّ مِنَ الْجَانِبِ الَّذِي يَشْتَكِيهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ اللهِ اسْمُهُ مَيْمُونٌ هُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، قتادہ، ابوعبداللہ، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمونیہ والے کے لئے زیتون اور ورس (زرد رنگ کی بوٹی) کا علاج تجویز کیا کرتے تھے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ دوا منہ کے اسی جانب سے ڈالی جائے گی جس طرف درد ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوعبداللہ کا نام میمون ہے یہ بصری شیخ ہیں۔

حَدَّثَنَا رَجَاءُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْعُذْرِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي رَزِينٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ حَدَّثَنَا مَيْمُونٌ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ قَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَتَدَاوَى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَيْمُونٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ

رجاء بن محمد عدوی، بصری، عمرو بن محمد بن ابورزین، شعبہ، خالد، حذاء، میمون ابوعبداللہ، حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ذات الجنب (نمونیہ) کا علاج زیتون اور قسط بحری (کٹھ) سے کرنے کا حکم دیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اسے صرف میمون کی زید بن ارقمؓ سے روایت سے جانتے ہیں۔ میمون سے کئی اہل علم

وَقَدْ رَوَى عَنْ مَيْمُونٍ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذَا الْحَدِيثَ وَذَاتُ الْجَنْبِ يَعْنِي السِّلَّ

یہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ ذات الجنب سے مراد سل (پھیپھڑے کی بیماری) ہے۔

تشریح: وَذَاتُ الْجُنُبِ: اس کی تفسیر سل سے کی ہے۔ سل بمعنی ہزال انتہائی ضعیف وکمزوری کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً سل کا اطلاق پھیپھڑوں کے زخموں پر ہوتا ہے جو خاص بیماری ہے۔ پھیپھڑوں کے زخموں کی وجہ سے تپ دق ہوتی ہے اسی وجہ سے اطباء نے تپ دق کو سل کا جزء قرار دیا ہے۔

ذات الجنب کی اقسام: ذات الجنب کی دو اقسام ہیں: حقیقی، غیر حقیقی

ذات الجنب حقیقی: یہ پہلو کے اطراف کی اس جھلی میں ایک عارض ہوتا ہے جو کہ باطن اضلاع میں ہے۔

ذات الجنب غیر حقیقی: یہ بھی حقیقی کے مشابہ ہے لیکن ذات الجنب میں ریاح غلیظہ موذیہ کے صفقات میں بند ہو جانے سے پیدا ہوتا ہے یہ درد حقیقی ذات الجنب کے مشابہ ہوتا ہے۔

ذات الجنب حقیقی کی پانچ علامات ہیں۔ (۱) بخار کا آنا (۲) کھانسی کا لگنا (۳) وجع ناخس (۴) ضیق نفس (۵) نبض منشاری

بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ: اس کی تفسیر بعض حضرات نے عود بخور اگر کی لکڑی سے کی ہے جو دوسرے درجہ میں گرم اور تیسرے درجہ میں خشک ہوتی ہے اس کو پانی میں ڈال کر پینا مفرح قلب ہے یہ معدہ اور اعصاب کے لئے قوت بخش ہے۔

ذات الجنب کا علاج: عود ہندی کو کوٹ کر باریک پیسا جائے اور زیتون کے گرم تیل سے ملالیا جائے اور درد کی جگہ مالش کی جائے یا اس کو لعوق بنالیا جائے اور اس کو چاٹنے سے مادہ فاسد خارج ہوگا اعضاء باطنہ کے لئے مقوی ہے۔

وَالْوَرْسَ: یہ ایک گھاس حار یابس ہے سرخ رنگ، نرم چھلکے والی زیادہ اچھی ہوتی ہے داغ، کھجلی اور پھنسیوں کے لئے مفید ہے۔ اس کا رنگ بھی پختہ ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ السُّلَمِيِّ أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ قَالَ أَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِي وَجَعٌ قَدْ كَانَ يُهْلِكُنِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْسَحْ بِيَمِينِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَقُلْ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِي فَلَمْ أَزَلْ

اسحاق بن موسیٰ انصاری، معن، مالک، یزید بن خصیفہ، عمرو بن عبداللہ بن کعب، سلمی، نافع بن جبیر بن مطعم، حضرت عثمان بن ابی عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے مجھے اس وقت اتنا شدید درد تھا کہ قریب تھا کہ میں اس سے ہلاک ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے سیدھے ہاتھ سے درد کی جگہ کو چھوؤ اور سات مرتبہ یہ پڑھو "وَقُلْ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ" (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی عزت وقدرت اور غلبہ کے ساتھ ہر اس چیز کے شر سے جسے میں پاتا ہوں پناہ مانگتا ہوں۔) عثمان کہتے ہیں کہ میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے

آمُرُ بِهِ أَهْلِي وَغَيْرَهُمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

شفاء عطاء فرمادی۔ اب میں ہمیشہ گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو یہ دعا بتاتا ہوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وَبِي وَجَعٌ: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرے بدن میں درد رہتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ اس درد کی جگہ پر رکھو اور سات بار اس جگہ پر پھیرو اور یہ دعا پڑھو "اعوذ بعزة الله وقدرته و سلطانه من شرما اجد"۔ حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو میں ٹھیک ہو گیا اور اس کے بعد ہر ایک کو یہ دعا بتاتا تھا اپنے گھر والوں کو بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی یہ عمل بتاتا ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّنَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِي عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا بِمَ تَسْتَمْشِينَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ جَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

محمد بن بشار، محمد بن بکر، عبدالحمید بن جعفر، عتبہ، بن عبد اللہ، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ تم کسی چیز کا مسہل (یعنی جلاب) لیتی ہو تو عرض کیا کہ شبرم کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو بہت گرم اور سخت ہے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں پھر میں نے سنا کے ساتھ جلاب لیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی تو اس (سنا) میں ہوتی۔ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ شبرم وہ گھاس ہے جسے لوگ اسہال کیلئے استعمال کرتے ہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ شبرم سے اس گھاس کے دانے مراد ہیں جو مسور دال کے برابر ہوتے ہیں اور اسہال کیلئے ان دانوں کو پانی میں جوش دے کر پیا جاتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو گرم ہے بعض حضرات نے کہا کہ اصل میں یہ حار جار ہے تو آپ ﷺ نے اس جملہ کے ذریعے واضح کر دیا کہ شبرم نہایت گرم ہے اور اسہال کیلئے اس کو استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

السَّنَا: اس کو "سنا مکی" کہتے ہیں نہایہ میں ہے کہ "سنا" اسم مقصور ہے یہ مشہور بوٹی ہے جو سوکھ جانے کے بعد وزنی ہو جاتی ہے ہوا کے چلنے سے اس میں سرسراہٹ پیدا ہوتی ہے (مرقاۃ ج۹ ص ۳۵۴)۔ حدیث کے آخر میں سنا دوائی کی خاصیت کو بیان کر رہے ہیں کہ اس کی خاصیات میں سے ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں کسی ضرر و نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا یہ معتدل ہوتی ہے یہ صفرا، سودا اور بلغم کے اخراج کے لئے بہترین چیز ہے۔

حَارٌّ جَارٌّ: ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ حارٌّ، حارٌّ کی تاکید ہے اور اگر جیم کے ساتھ ہو تو یہ جر سے ماخوذ ہے جس کے معنی کھینچنے کے ہیں اب معنی یہ ہوئے کہ شبرم تو گرم ہے مادہ فاسد کے ساتھ زائد مادہ خارج کرنے والی ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے بعض نے

کہا کہ یہ کلمہ مہملہ ہے "جار تبعًا و یا کیدًا لہ" جیسا کہ شیطان و یطان، پانی وانی کہا جاتا ہے۔ الحاصل یہ ہے کہ یہ لفظ مہمل ہے محض تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَسَلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَخِي اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ فَقَالَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ سَقَيْتُهُ عَسَلًا فَلَمْ يَزِدْهُ إِلَّا اسْتِطْلَاقًا قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ اسْقِهِ عَسَلًا فَسَقَاهُ فَبَرَأَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، قتادہ، ابو متوکل، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست لگے ہوئے ہیں۔ (یعنی اس کا پیٹ جاری ہے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ وہ دوبارہ آیا اور عرض کیا کہ میں نے اسے شہد پلایا تو دست اور زیادہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ اس نے پھر شہد دیا اور سہ بارہ آ کر عرض کیا کہ اس سے دست مزید بڑھ گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سچے ہیں اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ اسے پھر شہد پلاؤ۔ پس اسے شہد پلایا۔ اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان "یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس" (سورۃ النحل:۶۹) "شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے" میں صادق ہیں۔

وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ ، حیث لم یحصل الشفاء: یعنی تمہارے بھائی کا پیٹ بایں طور جھوٹا ہے کہ اس کو اس سے شفاء حاصل نہیں ہوئی۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ شراب العسل (شہد) سے اس آدمی کے شفاء یاب ہونے کے متعلق حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی اب مراد یہ ہوگی کہ اس وحی نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ صادق ہیں "کذب بطن اخیك ای اخطأ" یہاں خطاء کرنے سے مراد عدم حصول شفاء ہے کیونکہ یا تو اس کی نیت خالص نہیں تھی یا دوا نے پورا عمل نہیں کیا جبکہ امام رازیؒ نے کہا کہ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا تھا کہ شہد پینے کا نفع آخر کار ظاہر ہونا ہی ہے اگرچہ فی الحال نفع نہ ہوا اس وجہ سے صدق کے مقابلہ میں اس کے پیٹ پر کذب کا اطلاق فرمایا۔

سوال: طبی اعتبار سے شہد گرم ہے اور دست زیادہ لاتا ہے اسکے باوجود آپ ﷺ نے "استطلاق" کے مریض کو عسل پینے کا کیسے حکم دیا۔

جواب ثانی: دست والے شخص کو شہد پلانا اگرچہ اصولِ طب کے خلاف ہے لیکن اس شخص کو آپ ﷺ کی دعا و معجزہ کی برکت سے شفاء ہوئی جواب اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ طب کے خلاف نہیں ہوا کیونکہ اس شخص کو جو دست آ رہا تھا وہ بدہضمی کی بناء پر مادہ فاسدہ جمع

ہو گیا تھا فاسد مادہ کو جب تک نہ نکالا جاتا وہ مریض اچھا نہ ہوتا اس لئے مسہل کے ذریعے فاسد مادہ کو نکالنے کیلئے آپ ﷺ نے عسل کو تجویز کیا جب بار بار شہد پینے سے مادہ فاسدہ نکل گیا تو وہ مریض اچھا اور تندرست ہو گیا تو یہ طب کے عین موافق ہوا۔

جواب ثالث: ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہو کہ اس شخص کی شفاء شہد پینے میں ہے اس وجہ سے شہد کے بار بار پینے کا حکم دیا۔

جواب رابع: طب نبوی دنیا سے فائق و بالاتر ہے اس کیلئے اعتقاد طبیب اور بدن طبیب کا ہونا ضروری ہے چنانچہ صحابی نے باوجود ظاہراً نقصان کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور فرمان کے مطابق بار بار شہد پلا دیا اور اعتقاد جازم پایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے شفاء دے دی۔

اسْقِهِ عَسَلًا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ تمہارے اوپر دو چیزوں سے شفاء حاصل کرنا لازم ہے "بالعسل والقرآن" حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ شہد کو استعمال کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے کہ "جب کوئی شخص بیمار ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی سے کہے کہ وہ اپنے مہر میں سے کچھ مال دے اور اس مال کے ذریعے شہد خریدے اور شہد کو بارش کے پانی میں بلا کر پی لے ان شاء اللہ بابرکت شفاء پائے گا۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۴۳)۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ الْمِنْهَالَ بْنَ عَمْرٍو يُحَدِّثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَعُودُ مَرِيضًا لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ إِلَّا عُوفِيَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو

محمد بن مثنی، محمد بن جعفر، شعبہ، یزید بن خالد منہال بن عمرو سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ کسی ایسے بیمار کی عیادت کرے جس کی موت کا وقت نہ آچکا ہو اور وہ سات باریوں کہے (أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ) (ترجمہ میں اللہ بزرگ و برتر اور عرش عظیم کے رب سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفاء عطا فرمائے) تو مریض تندرست ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف منہال بن عمرو کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: اسی حدیث مبارک میں حصر اغلبی ہے یا مشروط بشرائط ہے جس کی تحقیق ضروری ہے۔ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اس دعا کو سات بار پڑھ کر مریض پر پھونک ماری جائے۔

ترکیب نحوی: "ما من عبد مسلم يعود مريضا" میں "ما" نافیہ ہے اور "من" زائدہ ہے جو نفی کی تاکید کے لئے لایا گیا۔ "لم يحضر اجله، مريضا" کی صفت ہے اور "رب العرش العظيم" یہ لفظ "الله" کی صفت ہے اور "أن يشفيك، اسألك" کا مفعول ثانی ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ الْمُرَابِطِيُّ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا مَرْزُوقٌ أَبُو عَبْدِ اللهِ الشَّامِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ حَدَّثَنَا ثَوْبَانُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الْحُمَّى فَإِنَّ الْحُمَّى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيُطْفِهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ نَهْرٍ جَارٍ لِيَسْتَقْبِلَ جِرْيَتَهُ فَيَقُولُ بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ فَلْيَغْتَمِسْ فِيهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي ثَلَاثٍ فَخَمْسٍ وَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي خَمْسٍ فَسَبْعٍ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِي سَبْعٍ فَتِسْعٍ فَإِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِإِذْنِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ۔

احمد بن سعید اشقر ، روح بن عبادہ، مرزوق ابوعبداللہ شامی، سعید، حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر تم میں سے کسی کو بخار ہو جائے تو وہ اسے پانی سے بجھائے اور بہتی نہر میں اتر کر جس طرف سے پانی آ رہا ہو اس طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھے (بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ) (ترجمہ اللہ کے نام سے ابتداء کرتا ہوں۔ اے اللہ! اپنے بندے کو شفا دے اور اپنے رسول کو سچا کر) فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے نہر میں اترے۔ پھر اسے چاہیے کہ نہر میں تین غوطے لگائے اور تین دن تک یہ عمل کرے۔ اگر تین دن تک صحت یاب نہ ہو تو پانچ دن اور اگر پانچ دن میں بھی صحت یاب نہ ہو تو سات دن اور پھر اگر سات دنوں میں بھی شفاء نہ ہو تو نو دن تک یہ عمل کرے۔ بے شک اللہ کے حکم سے اس کا یہ مرض نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا۔

یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کی وضاحت ماقبل ابواب کے تحت گزر چکی ہے۔

سند پر کلام: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی سعید بن زرعہ حمصی جرار مستور راوی ہے ترمذی شریف میں اس کی ایک یہی حدیث ہے۔

بَابُ التَّدَاوِي بِالرَّمَادِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سُئِلَ سَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَأَنَا أَسْمَعُ بِأَيِّ شَيْءٍ دُووِيَ جُرْحُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِي بِالْمَاءِ فِي تُرْسِهِ وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ وَأُحْرِقَ لَهُ حَصِيرٌ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ هٰذَا

ابن ابی عمر، سفیان، حضرت ابوحازم کہتے ہیں کہ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم کا کس طرح علاج کیا گیا۔ فرمایا اس کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زخم کو دھوتیں اور بوریا جلایا گیا پھر اس کی راکھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخم مبارک پر

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ چھڑک دی گئی۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ احد میں زخمی ہونے کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو خون بند نہیں ہو رہا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی بہا رہے تھے بالآخر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک چٹائی جلائی اور اس کی راکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم مبارک پر رکھی گئی تو خون رک گیا۔ حدیث میں لفظ "دُووِی" آیا ہے یہ مداواۃ کا مجہول ہے اس کے معنی ہیں علاج کرنا۔

حشی، حشا، یحشو، حشوًا: کا مجہول ہے اس کا معنی ہے کسی چیز میں کوئی چیز بھرنا۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ السَّكُونِيُّ عَنْ مُوسَى بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفِّسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

عبداللہ بن سعید، اشج، عقبہ بن خالد سکونی، موسیٰ بن محمد بن ابراہیم تیمی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے جاؤ تو اس کی درازی عمر کے لئے دعا کیا کرو۔ یہ تقدیر کو تو نہیں بدلتی لیکن اس کے (یعنی مریض کے) دل کو خوش کرتی ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: فَنَفِّسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ: اس مریض کے غم و تکلیف کو اپنی گفتگو کے ساتھ دور کرو اس کے پاس ایسے جملے کہو کہ وہ مایوس نہ ہو بلکہ اس میں جذبہ صحت و قوت پیدا ہو ورنہ آج کل کسی کو تھوڑا سا بخار آ جائے تو عیادت کرنے والا عموماً یوں کہتا ہے کہ تجھے تو بہت تیز بخار ہے اتنے زیادہ بخار سے تم تو ٹھیک نہیں ہو گے وغیرہ ایسے کلمات سے وہ مریض مزید آس و امید توڑ کر بیٹھ جائے گا اس لئے عیادت کرنے والوں کو چاہیے کہ مریض کی حوصلہ افزائی کریں حوصلہ شکنی نہ کریں۔ مثال کے طور پر یہ کہیں کہ آج کل موسمی بخار ہے یہ جلد ہی چلا جائے گا یا کہیں کہ آج تو آپ ماشاء اللہ ٹھیک معلوم ہو رہے ہیں ان الفاظ سے مریض میں قوت آئے گی اور جلد ٹھیک ہو جائے گا۔

اَبوَابُ الفَرَائِض

عَن رَسُولِ اللهِ ﷺ

فرائض کی لغوی تحقیق: فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض بمعنی مقرر کرنا سے ماخوذ ہے۔ اصطلاح میں فرض میراث کے اس حصے کو کہتے ہیں جو قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہو اور جن کا حصہ قرآن، حدیث اور اجماع سے ثابت ہو ان کو اصحاب الفرائض کہتے ہیں۔

میراث کی اصلاحی تعریف: ان اصول وقواعد کے جاننے کا نام ہے جس کے ذریعے میت کا ترکہ مستحقین شرعی میں تقسیم کیا جائے۔

موضوع: میت کا ترکہ اور مستحقین شرعیہ۔

غرض: ''ایصال الحقوق الی اھل الاستحقاق'' یا ترکہ کے مستحقین اور ان کے شرعی حقوق کی مقدار کو معلوم کرنا

ارکانہ: الوارث، المورث، الموروث

شرائط: حیاۃ الوارث، موت المورث، حقیقۃً أوْ حکمًا

اس علم کا مرتبہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کے حصول کے لئے ترغیب دی ہے فرمایا ''تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانها نصف العلم'' علم فرائض بہت اہم فن ہے اور اس کی اصلاحات بھی ہیں جو کتب فرائض میں مذکور ہیں یہاں پر علم میراث کے متعلق چند ابحاث ذکر کی جاتی ہیں۔

چند اصطلاحات کے بیان میں: میراث کے متعلق بنیادی اصطلاحات جان لیں۔

اصطلاح ①: اس میں تین چیزیں ہوں گی (۱) موت کی تعریف (۲) ترکہ کی تعریف (۳) میت کے مال کے متعلق حقوق اربعہ۔

(۱) موت کی تعریف: اس کی دو قسمیں ہیں ① **موت حقیقی:** کسی انسان کا طبعی موت بقضائے الٰہی مرنا۔

② **موت حکمی:** کسی انسان کا اس طرح گم ہو جانا کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہے حتیٰ کہ اس کے ہم عصر اور ہم عمر لوگ بھی مر جائیں۔

(۲) ترکہ کی تعریف: ہر وہ مال جو انسان کے مرنے کے وقت اس کی ملکیت میں موجود ہو تو اس سے امانت کا مال اور وہ مال جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو جیسے حق مہر وغیرہ خارج ہو جائیں گے۔

(۳) میت کے مال کے متعلق حقوق اربعہ: ① تجہیز وتکفین ② قرض ③ وصیت ④ حق ارث۔

① **تجہیز وتکفین:** اگر کوئی انسان مر گیا تو سب سے پہلے اسکے مال سے تجہیز وتکفین کا خرچ نکالا جائے گا جس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) سنت کے مطابق خرچ نکالا جائے (۲) سنت کے مطابق کفن ہو کپڑوں کی تعداد بھی سنت کے مطابق ہو پھر کپڑے نہ زیادہ مہنگے ہوں نہ زیادہ سستے چنانچہ اگر کسی نے صرف اتنا مال چھوڑا کہ صرف تجہیز وتکفین ہو سکتی ہے تو اولاً تجہیز وتکفین ہی کی جائیگی۔

(۲) قرض: کفن دفن کے بعد جو مال بچ جائے تو میت کے قرضہ کو ادا کیا جائے چہ جائیکہ سارا مال ہی کیوں نہ ختم ہو جائے۔

(۳)**وصیت:** میت کے کفن دفن اور قرض کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے مال سے میت کی جائز وصیت کو ۱/۳ (تہائی) مال سے پورا کیا جائے جس میں تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے (۱) وصیت جائز ہو (۲) موصی لہٗ وصیت کے بعد رجوع نہ کرے (۳) موصی لہٗ موصی کی وفات کے وقت زندہ ہو۔

(۴)**حق ارث:** سابقہ حقوق ثلٰثہ کے اداء کرنے کے بعد منقولہ اور غیر منقولہ مال کو ورثاء میں تقسیم کیا جائیگا اسی کو ورثہ اور ترکہ کہتے ہیں۔

اصطلاح ④: اس میں بھی تین چیزیں ہیں (۱) جو لوگ حق ارث رکھتے ہیں وہ دس قسم کے ہیں۔۱۔اصحاب الفرائض۔۲۔عصبات نسبیہ۔۳۔ذوی الاحارم۔۴۔مولیٰ عتاقہ۔۵۔مولی عتاقہ کا عصبہ۔۶۔مولیٰ موالات۔۷۔موصی لہٗ بمازاد علی الثلث۔ ۸۔مقرلہٗ بالنسب علی الغیر۔۹۔رد علی اصحاب الفرائض۔۱۰۔بیت المال۔

۱۔**اصحاب الفرائض:** یہ وہ لوگ ہیں جن کا حصہ قرآن پاک اور حدیث شریف اور اجماع سے ثابت ہو چنانچہ قرآن مجید میں چھ ورثاء کے حصوں کو بیان کیا گیا ہے جن میں بیٹا عصبہ ہے اور باقی اصحاب الفرائض۔ (۱) باپ (۲) ماں (۳) خاوند (۴) بیوی (۵) بیٹا (۶) بہن۔

حدیث شریف میں دو ورثاء کے حصوں کو بیان کیا گیا ہے (۱) دادیاں (۲) نانیاں۔ اور اجماع امت میں تین ورثاء کے حصوں کو بیان کیا گیا ہے (۱) دادا، نانا (۲) پوتے (۳) پوتیاں۔

ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ اصحاب فرائض کل بارہ ہیں۔ ان میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں، ہر ایک کے حصہ کو الگ الگ بیان کیا جائے گا۔

①**باپ:** کے کل تین احوال ہیں (۱) جب میت کی نرینہ اولاد موجود ہو تو باپ کو سدس ملے گا (۲) جب میت کی مذکر اولاد موجود نہ ہو بلکہ مؤنث اولاد ہو تو باپ کو فرض مع التعصیب ملے گا (۳) جب میت کی کوئی اولاد نہ ہو تو پھر اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد باقی سارا مال باپ کو ملے گا۔

②**دادا:** اس کے متعلق جاننے سے پہلے ایک تمہید جان لیں۔ جد صحیح اور جد فاسد کی تعریف۔

جد صحیح: اس کو کہتے ہیں کہ میت کی طرف نسبت کرتے ہوئے عورت کا واسطہ نہ آئے۔

جد فاسد: اس کو کہتے ہیں کہ میت کی طرف نسبت کرتے ہوئے عورت کا واسطہ آئے۔

اب دادا کے چار احوال ہیں (۱) سدس (۲) فرض مع التعصیب (۳) سدس مع التعصیب (۴) ساقط۔

③**اخیافی بھائی:** اس کے تین احوال ہیں (۱) سدس (۲) ثلث (۳) ساقط۔

④**خاوند:** اس کے دو احوال ہیں۔ (۱) نصف (۲) ربع۔

عورتوں میں آٹھ عورتیں اصحاب الفرائض ہیں۔

①**بیوی:** اس کے دو احوال ہیں (۱) ربع (۲) ثمن۔

②**حقیقی بیٹی:** اس کے کل تین احوال ہیں (۱) نصف (۲) ثلثان (۳) عصبہ۔

③ پوتیاں: ان کے کل چھ احوال ہیں (۱) نصف (۲) ثلثان (۳) سدس (۴) عصبہ (۵) ساقط (۶) محروم۔

④ حقیقی بہنیں: ان کے کل پانچ احوال ہیں (۱) نصف (۲) ثلثان (۳) عصبہ (۴) عصبہ مع الغیر (۵) ساقط۔

⑤ علاتی بہنیں: ان کے سات احوال ہیں (۱) نصف (۲) ثلثان (۳) سدس تکملۃ للثلثین (۴) ساقط (۵) عصبہ بالغیر (۶) عصبہ مع الغیر (۷) ساقط۔

⑥ ماں: اس کے تین احوال ہیں (۱) سدس (۲) کل مال کا ثلث (۳) بقیہ مال کا ثلث۔

⑦ دادی: اس کے دو احوال ہیں (۱) سدس (۲) ساقط۔

⑧ اخیافی بہن: اس کے وہی احوال ہیں جو اخیافی بھائی کے ہیں۔

② دوسری چیز میں ان چیزوں کو بیان کیا جائے گا جو وراثت سے محرومی کا سبب بنتی ہیں، وہ کل چار ہیں۔

① غلامی: غلام یا لونڈی چاہے جیسے بھی رشتہ دار ہوں ان کو حصہ نہیں ملے گا۔

② قتل: اس سے مراد ہر وہ قتل ہے جس میں کفارہ یا قصاص آتا ہو وہ چار قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطاء (۴) قتل قائم مقام خطاء۔ ان تمام صورتوں میں قاتل اپنے مورث کی میراث سے محروم ہوگا۔

③ اختلاف دین: مسلمان کافر کا، کافر مسلمان کا صحیح قول کے مطابق وارث نہیں ہوگا اسی طرح مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور مسلمان مرتد کا صحیح قول کے مطابق وارث ہوگا۔ بعض حضرات کے نزدیک مسلمان مرتد کے اس مال میں وارث ہوگا جو ارتداد سے پہلے کمایا گیا ہے۔

④ اختلاف دارین: ایک وارث دار الاسلام میں رہتا ہے اور دوسرا دار الحرب میں رہتا ہے تو ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے یہ سبب کفار میں معتبر ہوگا مسلمانوں میں معتبر نہیں ہوگا چنانچہ مسلمان اختلاف دارین کے باوجود ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

③ تیسری چیز وہ حصے ہیں جو شریعت سے ثابت ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل: (۱) نصف (۲) ربع (۳) ثمن۔ ثانی: (۱) ثلثان (۲) ثلث (۳) سدس۔

پھر ان میں نصف ربع کا اور ربع ثمن کا دگنا ہے اسی طرح ثلثان، ثلث کا اور ثلث، سدس کا دگنا ہے اگر ورثاء کا حصہ معلوم کرنا ہو تو مخرج کا نکالنا ضروری ہوگا جس کی پانچ صورتیں ہیں۔

صورت ①: اگر اصحاب فرائض میں سے ایک آدمی ہو تو مخرج اس کے حصے کا ہمنام آئے گا مثلاً حصہ نصف ہو تو مخرج دو ہوگا۔

صورت ②: اگر اصحاب فرائض دو یا دو سے زائد ہوں لیکن ایک ہی قسم کے ہوں تو اگر کم سے کم مخرج سے حصہ نکل آتا ہے تو زیادہ سے زیادہ سے بھی نکل آئے گا جیسے ثلث اور سدس، دونوں حصے چھ سے نکل آئیں گے اور سدس اور ثلثان بھی چھ سے نکل آئیں گے، ثلثان اور ثلث تین سے نکل آئیں گے۔

صورت ③: اگر اصحاب فرائض دو یا دو سے زائد ہوں جو مختلف قسم کے ہوں اور پہلی قسم کا نصف دوسری قسم کے کل یا بعض کے ساتھ ملا ہو تو مخرج ہمیشہ چھ سے آئے گا۔

صورت ④: اگر اصحاب فرائض دو یا دو سے زائد ہوں اور مختلف قسم کے ہوں اور پہلی قسم کا ربع دوسری قسم کے کل یا بعض کے ساتھ ملا ہو تو مخرج ہمیشہ ۱۲ سے آئے گا۔

صورت ⑤: اگر اصحاب فرائض دو یا دو سے زائد ہوں اور مختلف قسم کے ہوں اور پہلی قسم کا ثمن دوسری قسم کے کل یا بعض کے ساتھ ملا ہوا ہے تو مخرج ہمیشہ ۲۴ سے آئے گا۔

۲۔ **عصبات**: میت کے وہ رشتہ دار جو میت کے باپ دادا کی طرف سے ہوں اور جن کا شریعت میں حصہ مقرر نہیں ہے اصحاب فرائض سے بچا ہوا مال عصبات کو دیا جائے گا۔ پھر ان کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ نسبی (۲) عصبہ سببی۔

(۱) **عصبات نسبی**: ان کو کہتے ہیں جو نسب کی طرف سے رشتہ دار ہوں۔ (۲) **عصبات سببی**: ان کو کہتے ہیں جو رشتہ دار تو نہ ہوں لیکن کسی اور سبب سے حصہ لے رہے ہوں پھر عصبات نسبیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: ہر وہ مرد ہے جب اس کی نسبت میت کی طرف کی جائے تو عورت کا واسطہ نہ آئے پھر اس کی چار قسمیں ہیں (۱) جزء میت (۲) اصل میت (۳) جزء اب میت (۴) جزء جد میت۔

(۱) **جزء میت**: ہر وہ میت کی اولاد جو مذکر ہو جیسے بیٹے، پوتے، پڑپوتے وغیرہ، نیچے تک۔

(۲) **اصل میت**: ہر وہ مرد جو میت کا سبب اصلی ہو جیسے باپ دادا، اوپر تک۔

(۳) **جزء اب میت**: ہر وہ مرد جو میت کے باپ کی اولاد ہو جیسے میت کے بھائی عام ہے کہ حقیقی ہوں یا علاتی پھر ان کے خاندان کی نرینہ اولاد۔ (۴) **جزء جد میت**: ہر وہ مرد جو میت کے دادا کی اولاد ہو جیسے چچے پھر ان کی اولاد، نیچے تک۔

اس قسم کے ورثاء میں جائیداد تقسیم کرنے کے لئے دو اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) **الاقرب فالاقرب**: کہ حق وراثت میں وہ مقدم ہوگا جو میت کا قریبی رشتہ دار ہو چنانچہ پہلے جزء میت پھر اصل میت پھر جزء اب میت پھر جزء جد میت کو حصہ ملے گا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے جزء میت عصبہ بنیں گے اگر یہ نہ ہوں پھر اصل میت عصبہ بنیں گے اگر یہ نہ ہوں تو پھر جزء اب میت عصبہ بنیں گے اگر یہ نہ ہوں تو پھر آخر میں جزء جد میت عصبہ بنیں گے (۲) میت کے دو قسم کے ورثاء جمع ہو گئے ایک وہ جن کی میت سے ڈبل رشتہ داری ہے دوسرے وہ جن کی میت سے ایک طرف سے رشتہ داری ہے تو عصبہ بننے میں ڈبل رشتہ داری والوں کو ترجیح دی جائے گی ایک رشتہ داری والے ساقط ہو جائیں گے جیسے حقیقی بھائی عصبہ بن رہا ہے تو علاتی بھائی ساقط ہو جائے گا۔

(۲) **عصبہ بغیرہ**: ہر وہ عورت جس کا حصہ نصف یا ثلثان ہو جب یہ اپنے بھائی کے ساتھ آجائے تو عصبہ بنتی ہے یہ کل چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) حقیقی بہن (۴) علاتی بہن۔

(۳) **عصبہ مع غیرہ**: ہر وہ عورت جو کسی دوسری عورت کی وجہ سے عصبہ بن رہی ہو جیسے بہنیں جب بیٹیوں کے ساتھ آجائیں تو بہنیں عصبہ بنتی ہیں۔ (۴) **ذوی الاحارم**: میت کے وہ رشتہ دار جن کا شریعت میں حصہ مقرر نہیں ہے میت کے اور ورثاء نہ ہونے کی صورت میں ان کو مال دیا جائے گا۔ (۵) **مولیٰ عتاقہ**: کسی نے غلام کو آزاد کیا اب یہ غلام مر گیا اس کا کوئی وارث نہیں ایسی صورت میں غلام کے مال کا وارث آزاد کرنے والا مالک بنے گا۔

(۶) **زوجین** کے علاوہ اصحاب الفرائض پر مال بطور رد تقسیم کیا جائے۔

(۷) **مولیٰ موالات:** دو آدمیوں کی آپس میں گہری دوستی تھی انہوں نے معاہدہ کیا کہ اگر تو پہلے مر گیا تو میں تیرا وارث ہوں گا اگر میں پہلے مر گیا تو میرا وارث تو ہوگا۔ اس کا حکم آگے آئے گا۔

(۸) **مقرلہٗ بالنسب علی الغیر:** کسی غیر کے لئے اپنے نسب کا اقرار کرنا جب مقر مرے گا تو مقرلہٗ اس کا وارث ہوگا۔

(۹) **موصی لہٗ:** جس کے لئے میت نے تہائی سے زیادہ وصیت کی تو دیگر ورثاء نہ ہونے کی صورت میں یہ وصیت پوری کی جائے گی۔

(۱۰) **بیت المال:** اگر مندرجہ بالا ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو مال بیت المال میں جمع ہوگا جو غرباء میں تقسیم ہوگا۔

اصطلاح ③: اس میں بھی تین چیزوں کو بیان کیا جائے گا (۱) حجب (۲) عول (۳) ردّ۔

پہلی چیز ''حجب کی بحث'' لغت میں حجب روکنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کسی وارث کا دوسرے وارث کے حصے کو کم کر دینے یا بالکل ختم کر دینے کو کہتے ہیں پھر حجب کی دو قسمیں ہیں (۱) حجب حرمان (۲) حجب نقصان۔

حجب نقصان کی تعریف: کسی وارث کا دوسرے وارث کے حصہ کو کم کر دینا اور یہ پانچ افراد ہیں جن کے حصے دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جاتے ہیں (۱) خاوند: اولاد نہ ہو تو نصف اگر ہو تو ربع ملتا ہے۔ (۲) بیوی: اولاد نہ ہو تو ربع اگر اولاد ہو تو ثمن ملتا ہے۔ (۳) ماں: اگر ماں اکیلی ہو تو کل مال کا ثلث ملے گا اگر میت کی اولاد یا دو بہنیں یا بھائی آجائیں تو کل مال کا ماں کو سدس ملتا ہے۔ (۴) پوتی: اکیلی ہو تو نصف اگر ایک حقیقی بہن ہو تو سدس ملتا ہے۔

حجب حرمان: کسی وارث کا دوسرے وارث کو بالکل ساقط کر دینا۔ پھر ورثاء کی دو قسمیں ہیں۔

اوّل قسم: وہ ہیں جو بالکل ساقط نہیں ہوتے ہر حال میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے جیسے بیٹا، باپ، خاوند، بیوی، ماں، بیٹی۔

دوسری قسم: وہ ہیں کہ کبھی تو ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور کبھی بالکل ختم ہو جاتا ہے اب دونوں قسموں میں دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ① ہر وہ وارث جو میت کے کسی دوسرے وارث کی طرف سے حصہ دار بن رہا ہو تو یہ پہلے وارث کے آجانے کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا جیسے بیٹا اور پوتا۔ پوتا وارث بن رہا تھا بیٹے کے نہ ہونے کی وجہ سے اب بیٹا خود موجود ہے تو پوتا ساقط ہو جائے گا ② قریب والے رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور والے وارث کو کچھ نہیں ملے گا جیسے باپ اور دادا۔ اب باپ کے ہوتے ہوئے دادا کو کچھ نہیں ملے گا۔

(**فائدہ**) احناف کے نزدیک محروم کسی وارث کے لئے نہ حاجب نقصان بنتا ہے اور نہ حاجب حرمان جیسے کافر بیٹا اور پوتا۔ اب کافر بیٹا خود وارث نہیں بنتا تو پوتے کی میراث اور حصہ کو ساقط بھی نہیں کرے گا اور محجوب بالاتفاق کسی وارث کے حصہ کو کم بھی کر سکتا ہے اور بالکل ساقط بھی کر سکتا ہے۔

دوسری چیز ''عول کی بحث'' ہے لغت میں عول زیادہ ہونا اور غالب آنے کے معانی میں آتا ہے اور اصطلاح میں مجموعہ مخرج سے حصوں کے بڑھ جانے کو کہتے ہیں مثلاً مخرج ۶ تھا لیکن حصہ بڑھ گیا اس کو عول کہتے ہیں۔ اب اس کی کئی صورتیں ہیں۔

صورت ①: دو، تین، چار اور آٹھ کا کبھی بھی عول نہیں آتا اگر کہیں ان مخارج سے حصہ بڑھ جائے تو یہ اپنی غلطی ہوگی جسے تلاش کرنا ہوگا۔

صورت ②: چھ، بارہ، چوبیس مخارج کا عول آتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ چھ کا عول طاق سات اور نو آتا ہے اور جفت آٹھ اور دس ہوتا ہے۔ بارہ کا عول صرف طاق آتا ہے۔ تیرہ، پندرہ، سترہ اور چوبیس کا عول بھی صرف ایک طاق آتا ہے ستائیس۔

تیسری چیز "ردّ کی بحث" ہے، لغت میں ردّ پھیرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کہتے ہیں کہ پہلی تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے اس کو ذوی الفروض پر ان کے حصے کے مطابق خرچ کرنا لیکن بیوی اور خاوند پر ردّ نہیں ہوگا۔ ردّ کے چار اصول ہیں۔

اصول ①: وہ ورثاء جن پر ردّ کیا جائے گا ایک جنس کے ہوں اور وہ ورثاء موجود نہ ہوں جن پر ردّ نہیں کیا جائے گا تو جتنے ورثاء ہوں گے وہی مخرج ہوگا۔ **اصول ②:** وہ ورثاء جن پر ردّ کیا جائے گا دو یا تین جنس کے ہوں بشرطیکہ وہ ورثاء نہ ہوں جن پر ردّ نہیں کیا جائے گا تو مخرج ان کے مجموعہ حصوں سے آئے گا۔ **اصول ③:** اگر وہ ورثاء جن پر ردّ کیا جائے گا ایک جنس کے ہوں اور وہ ورثاء بھی موجود ہوں جن پر ردّ نہیں ہوگا مخرج من لا یرد علیہ کے کم سے کم مخارج سے آئے گا۔ **اصول ④:** وہ ورثاء جن پر مال کو دوبارہ ردّ کیا جائے گا مختلف جنس کے ہوں اور ان کے ساتھ وہ ورثاء بھی ہوں جن پر مال ردّ نہیں ہوتا تو ان کو من لا یرد علیہ کم سے کم مخرج سے حصہ دینے کے بعد بقیہ مال پورا تقسیم ہوجائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ وَمَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْوَلَ مِنْ هٰذَا وَأَتَمَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَنَسٍ مَعْنٰى قَوْلِهِ مَنْ تَرَكَ ضَيَاعًا يَعْنِي ضَائِعًا لَيْسَ لَهُ شَيْءٌ أَنَا أَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَيْهِ

سعید بن یحیی بن سعید اموی، محمد بن عمرو ابوسلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جس نے عیال (بال بچے) چھوڑے ان کی نگہداشت و پرورش میرے ذمہ ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ زہری اسے ابوسلمہ سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ یہ طویل ہے۔ اس باب میں حضرت جابر اور انس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ (مَن تَرَكَ ضَيَاعًا) کا مطلب یہ ہے کہ جو ایسی اولاد چھوڑے جن کے پاس کچھ نہ ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں ان کی پرورش کا انتظام کروں گا۔

تشریح: حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ترکہ ورثاء ہی کے لئے ہے حکومت کا اس میں کچھ حصہ نہیں اسی حدیث میں "فلاهله" ہے بعض نسخوں میں "فلورثته" آیا ہے "ضیاعًا" ضاد کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے کسرہ کے ساتھ "ای عیالًا" اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص اولاد کو اس طرح چھوڑے کہ وہ فقیر و محتاج ہیں تو ان کی ذمہ داری میری ہے میں اس کا متولی اور ذمہ دار ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ الْأَسَدِيُّ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دَلْهَمٍ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْآنَ وَعَلِّمُوا النَّاسَ فَإِنِّي مَقْبُوضٌ هٰذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ وَرَوَى أَبُو أُسَامَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَوْفٍ عَنْ رَجُلٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ جَابِرٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عَوْفٍ بِهٰذَا نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ

عبدالاعلی بن واصل محمد بن قاسم اسدی، فضل بن دلہم، عوف، شہر بن حوشب، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرائض اور قرآن خود بھی سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔ میں (عنقریب) وفات پانے والا ہوں۔ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اسامہ اسے عوف سے وہ سلیمان بن جابر سے وہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ ہم سے یہ حدیث حسین نے ابواسامہ کے حوالے سے اس کے ہم معنی بیان کی ہے۔

تشریح: **الْفَرَائِضَ:** اس سے مراد علم الفرائض یعنی میراث ہے بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد مطلق فرائض اسلامیہ ہیں۔ پس اگر فرائض سے علم المیراث مراد ہے تب تو باب پر استدلال ظاہر ہے۔ اور اگر احکام شرعیہ مراد ہیں تو بھی ورثاء کے حصص اس کا ایک فرد ہیں اس لئے حدیث عام سے علم میراث کی اہمیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ: اس حدیث میں اضطراب ہے کیونکہ اس میں ایک راوی محمد بن قاسم اسدی ضعیف راوی ہے اور اسی طرح فضل بن دلہم بھی ٹھیک راوی نہیں۔ عوف اعرابی کے شاگردوں میں بھی اختلاف ہے۔ بعض سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچاتے ہیں اور بعض سند کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تک پہنچاتے ہیں اس میں ایک مجہول راوی بھی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث پر کوئی حکم نہیں لگایا حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو فتح الباری میں ضعیف قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْبَنَاتِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ

عبد بن حمید، زکریا بن عدی عبیداللہ بن عمرو، عبداللہ بن محمد بن عقیل، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی سعد کی دو بیٹیوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد غزوہ احد کے موقع پر

هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا فَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالًا وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللهُ فِي ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا فَقَالَ أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ وَقَدْ رَوَاهُ شَرِيكٌ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ

آپ کے ساتھ تھے اور شہید ہو گئے۔ ان کے چچا نے ان کا سارا مال لے لیا اور ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا جب تک ان کے پاس مال نہ ہوگا ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ اس پر آیت میراث نازل ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لڑکیوں کے چچا کو بلا بھیجا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو دو تہائی حصہ اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو۔ جو بچ جائے وہ تمہارے لئے ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اسے صرف عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت سے پہچانتے ہیں۔ شریک نے بھی اسے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حدیث مبارک میں قبیلہ خزرج کے ایک جلیل القدر صحابی کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت سعد ابن ربیعؓ ۳ھ میں اُحد کی لڑائی میں شہید ہوئے ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی نے جاہلیت کے دستور کے مطابق ان کے ترکے پر قبضہ کر لیا ان کی زوجہ اور ان کی دونوں بیٹیاں ترکہ سے محروم ہو گئیں اس وقت ان کی بیوی کی مدد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کون کر سکتا تھا، ان کی زوجہ نے پریشانی کی حالت میں دربار رسالت میں حاضر ہو کر پورا قصہ بیان کیا اس پر آپ ﷺ کو بہت ناگوار ہوئی آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ عنقریب اس کے بارے میں اللہ رب العزت کی طرف سے قطعی فیصلہ آجائے گا پھر کچھ دنوں بعد یہ آیت میراث نازل ہوئی "**یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ الایة**" (النساء:۱۱)۔ مذکورہ آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حضرت سعدؓ کے بھائی کو کہلا بھیجا کہ حکم الٰہی کے پیش نظر تم سعد کے ترکہ میں سے دو تہائی لڑکیوں کو دے دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو اور اس کے بعد جو کچھ بچے وہ تم لے لو۔ گویا سعد کے مال کے چوبیس حصے کر کے پھر ان کو تقسیم کیا جائے گا۔

مسئلہ ۲۴ سعد

میــــــــــــــت

زوجہ	بنت	بنت	اخ
ثمن		ثلثان	عصبہ
۳	۸	۸	۵

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الِابْنِ مَعَ بِنْتِ الصُّلْبِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي قَيْسٍ الْأَوْدِيِّ عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى أَبِي مُوسَى وَسَلْمَانَ بْنِ رَبِيعَةَ فَسَأَلَهُمَا عَنِ ابْنَةٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ لِأَبٍ وَأُمٍّ فَقَالَ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ مَا بَقِيَ وَقَالَا لَهُ انْطَلِقْ إِلَى عَبْدِ اللهِ فَاسْأَلْهُ فَإِنَّهُ سَيُتَابِعُنَا فَأَتَى عَبْدَ اللهِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَأَخْبَرَهُ بِمَا قَالَا قَالَ عَبْدُ اللهِ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ وَلٰكِنِّي أَقْضِي فِيهَا كَمَا قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَلِلْأُخْتِ مَا بَقِيَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَرْوَانَ الْكُوفِيُّ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ

حسن بن عرفہ، یزید بن ہارون سفیان ثوری، ابی قیس اودی، حضرت ہزیل بن شرحبیل سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت ابوموسیٰ اور سلیمان بن ربیعہ کے پاس آیا اور ان دونوں سے ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک حقیقی بہن (کی وراثت) کے متعلق پوچھا۔ دونوں نے فرمایا بیٹی کے لئے نصف ہے اور جو باقی بچ جائے وہ سگی بہن کے لئے ہے۔ پھر ان دونوں نے اسے کہا کہ عبداللہ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ پس اس آدمی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے واقعہ بیان کیا اور ان دونوں حضرات کی بات بتائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اگر میں یہی فیصلہ دوں تو میں گمراہ ہو گیا اور ہدایت پانے والا نہ ہوا لیکن میں اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا کہ بیٹی کے لئے نصف مال اور پوتی کے لئے چھٹا حصہ تاکہ یہ دونوں مل کر ثلثان ہو جائیں اور جو بچ جائے بہن کے لئے ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوقیس اودی کا نام عبدالرحمن بن ثروان ہے اور وہ کوفی ہیں۔ شعبہ بھی یہ حدیث ابوقیس سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: الحاصل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ ایک میت ہے اس نے تین وارث چھوڑے ہیں بیٹی، پوتی اور بہن تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ بیٹی کو نصف ملے گا دلیل "فان كانت واحدة فلها النصف" اور بہن کو بھی نصف ملے گا دلیل "ان امرء هلك ليس له ولد و له اخت فلها نصف ما ترك" اور پوتی محروم رہے گی۔ یہ مسئلہ غلط تھا جس کا نقشہ درج ذیل ہے۔

۴

میــــــــــــــــــــــــــــــــت

بنت	اخت	بنت الابن
نصف	نصف	محروم
ا	ا	۰

اسکے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اسی سوال پوچھنے والے کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تو حضرت ابن

مسعود رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کو آنحضرت ﷺ کی صریح حدیث کے خلاف پایا (جو حضرت ابوموسیٰؓ تک نہیں پہنچی تھی) حضرت ابن مسعودؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ بیٹی کو نصف اور پوتی کو سدس ملے گا اور اخت عصبہ ہوگی۔ پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رجوع فرماتے ہوئے فرمایا "لا تسألونی مادام ہذا الحبر فیکم"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مسئلہ کے مطابق نقشہ دیکھئے۔

٦

میت

بنت	بنت الابن	الاخت
نصف	سدس	عصبہ
٣	١	٢

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هٰذِهِ الْآيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَإِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ دُونَ أَخِيهِ لِأَبِيهِ

بندار، یزید بن ہارون، سفیان، ابواسحاق، حارث، حضرت علی نے فرمایا کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو (مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ) 4۔النساء:12) (ترجمہ: جو کچھ تم وصیت کرو یا قرض ہو اس کے بعد) حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت سے پہلے ادائیگی قرض کا فیصلہ فرمایا اور حقیقی بھائی وارث ہوں گے علاتی بھائی وارث نہیں ہوں گے۔ آدمی اپنے اس بھائی کا وارث ہوتا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہو۔ (یعنی حقیقی بھائی) اور صرف باپ کی طرف سے بھائی کا وارث نہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ

بندار، یزید بن ہارون زکریا بن ابوزائدہ، اسحاق، حارث، علی سے وہ زکریا بن ابی زائدہ سے وہ ابواسحاق سے وہ حارث سے وہ علیؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ

ابن ابی عمر، سفیان، ابواسحاق، حارث، حضرت علیؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ حقیقی بھائی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے سوتیلے نہیں۔ اس حدیث کو ہم ابواسحاق کی روایت سے جانتے ہیں جو بواسطہ حارث، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

عَنْ عَلِيٍّ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْحَارِثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

کرتے ہیں۔ بعض علماء نے حارث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔

تشریح: سوال: قرآن پاک میں وصیت کو قرض پر مقدم کیا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس اعتبار سے قرض مقدم ہے وصیت سے تو جب ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں وصیت کو قرض پر کیوں مقدم کیا ہے؟

جواب: وصیت اس اعتبار سے میراث کے مشابہ ہے کہ بغیر عوض حاصل ہوتی ہے تو اس کو ادا کرنا ورثاء کے لئے مشکل ہوتا ممکن تھا کہ اس کی ادائیگی میں ورثاء کوتاہی کریں اس لئے اہتماما اس کو مقدم کیا برخلاف قرض کے ورثاء اس میں کوتاہی نہیں کر سکتے اس میں دائن (قرض دار) تو خود ہی وصول کر لیتا ہے۔

أَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ: اعیان بنی الام سے مراد حقیقی بہن بھائی ہیں کہ جن کے ماں اور باپ ایک ہوں۔ بنی الام سے اس کو تعبیر ہی اس لئے کیا کہ عورت کی قرابت کا لوگ اعتبار نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی الام یعنی ایسے ورثاء جن کے ماں باپ ایک ہوں وہ وارث ہوں گے نہ کہ بنی العلات کہ جن کا باپ ایک ہو اور ماں جدا جدا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ بھائی تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اعیانی، علاتی اور اخیافی ان میں وارث بننے کے لئے قوت قرابت کا اعتبار کیا جائے گا اب اگر بنی الاعیان اور بنی العلات ہوں تو بنی الاعیان بنی العلات پر مقدم ہوں گے کیونکہ بنی الاعیان کی قرابت دگنی ہے کیونکہ وہ ماں باپ شریک ہیں۔

بَابُ مِيرَاثِ الْبَنِينَ مَعَ الْبَنَاتِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَعْدٍ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي قَيْسٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ جَاءَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي وَأَنَا مَرِيضٌ فِي بَنِي سَلِمَةَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ كَيْفَ أَقْسِمُ مَالِي بَيْنَ وَلَدِي فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ شَيْئًا فَنَزَلَتْ يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ الْآيَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ

عبد بن حمید، عبد الرحمن بن سعد، عمرو بن ابو قیس، محمد بن منکدر، حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں اس وقت بیمار تھا بنی سلمہ میں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنی اولاد میں مال کو کس طرح تقسیم کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ سورۂ نساء) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابن عیینہ اسے محمد بن منکدر سے اور وہ جابرؓ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: بَيْنَ وَلَدِي: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ولد سے مراد اخوات ہیں کیونکہ ولد کا لفظ چھوٹے بچوں پر مطلقاً بولا جاتا ہے اس میں لڑکے لڑکیاں سب موجود ہوتی ہیں۔

اشکال: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت "یوصیکم اللّٰہ" کا نزول واقعہ جابرؓ میں ہوا ہے حالانکہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اس آیت کا نزول سعد بن ربیعؓ کی میراث کے بارے میں ہوا نیز جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد نہیں تھی تو "یوصیکم اللّٰہ" کے نزول کو ان کے قصہ سے کیا مناسبت؟

جواب اول: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں اس آیت کے نزول کے بارے میں راوی وہم ہے بلکہ ان کے قصہ میں سورۂ نساء کی آخری آیت "یستفتونك فی النساء" کا نزول ہوا ہے کیونکہ اس وقت حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلالہ تھے نہ ان کے کوئی ولد تھا اور نہ والد۔

جواب ثانی: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے اس آیت کا نزول سعد بن ربیعؓ کے بارے میں ہوا ہو لیکن پھر جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پیش آیا تو دوبارہ آیت کا نزول ہوا ہو۔ تو آیت کا اول حصہ حضرت سعد بن ربیعؓ کے بارے میں اور آیت کا آخری حصہ حضرت جابرؓ کے بارے میں نازل ہوا ہو۔ پھر مستقل طور پر بعد میں کلالہ کے متعلق پوری آیت اللہ پاک نے نازل کردی۔

بَابُ مِيرَاثِ الْأَخَوَاتِ

حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ مَرِضْتُ فَأَتَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي فَوَجَدَنِي قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَأَتَانِي وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي أَوْ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي شَيْئًا وَكَانَ لَهُ تِسْعُ أَخَوَاتٍ حَتّٰى نَزَلَتْ آيَةُ الْمِيرَاثِ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ الْآيَةَ

فضل بن صباح بغدادی، سفیان بن عیینہ، محمد بن منکدر، جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہؓ سے سنا کہ میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور مجھے بے ہوش پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دونوں پیدل چل کر آئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور وضو کا بقیہ پانی مجھ پر ڈال دیا۔ مجھے افاقہ ہوا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں اپنا مال کس طرح تقسیم کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی نو بہنیں تھیں۔ یہاں تک کہ میراث کی یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے

قَالَ جَابِرٌ فِيَّ نَزَلَتْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حق میں نازل ہوئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ: اغماء: مریض پر غشی طاری ہو جانا، اس کے ساتھ ایک لفظ غشی بھی استعمال ہوتا ہے۔ علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ ''اغما'' اور ''غشی'' دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے ''غشی'' ایسا مرض ہے جو طویل علالت کی وجہ سے طاری ہوتا ہے اور یہ اخف ہے ''اغماء'' سے، ''اغماء'' میں عقل مغلوب ہو جاتی ہے جبکہ جنون میں عقل مسلوب ہو جاتی ہے اور نوم میں عقل مستورہ ہو جاتی ہے۔

فَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے مراد مستعمل پانی ہو جس کو غسالہ کہتے ہیں یا اس سے مراد وضو کا بچا ہوا پانی ہو۔

يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ: کلالہ کی تفسیر: قول اول: ''وھو ان یموت الرجل ولا یدع والدًا ولا ولدًا یرثانہ''۔

دوسرا قول: کلالہ وہ ورثاء ہیں جن میں والد نہ ہو لہٰذا کلالہ کا اطلاق میت اور ورثاء دونوں پر ہوتا ہے اس کا معنی ومفہوم ذھاب الطرفین ہے یعنی کوئی شخص مر گیا تو اس کے طرف اعلیٰ بھی نہیں اور طرف اسفل بھی نہیں۔ اس لحاظ سے گویا دوسرے ورثاء نے اس کو گھیر لیا ہے۔ علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ کلالہ کا اطلاق ایسی میت پر ہوتا ہے جس کا نہ والد ہو اور نہ ولد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْعَصَبَةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ

عبداللہ بن عبدالرحمن، مسلم بن ابراہیم، وہیب، ابن طاوس، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل فرائض کو ان کا حق ادا کرو اور جو بچ جائے وہ اس مرد کے لئے ہے جو میت سے سب سے زیادہ قریب ہو۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، ابن طاوس، حضرت ابن عباسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مانند حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ بعض راوی اسے ابن طاوس سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: عصبہ کے متعلق مکمل بحث ابواب الفرائض کے شروع میں گزر چکی ہے۔

فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ: اولیٰ بمعنیٰ ''اقرب'' کے ہے لفظ ''ذکر'' یہ بطور تاکید کے استعمال ہوا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مقصود خنثیٰ کو خارج کرنا ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مؤنث سے احتراز کرنا

مقصود ہے کیونکہ عام طور پر مؤنث رجال کے تابع ہوتے ہیں نیز کبھی رجل سے مطلق شخص مراد لیا جاتا ہے جو مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے اس لئے رجل کے ساتھ مذکر کی قید لگائی تا کہ اس سے مؤنث خارج ہو جائے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہیب اس روایت کو موصولاً نقل کرنے میں منفرد ہیں سفیان ثوریؒ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر نہیں کیا بلکہ مرسلاً نقل کیا ہے۔ امام نسائی نے مرسل طریق کو ترجیح دی ہے جبکہ بخاری اور مسلم نے طریق موصول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ وہیب کی متابعت روح بن القاسم نے کی ہے۔ اسی طرح وہیب کی متابعت یحییٰ بن ایوب نے بھی کی ہے۔ (کمافی مسلم)

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدِّ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ ابْنِي مَاتَ فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ فَقَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ فَقَالَ لَكَ سُدُسٌ آخَرُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ قَالَ إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ لَكَ طُعْمَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ

حسن بن عرفہ، یزید بن ہارون، ہمام بن یحییٰ قتادہ، حسن، حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا پوتا فوت ہو گیا ہے۔ میرا اس کی میراث میں سے کوئی حصہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ پھر جب وہ جانے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا تمہارے لئے اور بھی چھٹا حصہ ہے جب وہ چلا گیا تو پھر بلایا اور فرمایا۔ دوسرا چھٹا حصہ اصل حق سے زائد ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت معقل بن یسار سے بھی حدیث منقول ہے۔

تشریح: الحاصل سوال کرنے والا میت کا دادا تھا اس کے علاوہ میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں تھیں تو آپ ﷺ نے اس کو یکبارگی نہیں کہا کہ دو تہائی تیرا ہے اس لئے اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض والے سدس کا ذکر فرمایا کہ تمہیں سدس ملے گا جب جانے لگا تو بلا کر فرمایا ایک اور سدس تمہارے لئے ہے جو بطور عصبہ ہونے کے ہے۔ تا کہ وہ یہ گمان نہ کرے کہ پوتے کے ترکہ میں دادا کا حصہ ذی فرض ہونے کی حیثیت سے دو تہائی ہوتا ہے۔ اس کا نقشہ یوں ہے۔

٦
میـــت

بنت	بنت	جد بالفرض والعصبہ
ثلث	ثلث	دو سدس
٢	٢	٢

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ مَرَّةً قَالَ قَبِيصَةُ وقَالَ مَرَّةً رَجُلٌ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ أُمُّ الْأُمِّ أَوْ أُمُّ الْأَبِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ إِنَّ ابْنَ ابْنِي أَوْ أَنَّ ابْنَ ابْنَتِي مَاتَ وَقَدْ أُخْبِرْتُ أَنَّ لِي فِي الْكِتَابِ اللهِ حَقًّا فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مَا أَجِدُ لَكِ فِي الْكِتَابِ مِنْ حَقٍّ وَمَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى لَكِ بِشَيْءٍ وَسَأَسْأَلُ النَّاسَ قَالَ فَسَأَلَ النَّاسَ فَشَهِدَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ قَالَ وَمَنْ سَمِعَ ذٰلِكَ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ فَأَعْطَاهَا السُّدُسَ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى الَّتِي تُخَالِفُهَا إِلَى عُمَرَ قَالَ سُفْيَانُ وَزَادَنِي فِيهِ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ أَحْفَظْهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلٰكِنْ حَفِظْتُهُ مِنْ مَعْمَرٍ أَنَّ عُمَرَ قَالَ إِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ لَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا انْفَرَدَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا

ابن ابی عمر، سفیان، زہری، حضرت قبیصہ بن ذویب کہتے ہیں کہ دادی یا نانی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا پوتا یا نواسہ فوت ہو گیا ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں میرا کچھ حق مذکور ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کتاب اللہ میں تمہارے لئے کوئی حق نہیں اور نہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ دیتے ہوئے سنا ہے، لیکن میں لوگوں سے پوچھوں گا۔ پس جب انہوں نے صحابہ سے پوچھا تو حضرت مغیرہؓ نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چھٹا حصہ دیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ یہ حدیث کس نے سنی ہے۔ کہا کہ محمد بن مسلمہ نے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چھٹا حصہ دیا۔ اس کے بعد دوسری دادی یا نانی (یعنی اس دادی یا نانی کی شریک) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی۔ سفیان کہتے ہیں کہ معمر نے زہری کے حوالے سے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں۔ میں نے انہیں زہری سے حفظ نہیں کیا بلکہ معمر سے کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم دونوں اکٹھی ہو جاؤ تو چھٹا حصہ ہی تم دونوں میں تقسیم ہوگا اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک اکیلی ہوگی تو اس کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ خَرَشَةَ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَسَأَلَتْهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللهِ شَيْءٌ وَمَا لَكِ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فَارْجِعِي حَتّٰى أَسْأَلَ

حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئی اور اس نے اپنے حصہ کی میراث کا مطالبہ کیا آپؓ نے فرمایا اللہ کی کتاب میں تمہارے لئے کچھ نہیں۔ سنت رسول کے مطابق بھی تمہارے لئے کچھ نہیں۔ تم واپس چلی جاؤ۔ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھوں گا۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا۔ تو حضرت مغیرہ

النَّاسَ فَسَأَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ بَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَسَأَلَتْهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللهِ شَيْئٌ وَلٰكِنْ هُوَ ذَاكَ السُّدُسُ فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فِيهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ

بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔ اس پر حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کھڑے ہوئے اور وہی بات کہی جو مغیرہؓ فرما چکے تھے۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو چھٹا حصہ دے دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اپنی میراث طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے لئے قرآن میں کوئی حصہ مقرر نہیں۔ بس یہی چھٹا حصہ ہے۔ اگر تم دونوں وارث ہو تو یہ دونوں کے لئے مشترکہ ہوگا اور اگر کوئی اکیلی ہوگی تو یہ چھٹا حصہ اسی کا ہوگا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابن عیینہ کی روایت سے یہ زیادہ صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت بریدہؓ سے بھی روایت منقول ہے۔

تشریح: جدہ کی دو قسمیں ہیں: جدہ صحیحہ اور جدہ فاسدہ۔ جدہ صحیحہ ذوی الفروض میں سے ہے اور جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ اور جدہ صحیحہ اس کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں جد فاسد کا واسطہ نہ آئے جیسے باپ کی ماں، باپ کی دادی، باپ کی نانی، باپ کی پرنانی۔

جدہ فاسدہ: میت کی طرف نسبت کرتے ہوئے درمیان میں جد فاسد کا واسطہ آئے جیسے نانا کی ماں، نانا کی نانی یہ سب ذوی الارحام میں سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا إِنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُسًا مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ وَرَّثَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَدَّةَ مَعَ ابْنِهَا وَلَمْ يُوَرِّثْهَا بَعْضُهُمْ

حسن بن عرفہ، یزید بن ہارون، محمد بن سالم، شعبی، مسروق، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دادی کے بیٹے کی موجودگی میں دادی کی میراث کے متعلق فرمایا۔ یہ پہلی جدہ (دادی) تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بیٹے کے ہوتے ہوئے چھٹا حصہ دیا جبکہ اس کا بیٹا زندہ تھا۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے مرفوع جانتے ہیں۔ بعض صحابہ کرام نے بیٹے کی موجودگی میں جدہ کو وارث قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض نے اسے وارث نہیں ٹھہرایا۔

تشریح: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جوعورت آئی تھی وہ میت کی نانی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جوعورت آئی تھی وہ میت کی دادی تھی۔ الحاصل یہ کہ ایک جدہ ہوگی تو چھٹا حصہ ہوگا اور اگر دو ہوں تو بھی یہی چھٹا حصہ دونوں میں تقسیم کیا جائے گا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اکیلی نانی کو چھٹا حصہ دینے کا حکم اس لئے دیا کہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ میت کی دوسری دادی بھی موجود ہے جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جوعورت آئی تو ان کو معلوم ہوا کہ اس کی دوسری جدہ بھی ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے دونوں کیلئے چھٹا حصہ تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

مسئلہ: میت کا باپ میت کی جدہ کے لئے حاجب ہوتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک میت کا باپ جدہ کے لئے حاجب نہیں ہوتا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک میت کا باپ میت اس کی جدہ کیلئے حاجب ہوتا ہے۔

جمہور کی دلیل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں۔ **امام احمدؒ کی دلیل:** یہی حدیث الباب ہے۔

جواب اول: یہ حدیث سنداً صحیح نہیں ہے امام ترمذی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ **جواب ثانی:** حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے جواب دیا ہے کہ یہ جدہ ام الام تھی اس کا بیٹا میت کا ماموں ہوگا اب مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی نانی کو سدس دیا اسکے بیٹے اور میت کے ماموں کے ہوتے ہوئے اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ **جواب ثالث:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی نانی کو تبرعاً حصہ دلوایا میراث کے طور پر نہیں دلوایا۔ **جواب رابع:** ملاعلی قاریؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے کہ یہ احتمال ہے کہ میت کا باپ کافر ہو یا غلام ہو یا میت کا قاتل ہو۔ ’’وهذا ايضًا بعيدٌ‘‘۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْخَالِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حَكِيمِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ كَتَبَ مَعِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى أَبِي عُبَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ مَوْلَى مَنْ لَا مَوْلَى لَهُ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَالْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بندار، ابواحمد بن زبیری، سفیان، عبدالرحمن بن حارث، حکیم بن حکیم بن عباد بن حنیف، ابوامامہ بن حضرت سہل بن حنیف فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے میری وساطت سے حضرت ابوعبیدہ کولکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا کوئی دوست نہ ہو، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دوست ہیں اور جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں اس کا وارث ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ اور مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت منقول ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ

اسحاق بن منصور، ابوعاصم بن جریج، عمر بن مسلم طاؤس،

ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ أَرْسَلَهُ بَعْضُهُمْ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَاخْتَلَفَ فِيهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَرَّثَ بَعْضُهُمُ الْخَالَ وَالْخَالَةَ وَالْعَمَّةَ وَإِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ ذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَوْرِيثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ وَأَمَّا زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فَلَمْ يُوَرِّثْهُمْ وَجَعَلَ الْمِيرَاثَ فِي بَيْتِ الْمَالِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا کوئی وارث نہ اس کا ماموں اس کا وارث ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اسے بعض راوی مرسل نقل کرتے ہیں۔ اس مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خالہ ماموں اور پھوپھی کو میراث دیتے ہیں اور اکثر علماء ذوی الارحام کی وراثت میں اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں وارث قرار نہیں دیا اور ایسی صورت میں میراث کو بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دیا۔

تشریح: مسئلہ: اگر ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں صرف ذوی الارحام ہوں تو ان کو میراث ملے گی یا نہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام کو میراث نہیں ملے گی بلکہ ان کی عدم موجودگی میں میت کا مال بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

قول ثانی: احنافؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ذوی الارحام وارث ہونگے۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ کی پہلی دلیل: قرآن مجید میں صرف ذوی الفروض اور عصبات کا ذکر ہے ذوی الارحام کا ذکر نہیں لہٰذا ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے۔

دوسری دلیل: حدیث شریف میں ہے "سئل النبیا عن میراث العمة والخالة فقال نزل جبرائیل واخبرنی ان لا میراث للعمة والخالة"۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذوی الارحام وارث نہ ہوں گے۔

احنافؒ کی پہلی دلیل: قرآن پاک کی آیت "واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله"۔

دوسری دلیل: مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے "ابن اخت القوم منهم"۔

تیسری دلیل: مشکوٰۃ میں اسی باب کی فصل ثانی میں حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "والخال وارث من لا وارث له یعقل عنه ویرثه"۔ **چوتھی دلیل:** فصل ثانی ہی میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں "التمسوا له وارثا وذارحم فلم یجدوا وارثا ولا ذی رحم"۔

شوافع و مالکیہؒ کے دلائل کے جوابات: **پہلی دلیل کا جواب:** اگرچہ اس آیت میں ذوی الارحام کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسری آیات میں ذوی الارحام کا ذکر ہے۔ **دوسری دلیل کا جواب:** وہ آیات جن میں ذوی الفروض وعصبہ کا ذکر ہے وہ "واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض" سے پہلے کی ہیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ ذوی الفروض وعصبات کے ہوتے ہوئے عمہ وخالہ اور دیگر ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔

قولہ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ: حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت "الخالۃ بمنزلۃ الام" ابواب البر والصلۃ میں گزر چکی ہے۔

ذوی الارحام کی اقسام: (۱) فرع میت، (۲) اصل میت، (۳) فرع اب میت (۴) فرع جد، جدہ میت۔

فرع میت: جو میت کی طرف منسوب ہے بیٹی، پوتی کی اولاد خواہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے۔

اصل میت: اجداد فاسدہ اور جدات فاسدہ جن کی طرف خود میت منسوب ہے یعنی میت کے نانا۔

فرع اب میت: جو میت کے باپ کی طرف منسوب ہے یعنی ہر قسم کی بہنوں اور اخیانی بھائیوں کی اولاد۔

فرع جد وجدہ میت: جو میت کے دادا، نانا، دادی، نانی کی طرف سے منسوب ہو یعنی پھوپھیاں، اخیانی چچا، ماموں، خالہ وغیرہ اگر یہ سب موجود ہوں تو سب سے پہلے صنف اول، پھر صنف دوم، پھر صنف سوم، پھر صنف چہارم کو ترکہ ملے گا اور اگر صنف اول کے متعدد ورثاء ہوں تو اقرب کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر درجات میں سب برابر ہوں تو قوت قرابت کو ترجیح دی جائے گی اور اگر سب متحد ہوں تو سب مساوی طور پر مستحق ہوں گے البتہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَمُوتُ وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَصْبَهَانِيِّ عَنْ مُجَاهِدِ ابْنِ وَرْدَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ مَوْلًى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَعَ مِنْ عِذْقِ نَخْلَةٍ فَمَاتَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ وَارِثٍ قَالُوا لَا قَالَ فَادْفَعُوهُ إِلَى بَعْضِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

بندار، یزید بن ہارون، سفیان، عبدالرحمن اصبہانی، مجاہد بن وردان، عروہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک آزاد کردہ غلام کھجور کے درخت سے گر کر مر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دیکھو اس کا کوئی وارث ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کوئی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کا مال اس کی بستی والوں کو دے دو۔ اس باب میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: عِذْقِ: اس کی جمع عذاق آتی ہے کھجور کا ایسا درخت جو شاخوں والا ہو۔

فَادْفَعُوهُ إِلَى بَعْضِ أَهْلِ الْقَرْيَةِ: یہ مرنے والا شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام تھا مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام نہ وارث بنتے ہیں نہ ہی وارث بناتے ہیں اس لئے اس کا مال واسباب وغیرہ اس کے گاؤں والوں کو دے دیا کہ وہ تعلق کے اعتبار سے عام مسلمانوں سے مقدم ہیں نیز اصل یہ تھا کہ اس کا مال بیت المال میں جمع کر کے امور المسلمین میں خرچ کیا جاتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امیر المؤمنین ہونے کے مصالح مسلمانوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم بطور تصدقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْمَوْلَى الْأَسْفَلِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَوْسَجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا مَاتَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا إِلَّا عَبْدًا هُوَ أَعْتَقَهُ فَأَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيرَاثَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هٰذَا الْبَابِ إِذَا مَاتَ رَجُلٌ وَلَمْ يَتْرُكْ عَصَبَةً أَنَّ مِيرَاثَهُ يُجْعَلُ فِي بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، عوسجہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوی میں ایک شخص فوت ہو گیا اس کا کوئی وارث نہیں تھا البتہ ایک غلام تھا جسے اس نے آزاد کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ترکہ اسی آزاد کردہ غلام کو دے دیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اہل علم کے نزدیک اگر کسی شخص کا عصبہ میں سے کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرادی جائے گی۔

تشریح: آزادشدہ اپنے آزاد کرنے والے کا وارث نہیں ہوتا اور اس بات میں بھی تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں ترکہ بیت المال میں رکھا جائے گا پھر غرباء پر خرچ کیا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غریب ہونے کی وجہ سے آزاد کردہ کو ترکہ دیا ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ الْمِيرَاثِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَ هٰذَا وَرَوَى مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ

سعید بن عبد الرحمن مخزومی سفیان، زہری، علی بن حجر، ہشیم ابن علی بن حسین، عمرو بن عثمان، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ ابن ابی عمر، سفیان سے اور وہ زہری سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت جابر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ معمر وغیرہ بھی زہری سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَحَدِيثُ مَالِكٍ وَهُمٌ فِيهِ مَالِكٌ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مَالِكٍ فَقَالَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَأَكْثَرُ أَصْحَابِ مَالِكٍ قَالُوا عَنْ مَالِكٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عُثْمَانَ وَعَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ هُوَ مَشْهُورٌ مِنْ وَلَدِ عُثْمَانَ وَلَا نَعْرِفُ عُمَرَ بْنَ عُثْمَانَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَاخْتَلَفَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي مِيرَاثِ الْمُرْتَدِّ فَجَعَلَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْمَالَ لِوَرَثَتِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَرِثُ وَرَثَتُهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

مالک بھی زہری سے وہ علی بن حسین سے وہ عمرو بن عثمان سے وہ اسامہ بن زید سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی مانند نقل کرتے ہیں لیکن اس میں مالک کو وہم ہوا ہے۔ بعض راوی امام مالک سے روایت کرتے ہوئے عمرو بن عثمان اور امام مالک کے اکثر شاگرد عمر بن عثمان کہتے ہیں۔ جبکہ عمرو بن عثمان بن عفان ہی مشہور ہے۔ عمر بن عثمان کو ہم نہیں جانتے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔ بعض علماء مرتد کی میراث میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک اسے اس کے مسلمان وارثوں کو دے دیا جائے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ اس کے مال کا کوئی مسلمان وارث نہیں ہوسکتا ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟

قول اوّل: حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ، سعید بن مسیب اور مسروق رضی اللہ عنہم وغیرہ کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے۔

قول ثانی: جمہور صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔

قول اوّل کی دلیل: مشہور حدیث سے استدلال کرتے ہیں "الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ" کہ اسلام بلند و غالب رہنے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں آیا لہٰذا غلبہ کا تقاضا ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو لیکن کافر مسلمان کا وارث نہ ہو۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔

قول اوّل والوں کی دلیل کا جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام تمام ادیان سے افضل ہے مفضول نہیں ہے۔

مسئلہ: کیا یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک وہ بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: مشکوۃ شریف میں حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "لا یتوارث اہل ملتین شتی"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: مشہور حدیث ہے "الکفر ملۃ واحدۃ"۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: وہاں ملتین سے اسلام وکفر مراد ہیں اس میں مسلمانوں اور کافروں کا باہمی عدم ارث ہونا مراد ہے کفار میں باہمی عدم ارث مراد نہیں ہے۔

مسئلہ: مسلمان مرتد کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک مسلمان مرتد کا وارث نہیں ہوتا۔
امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرتد نے جو مال حالت ارتداد میں کمایا تھا وہ بیت المال میں جمع کیا جائیگا اور جو مال حالت اسلام میں کمایا ہے وہ مسلمان ورثاء کو ملے گا کیونکہ حالت اسلام کی کمائی کا وارث مسلمان ہوتا ہے۔
صاحبین کے نزدیک مرتد کا رقع خواہ اسلام کی حالت میں کمایا ہو یا ارتداد کی حالت میں سارا مال مرتد کے ورثاء کو ملے گا۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا حُصَيْنُ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى

حمید بن مسعدہ، حصین بن نمیر، ابن ابی لیلی، ابوزبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو دین والے آپس میں وارث نہیں ہو سکتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف حضرت جابرؓ کی روایت سے جانتے ہیں۔ حضرت جابر سے اسے ابن ابی لیلی نے نقل کیا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے ہاں ملتیں دو ہی ہیں کفر اور اسلام۔ ان کے علاوہ متفرق ملتوں والے باہم وارث ہوں گے یہودی، نصرانی، وثنی وغیرہ یہ ملت واحدہ ہیں۔ یہودی نصرانی کا، نصرانی یہودی کا اس طرح تمام ملل کفریہ کا حکم ایک ہوگا ایک دوسرے کے وارث ہوں گے یہی قول شافعیہ کے ہاں اصح ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ادیان سماویہ تو الگ الگ ملت ہیں اور ان کے علاوہ ادیان ملت واحدہ ہیں لہذا یہودی نصرانی کا وارث نہیں ہوگا باقی دیگر اہل ملل باہم وارث ہوں گے۔
امام احمدؒ نے فرمایا تمام ادیان ملل مختلفہ ہیں بظاہر حدیث الباب حنابلہ کے بالکل موافق ہے اور حنفیہ وشافعیہ کے بالکل خلاف ہے مگر یہ جواب دیا جائے گا کہ اسلام ملت واحدہ ہے اور اس کے مقابلے میں کفر ملت واحدہ ہے خواہ کسی قسم کا بھی کفر ہو اس صورت میں معنی بھی ٹھیک بنے گا کہ اہل اسلام اہل کفر کے وارث نہیں ہوں گے اور نہ اہل کفر اہل اسلام کے وارث ہونگے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِبْطَالِ مِيرَاثِ الْقَاتِلِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ لَا يُعْرَفُ هٰذَا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي فَرْوَةَ قَدْ تَرَكَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ

قتیبہ، لیث، اسحاق بن عبداللہ زہری، حمید بن عبدالرحمن، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قاتل وارث نہیں ہوتا۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ سے بعض اہل علم احادیث نقل نہیں کرتے جن میں

مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْقَاتِلَ لَا يَرِثُ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا أَوْ خَطأً وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَ الْقَتْلُ خَطأً فَإِنَّهُ يَرِثُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ

امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قتل عمد اور قتل خطا میں قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا لیکن بعض کے نزدیک قتل خطا میں وارث ہوتا ہے۔ امام مالک کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: کیا مطلقاً قتل حرمان میراث ہے:** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: امام ابو حنیفہ، امام شافعیؒ اور اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا تینوں مانع میراث ہیں۔ قاتل نہ مال کا وارث ہوگا اور نہ دیت کا۔

قول ثانی: امام مالکؒ، امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ قاتل بقتل خطا مقتول کا مال کا وارث ہوگا مگر دیت اسے نہیں ملے گی۔

جمہور علماء کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اور اس میں مطلق ارشاد فرمایا گیا ہے۔ خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ جمہور علماء کے ہاں قتل عمد اور قتل شبہ عمد اور قتل خطا تینوں موانع وارث ہیں۔

هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ: یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں راوی اسحاق بن عبداللہ ہیں جو متروک راوی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا شَيْئًا فَأَخْبَرَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ الْكِلَابِيُّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِّثِ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، احمد بن منیع، سفیان بن عیینہ، زہری، حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دیت عاقلہ پر واجب الاداء ہوتی ہے اور بیوی شوہر کی دیت کی وارث نہیں ہوتی۔ اس پر ضحاک بن سفیان کلابیؓ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے شوہر کی دیت میں سے ان کا حصہ دو۔

تشریح: اس حدیث کی مکمل شرح ابواب الدیات میں گزر چکی ہے مسئلہ مقتول کی بیوی کو دیت سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کی دیت سے بیوی کو نہ ملے کیونکہ وہ مال خاوند کے مرنے کے بعد حاصل ہوا ہے اور خاوند کے مرنے سے عورت کے ساتھ نکاح ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی فتویٰ دیا تھا لیکن اس میں دوسری جہت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو عورت جب تک عدت میں ہے اس وقت تک فی الجملہ نکاح باقی ہے گویا دیت نکاح کے اندر ہی واجب ہوئی اس لئے عورت کو میراث ملنی چاہیے اس پر دلیل یہی اشیم ضبابی کا واقعہ مستدل ہے۔

مسئلہ: دیت عاقلہ سے وصول کی جاتی ہے رہی یہ بات کہ عاقلہ کا مصداق کون ہے اس کی کچھ وضاحت بھی گزر چکی ہے۔ کہ سابقہ

زمانوں میں عاقلہ وہ لوگ ہوتے تھے جو ایک دوسرے سے معاہدے کر لیتے تھے تعاون وتناصر میں یا اس کا کوئی قبیلہ ہوتا تو اس شخص کا قبیلہ اس کا عاقلہ کہلائے گا۔ موجودہ دور میں عاقلہ کی تعین مشکل ہوگئی لیکن جہاں لوگوں کا آپس میں تعاون وتناصر ہے وہی لوگ عاقلہ کہلائیں گے لہٰذا جہاں کوئی قبیلہ ہے اور وہاں قبائل منظم ہیں ہر شخص کو معلوم ہے کہ فلاں اس کا قبیلہ ہے تو وہ قبیلہ عاقلہ کہلائے گا اس پر دیت واجب ہوگی۔ عاقلہ کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمِيرَاثَ لِلْوَرَثَةِ وَالْعَقْلَ لِلْعَصَبَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لِحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ عَقْلَهَا عَلَى عَصَبَتِهَا وَرَوَى يُونُسُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَمَالِكٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنولحیان کی ایک عورت کے حمل کے متعلق جو گر کر ضائع ہوگیا تھا ایک غلام یا لونڈی دینے کا فیصلہ فرمایا۔ پھر وہ عورت جس پر غرہ کا یہ فیصلہ ہوا تھا، فوت ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی میراث بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے۔ اور دیت اس کے عصبہ پر ہے۔ یونس نے یہ حدیث زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔ مالک بھی یہ حدیث زہری سے وہ ابوسلمہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں پھر مالک، زہری سے وہ سعید بن مسیب سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث بیان کرتے ہیں۔

تشریح: فِي جَنِينٍ : مسئلہ: جنین کی دیت کا حکم۔ غرۃ کے معنی ہیں چمک وروشنی، اس لئے چاندنی راتوں کو بھی غرۃ کہا جاتا ہے اسی طرح اس سفیدی کو بھی غرۃ کہا جاتا ہے جو گھوڑے کی پیشانی میں ہوتی ہے اور غرۃ عمدہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور غلام وامۃ چونکہ عمدہ مال ہے اس بناء پر اس کو غرۃ سے تعبیر کیا گیا۔ حدیث میں جنین کے بارے میں ایک مسئلہ بیان کیا ہے جس کا واقعہ یوں ہے کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں ان میں سے ایک نے دوسری کو لات یا گھونسا یا لکڑی یا پتھر مارا اور وہ دوسری عورت حاملہ تھی جس کی وجہ سے اس کے بچہ کا اسقاط ہوگیا اور وہ بچہ فوت ہوگیا اس کے بدلے میں اس کے عاقلہ پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا۔ اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر پھر مر جاتا تو پھر اس صورت میں پوری دیت واجب ہوتی۔

بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ: غرۃ کو اضافت کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اس صورت میں اضافت بیانیہ ہوگی اور بغیر اضافت عبد اور امۃ کو

مرفوع بھی پڑھا گیا ہے یہ بدل ہوگا یا مبتدأ کی خبر ہوگی "ای ہو عبدا وامۃ" چونکہ حدیث میں لفظ غرۃ آیا ہے اس لئے بعض حضرات نے کہا کہ دیت جنین میں سفید رنگ کا غلام یا باندی دینا ضروری ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک رنگ کی کوئی قید نہیں ہے مطلقا غلام یا باندی کافی ہے کیونکہ حدیث میں مطلق عبد اوامۃ کا لفظ آیا ہے لہٰذا نص حدیث کے مقابلے میں لفظ غرۃ کے لغوی معنی سے قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ: ابھی ماقبل میں یہ مسئلہ گزرا کہ جنین اگر مردہ ہو کر ماں کے پیٹ سے ساقط ہو جائے تو اس کی دیت بالاتفاق غرۃ ہوگی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ غرۃ سے دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہیں جبکہ پوری دیت دس ہزار درہم ہیں اور عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف یعنی پانچ ہزار درہم ہے۔

قولہ قُضِيَ عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ: سوال: روایات میں بظاہر تعارض ہے مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت اور حدیث الباب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ پہلے فوت ہوا بعد میں عورت بھی فوت ہوگئی جبکہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ابوھریرہ میں تصریح ہے کہ ایک ہی پتھر مارنے سے عورت بھی مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا یعنی یہ عمل ایک ہی پتھر مارنے سے ہوا گویا کہ جانیہ کے دو جرم ہوئے تو جنین کی دیت غرہ ہوگی اور مجنیہ علیہا کی دیت عاقلہ پر آئے گی۔

جواب: دو احتمال ہیں یا تو یہ الگ الگ واقعات ہیں کہ مشکوٰۃ کی ایک روایت میں جنین کی وفات کا ذکر ہے جبکہ دوسرے واقعہ میں جنین اور مجنیہ علیہا دونوں مر گئے اس صورت میں حضور ﷺ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جنین کی موت کی وجہ سے غرۃ کس پر آئے گا اور دیت کس پر آئے گی جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے تو اس صورت میں کچھ تاویل کرنی پڑے گی کہ اگر پہلی روایت سے بھی مجنیہ علیہا مراد ہو تو پھر "قضی علیہا" کی جگہ "قضی لہا" ہوگا کیونکہ فیصلہ مجنیہ علیہا پر ہوا تھا۔

وَأَنَّ عَقْلَهَا عَلَى عَصَبَتِهَا: دیت کو عقل کہنے کی دو وجہیں ہیں۔ ① عقل کا معنی ہے باندھنا اور اس زمانہ میں رواج تھا کہ قاتل کے ورثاء اونٹوں کو مقتول کے صحن میں باندھ کر چلے جاتے تھے اسلئے دیۃ کو عقل کہتے ہیں اور جو عصبہ اس دیت کو ادا کرتے ہیں ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ ② عقل کا معنی ہے روکنا چونکہ دیت کا وجوب بھی دیکھنے والوں کو دوبارہ جرم کرنے سے روکتا ہے اس وجہ سے دیت کو عقل کہتے ہیں۔

مسئلہ: عاقلہ کے مصداق میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عصبات ہی عاقلہ ہیں غیر عصبات عاقلہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔

قول ثانی: امام صاحب کے نزدیک عاقلہ وہ لوگ ہیں جو مشکل وقت میں کام آتے ہیں اور مددگار سمجھے جاتے ہیں گویا امام صاحبؒ کے نزدیک عاقلہ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے جس میں "وان عقلہا علی عصبتہا" ہے۔

امام صاحب کی دلیل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اہل دیوان کو بھی عاقلہ قرار دیا تھا اس پر کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

وَرَوٰى يُونُسُ: یونس کی روایت مرفوع ہے جبکہ مالک والی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں اس لئے مرسل ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ عَلَى يَدَيِ الرَّجُلِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ وَوَكِيعٌ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلَى يَدَيْ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ وَيُقَالُ ابْنُ مَوْهَبٍ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ وَقَدْ أَدْخَلَ بَعْضُهُمْ بَيْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ وَبَيْنَ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَبِيصَةَ بْنَ ذُوَيْبٍ وَرَوَاهُ يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عُمَرَ وَزَادَ فِيهِ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُوَيْبٍ وَهُوَ عِنْدِي لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ يُجْعَلُ مِيرَاثُهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

ابوکریب، ابواسمہ، ابن نمیر، وکیع، عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ بن موہب، عبداللہ بن وہب، حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ مشرک جو کسی مسلمان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگا اس کا کیا حکم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ اس کی زندگی اور موت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس حدیث کو ہم صرف عبداللہ بن وہب سے پہچانتے ہیں بعض انہیں ابن موہب کہتے ہیں۔ وہ تمیم داریؓ سے نقل کرتے ہیں۔ جبکہ بعض عبداللہ بن موہب اور تمیم داریؓ کے درمیان قبیصہ بن ذویب کا ذکر کرتے ہیں۔ روایت کیا اس حدیث کو یحییٰ بن حمزہ نے عبدالعزیز بن عمر سے اور اس میں قبیصہ بن ذوہیب کا اضافہ کیا۔ لیکن میرے نزدیک یہ سند متصل نہیں۔ بعض اہل علم اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اس کی میراث بیت المال میں جمع کرادی جائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ان کا استدلال اسی حدیث سے ہے کہ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ یعنی حق ولاء اسی کے لئے ہے جس نے آزاد کیا۔

تشریح: اس باب میں مولی الموالات کی میراث کا بیان ہے یہ ایک طرح کی دوستی کا نام ہے اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جس شخص کا کوئی ولی وارث نہیں ہوتا تھا وہ دوسرے سے کہتا کہ آپ میرے مولیٰ بن جائیں میں آپ کو اپنا وارث بناتا ہوں اگر مجھ سے کوئی موجب دیت عمل سرزد ہو جائے تو آپ دیت دیں دوسرا شخص اس کو قبول کرتا اس کو عقد موالات کہتے ہیں اور قبول کرنے والے کو مولی الموالات کہتے ہیں۔

مولی الموالات کا کیا حکم ہے: یہ حکم اب بھی ہے یا منسوخ ہو چکا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک منسوخ ہو چکا ہے ابتداء میں یہ حکم جاری رہا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الولاء لمن

اعتق "ولاء صرف معتق کی ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری ولاء نہیں الولاء پر الف لام استغراقی ہے۔

قول اول: ائمہ ثلاثہ کے ہاں مولی الموالات معتبر نہیں ان کے ہاں ولاء العتاق کے علاوہ جو بھی مال ہوگا وہ بیت المال میں داخل کردیا جائے گا۔ قول ثانی: احناف کے ہاں مولی الموالات کا ولاء جائز ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مرنے والے کا کوئی وارث اقرب بھی نہ ہو اور ابعد بھی نہ ہو اور وہ مجہول النسب ہو نیز یہ بھی شرط ہے کہ تحالف ہوا ہو۔ صرف کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا کافی نہیں۔

احناف کی دلیل اول: ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے اور اسی طرح حدیث الولاء لمن اعتق میں الف لام عہدی ہے نہ کہ جنسی و استغراقی یعنی وہ خاص ولاء جو بذریعہ ملک حاصل ہو۔

دلیل ثانی: احناف قرآن پاک کی آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں: "والذین عقدت ایمانکم فأتوھم نصیبھم"۔

وَقَدْ أَدْخَلَ بَعْضُهُمْ بَيْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ: بعض حضرات نے ابن موھب اور تمیم داری کے درمیان قبیصہ کی زیادتی نقل کی ہے اور بعض حضرات نے قبیصہ کی زیادتی نقل نہیں کی جیسا کہ روایت باب میں زیادتی نہیں ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابْنِ لَهِيعَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لَا يَرِثُ مِنْ أَبِيهِ

قتیبہ، ابن لہیعہ، حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے کسی آزاد عورت یا باندی سے زنا کیا تو بچہ زنا کا ہوگا۔ نہ وہ زانی کا وارث ہوگا اور نہ زانی اس کا وارث ہوگا۔ یہ حدیث ابن لہیعہ کے علاوہ اور راوی بھی عمرو بن شعیب سے نقل کرتے ہیں۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ ولد الزنا اپنے باپ کا وارث نہیں ہوتا۔

تشریح: ابن الملک کے ہاں وہ بچہ نہ تو زانی کا وارث ہوگا اور نہ ہی زانی کے اقارب کا کیونکہ وراثت کا دارومدار نسب پر ہے اور ولد الزنا اور زانی کے درمیان نسب ثابت نہیں ہوتا۔

وَقَدْ رَوَى غَيْرُ ابْنِ لَهِيعَةَ: ابن لھیعہ کے علاوہ اور رواۃ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے لہٰذا روایت قابل استدلال ہوگئی۔

بَابُ مَنْ يَرِثُ الْوَلَاءَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ

قتیبہ، ابن لہیعہ، حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولاء کا وہی وارث ہوتا ہے جو مال کا وارث ہوتا ہے۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں۔

تشریح: يَرِثُ الْوَلَاءَ: اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کا آزاد کردہ غلام مرجائے اگر اس کے ذوی الفروض اور عصبات

نسبی نہ ہوں تو پھر معتق یعنی آزاد کنندہ اس کا عصبہ سببی ہے۔ وہ وارث ہوگا اور اگر معتق نہ ہو تو معتق کے ورثاء کو میراث ملے گی لیکن ان ورثاء کا عصبات نسبی ہونا ضروری ہے اور عصبات نسبی کا بھی مذکر ہونا ضروری ہے مونث رشتہ دار کو میراث نہیں ملے گی۔

حَدَّثَنَا هَارُونُ أَبُو مُوسَى الْمُسْتَمْلِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ رُوْبَةَ التَّغْلَبِيُّ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ النَّصْرِيِّ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَةُ تَحُوزُ ثَلَاثَةَ مَوَارِيثَ عَتِيقَهَا وَلَقِيطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ

ہارون، ابوموسی، مستملی، بغدادی، محمد بن حرب، عمر بن روبہ، تغلبی، عبدالواحد بن عبداللہ بن بسر بصری، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین ترکوں کی مالک ہوتی ہے۔ اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کے ترکے کی۔ جس بچے کو وہ اٹھا کر لائی ہو، اس کی۔ اور اس بچے کی جسے لے کر اس نے اپنے شوہر سے لعان کیا اور اس سے الگ ہوگئی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف محمد بن حرب کی روایت سے اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: **مَوَارِيثَ**: میراث کی جمع ہے۔ عورت تین قسم کی میراث کو جمع کرے گی ① اپنے آزاد کردہ غلام کی میراث، ② اس بچہ کی میراث جس کی وجہ سے خاوند نے اس کے ساتھ لعان کیا اس کی وراثت بھی اس عورت کو ملے گی کیونکہ اس بچہ کا نسب اس عورت سے ثابت ہے۔ لعان نے چونکہ باپ کے نسب کو قطع کر دیا لہٰذا باپ اس بچہ کے مال کا وارث نہیں ہوگا۔ ③ راستے سے اٹھائے ہوئے بچہ کی میراث۔ اسحاق بن راہویہ اسی کے قائل ہیں جمہور ائمہ کے ہاں لقیط کی میراث ملتقطہ کو نہیں دی جائے گی بلکہ بیت المال میں جمع کر دی جائے گی کیونکہ لقیط بچہ آزاد ہے اور آزاد کا کوئی ولاء نہیں۔ نیز میراث استحقاق یا تو نسب سے ہوتا ہے یا آزاد کرنے سے جبکہ لقیط کے اس مسئلہ میں میراث کے استحقاق کی دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت بھی نہیں پائی جا رہی۔

اسحاق بن راھویہؒ نے حدیث الباب سے استدلال کیا ہے۔

جواب: اولاً تو یہ روایت ثابت نہیں یا اس روایت کو اگر ثابت مان لیں تو پھر اس روایت کے معنی یہ ہیں کہ اصل تو اس میت کا مال بیت المال میں جانا چاہیے اور مصالح مسلمین میں خرچ کیا جانا چاہیے مگر چونکہ اس عورت نے اس لقیط کو پالا ہے اور اس کے زیادہ قریب ہے اس لئے لقیط کی میراث ملتقطہ کو دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

اَبْوَابُ الْوَصَایَا

عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ

وصایا وصیت کی جمع ہے: جیسے ھدایا ھدیۃ کی جمع ہے اس کے معنی ملانے کے ہیں۔

اصطلاح میں تملیک مضاف الیٰ مابعد الموت ہے بعض نے اس طرح تعبیر کیا "وھو عھد خاص مضاف الی ما بعد الموت"۔

وصیت کا حکم: بعض مواقع پر وصیت واجب ہوتی ہے جبکہ اس کے ذمہ قرض ہو یا امانات ہوں یا کوئی حق واجب ہو خواہ وہ حق اللہ ہو یا حق عبد ہو خواہ حق وارث ہو یا غیر وارث اگر حق واجب نہ ہو تو وصیت واجب نہیں۔ جمہور علماء سفیان ثوری وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

داود ظاہری کہتے ہیں کہ وہ قریبی رشتہ دار جو اس کے وارث نہ ہوں اور حق دار نہ ہوں تو ان کے لئے وصیت کرنا واجب ہے ابن جریر، طاؤس اسی کے قائل ہیں۔

داؤد ظاہری کی دلیل اول: قرآن پاک کی آیت ہے "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیرا الوصیة"۔

جواب: یہ آیت حکماً منسوخ ہے میراث کا حکم نازل ہونے سے پہلے وصیت واجب تھی منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت للوالدین کا بھی ذکر ہے جبکہ بالاجماع وصیت للوالدین منسوخ ہے۔

دلیل ثانی: حدیث شریف میں آتا ہے "ما حق امرئٍ مسلم یبیت لیلتین وله شیٔ یو صی منه الا ووصیته مکتوبة عنده"۔

جواب: یہی روایت مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے "ماحق امرئٍ مسلم له شیٔ یرید ان یوصی منه" ہے اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو وصیت کا ارادہ کرے اگر وصیت واجب ہوتی تو ارادہ کے ساتھ وصیت مقید نہ ہوتی۔ البتہ غیر وارث کے لئے وصیت مستحب ہے۔

وصیت کی شرائط: وصیت کرنے والا عاقل، بالغ اور آزاد ہونا چاہیے اور جس کے لئے وصیت کی ہے وہ بوقت وصیت زندہ ہو۔ نیز جس کے لئے وصیت کی ہے وہ وصیت لینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور جس چیز کی وصیت کی ہے وہ بوقت وصیت موجود بھی ہو اور وہ قابل تملیک بھی ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہ ہو۔

اسلام میں سب سے پہلی وصیت کرنے والے صحابی: حضرت برا ابن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے مال کا تہائی حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا جائے ان کے وارثین نے تہائی حصہ پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ورثاء کو واپس کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا أَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي أَفَأُوصِي بِمَالِي كُلِّهِ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ إِنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ فِيهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِي قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي فَتَعْمَلَ عَمَلًا تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً وَلَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ ابْنُ خَوْلَةَ يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: أَنَّهُ لَيْسَ لِلرَّجُلِ أَنْ يُوصِيَ

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال بیمار ہوا اور موت کے قریب پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس بہت سا مال ہے لیکن ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اس کے لئے سارے مال کی وصیت کر دوں۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا دوتہائی مال کی وصیت کر دوں فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تہائی مال؟ فرمایا ہاں تہائی مال اور یہ بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ تنگ دست ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ تم اگر ان میں سے کسی پر خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تمہارا اپنی بیوی کو ایک لقمہ کھلانا بھی ثواب کا موجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنی ہجرت سے پیچھے ہٹ گیا۔ فرمایا میرے بعد تم رضائے الٰہی کے لئے جو بھی نیک عمل کرو گے تمہارا مرتبہ بڑھے گا اور درجات بلند کئے جائیں گے۔ شاید تم میرے بعد زندہ رہو اور تم سے کچھ قومیں نفع حاصل کریں اور کچھ قومیں نقصان اٹھائیں۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی) اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت کو پورا فرما اور انہیں ایڑیوں کے بل نہ لوٹا۔ لیکن سعد بن خول کا افسوس ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکہ ہی میں فوت ہو جانے پر افسوس کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ اہل علم کا اسی پر

بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ، وَقَدِ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ

عمل ہے کہ آدمی کے لئے تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنا جائز نہیں۔ بعض علماء نے تہائی مال سے کم کی وصیت کو مستحب قرار دیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی مال زیادہ ہے۔

تشریح: الحاصل مال کے تہائی حصہ میں وصیت جاری ہوتی ہے اس سے زائد میں جاری نہیں ہوتی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال جمع کرنا مباح ہے اور دوسرا یہ کہ وارثوں کے حق میں عدل وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

سوال: حضرت سعد رضی اللہ عنہ امیر صحابی تھے انکے کئی بیٹے تھے اور عصبہ میں سے بہت سارے وارث تھے پھر آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ میرے ورثاء میں سے صرف ایک بیٹی ہے اور کوئی نہیں۔ **جوابات:** ① "معناه لا یرثنی من اصحاب الفروض" کہ مؤنث ذوی الفروض میں سے صرف ایک بیٹی ہے ② کہ میرے ورثاء تو بہت ہیں لیکن جن کے بارے میں مجھے خوف لاحق ہے اور میں ان کے بارے میں پریشان رہتا ہوں وہ صرف میری ایک بیٹی ہے ③ سب بیٹوں میں میراث تقسیم کرچکا ہوں صرف ایک بیٹی ہے جس کو میراث کا حصہ نہیں دیا گیا۔

یہ مسئلہ تفصیل سے کتاب الجنائز باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث والربع میں گزر چکا ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا الْأَشْعَثُ بْنُ جَابِرٍ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيَّ أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِنَ اللهِ إِلَى قَوْلِهِ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الَّذِي رَوَى عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ جَابِرٍ هُوَ جَدُّ نَصْرٍ الْجَهْضَمِيِّ

نصر بن علی، عبدالصمد بن عبدالوارث، اشعث بن جابر، شہر بن حوشب، حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی مرد اور عورتیں ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عمل کرتے رہتے ہیں پھر ان کو موت آتی ہے تو وصیت میں وارثوں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان پر جہنم واجب ہو جاتی ہے۔ راوی فرماتے ہیں پھر حضرت ابوہریرہ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ: وصیت پوری کرنے کے بعد جو وصیت کی جائے یا ادائیگی قرض کے بعد لیکن وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے الی قولہ یہی بڑی کامیابی ہے) یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ نصر بن علی جو اشعث بن جابر سے نقل کرتے ہیں، نصر جہضمی کے دادا ہیں۔

تشریح: خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب آدمی مرنے کے قریب ہو تو وہ ایسی وصیت کر کے اپنے اقرباء کو محروم نہ کرے کہ اللہ اسے جنت سے محروم کردے اور جہنم کا مستحق بن جائے پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور استشہاد کے یہ آیت تلاوت کی جس میں غیر مضار کے الفاظ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی وصیت ہو جس میں اوروں کا نقصان نہ ہو پھر اس نقصان پہنچانے کی

مختلف صورتیں ہیں۔(۱) تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی جائے (۲) وارثوں میں کسی ایک کو وصیت کر جائے (۳) تمام مال ایک وارث کو دے اور باقی کو محروم کر جائے۔(۴) وصیت کر کے وصیت سے منکر ہو جائے (۵) ایسے لوگوں کی وصیت کرے جو وصیت کے لائق نہ ہوں۔

یہ تمام صورتیں اس میں داخل ہیں۔اس طرح کی صورتیں اختیار کرنا باعث گناہ ہے جس سے وصیت کرنے والے جہنم کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ وَلَهُ مَا يُوصِي فِيهِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

ابن ابی عمر، سفیان، ایوب، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان جس کے پاس وصیت کے لئے مال ہو تو اسے لازم ہے کہ دو راتیں بھی اس حالت میں نہ گزارے کہ اس کے پاس وصیت لکھی ہوئی نہ ہو۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ زہری اسے سالم سے وہ ابن عمرؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

تشریح: يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ: یہ کنایہ ہے قلیل وقت سے کہ وصیت لکھے بغیر کم سے کم وقت بھی نہیں گزرنا چاہئے

مسئلہ: وصیت لکھنے کا کیا حکم ہے۔اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: داؤد ظاہری اور امام اسحاق اور اہل ظواہر کے نزدیک کچھ مال کی وصیت کرنا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک کچھ مال کی وصیت کرنا مستحب ہے۔

قول اوّل والوں کی پہلی دلیل: داؤد ظاہری کی دلیل اول حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف"۔

قول ثانی والوں کی دلیل: کہ یہ موت کے بعد تبرع ہے اس کو حالت حیات پر قیاس کیا جائے گا۔

قول اوّل والوں کی پہلی دلیل کا جواب: اس سے موت کی یاد دہانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس امانت یا ودیعت ہو یا کسی کا قرضہ ہو تو وصیت کرنا ضروری ہے۔

دوسری دلیل کا جواب: اس کے مقابلے میں آیت میراث ہے لہٰذا اس کو منسوخ سمجھا جائیگا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُوصِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو قَطَنٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى أَوْصَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قُلْتُ وَكَيْفَ كُتِبَتِ الْوَصِيَّةُ وَكَيْفَ أَمَرَ النَّاسَ قَالَ أَوْصَى بِكِتَابِ اللهِ تَعَالَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ

طلحہ بن مصرف کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا پھر وصیت کیسے لازم کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو کیسے حکم دیا۔ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کی فرمانبرداری کی وصیت کی تھی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف مالک بن مغول کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: حدیث میں طلحہ بن مصرف کے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود وصیت نہیں فرمائی تو وصیت کا حکم کیسے فرمایا اور وصیت کو فرض کیسے کیا گیا۔ ابن ابی اوفی نے اولاً جو نفی میں جواب دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے وصیت خاص یعنی مالی وصیت کے بارے میں سوال کو سمجھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ کوئی مال نہیں چھوڑا بلکہ ان کی سب اشیاء صدقہ تھیں۔

اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ابن ابی اوفیؓ نے سوال وصیت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سمجھا یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آپ نے کوئی وصیت نہیں فرمائی۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ دراصل طلحہ بن مصرف کو استبعاد ابن ابی اوفی کے اطلاق سے ہوا اس لئے انہوں نے سوال کیا پھر ابن ابی اوفی نے جواب دیا ''اوصى بكتاب الله''۔ شاید یہ اشارہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''تركت فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا كتاب الله'' والی حدیث کی طرف۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کتاب اللہ کے علاوہ اور بھی وصایا ثابت ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''اخرجوا اليهود والنصارى من جزيرة العرب''۔

جواب اول: ممکن ہے ابن ابی اوفی نے کتاب اللہ کا ذکر اس کے اہم اور اعظم ہونے کی وجہ سے کیا ہو۔

جواب ثانی: یہ بھی ممکن ہے کہ ابن ابی اوفیؓ کو دیگر وصایا اس وقت مستحضر نہ ہوئی ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ

علی بن حجر، ہناد، اسماعیل بن عیاش، شرحبیل بن مسلم، خولانی، حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خطبہ سنا۔

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ التَّابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَارَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذَاكَ وَأَفْضَلُ أَمْوَالِنَا وَقَالَ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ وَرِوَايَةُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ وَأَهْلِ الْحِجَازِ لَيْسَ بِذٰلِكَ فِيمَا يَتَفَرَّدُ بِهِ لِأَنَّهُ رَوٰى عَنْهُمْ مَنَاكِيرَ وَرِوَايَتُهُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ أَصَحُّ هٰكَذَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ أَصْلَحُ حَدِيثًا مِنْ بَقِيَّةَ وَلِبَقِيَّةَ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ عَنِ الثِّقَاتِ و سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يَقُولُ سَمِعْتُ زَكَرِيَّا بْنَ عَدِيٍّ يَقُولُ قَالَ أَبُو إِسْحٰقَ الْفَزَارِيُّ خُذُوا عَنْ بَقِيَّةَ مَا حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ وَلَا تَأْخُذُوا عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ مَا حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ وَلَا عَنْ غَيْرِ الثِّقَاتِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے لئے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔ ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ جو آدمی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کا دعویٰ کرے یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرے اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت مسلسل برستی رہے گی۔ عورت خاوند کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے خرچ نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ! کھانا بھی نہیں؟ فرمایا کھانا ہمارے سب مالوں سے افضل ہے۔ پھر فرمایا مانگی ہوئی چیز اور دودھ کے لئے ادھار لئے ہوئے جانور واپس کئے جائیں اور قرض ادا کیا جائے اور ضامن اس چیز کا ذمہ دار ہے جس کی اس نے ضمانت دی ہے۔ اس باب میں حضرت عمرو بن خارجہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اور ابوامامہ سے اور سندوں سے بھی منقول ہے۔ اسماعیل بن عیاش کی اہل عراق اور اہل حجاز سے وہ روایت قوی نہیں جن کو نقل کرنے میں وہ منفرد ہیں۔ کیونکہ انہوں نے منکر روایتیں نقل کی ہیں۔ جبکہ ان کی اہل شام سے نقل کردہ احادیث زیادہ صحیح ہیں۔ محمد بن اسماعیل بخاریؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ احمد بن حسن، احمد بن حنبلؒ سے نقل کرتے ہیں کہ اسماعیل بن عیاش بقیہ سے زیادہ صحیح ہیں کیونکہ بقیہ کی بہت سی احادیث جو وہ ثقہ راویوں سے نقل کرتے ہیں، منکر ہیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمن زکریا بن عدی سے اور وہ ابواسحاق فزاری سے نقل کرتے ہیں کہ بقیہ سے وہ حدیثیں لے لو جو وہ ثقات سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن اسماعیل بن عیاش ثقات سے روایت کریں یا غیر ثقات سے ان کوئی روایت نہ لو۔

تشریح: وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: اسی جملہ کے دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں۔

اول: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں حجر سے مراد یہاں خیبہ وخسران ہے۔ ثانی: زانی کے لئے پتھر ہے یعنی رجم ہے مگر یہ مطلب محل نظر

ہے کیونکہ ہر زانی کے لئے پتھر نہیں۔

وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ: اول: علامہ مظہریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو زانی پر حد قائم کریں گے اللہ چاہے آخرت میں معاف فرمادے یا عذاب دے۔

بعض حضرات نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے گناہ کیا جس پر حد جاری ہوتی ہے لیکن اس پر حد جاری نہیں کی گئی تو اس کا حساب اللہ پر ہے خواہ معاف کرے یا عذاب میں مبتلا کرے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو اللہ کے احکام اس پر ظاہراً اجاری کریں گے باقی سرائر کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے وہی اس کا حساب لے گا۔ یا تو دنیا کی سزا کو قائم مقام آخرت کی سزا فرمادے یا مستقل طور پر آخرت میں بھی عذاب دے۔

وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ: وَالْمِنْحَةُ میم کے کسرہ کے ساتھ اس کا اطلاق اس جانور پر ہوتا ہے جو کسی فقیر کو دودھ وغیرہ پینے اور نفع حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہو اسی طرح ایسا درخت یا باغ جو کسی فقیر کو فائدہ اٹھانے کے لئے دیا گیا ہو فائدہ اٹھانے کے بعد اس کو بھی واپس کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ: زعیم کے معنی کفیل کے ہیں غارم کے معنی ضامن ہیں یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز کی کفالت لے مثلاً کسی کے قرضہ وغیرہ کا کفیل بن جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ ادا کرے کیونکہ وہ ضامن ہے۔

وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند میں اگرچہ اسماعیل بن عیاش ہیں مگر ان کی روایت شامیین سے قوی شمار کی گئی ہیں جیسا کہ امام احمد اور بخاریؒ نے فرمایا ہے اور یہ روایت شامیین سے ہے کیونکہ انہوں نے شرحبیل بن مسلم سے روایت کی ہے جو کہ شامی ہیں اور اس میں تحدیث کی تصریح بھی ہے نیز اس کے شواہد بھی موجود ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ عَلَى نَاقَتِهِ وَأَنَا تَحْتَ جِرَانِهَا وَهِيَ تَقْصَعُ بِجِرَّتِهَا وَإِنَّ لُعَابَهَا يَسِيلُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ إِنَّ اللهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ وَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، ابو عوانہ، قتادہ، شہر بن حوشب، عبدالرحمن بن غنم، حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطاب فرمایا۔ میں اس کی گردن کے نیچے کھڑا تھا وہ جگالی کر رہی تھی اور اس کا لعاب میرے کندھوں کے درمیان گر رہا تھا میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا۔ پس وارث کے لئے وصیت نہیں۔ لڑکا صاحب فراش کا ہوگا (یعنی جس کی وہ بیوی یا باندی ہے) اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، ابواسحاق ہمدانی، حارث،

عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيِّ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنْتُمْ تَقِرُّوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ يُبْدَأُ بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض وصیت سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا جبکہ تم لوگ قرآن میں وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں پڑھتے ہو۔ عام علماء کا اسی پر عمل ہے کہ وصیت سے پہلے قرض دیا جائے۔

تشریح: خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کی ادائیگی کا ذکر پہلے فرمایا اور وصیت کا بعد میں جبکہ قرآن پاک کی آیت میں وصیت کی تقدیم ہے یہ محض تاکید کے لئے ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَصَدَّقُ أَوْ يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ الطَّائِيِّ قَالَ أَوْصٰى إِلَيَّ أَخِي بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِهِ فَلَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَقُلْتُ إِنَّ أَخِي أَوْصٰى إِلَيَّ بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِهِ فَأَيْنَ تَرٰى لِي وَضْعَهُ فِي الْفُقَرَاءِ أَوِ الْمَسَاكِينِ أَوِ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَالَ أَمَّا أَنَا فَلَوْ كُنْتُ لَمْ أَعْدِلْ بِالْمُجَاهِدِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَثَلُ الَّذِي يُعْتِقُ عِنْدَ الْمَوْتِ كَمَثَلِ الَّذِي يُهْدِي إِذَا شَبِعَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، ابواسحاق، حضرت ابوحبیبہ طائی کہتے ہیں کہ مجھے میرے بھائی نے اپنے مال کے ایک حصے کی وصیت کی۔ میری حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ میرے بھائی نے رمان کچھ مال کی وصیت کی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ مال کہاں خرچ کیا جائے۔ فقراء پر مساکین پر یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں پر۔ فرمایا اگر میں ہوتا تو مجاہدین کے برابر کسی کو نہ دیتا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ مرتے وقت غلام آزاد کرنے والے کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص شکم سیر ہو کر ہدیہ بھیجے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مَثَلُ الَّذِي يُعْتِقُ: مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی سے مایوس ہوتے وقت اپنے غلاموں کو آزاد کرتا ہے یا مال صدقہ کرتا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی کا پیٹ بھر جائے اور باقی جو بچ جائے اسے ہدیہ کردے تو جس طرح یہ ہدیہ ناقص ہے اسی طرح عندالموت صدقہ یا آزاد کرنا بھی قلیل الاجر ہے کیونکہ عندالموت اپنا مال صدقہ کرنا یا عندالموت غلاموں کو آزاد کرنا اپنے ورثاء کو محروم کرنا ہے جو کہ درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ اپنی صحت اور زندگی میں تو خرچ نہ کریں اب جب موت سامنے آئی تو خرچ کرنا یاد آگیا یہ کوئی افضل کام نہیں جب افضل تھا اس وقت نہ کیا۔

باب

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ فِي كِتَابَتِهَا وَلَمْ تَكُنْ قَضَتْ مِنْ كِتَابَتِهَا شَيْئًا فَقَالَتْ لَهَا عَائِشَةُ ارْجِعِي إِلَى أَهْلِكِ فَإِنْ أَحَبُّوا أَنْ أَقْضِيَ عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَيَكُونَ لِي وَلَاؤُكِ فَعَلْتُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ بَرِيرَةُ لِأَهْلِهَا فَأَبَوْا وَقَالُوا إِنْ شَائَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ عَلَيْكِ وَيَكُونَ لَنَا وَلَاؤُكِ فَلْتَفْعَلْ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَاعِي فَأَعْتِقِي فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، حضرت عروہ، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ اپنے بدل کتابت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مدد لینے کے لئے آئیں جبکہ انہوں نے اس میں سے بالکل کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا واپس جاؤ اور اپنے مالکوں سے پوچھو اگر وہ لوگ پسند کریں کہ میں تمہاری کتابت ادا کروں اور حق ولاء مجھے حاصل ہو تو میں ایسا کروں گی۔ حضرت بریرہؓ نے یہ بات ان لوگوں کو بتائی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ اگر حضرت عائشہؓ چاہیں تو ثواب کی نیت کر لیں اور حق ولاء ہمیں حاصل ہو تو ہم ایسا کرلیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے خرید کر آزاد کر دو۔ کیونکہ ولاء اس کے لئے ہے جو آزاد کرے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرط باندھتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ جو شخص ایسی شرط لگائے گا وہ شرط پوری نہیں کی جائے گی۔ اگر چہ وہ سو مرتبہ ہی کیوں نہ شرط لگائے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔

تشریح: اس باب کی مکمل شرح آگے آئے گی کیونکہ اس باب کا تعلق ابواب الولاء والھبۃ سے ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ حضرت بریرہ نے اپنے مالکوں کے ساتھ طے کیا کہ وہ ۹ اوقیہ ادا کریں گی اور آزاد ہو جائیں گی ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا پڑے گا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ ان پر پانچ اوقیہ باقی رہ گئے تھے قسط وار پانچ سال طے ہوئے تھے۔

بعض حضرات نے ان دونوں روایات میں تطبیق بھی بیان کی ہے کہ نو تو دراصل کل بدل کتابت تھے چار تو حضرت بریرہ نے ادا کر دیئے تھے باقی پانچ رہ گئے تھے۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس مدد مانگنے آئی تھیں لہذا اس صورت میں ''لم تکن قضت من کتابتها شيئا'' کے معنی ''مما بقی'' یعنی پانچ جو باقی ان کے ذمہ تھے ان میں سے کچھ ادا نہ کر پائی تھیں ان

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بریرہ کو فسخ کتابت کے بعد مکمل طور پر خرید کر آزاد کرنا چاہتی تھی اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ابتاعی فاعتقی سے بھی ہوتی ہے۔

إِنْ شَائَتْ أَنْ تَحْتَسِبَ: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاہیں تو خرید کر آزاد کردیں اور ولاء پھر بھی ہمارے لئے ہوگا۔ چونکہ ان کی بات "الولاء لمن اعتق" کے خلاف تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر رد فرمایا۔ اس جملہ کا مطلب یہ نہیں اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاہیں تو تم کو بدل کتابت بطور صدقہ دے دیں اور اجر حاصل کرلیں اور ولاء ہمارے لئے ہوگا کیونکہ اس صورت میں ولاء کے مستحق وہ لوگ ہوں گے پھر اشتراط اور اس پر رد کی کیا حاجت۔

وَإِنْ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ: مراد یہ ہے کہ شرع کے خلاف کوئی ہزار ہا شرط لگائے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اشکال: اس حدیث کا ایک طریق ہشام بن عروہ بھی ہے اس میں لفظ "اشترطی لھم الولاء" واقع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائع کے لئے حق ولاء کی شرط کی اجازت دی ہے اس صورت میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

اول: شرط فاسد، **دوم**: شرط قبول کر کے بیع ہوجانے کے بعد اس شرط کو باطل قرار دینا، اس میں دھوکہ لازم آتا ہے اور اس کی اجازت دینا شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب اول: مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں "لا یمنعك ذالك عن الاشتراء" جبکہ روایت میں "ابتاعی و اعتقی" میں اشتراط نہیں جبکہ عبدالرحمن بن قاسم کی روایت میں شرط کا تو ذکر ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب سے شرط لگانے کا ذکر نہیں اور نہ ان کے قبول کرنے کا ذکر ہے۔ صرف بائعین کی طرف سے شرط لگانے کا ذکر ہے۔ صرف ہشام کی روایت میں "اشترطی" کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں اور ان کے نقل کرنے یا سننے میں غلطی واقع ہوئی ہے کیونکہ دیگر روایات میں اس لفظ کو نقل نہیں کیا گیا۔ **جواب ثانی**: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ "اشترطی لھم" میں لام، علی کے معنی میں ہیں جس کے معنی ہیں تم ان کے خلاف یعنی نفی کی شرط لگاؤ۔ **جواب ثالث**: اشترطی میں امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے مقصود اس سے تنبیہ کرنی ہے کہ اگرچہ شرط لگالو مگر فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ **جواب رابع**: یا یہ امر بطور زجر و سرزنش کے ہے۔ **جواب خامس**: اشترطی کے معنی "دعھم یشترطون ماشاءوا" ہے اور یہی معنی روایت کے الفاظ "لا یمنعك ذلك عن الاشتراء" کے ہیں مطلب یہ ہے کہ بائع کو شرط لگانے دو ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو تم نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض نہ کرو کیونکہ ولاء تو معتق کا ہوا کرتا ہے۔

جواب سادس: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت حاصل ہوجاتی ہے یہ اگرچہ مکروہ ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان حکم کے لئے ایسا فرمایا جو بطور تعلیم و تبلیغ ہے۔

أَبْوَابُ الْوَلَاءِ وَالْهِبَةِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

الولاء: واو کے فتحہ اور مد کے ساتھ حق میراث کو کہتے ہیں کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کر دے خواہ مال لے کر آزاد کر دے یا بغیر مال کے اگر وہ غلام مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو ترکہ آزاد کنندہ کو ملتا ہے اس کو ولاء عتق کہا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ أَوْ لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، منصور، ابراہیم، اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے آقاؤں نے ولاء کی شرط رکھ دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولاء اسی کا حق ہے جو آزاد کرے یا فرمایا جو نعمت کا والی ہو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے۔

تشریح: نعمت سے مراد نعمت عتق ہے ''ای لمن اعتق ولاء'' اس شخص کے لئے ہے جو نعمت عتق کا ذمہ دار ہو یعنی جو آزاد کرتا ہے اس کو ولاء ملتا ہے۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن دینار، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولاء بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اسے صرف عبداللہ بن دینار کی روایت سے جانتے ہیں۔ وہ ابن عمر رضی اللہ

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ وَيُرْوَى عَنْ شُعْبَةَ قَالَ لَوَدِدْتُ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ دِينَارٍ حِينَ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَذِنَ لِي حَتَّى كُنْتُ أَقُومُ إِلَيْهِ فَأُقَبِّلُ رَأْسَهُ وَرَوَى يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَهْمٌ وَهِمَ فِيهِ يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ وَالصَّحِيحُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَتَفَرَّدَ عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ

تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ شعبہ، سفیان ثوری اور مالک بن انس بھی عبداللہ بن دینار سے اسے نقل کرتے ہیں۔ شعبہ سے منقول ہے کہ اگر عبداللہ بن دینار مجھے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اجازت دیں میں ان کی پیشانی چوم لوں۔ یحییٰ بن سلیم نے یہ حدیث عبید اللہ بن عمر سے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہے لیکن اس میں وہم ہے اور صحیح سند یہ ہے کہ عبید اللہ بن عمر، عبداللہ بن دینار سے اور وہ ابن عمرؓ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ اس سند سے کئی راویوں نے یہ حدیث عبید اللہ بن عمرو سے نقل کی ہے اور عبداللہ بن دینار اسے نقل کرنے میں منفرد ہیں۔

تشریح: یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنے والے عبداللہ بن دینار ہی ہیں البتہ عبداللہ بن دینار سے روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ، شعبہ، سفیان ثوری اور مالک بن انس ہیں چونکہ یہ رواۃ نہایت ثقہ ہیں اس وجہ سے روایت حسن صحیح ہے۔ شعبہ فرماتے ہیں کہ میری خواہش رہی کہ جس وقت ابن دینار اسی روایت کو بیان کریں تو وہ مجھے اپنا سر چوم لینے کی اجازت دیں شعبہ کے اس قول کی وجہ یہ ہے کہ یہ روایت صرف ابن دینار ہی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں اس کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کا ناقل نہیں۔ اس وجہ سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں فرمایا "الناس کلھم عیال علی عبداللہ بن دینار فی ھذا الحدیث" امام ابونعیم نے اس روایت کے وہ تمام طرق جمع فرمائے ہیں جو ابن دینار سے نقل کئے گئے تھے تو ان رواۃ کی تعداد پینتیس تک پہنچتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيهِ أَوِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَطَبَنَا عَلِيٌّ فَقَالَ مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابَ اللهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيفَةَ صَحِيفَةٌ فِيهَا

حضرت ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا جو شخص یہ گمان کرے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب اور اس صحیفہ کے سوا اور کوئی کتاب ہے اس نے جھوٹ بولا اس صحیفہ میں اونٹوں کے دانتوں کی دیت اور زخموں کے احکامات مذکور ہیں۔

أَسْنَانُ الْإِبِلِ وَأَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ فَقَدْ كَذَبَ وَقَالَ فِيهَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا وَمَنِ ادَّعٰى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَلِيٍّ

اسی خطبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدینہ، عیر (پہاڑ) سے ثور (پہاڑ) تک حرم ہے پس جو کوئی اس میں کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے کوئی فرض ونفل قبول نہیں فرمائے گا اور جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی یا اپنے آزاد کرنے والے کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی اس پر بھی اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں کریں گے اور مسلمانوں کا کسی کو پناہ دینا ایک ہی ہے۔ ان کا ادنی آدمی بھی اگر کسی کو پناہ دے دے تو سب کو اس کی پابندی ضروری ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اسے اعمش سے وہ ابراہیم تیمی سے وہ حارث سے اور وہ حضرت علیؓ سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث کئی سندوں سے منقول ہیں۔

تشریح: **مَنْ زَعَمَ أَنَّ عِنْدَنَا شَيْئًا نَقْرَؤُهُ:** بعض اہل رفض کا یہ خیال تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت کو ایسے اسرار اور علوم بتائے جو کسی فرد یا صحابی کو معلوم نہیں تھے اسی طرح اہل بیت کو بہت ساری ایسی باتیں بتائیں جو کسی اور کو معلوم نہیں یہ باتیں ان کی من گھڑت ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ان کی من گھڑت باتوں کا منہ توڑ جواب ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ کتاب اللہ یا حدود اللہ ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں اس کے علاوہ جو بھی کوئی گمان کرے تو وہ جھوٹا و کذاب ہے۔

مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ: ثور احد کے پیچھے شمالی جانب میں پہاڑ ہے اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے کہا کہ مدینہ منورہ کے لئے بھی ایسی حرمت ہے جیسا کہ مکہ معظمہ کے لئے ہے۔ جیسے احکام حرم مکہ کے لئے ہیں ایسے ہی احکام حرم مدینہ کے لئے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، احمد اور جمہور اہل علم اسی کے قائل ہیں البتہ امام شافعیؒ و امام مالک کے ہاں اگر کسی نے حرم مدینہ کے درخت کاٹ دیئے تو کوئی ضمان نہیں ہوگا اگرچہ ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہیں ابن ابی لیلی اور ابن ابی ذئب نے فرمایا کہ اس شخص پر ضمان وجزاء واجب ہے۔ **وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ:** کی وضاحت: ماقبل ابواب ”السیر باب ماجاء فی امان المرأة والعبد“ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا: اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کسی نئی چیز جو بدعت ہے اس سے راضی ہوگا یا اس کے کرنے پر نکیر نہیں کرے گا تو گویا اس نے اس کو ٹھکانہ دیا۔

فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ: اس سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں کسی بدعت کا پیدا کرنا یا بدعتی کو پناہ دینا کبائر میں سے ہے۔ اس حدیث کے بقیہ الفاظ کی کچھ وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنْتَفِي مِنْ وَلَدِهِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ الْعَطَّارُ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي فَزَارَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ فَهَلْ فِيهَا أَوْرَقُ قَالَ نَعَمْ إِنَّ فِيهَا أَوْرَقًا قَالَ أَنَّى أَتَاهَا ذٰلِكَ قَالَ لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهَا قَالَ فَهٰذَا لَعَلَّ عِرْقًا نَزَعَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنوفزارہ کا ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیوی نے سیاہ لڑکا جنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا ان کا رنگ کیسا ہے۔ عرض کیا۔ سرخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا ان میں کوئی خاکی بھی ہے۔ عرض کیا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہ کہاں سے آ گیا۔ اس نے عرض کیا شاید اس میں کوئی رگ آ گئی ہو۔ (یعنی اس کی نسل میں کوئی کالا ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر شاید تمہارے بیٹے میں بھی ایسی کوئی رگ تمہارے باپ دادا کی آ گئی ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جَاءَ رَجُلٌ: بخاری شریف میں جاء اعرابی مذکور ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ضمضم بن قتادہ ہیں۔ مسلم شریف میں ہے ''انا انکرته'' یعنی دل میں اس کو برا سمجھتا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ زبان سے میں اس کے بیٹے ہونے کا انکار کروں گا گویا یہ شخص تعرض بالقذف کر رہا ہے اور جمہور کے نزدیک تعرض، قذف صحیح کے حکم میں نہیں ہے البتہ بعض مالکیہ نے تعرض کو تصریح کے قائم مقام کرتے ہوئے حد کو واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ قذف سمجھی جا رہی ہو مگر روایت باب میں موجود سائل تو مستفتی عن الحکم ہے کہ اس کو شک ہو رہا ہے قاذف نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل کے بعد اس کا شک دور ہو گیا اس کو اپنے بچہ ہونے پر یقین ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ تمہارے پاس اونٹ ہیں اس نے کہا جی ہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا ان میں کوئی خاکی رنگ والا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، خاکی رنگ والا بھی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاکی رنگ والا کہاں سے آیا ہے؟ اس نے کہا شاید کسی رنگ نے اس کو جذب کیا ہوگا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسانی نسلوں میں پھر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا اس تمثیل کے بعد اس کو بات سمجھ آ گئی اور اسے اپنا بیٹا ہونے کا یقین ہو گیا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ محض رنگ کی بناء پر بچہ کے نسب کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں ہوگا خواہ باپ سے رنگ مختلف ہو یا باپ اور ماں دونوں سے رنگ مختلف ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَافَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ فَقَالَ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ هٰذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَزَادَ فِيهِ أَلَمْ تَرَ أَنَّ مُجَزِّزًا مَرَّ عَلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَدْ غَطَّيَا رُءُوسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ هٰكَذَا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَدِ احْتَجَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فِي إِقَامَةِ أَمْرِ الْقَافَةِ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ان کے پاس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے دیکھا کہ مجزز (قیافہ شناس) نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کو دیکھ کر کہا کہ یہ پاؤں ایک دوسرے سے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سفیان بن عیینہ اسے زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے دیکھا کہ مجزز (قیافہ شناس) زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کے پاس سے گزرا جبکہ ان کے سر ڈھکے ہوئے اور پاؤں ننگے تھے۔ مجزز نے کہا کہ یہ پیر ایک دوسرے سے ہیں۔ سعید بن عبدالرحمن اور کئی حضرات نے بھی اسے اسی طرح سفیان سے نقل کیا ہے۔ بعض علماء اس حدیث سے قیافہ لگانے کو درست کہتے ہیں۔

تشریح: الحاصل حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ گھر تشریف لائے تو حضور ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرمایا کہ مجزز المدلجی مسجد نبوی میں داخل ہوا مسجد نبوی میں حضرت اسامہ اور حضرت زید ﷠ دونوں باپ بیٹا سو رہے تھے ان کے اوپر ایک چادر تھی جس سے انہوں نے اپنے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا اور پاؤں ننگے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے پاؤں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔

اصل بات یہ تھی کہ حضرت زید جو آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے بہت گورے اور خوبصورت تھے جب کہ ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ ﷛ کالے تھے اور اپنی ماں کے مشابہ اور ہم رنگ تھے ان کی ماں جن کا نام ام ایمن تھا ایک لونڈی اور کالے رنگ کی تھیں۔ باپ بیٹے کی رنگت مختلف ہونے کی وجہ سے منافق ان کے نسب میں عیب لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ اتنے خوبصورت باپ کا بیٹا اتنا کالا کیسے ہوسکتا ہے۔ اسی دوران ہی یہ واقعہ پیش آیا۔ عرب میں ایک آدمی قیافہ شناس مجزز مدلجی تھا۔ یہ مسجد نبوی میں داخل ہوا تو حضرت اسامہ اور حضرت زید ﷠ کے پاؤں دیکھ کر کہنے لگا کہ ان دونوں کو باپ بیٹا ہونا چاہیے آپ ﷺ اس بات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر ہوتا تھا۔ اور اس کے فیصلہ کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا۔ لہٰذا

آپ ﷺ کو بھی اطمینان ہو گیا کہ اب جب کہ اسامہؓ کا نسب اس سند سے ثابت ہو گیا تو منافقین بھی ان کے نسب کے بارے میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔

مسئلہ: قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں۔

پہلا قول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شرعی احکام اور اثبات نسب میں قیافہ شناس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔

دوسرا قول: امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک قیافہ شناس کے قول کا اعتبار ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لونڈی دو آدمیوں کی مشترک ملکیت ہو اور وہ بچہ جن لے اور وہ دونوں نسب کا دعویٰ کریں یعنی ہر ایک کہے کہ میرا بچہ ہے تو ان دونوں کو قیافہ شناس کے قول کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور جو قیافہ شناس فیصلہ کرے گا بچہ اس کا ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں وہ بچہ شرعی حکم کے مطابق دونوں کا ہوگا اور وہ لونڈی دونوں کی ام ولد بن جائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَثِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهَدِيَّةِ

حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو مَعْشَرٍ اسْمُهُ نَجِيحٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

ازہر بن مروان بصری، محمد بن سواء، ابو معشر، سعید، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔ ہدیہ دینے سے دل کی خفگی دور ہو جاتی ہے۔ نیز کوئی پڑوسی عورت اپنے پڑوس میں رہنے والی عورت کو بکری کا کھر دیتے ہوئے بھی نہ شرمائے (یعنی حقیر چیز کا بھی ہدیہ دیا جا سکتا ہے) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ابو معشر کا نام نجیح ہے اور یہ بنو ہاشم کے مولیٰ ہیں۔ بعض اہل علم ان کے حافظہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

تشریح: تَهَادَوْا: اس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو ہدیہ دینا۔ وَحَرَ الصَّدْرِ: سے مراد بغض اور کینہ ہے۔

وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا: کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کے بھیجے ہوئے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے خواہ وہ معمولی چیز ہو اس کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا نہ دے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کوئی پڑوسن جس کے پاس شئ قلیل ہدیہ کے لئے ہو اس کو ہی ہدیہ کر دے یعنی شئ قلیل ہونے کی بنا پر ہدیہ سے نہ رکے بہر حال دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔

وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ: شق بمعنی ٹکڑا۔ فِرْسِنِ: اس سے قلیل اللحم ہڈی مراد ہے یہ شئ قلیل کے دینے پر ترغیب علی سبیل المبالغہ ہے۔ حدیث الباب سے معلوم ہوا کہ ہدیہ کا لین دین ہونا چاہیے اس سے دل کی خفگی دور ہوتی ہے اور محبت بڑھتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے "تھادوا تحابوا"۔ ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ الْمُكْتِبُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ طَاؤسٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَالْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فَرَجَعَ فِي قَيْئِهِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

احمد بن منیع، اسحاق بن یوسف، ازرق، حسین مکتب، عمرو بن شعیب، طاؤس، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہدیہ دے کر واپس لینے والے کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ جو خوب کھا کر پیٹ بھرے اور قے کر دے پھر دوبارا اپنی قے چاٹنے لگے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي طَاؤسٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ يَرْفَعَانِ الْحَدِيثَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ وَمَثَلُ الَّذِي يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِي قَيْئِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَحِلُّ لِمَنْ وَهَبَ هِبَةً أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيمَا أَعْطٰى وَلَدَهُ وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ

محمد بن بشار، ابن ابی عدی، حسین عمر بن شعیب، طاؤس، حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے ہدیہ دینے کے بعد واپس لینا حلال نہیں۔ ہاں البتہ باپ اپنے بیٹے کو چیز دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اور جو شخص کوئی چیز دے کر واپس لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جو کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد قے کرے اور دوبارہ اسے کھانے لگے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام شافعیؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ باپ کے علاوہ کسی شخص کو ہدیہ دینے کے بعد واپس لینا حلال نہیں۔ اسی حدیث سے انہوں نے دلیل پکڑی ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب کی مکمل شرح ابواب البیوع باب ”ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ“ میں گزر چکی ہے۔

سوال: اس باب میں اور ماقبل ابواب البیوع کے باب میں کیا فرق ہے یہ تو تکرار ہے۔

جواب اول: ”ابواب البیوع ماجاء فی کراھیۃ الرجوع“ سے مراد ھبہ دے کر رجوع کرنے سے ممانعت آئی ہے جبکہ اس باب میں ہدیہ دے کر رجوع کرنے سے نہی آئی ہے۔ اس فرق کی بنا پر علیحدہ علیحدہ ابواب تکرار کے ساتھ قائم کئے۔

جواب ثانی: ماقبل باب کے ذیل میں جو احادیث نقل کی ہیں وہ اور ہیں اور اس باب میں جو احادیث نقل کی ہیں وہ اور ہیں احادیث میں فرق کی بنا پر ایک باب کو تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اَبْوَابُ الْقَدَرِ

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم

ربط: ماقبل میں عمومی طور پر ایمان کی ضروریات کو بیان کیا اب یہاں سے خصوصاً ایمان کی ایک اور ضرورت تقدیر کو ذکر کر رہے ہیں۔

تقدیر کی لغوی و اصطلاحی تعریف: تقدیر کے معنیٰ لغت میں اندازہ لگانے کے ہیں۔ اصطلاحی معنی ہیں ''تعیین کل مخلوق بمرتبته التی توجد من حسن و قبح و نفع و ضرر'' یعنی کسی مخلوق میں پائے جانے والی اچھائی یا برائی، نفع یا نقصان کا اندازہ کرنا۔ قدر کے ساتھ قضاء کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایک پاؤں اٹھاؤ اس نے اٹھالیا۔ پھر فرمایا دوسرا پاؤں اٹھاؤ تو اٹھا نہ سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی طرح تقدیر کا مسئلہ ہے یعنی انسان کو کچھ اختیار ہے اور کچھ اختیار نہیں۔ اسی اختیار اور قدرت کی وجہ سے بندہ اپنے افعال کا کسب کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ التَّشْدِيدِ فِي الْخَوْضِ فِي الْقَدَرِ

حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا صَالِحٌ الْمُرِّيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ فَقَالَ أَبِهٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هٰذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوا فِيهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ وَصَالِحٌ الْمُرِّيُّ لَهُ غَرَائِبُ يَنْفَرِدُ بِهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لائے تو ہم لوگ تقدیر پر بحث کر رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر انار کے دانوں کا عرق نچوڑ دیا گیا ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگوں کو اس چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں؟ تم لوگوں سے پہلے کی قومیں اسی مسئلے میں بحث و مباحثہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلے میں آئندہ بحث و تکرار نہ کرنا۔ اس باب میں حضرت عمر، عائشہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف صالح مری کی روایت سے جانتے ہیں اور ان سے کئی غریب روایات مروی ہیں جن میں وہ منفرد ہیں

تشریح: فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ: سوال: آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ناراض کیوں ہوئے تھے؟

جوابات: ① تقدیر میں بحث وتمحیص کرنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس کا انجام فرقہ جبریہ یا فرقہ قدریہ کی طرف مفضی ہوجاتا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ ناراض ہوئے ② یا ناراض ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عقل مند انسان کو کام کی باتوں میں مشغول ہونا چاہئے لا یعنی باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے لہٰذا جن چیزوں کی تم کو ضرورت ہے اور جن کا سوال حشر نشر میں ہوگا ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، تقدیر کے مسئلے میں بحث کے نہ تم مکلف ہو نہ تم سے اس بارے میں سوال ہوگا۔ تقدیر میں بحث کرنے سے کچھ حاصل نہیں نکلتا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے۔ الحاصل یہ غصہ اپنی ذات کیلئے نہ تھا بلکہ اللہ پاک کیلئے تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دینے کی غرض سے تھا یہ غصہ عبادت ہے اور ثواب کا باعث ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استاد شاگرد سے، شیخ مرید سے وقتی طور پر ناراض ہوسکتا ہے۔

وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَائِشَةَ: اس حدیث میں ایک راوی صالح بن بشیر مری، ابو بشر بصری ضعیف راوی ہے اس کی روایتیں عجیب وغریب ہوتی ہیں۔ ترمذیؒ کے علاوہ کسی نے اصحاب ستہ میں سے ان کی روایت نقل نہیں کی یہ غریب روایات کے ناقل ہیں اور طبقہ سابعہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ مُوسَى يَا آدَمُ أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ أَغْوَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ فَقَالَ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى عَمَلٍ عَمِلْتُهُ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَالَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَجُنْدَبٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنِ الْأَعْمَشِ وَقَدْ رَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي

یحیی بن حبیب بن عربی، معتمر بن سلیمان، سلیمان اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان مکالمہ ہوا موسیٰؑ نے فرمایا اے آدم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہاتھ سے بنایا پھر اپنی روح آپ میں پھونکی اور پھر آپ کی لغزش کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آدم نے جواباً فرمایا اے موسیٰ تو وہ ہے جسے اللہ نے شرف ہم کلامی کے ذریعے برگزیدہ کیا تو مجھے ایسے عمل پر ملامت کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اس طرح آدم موسیٰ پر غالب آ گئے۔ اس باب میں حضرت عمر اور جندب رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اعمش کے بعض ساتھی اسے اعمش سے وہ ابوصالح سے وہ ابوہریرہؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں جبکہ بعض راوی اسے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کی جگہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں پھر یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: اِحْتَجَّ آدَمُ وَمُوسٰی: اس حدیث کے تحت تین مشہور اعتراضات اور ان کے جوابات دیئے جائیں گے جس سے حدیث کی تشریح واضح ہو جائے گی۔

پہلا اعتراض: حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے درمیان طویل مدت کا فاصلہ ہے پھر ان کے درمیان مناظرہ کیسے ہوا؟

جوابات: اول: حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کا یہ مناظرہ عالم ارواح میں ہوا جو ایک روایت کے الفاظ "**عند ربھما**" سے معلوم ہوتا ہے۔

ثانی: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں ان کی روح کھینچ کر آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا دی گئی وہاں مناظرہ ہوا۔ یا اس کا برعکس ہو کہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں ان کی روح حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا دی گئی ہو اور وہاں مناظرہ ہوا ہو۔ **ثالث:** جب لیلۃ المعراج میں تمام انبیاء علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے وہاں یہ مناظرہ ہوا۔ یہی زیادہ راجح ہے۔

رابع: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات میں حضرت آدم علیہ السلام کو زندہ کیا گیا اس وقت یہ مناظرہ ہوا۔

خامس: حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو کھول دیا گیا وہاں قبر میں مناظرہ ہوا۔ **سادس:** یہ مناظرہ عالم خواب میں ہوا۔

سابع: عالم برزخ میں ملاقات ہوئی وہاں پر یہ مناظرہ ہوا۔

ثامن: یہ مناظرہ ابھی ہوا ہی نہیں بلکہ آخرت میں ہوگا تحقق وقوع کے لئے ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا۔

تاسع: ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں آمنے سامنے ہوتے تو ایسی گفتگو ان کے درمیان میں ہوتی۔

اعتراض ثانی: یہ مناظرہ کیوں ہوا۔

جواب: ابوداود شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میں آدم علیہ السلام سے بات کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ہم سب کو جنت سے نکالا ہے موسیٰ علیہ السلام کی یہ درخواست منظور ہوگئی اور آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی پھر مناظرہ بھی ہوگیا۔

تیسرا اعتراض: معاصی کے عذر میں حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر کس طرح پیش کی۔ اس طرح تو ہر عاصی تقدیر کو بہانہ بنا کر جان چھڑا سکتا ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اول: عالم کی دو قسمیں ہیں: (۱) عالم تکلیف (۲) عالم ارواح۔ حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر پر سہارا عالم ارواح میں لیا اس دنیا میں تقدیر پر سہارا لینا جائز نہیں عالم ارواح میں جائز ہے

جواب: حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ معصیت عصمت کے منافی ہے

جواب: معصیت پر تقدیر کا سہارا لینا یہ توبہ کی قبولیت کے بعد ہوا اور توبہ کی قبولیت کے بعد یہ جائز ہے

جواب: حضرت آدم علیہ السلام نے معصیت پر تقدیر پیش نہیں کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرانے کیلئے الزامی طور پر تقدیر پیش کی

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرنا ان مصائب کی وجہ سے تھا جو ان کی اولاد پر آئے اور حضرت آدم علیہ السلام کا تقدیر پیش کرنا انہی مصائب پر تسلی دینے کیلئے تھا کہ بیٹا تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ گویا تسلی علی المصائب ہے اعتذار عن المعاصی نہیں۔

وَقَدْ رَوٰى بَعْضُ أَصْحَابِ الْأَعْمَشِ: اعمش کے شاگردوں نے اس روایت کو جس طرح مسانید ابوہریرہؓ میں شمار کیا ہے اسی طرح بعض نے اسنے مسانید ابی سعیدؓ میں شمار کیا ہے۔ مگر اکثر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّقَاءِ وَ السَّعَادَةِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ مَا نَعْمَلُ فِيهِ أَمْرٌ مُبْتَدَعٌ أَوْ مُبْتَدَأٌ أَوْ فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلسَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَإِنَّهُ يَعْمَلُ لِلشَّقَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَأَنَسٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، شعبہ، عاصم بن عبیداللہ، حضرت سالم اپنے والد عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم جو عمل کرتے ہیں کیا یہ نیا امر ہے؟ یا عرض کیا کہ نیا شروع ہوا ہے یا یہ پہلے سے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کی جا چکی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلے سے لکھا ہوا ہے اور اس سے فراغت ہو چکی ہے اے خطاب کے بیٹے ہر شخص پر وہ چیز آسان کر دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے لہذا جو نیک بخت لوگ ہیں وہ نیک بختی کے عمل کرتے ہیں اور جو بدبخت ہیں وہ اسی کے لئے عمل کرتے ہیں اس باب میں حضرت علی، حذیفہ بن اسید انس اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **أَمْرٌ مُبْتَدَعٌ أَوْ مُبْتَدَأٌ:** او راوی کے شک کے لئے ہے معنی یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم عمل کرتے ہیں وہ جدید عمل ہے یا اس سے پہلے تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

فِيمَا قَدْ فُرِغَ مِنْهُ: یعنی اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں پہلے ہی لکھ دیا ہے۔ اس سے فراغت کر لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابًا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں پہلے ہی لکھ دیا ہے اس کے مطابق آدمی عمل کرتا ہے۔

وَكُلٌّ مُيَسَّرٌ: یعنی ہر آدمی کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے کہ اس کو عمل خیر کرنا ہے یا عمل شر اور اس کے مطابق اس کے لئے وہ عمل خیر اور شر آسان کر دیا گیا ہے لہذا جس کے مقدر میں عمل خیر لکھا ہے وہ خیر اور سعادت کا عمل کرتا ہے اور جس کے مقدر میں عمل شر لکھا ہے وہ بدبخت ہے وہ بدبختی کا عمل کرتا ہے۔

أَخْبَرَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ

حسن حلوانی، عبداللہ ابن نمیر، وکیع، اعمش، سعد بن عبیدۃ، ابوعبدالرحمن

بْنُ نُمَيْرٍ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ إِذْ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ عُلِمَ وَقَالَ وَكِيعٌ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوا أَفَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

السلمی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین کرید رہے تھے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے متعلق متعین نہ ہو چکا ہو کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔ وکیع کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے لئے جنت یا دوزخ میں اس کی جگہ لکھی نہ جا چکی ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم بھروسہ نہ کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ عمل کرو ہر ایک جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس پر وہ آسان کر دیا گیا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ: یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کا جواب علی اسلوب الحکیم ہے کہ تقدیر برحق ہے لیکن بندے پر کسب ضروری ہے کیونکہ عبد اسے کہتے ہیں کہ مولیٰ جو کہے عبد اس کو بجالائے اور جس سے روکے اس سے باز رہے۔ امام خطابیؒ نے حدیث الباب کے تحت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال و جواب کا حاصل ذکر کیا ہے کہ دخول جنت اور دخول نار کیلئے دو چیزیں معتبر ہیں ایک امر ظاہری اور دوسری امر باطنی۔ امر ظاہری یہ ہے کہ جو شخص نیک اعمال کرے گا وہ دخول جنت کا سبب بنے گا اور جو شخص برے اعمال کرے گا وہ دخول نار کا سبب بنے گا اور امر باطنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں جنت میں لے جائیں اور جس کو چاہیں دوزخ میں لے جائیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باطنی امر کو لیکر سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا دار العمل اور دار الاسباب ہے اس لئے تم اس میں عمل کرتے رہو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ فِي أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ يَكْتُبُ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ

ہناد، ابو معاویہ، اعمش، زید بن وہب، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ تم میں ہر ایک ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کی حالت میں رہتا ہے پھر چالیس دن کے بعد گاڑھا خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن میں گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے پس اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کوئی

وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ثُمَّ يَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اہل جنت کے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان بالشت بھر فاصلہ رہ جاتا ہے پھر تقدیر الٰہی اس کی طرف سبقت کرتی ہے تو اس کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر ہوتا ہے اور وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک آدمی جہنمیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان بالشت بھر فاصلہ رہ جاتا ہے پھر تقدیر الٰہی اس کی طرف دوڑتی ہے اور اس کا خاتمہ جنتیوں کے اعمال پر ہوتا ہے پس وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ مِثْلَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ قَالَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ يَقُولُ مَا رَأَيْتُ بِعَيْنَيَّ مِثْلَ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدٍ نَحْوَهُ

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، اعمش، زید بن وہب، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث روایت کی اور اسی کی مثل ذکر کیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات مروی ہیں احمد بن حسن فرماتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری آنکھوں نے یحیی بن سعید قطان کی مثل کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ اور ثوری نے اعمش سے اس کی مثل روایت کی محمد بن علاء نے وکیع کے واسطے سے انہوں نے بواسطہ اعمش حضرت زید سے اس کی مثل حدیث روایت کی۔

تشریح: **وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ:** صادق وہ جس کے سارے اقوال سچے ہوں۔ مصدوق وہ جس کے سارے اعمال سچے ہوں۔ یا صادق وہ جو ہوش سنبھالنے کے بعد سچ بولے اور مصدوق وہ جو ابتداء سے ہی سچا ہو۔ یا صادق وہ جو واقعہ کے مطابق خبر دے اور مصدوق اپنی زبان مبارک سے جو کہہ دے واقعہ اس کے مطابق ہو جائے۔ رسول کریم ﷺ میں یہ سارے اوصاف جمع ہیں۔ صادق و مصدوق میں فرق یہ ہے کہ صادق ''فی نفسہ'' مراد ہیں۔ اور مصدوق ''من غیرہ''۔ یعنی غیروں نے بھی آپ ﷺ کو سچا قرار دیا۔ ان دو وصفوں کو ذکر کرنے کی وجہ ''افتخاراً او التذاذاً'' ہے۔

قولہ أَرْبَعِينَ يَوْمًا: سوال: اللہ تعالیٰ انسان کو ایک ہی لمحہ میں پیدا کر سکتے ہیں پھر ان مختلف لحات کی کیا حکمت ہے؟

جواب: اس میں بہت ساری حکمتیں ہیں انسان کو تعلیم دینا مقصود ہے کہ تدریجاً تدریجاً اعمال کو اختیار کرو۔ جلد بازی نہ کرو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے ان مدارج پر غور کرے تو تکبر نہیں کریگا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں والدہ کیلئے مشکل نہیں ہوگی اور اس طرح

والدہ کو زیادہ تکلیف نہ ہوگی۔

روایات میں تعارض: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے تیسرے اربعین کے بعد آتے ہیں اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ چالیس دن کے بعد فرشتے آجاتے ہیں اور نطفہ تو علقہ و مضغہ بنا رہتا ہے لہٰذا دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں مختلف فرشتوں کا ذکر ہے کہ ایک فرشتہ نطفہ کی حفاظت کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ چالیس دن کے بعد آتا ہے اسی کا بیان مسلم شریف میں ہے اور دوسرا فرشتہ تقدیر لکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ تیسرے اربعین یوم کے بعد آتا ہے۔ فلا تعارض

ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ: **سوال:** جب اللہ تعالی کو پیدا کرنے سے پہلے ہر شے کا علم ہے تو فرشتے کو لکھوانے کی اور لکھنے کے لئے بھیجنے کی کیا ضرورت اور کیا وجہ ہے؟ **جواب:** علم چار قسم کا ہے۔ ① علم ازلی ② علم بالقلم ③ علم لوح محفوظ ④ علم فی الموجودات۔ جس میں سب کا ظہور ہو جائے۔

يَكْتُبُ رِزْقَهُ: فرشتہ اس کے لئے چار چیزیں لکھ دیتا ہے عمل، اجل، رزق، نیک و بد بخت ہونا۔ فرشتے کی یہ کتابت علی الجبین ہوتی ہے۔ یا اس کے ہاتھ پر لکھ دیتا ہے یا کسی تختی، کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتا ہے مگر وہ لکھا ہوا ہمیں نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ حفاظت کے فرشتے موجود ہونے کے باوجود ہمیں نظر نہیں آتے۔

سوال: جب لوح محفوظ میں سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے تو دوبارہ لکھنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: لوح محفوظ میں کتابت اجمالاً ہے اور اب ان کو تفصیلاً لکھوایا جاتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کتابت تقدیر کے تین ادوار ہیں: ① لوح محفوظ ② رحم مادر میں چار ماہ کے بعد ③ شب قدر میں۔ فلا اشکال۔

سوال: اس روایت میں چار باتیں لکھنے کا ذکر ہے دوسری روایات میں پانچ باتوں کا ذکر ہے بظاہر روایات میں تعارض ہے۔

جوابات: ① یہاں اختصار ہے وہاں تفصیل ہے ② عدد اقل اکثر کے منافی نہیں ③ وہاں دو کو الگ الگ ذکر کیا اور یہاں دو کو ایک شمار کیا۔ فلا تعارض۔

فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ: کتاب التذکرہ میں داؤد انطا کی نے حمل کی تبدیلی کے متعلق ایک عجیب بات لکھی ہے کہ اطباء کے ہاں نطفہ میں سات قسم کے تغیرات ہوتے ہیں اول ہفتے میں وہ نطفہ پانی کی شکل میں ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس کے باہر ایک جھلی بنتی ہے اور اس کے اندر نطفہ منجمد ہوتا ہے۔ سولہ (۱۶) دن میں اس پر لمبے لمبے خطوط کی شکل نمودار ہو جاتی ہے اس کے بعد سرخ رنگ کا خون بن جاتا ہے۔ اس کے بعد گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے پھر اس میں پہلے قلب کی شکل بنتی ہے کیونکہ جسم کا مدار اسی پر ہوتا ہے پھر دماغ پھر ۲۳ دن میں اس پر ہڈیوں کے نشانات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ حمل تیار ہونے کی بہت کم مدت ہے پھر پچھتر (۷۵) دن کے بعد وہ اپنی غذا جذب کرنے لگتا ہے اور اس پر گوشت آنا شروع ہو جاتا ہے پھر وہ ایک مخلوق کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس میں طبعی نمو شروع ہو جاتی ہے پھر سو (۱۰۰) دن کے بعد اس میں نباتات کی طرح نمو ہونے لگتا ہے پھر اسکے بیس (۲۰) دن کے بعد وہ ایک سوتا ہوا حیوان معلوم ہونے لگتا ہے پھر اس میں حقیقی روح پھونکی جاتی ہے۔

سوال: اہل شرع کے نزدیک بچہ میں روح چار ماہ کی عمر میں پھونکی جاتی ہے جبکہ عند الفلاسفہ ستر دن کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔

ان میں تطبیق کس طرح ہے۔

جواب: روح کی دو قسمیں ہیں۔ ① روح طبی ② روح شرعی اور حقیقی۔ تو روح حقیقی اور شرعی چار ماہ کے بعد پھونکی جاتی ہے اور روح طبی ستر یا ۷۵ دن کے بعد آ جاتی ہے اس روح طبی سے مراد بچہ کی وہ کیفیت ہے کہ جس کے بعد بچہ اپنے اندر غذا کو جذب کرنا شروع کر دیتا ہے اور بچہ میں بڑھنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

سوال: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تقدیر لکھی جاتی ہے پھر روح پھونکی جاتی ہے جبکہ بیہقی کی روایت میں اس کا عکس ہے۔

جوابات: ① بیہقی میں جو ترتیب ہے وہ ترتیب واقعی نہیں ② یہ روایت راجح ہے بیہقی کی روایت مرجوح ہے۔

سوال: اگر آپریشن کیا جائے تو یہ لکھا ہوا نظر نہیں آتا؟ **جواب:** یہ کتابت ان امور میں سے ہے جن کا ہونا سو فیصد یقینی ہے۔ لیکن دنیا میں دکھائی نہیں دیتا۔ جیسے چھوٹا سا بچہ حافظ قرآن ہو تو وہ فر فر قرآن سناتا ہے حالانکہ بچے کا آپریشن کر کے دیکھا جائے تو کہیں بھی لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا لہٰذا کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے عدم وجود کو مستلزم نہیں ہوتا۔ نظر نہ آنے سے کتابت کے وجود کا انکار نہیں کیا جا سکتا دودھ میں مکھن ہوتا ہے نظر نہیں آتا، فضا ہوا کا وجود ہوتا ہے لیکن ہوا نظر نہیں آتی۔

بَابُ مَا جَاءَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَعِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ رَبِيعَةَ الْبُنَانِيُّ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْمِلَّةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُشَرِّكَانِهِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَنْ هَلَكَ قَبْلَ ذَلِكَ قَالَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ بِهِ

محمد بن یحییٰ القطعی، عبدالعزیز بن ربیعہ بنانی، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا ملت اسلامیہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مشرک بنا دیتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ جو بچے جوان ہونے سے پہلے فوت ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اگر بڑے ہوتے تو کیا کرتے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَالْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَقَالَ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ وَغَيْرُهُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

ابوکریب وحسین بن حریث، وکیع، اعمش، ابوصالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کے ہم معنی روایت کرتے ہیں لیکن یہاں (يُولَدُ عَلَى الْمِلَّةِ) کی جگہ (يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ) کے الفاظ ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ وغیرہ اسے اعمش سے وہ ابوصالح سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں اور اس میں (يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ) کے الفاظ ہیں۔

تشریح: عَلَى الْفِطْرَةِ: یہ فطرۃ باب نصر وضرب بمعنی پھاڑنا ایجاد کرنا سے مشتق ہے۔ یہاں اصلی اور پیدائشی حالتِ مراد ہے۔ رہی یہ بات کہ اس فطرت سے کیا مراد ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: فطرت سے مراد اسلام ہے، ان حضرات کا استدلال قرآن پاک کی اس آیت سے ہے "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا" اس میں بالاجماع فطرت سے دین اسلام مراد ہے اور اسی کو "ذلك الدين القيم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی تائید حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے "قال لله تعالی خلقت العباد کلھم حنفاء"۔ ایک روایت میں "حنفاء مسلمین" ہے۔ اس قول پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں کہ قرآن کریم اور حدیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

اعتراض اول: قرآن مجید میں ہے "لا تبديل لخلق الله"۔ تو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت اسلام کو کوئی نہیں بدل سکتا جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "فابواہ یھودانہ او ینصرانہ" کہ والدین کا ماحول اسکو بدل دیتا ہے۔

اعتراض ثانی: وہ بچہ جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اسکے بارے میں آتا ہے "طبع کافرًا ای ولد کافرًا" اس سے معلوم ہوا کہ اس کی پیدائش کفر پر ہوئی اور حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔

اعتراض ثالث: اسلام قبول کرنا مامور بہ ہے اور اسلام پر پیدا ہونا یہ امر غیر اختیاری ہے جبکہ دین اسلام تو اختیاری ہے۔

اعتراض رابع: اگرچہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے تو "اطفال المشرکین" کو جہاد میں غلام کیوں بنایا جاتا ہے اور کفر میں اپنے آباء کے تابع سمجھ کر نماز جنازہ ان پر نہیں پڑھی جاتی اس لئے "یولد علی الفطرۃ" سے مراد اسلام لینا راجح نہیں ہوگا۔ بہر حال فطرت سے اسلام مراد لینے سے ان اعتراضات کی بناء پر روایات اور آیات میں تعارض آرہا ہے۔

قول ثانی: علامہ تورپشتیؒ علامہ خطابیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ کے نزدیک اس سے مراد قبولیت حق کی استعداد اور صلاحیت اور قابلیت ہے۔ یعنی ہر انسان میں اللہ پاک نے ایک ایسی صلاحیت واستعداد رکھی ہے جس سے وہ حق کو قبول کرسکتا ہے اور قرآن پاک میں بھی اسی کو بیان کیا گیا ہے "اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى" اس آیت میں "ھدی" کو رأس المال بتایا گیا ہے حالانکہ انکے پاس "ھدی" (ہدایت) نہیں تھی البتہ ہدایت کو قبول کرنے کی استعداد تھی۔ اسی استعداد کی وجہ سے خیر وشر، حق و باطل میں وہ تمیز کرسکتا ہے لیکن بعض عوارض اور خارجی ماحول کی وجہ سے وہ اس فطرت کے خلاف چلتا ہے اور اسکی یہ استعداد دب جاتی ہے جیسے کان میں سننے کی صلاحیت ہے آنکھ میں دیکھنے کی لیکن انکی صلاحیت ختم ہوتی ہے تو عوارض کی وجہ سے۔ تو اسی طرح انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس میں اسلام کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے لیکن والدین کا ماحول جو مجوسی نصرانی وغیرہ ہوتے ہیں وہ اس پر اسکی استعداد کو ظاہر نہیں ہونے دیتے اگر یہ بچہ اپنے والدین کے ماحول سے الگ ہوجاتا تو یہ اپنی استعداد کی وجہ سے مسلمان ہوجاتا یہی راجح ہے، اسی وجہ سے بہت سے کفار کو اسلام کی دولت مل جاتی ہے۔

قول ثالث: "فطرۃ" سے مراد عقل سلیم ہے یعنی اگر ممانعت نہ ہو تو حق کی طرف راغب ہوجائے گا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دین کسبی اور اختیاری چیز ہے۔

قول رابع: فطرۃ سے مراد یہاں ہر نوع کی طبیعت خاصہ ہے جس کی وجہ سے ہر جاندار اپنے لئے "ما ینبغی" اختیار کرتا ہے اور

''مالا ینبغی'' سے اجتناب کرتا ہے جیسے شہد کی مکھی کو اللہ پاک نے ایک طبیعت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ ان اشیاء میں تمیز کر لیتی ہے جو شہد بننے کے قابل ہیں اور جو قابل نہیں۔ اسی طرح انسان کو بھی اللہ پاک نے طبیعت خاصہ عطا فرمائی ہے اگر موانع نہ ہوں تو یہ اس کے ذریعے دنیا و آخرت کے مفیدات و مضرات کی تمیز کر لیتا ہے۔

قول خامس: فطرت کا معنی عالم ارواح کے اندر جو اقرار ربوبیت تھا وہ ہے اگر اقرار طوعاً کیا تھا تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں آ کر اسلام کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر اقرار کرھاً کیا تھا تو پھر اسلام قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ انحراف کر جاتا ہے۔ ان تمام اقوال میں دوسرا قول راجح ہے اس دوسرے قول پر ایک سوال ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل کیا اسکے بارے میں آتا ہے ''طبع کافرا'' تو اس سے قبولیت حق کی استعداد کی نفی ہوتی ہے۔

جواب: اس حدیث میں ''طبع یوم طبع کافرًا'' سے مراد طبع بمعنی قدر ہے یعنی اس بچے کی پیدائش کے وقت ہی یہ مقدر ہو چکا تھا کہ یہ بچہ بڑا ہو کر کافر ہوگا لہٰذا اس سے قبولیت حق کی استعداد کی نفی نہیں ہوتی۔ اس کا معنی ہوگا ''لو عاش و بلغ لکان کافرا''۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الضُّرَيْسِ عَنْ أَبِي مَوْدُودٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أُسَيْدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ سَلْمَانَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ الضُّرَيْسِ وَأَبُو مَوْدُودٍ اثْنَانِ أَحَدُهُمَا يُقَالُ لَهُ فِضَّةُ وَالْآخَرُ عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ أَحَدُهُمَا بَصْرِيٌّ وَالْآخَرُ مَدِينِيٌّ وَكَانَا فِي عَصْرٍ وَاحِدٍ وَأَبُو مَوْدُودٍ الَّذِي رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ اسْمُهُ فِضَّةُ بَصْرِيٌّ

محمد بن حمید رازی و سعید بن یعقوب، یحیی بن الضریس، ابو مودود، سلیمان تیمی، ابو عثمان نہدی، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قضاء کو صرف دعا ہی بدل سکتی ہے اور عمر کو نیکی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بڑھا سکتی۔ اس باب میں ابو اسید سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف یحیی بن ضریس کی روایت سے جانتے ہیں اور ابو مودود دو ہیں ایک کو فضہ اور دوسرے کو عبدالعزیز بن سلیمان کہتے ہیں ان میں سے ایک بصری ہے اور دوسرے مدنی ہیں جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے وہ ابو مودود فضہ بصری ہیں۔

تشریح: لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ: قضا سے مراد امر مقدر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کے وقوع کے بارے میں بندہ خوف رکھتا ہے کہ شاید فلاں مصیبت آئے گی جب اس کو دعا کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدل دیتے ہیں گویا متوقع امر کو قضاء مجازی طور پر کہا گیا ہے جو داعی کے اعتقاد کے اعتبار سے قضاء ہے۔

یا مراد اس سے یہ ہے کہ دعا ایک ایسی اہم چیز ہے کہ جب کوئی شخص دائمی طور پر دعائے خیر کرتا رہے گا تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی قضاء بہتر ہوگی گویا اس کی دعا سبب ہوگی اس کے حق میں اچھے فیصلے کے لئے اس طرح گویا قضا شر سے قضا خیر کا سبب دعا ہوگئی ہے۔

وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمْرِ إِلَّا الْبِرُّ: یہ بات بھی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے کہ اگر فلاں شخص یہ نیک کام کرے گا تو اس کی عمر اتنی ہوگی اور اگر یہ نیک کام نہیں کرے تو عمر اتنی ہوگی۔ ایک مطلب یہ بھی ہے کہ نیک اعمال کرنے والے کی عمر ضائع نہیں ہوتی۔

زیادتی عمر سے مراد یہ ہے کہ قلیل مدت عمر میں ایسا نیک شخص بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے کہ دوسرے لوگ طویل عمر میں انجام دے پاتے ہیں۔

وَفِي الْبَاب: امام ترمذیؒ حسب عادت رواۃ کے درمیان امتیاز فرما رہے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ ابومودود دو شخص ہیں اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے۔ اول مودود جن کو فضہ کہا جاتا ہے یہ بصری ہیں خراسان میں رہے ہیں کنیت سے مشہور ہیں آٹھویں طبقہ کے راوی ہیں۔

اور دوسرے ابومودود اور ہیں جن کا نام بحر بن موسیٰ ہے یہ حسن بصری کے شاگرد اور ثوری وغیرہ کے استاذ ہیں دونوں ابومودود بصری، مدنی ثقہ شمار کئے جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبُعَيِ الرَّحْمٰنِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا قَالَ نَعَمْ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ وَفِي الْبَاب عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَنَسٍ وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أَنَسٍ أَصَحُّ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، ابوسفیان، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پڑھا کرتے تھے (يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ) اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم ایمان لائے آپ پر اور جو چیز آپ لائے اس پر بھی کیا آپ ہمارے بارے میں ڈرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں کیونکہ دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ اس باب میں نواس بن سمعان، ام سلمہ، عائشہ اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے اسی طرح کئی راوی اعمش سے وہ ابوسفیان سے اور وہ انسؓ سے نقل کرتے ہیں بعض راوی انسؓ کی جگہ جابرؓ سے بھی اسے نقل کرتے ہیں لیکن ابوسفیان کی انسؓ سے منقول حدیث زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اس میں انبیاء، اولیاء، مومنین، کفار سب داخل ہیں، سب کے دل اللہ پاک کے قبضۂ قدرت میں ہیں چونکہ تمام احکام شرعیہ کے مکلف صرف انسان ہیں اس لئے انسانوں کا ذکر ہوا ورنہ فرشتوں، جنوں وغیرہ کے دل بھی اللہ پاک کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ متشابہات کی دو قسمیں ہیں ① وہ جن کے لغوی معنی معلوم ہیں جیسے ید وغیرہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ید الله فوق ایدیهم" یہاں پر اللہ پاک کا قبضہ قدرت مراد ہے یعنی تمام بنی آدم کے دل اللہ پاک کے قبضۂ قدرت میں ہیں ② دوم وہ جن کے لغوی معنی بھی معلوم نہیں۔ جیسے "الم" سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں۔

قول اول: مجسمہ، مشبہ کا ہے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کیلئے بھی مخلوقات کی طرح ید و قدم ہیں۔

قول ثانی: اہل سنت والجماعت کا ہے کہ اللہ ان سے پاک ہے ان میں متقدمین حضرات، ید و قدم کو ثابت کرتے ہیں لیکن مخلوقات کی طرح نہیں بلکہ "کما یلیق بشانه" کہ جس طرح اللہ کی شان ہے۔ اور متاخرین حضرات جن میں امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں فرماتے ہیں اس طرح کے متشابہات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالی کی شان کے موافق ہو اور نصوص قطعیہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ید سے قدرت اور وجہ سے ذات مراد لی جائے۔

سوال: یہاں اصبعین سے کیا مراد ہے؟ **جواب:** اس میں دو قول ہیں: **قول اول:** دو قسم کی صفات مراد ہیں ① صفت جلالی ② صفت جمالی۔ جب جمال والی صفت متوجہ ہوتی ہے تو آدمی کا دل طاعات کی طرف پھر جاتا ہے جب جلال والی متوجہ ہوتی ہے تو پھر انسان کا دل معاصی کی طرف پھر جاتا ہے۔

قول ثانی: اصبعین سے دو اثر مراد ہیں ① اثر رحمت ② اثر غضب وقہر۔ اب معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالی کو ایک حالت (رحمت) سے دوسری حالت (غضب وقہر) کی جانب پلٹنے کی پوری قدرت حاصل ہے۔ یا یہ کنایہ ہے قبضہ قدرت سے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی میری مٹھی میں ہے۔ اسی طرح ساری کائنات اللہ کی مٹھی (قبضۂ قدرت) میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَهْلِ النَّارِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي قَبِيلٍ عَنْ شُفَيِّ بْنِ مَاتِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ فَقَالَ أَتَدْرُونَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ فَقُلْنَا لَا يَارَسُولَ اللهِ إِلَّا أَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ لِلَّذِي فِي يَدِهِ الْيُمْنَى هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ

قتیبہ بن سعید، لیث، ابوقبیل، شفی بن ماتع، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ آپ کے پاس دو کتابیں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کتابیں کیا ہیں ہم نے عرض کیا نہیں مگر یہ کہ آپ ہمیں بتائیں آپؐ نے دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں اہل جنت کے نام ہیں پھر ان کے آباء اجداد اور ان کے قبیلوں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں میزان

ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِي فِي شِمَالِهِ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فِيهِ أَسْمَاءُ أَهْلِ النَّارِ وَأَسْمَاءُ آبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ أُجْمِلَ عَلَى آخِرِهِمْ فَلَا يُزَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا فَقَالَ أَصْحَابُهُ فَفِيمَ الْعَمَلُ يَارَسُولَ اللهِ إِنْ كَانَ أَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ فَقَالَ سَدِّدُوا وَقَارِبُوا فَإِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّةِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ وَإِنَّ صَاحِبَ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَإِنْ عَمِلَ أَيَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ فَنَبَذَهُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ

ہے پھر ان میں نہ کمی ہوگی اور نہ زیادتی ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہل دوزخ ان کے آباء اجداد اور قبائل کے نام مذکور ہیں اور پھر آخر میں میزان کر دیا گیا ہے اس کے بعد ان میں کمی نہ ہوگی اور نہ زیادتی صحابہ کرامؓ نے عرض کیا تو پھر عمل کا کیا فائدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سیدھی راہ چلو، میانہ روی اختیار کرو کیونکہ جنتی کا خاتمہ جنت والوں ہی کے عمل پر ہوگا اگر چہ اس سے پہلے کیسے بھی عمل ہوں اور اہل دوزخ کا خاتمہ دوزخ والوں کے اعمال پر ہی ہوگا خواہ اس سے پہلے اس نے کسی طرح کے بھی عمل کئے ہوں پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور دونوں کتابوں کو پھینک دیا پھر فرمایا تمہارا رب بندوں سے فارغ ہو چکا ہے ایک فریق جنت میں اور دوسرا دوزخ میں ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرٍ عَنْ أَبِي قَبِيلٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَأَبُو قَبِيلٍ اسْمُهُ حُيَيُّ بْنُ هَانِئٍ

قتیبہ، بکر بن مضر، ابوقبیل، قتیبہ بھی بکر بن مضر سے وہ ابوقبیل سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ابوقبیل کا نام حیی بن ہانی ہے۔

أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهُ فَقِيلَ كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو عمل پر لگا دیتا ہے پوچھا گیا یا رسول اللہ کیسے عمل میں لگاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دے دیتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: قوله وَفِي يَدِهِ كِتَابَانِ: سوال: ان دو کتابوں سے کیا مراد ہے؟ کیا حقیقۃً دو کتابیں تھیں یا بطور تمثیل کے فرمایا۔

جواب اول: ① بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دو کتابیں حقیقۃً تھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو دیکھا لیکن ان کو مضمون کا علم نہ تھا اسی وجہ سے بعض محققین فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ عالم الغیب کی دو کتابیں تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اٹھانے کی قوت دی گئی تھی

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے کی۔ "ھذان الکتابان" سے اشارہ فرمانا قرینہ ہے اس بات کا کہ وہ کتابیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر آ رہی تھیں ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوچھتے کونسی کتابیں؟ لہٰذا حدیث کو ظاہر پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔ بلاضرورت تاویل خلاف اصل ہے۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ یہ دو کتابیں حقیقۃً نہ تھیں بلکہ تمثیل کے طور پر ذکر فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وہ معاملات جو جنتیوں و جہنمیوں کے تھے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تمثیل کے ہاتھ سے سمجھایا۔ جیسا کہ بعض اوقات متکلم ایک خفی اور دقیق چیز کو محسوس مثال سے سمجھاتا ہے۔

ثُمَّ أُجْمِلَ عَلٰی آخِرِهِمْ: "أُجْمِلَ" اجمال سے ہے یعنی مجموعی میزان، جمع بندی کر دینا۔

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا: "سَدِّدوا" کا معنی ہے عمل ٹھیک کرتے رہو "قاربوا" کا معنی ہے عمل کے توسط سے اللہ کا قرب حاصل کرتے رہو۔ یا سدّدوا کا معنی ہے کہ راہ حق کے مطابق سیدھے چلتے رہو "وقاربوا" اور اللہ کا تقرب حاصل کرو یعنی اللہ کے حکم پر پورا عمل نہ کر سکو تو اس کے قریب قریب کر لو یعنی اپنے اصل مقصد میں لگے رہو جبریہ یا قدریہ کی طرح بحث میں مت پڑو۔ نیز "قال" کا لفظ جیسے بولنے کیلئے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی دوسرے افعال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "قال بیدہٖ" ہاتھ سے اشارہ کیا۔

فَنَبَذَهُمَا: سوال: اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پھینکنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کیخلاف ہے۔

جواب: یہ پھینکنا دو طرح کا ہوتا ہے (۱) توہین کے طور پر (۲) اللہ کے سپرد کر دینا۔ یہاں پر دوسری قسم مراد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

الحاصل جنت و جہنم کی تقدیر برحق ہے لیکن اس میں کچھ نہ کچھ عمل کا بھی دخل ہے۔ اسلئے تقدیر کا سہارا لیکر عمل کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا عَدْوٰی وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ حَدَّثَنَا أَبُوْ زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ قَالَ حَدَّثَنَا صَاحِبٌ لَنَا عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا يُعْدِي شَيْءٌ شَيْئًا فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْبَعِيرُ أَجْرَبُ الْحَشَفَةِ يُدْنِيهِ فَيُجْرِبُ الْإِبِلَ كُلَّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَجْرَبَ الْأَوَّلَ لَا عَدْوٰی وَلَا صَفَرَ خَلَقَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ وَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَرِزْقَهَا وَمَصَائِبَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، عمارۃ بن قعقاع، ابوزرعۃ بن عمرو بن جریر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک اونٹ جسے کھجلی ہوتی ہے جب دوسرے اونٹوں کے درمیان آتا ہے تو سب کو کھجلی والا کر دیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر پہلے اونٹ کو کس کی کھجلی لگی ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی اور نہ ہی صفر کا اعتقاد صحیح ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا کیا اور اس کی زندگی رزق اور مصیبتیں بھی لکھ دیں۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن

هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ قَالَ و سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ صَفْوَانَ الثَّقَفِيَّ الْبَصْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الْمَدِينِيِّ يَقُولُ لَوْ حُلِّفْتُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ لَحَلَفْتُ أَنِّي لَمْ أَرَ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ

عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں میں نے محمد بن عمرو بن صفوان ثقفی بصری کو کہتے ہوئے سنا کہ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ اگر مجھے مقام ابراہیم اور رکن کے درمیان قسم دلائی جائے تو میں قسم اٹھا کر کہوں گا کہ میں نے عبدالرحمن بن مہدی سے زیادہ علم والا کوئی نہیں دیکھا۔

تشریح: لَا يُعْدِي شَيْئٌ شَيْئًا: اعداء سے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کا مرض وغیرہ دوسرے کو لگ جانا۔

لَا عَدْوٰی: امام تورپشتیؒ اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں "مجاوزة العلة من صاحبها الی غیره" کہ عدوی کہا جاتا ہے کہ ایک کا مرض دوسرے میں سرایت کر جانے کو، جس کو چھوت چھات کی بیماری کہتے ہیں ایام جاہلیت میں یہ اعتقاد تھا کہ جب کوئی مریض کسی تندرست آدمی کے پاس بیٹھے یا کھائے تو وہ مرض اس تندرست کی طرف سرایت کر جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بھی بیمار ہو جاتا ہے موجودہ دور کے اطباء کے گمان کے مطابق سات قسم کے امراض ایسے ہیں جو ایک دوسرے میں سرایت کر جاتے ہیں۔ ① جذام ② خارش ③ چیچک ④ آبلے جو بدن پر پڑ جاتے ہیں ⑤ بخر ⑥ رمد ⑦ وبائی امراض۔ آپ ﷺ نے اس اعتقاد کو رد کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ مرض کے ایک سے دوسرے میں سرایت کرنے کی کوئی حقیقت نہیں۔

سوال: ایک حدیث میں ہے "فرّ من المجذوم" کہ جذامی سے بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لا یوردهن ذو عاهة علی فصح و غیرها"۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرض سرایت کرتے ہیں ورنہ رسول کریم ﷺ نہ بھاگنے اور بیمار آدمی کو صحیح آدمی کے پاس جانے کا حکم دیتے ان روایات میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے۔

جوابات: ① "لا عدوی" میں اعتقاد جاہلی کو باطل کہا جو اس کو مؤثر حقیقی سمجھتے تھے اور "فرمن المجذوم" والی احادیث سے یہ بیان کیا گیا کہ اس میں احتیاط کی جائے کیونکہ بے احتیاطی سے مرض اللہ کے حکم سے سرایت کر سکتا ہے ② حافظ ابن حجرؒ نے جواب دیا کہ لوگوں کو برے عقیدے سے بچانے کے لئے احتیاط کا حکم دیا گیا کیونکہ مرض کا آنا تو خدا کی طرف سے ہے لیکن لوگ سمجھیں گے کہ وہاں جانے سے اس کی طرف مرض نے سرایت کی اس لئے ممانعت فرمائی۔

واقعہ: حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُلو سے پوچھا کہ تو جب کسی ویران جگہ میں بیٹھتا ہے تو کیا کہتا ہے اس نے کہا کہ میں یہ کہتا ہوں "وہ لوگ کیا ہوئے جو اس جگہ مزے سے رہتے تھے"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ جب تو آبادی سے گزرتا ہے تو کیا کہتا ہے الو نے کہا کہ اس وقت یہ کہتا ہوں "ہلاکت ہو بنی آدم پر ان کو نیند کیسے آ جاتی ہے حالانکہ مصائب کے طوفان ان کے سامنے ہیں" پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تو دن میں کیوں نہیں نکلتا اس نے کہا کہ انسانوں کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی وجہ سے میں دن کو نہیں نکلتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تو بتا کہ برابر بولتا رہتا ہے اس میں تمہارا کیا پیغام ہے" الو نے کہا کہ میرا پیغام یہ ہوتا ہے اے غافل لوگو! زادِ راہ اور اپنے سفر آخرت کے لئے تیار ہو جاؤ نور پیدا کرنے والی ذات پاک ہے اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ پرندوں میں اُلو سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد پرندہ کوئی نہیں ہے اور جاہلوں کے ہاں الو سے زیادہ کوئی پرندہ برا نہیں ہے۔

قوله وَلَا صَفَرَ: اس کے مطلب میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں: ① اہل عرب کہا کرتے تھے کہ آدمی کے پیٹ میں ایک سانپ ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے اور کبھی انسان کے بدن میں درد پیدا کر کے ہلاک بھی کر دیتا ہے ② زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ماہ صفر مصائب کے نزول کا زمانہ ہے اس لئے یہ منحوس مہینہ ہے اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے تھے ③ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قتل وقتال کے لئے مہینوں کو بدل دیتے تھے محرم کو صفر کہتے تھے اور صفر کو محرم۔ آپ ﷺ نے اس کو باطل قرار دیدیا۔ ان چیزوں کی تردید "ولا صفر" سے کر دی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

حَدَّثَنَا أَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُبَادَةَ وَجَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَيْمُونٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَيْمُونٍ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ

ابوالخطاب زیاد بن یحیی البصری، عبداللہ بن میمون، جعفر بن محمد، ان کے والد، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لائے یہاں تک کہ وہ جان لے کہ جو چیز اسے ملنے والی تھی وہ اسے ہی ملی کسی اور کے پاس نہیں جا سکتی تھی اور جو چیز اسے نہیں ملی وہ کسی صورت اسے نہیں مل سکتی۔ اس باب میں حضرت عبادہ، جابر اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حضرت جابرؓ کی حدیث سے غریب ہے ہم اسے صرف عبداللہ بن میمون کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور عبداللہ بن میمون منکر الحدیث تھا۔

تشریح: روایت کا حاصل یہ ہے کہ تمام امور خواہ وہ خیر میں سے ہوں یا شر میں سے وہ سب من جانب اللہ ہوتے ہیں، ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ جو کچھ نعمت یا مصیبت بندے کو پہنچتی ہے وہ اس کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی اس کے تحت وہ پہنچی ہے وہ ملنے والی نہ تھی اور اگر کوئی چیز اس کو حاصل نہیں ہوتی تو وہ اس کو پہنچنے والی نہ تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "قل لن يصيبنا الا ما كتب الله لنا" لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ توکل اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی طاقت کا قائل نہ ہو۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ بَعَثَنِي

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، منصور، ربعی بن خراش، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے۔ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں

بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ

اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے، موت پر ایمان لائے، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور تقدیر پر ایمان لائے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ شُعْبَةَ نَحْوَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ رِبْعِيٌّ عَنْ رَجُلٍ عَنْ عَلِيٍّ حَدِيثُ أَبِي دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ النَّضْرِ وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا الْجَارُودُ قَالَ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ بَلَغَنِي أَنَّ رِبْعِيَّ بْنَ خِرَاشٍ لَمْ يَكْذِبْ فِي الْإِسْلَامِ كَذِبَةً

محمود بن غیلان، نضر بن شمیل، شعبہ نضر بن شمیل سے اور وہ شعبہ سے اسی کے مانند نقل کرتے ہیں لیکن ربعی ایک شخص سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں ابوداؤد کی شعبہ سے منقول حدیث میرے نزدیک نضر کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کئی راویوں نے بھی منصور سے انہوں نے ربعی سے اور انہوں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے جارود بیان کرتے ہیں کہ وکیع کہتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے ربعی بن خراش نے اسلام میں ایک مرتبہ بھی جھوٹ نہیں بولا۔

تشریح: لَا يُؤْمِنُ: میں کمال کی نفی مراد نہیں بلکہ نفس ایمان کی نفی مراد ہے۔

وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ: اسکے دو مطلب ہیں ① دنیا کے فناء ہونے کا یقین رکھنا ② موت کا آنا برحق ہے۔

سوال: شہادتین کو ''یشھد'' سے تعبیر کیا اور باقی دو امروں کو ''یؤمن'' سے تعبیر کیا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: شہادتین میں عقیدہ ایمان کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے اس لئے اس کو ''یشھد'' سے تعبیر کیا۔ اور باقی دو امروں میں ایمان ضروری ہے زبان سے اقرار ضروری نہیں۔ اس لئے ''یؤمن'' سے تعبیر کیا۔

وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ: شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کہلانے کیلئے صرف شہادتین کافی نہیں بلکہ تقدیر پر بھی ایمان ضروری ہے لہٰذا صرف شہادتین کہنے سے مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقدیر پر ایمان نہ رکھے، الحاصل تقدیر پر ایمان نہ لانے سے مؤمن ہی نہ ہوگا۔

إِلَّا أَنَّهُ قَالَ رِبْعِيٌّ: اس روایت کا دوسرا طریق بھی ہے جو نضر بن شمیل کا ہے مگر انہوں نے ربعی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان رجل کا اضافہ کیا ہے جو ابوداود کے طریق میں نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابوداود کے طریق میں رجل کا واسطہ نہیں اس لئے وہ اصح ہے کیونکہ منصور کے دوسرے شاگردوں نے بغیر زیادتی کے نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّفْسَ تَمُوتُ حَيْثُ مَا كُتِبَ لَهَا

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً

بندار، مؤمل، سفیان، ابواسحاق، حضرت مطر بن عکامس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے بندے کی کسی جگہ موت لکھی ہوتی ہے تو وہاں اس کیلئے کوئی ضرورت پیدا

وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي عَزَّةَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَلَا نَعْرِفُ لِمَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ

کر دیتا ہے۔ اس باب میں ابوعزہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن غریب ہے مطر بن عکامس کی اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث کا ہمیں علم نہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ وَأَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَهُ

ہم سے محمود بن غیلان نے اور ان سے مؤمل اور ابوداؤد حفری نے سفیان کی روایت اسی کے مثل بیان کی۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِي عَزَّةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ أَنْ يَمُوتَ بِأَرْضٍ جَعَلَ لَهُ إِلَيْهَا حَاجَةً أَوْ قَالَ بِهَا حَاجَةً هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَزَّةَ لَهُ صُحْبَةٌ وَاسْمُهُ يَسَارُ بْنُ عَبْدٍ وَأَبُو الْمَلِيحِ بْنُ أُسَامَةَ اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ أُسَامَةَ بْنِ عُمَيْرٍ الْهُذَلِيُّ

احمد بن منیع وعلی بن حجر، اسماعیل بن ابراہیم، ایوب، ابوالملیح، ابوعزہ، احمد بن منیع اور علی بن حجر بھی یہ حدیث نقل کرتے ہیں اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسماعیل بن ابراہیم ایوب سے وہ ابوالملیح سے اور وہ ابوعزہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لئے کسی مقام کو جائے موت قرار دیتا ہے تو اس طرف اس کے لئے کوئی حاجت پیدا کر دیتا ہے "إِلَيْهَا حَاجَةً" کے الفاظ ہیں یا "بِهَا حَاجَةً" کے۔ یہ حدیث صحیح ہے ابوعزہ صحابی ہیں ان کا نام یسار بن عبد ہے اور ابوالملیح عامر بن اسامہ بن عمیر ہذلی ہیں۔

تشریح: یعنی جہاں مرنا ہوتا ہے وہاں تک پہنچنے کے اسباب بھی اللہ پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوم کے ایک بندے کا قصہ مشہور ہے کہ اس بندے کا دور کسی جزیرہ میں موت کا وقت آ گیا اب وہ بندہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تھا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے آئے تو اس بندے کو سلیمان علیہ السلام کے پاس دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ اس کی روح فلاں وقت میں فلاں جگہ قبض کرنی ہے، وقت میں کچھ دیر باقی ہے۔ اب یہ بندہ وہاں کس طرح پہنچتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اس کو گھور گھور کر دیکھا جس کی وجہ سے وہ بندہ ڈر گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا کہ مجھے فلاں جزیرے میں پہنچائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو اُس جزیرہ میں پہنچایا تو اس کو وہیں موت آ گئی پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پوچھنے پر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے سارا قصہ بیان کر دیا کہ اس کا وقت فلاں جگہ پورا ہونا تھا اور وہ جگہ بہت دور تھی بہر حال اس کے وہاں جانے کا یہ سبب بنا کہ اس نے خود ہی آپ سے وہاں جانے کا کہا یہ وہاں پہنچا تو میں نے اس کی روح قبض کر لی۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَرُدُّ الرُّقَى وَالدَّوَاءَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَيْئًا

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ

سعید بن عبدالرحمن مخزومی، سفیان، زہری، حضرت ابوخزامہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ

ابْنِ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ رُقًى نَسْتَرْقِيهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوَى بِهِ وَتُقَاةً نَتَّقِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللهِ شَيْئًا قَالَ هِيَ مِنْ قَدَرِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ وَهٰذَا أَصَحُّ هٰكَذَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ

علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ رقیہ جن سے ہم دم کرتے ہیں اور یہ دوائیں جن سے ہم علاج کرتے ہیں اور یہ بچاؤ کی چیزیں جن سے ہم ضرب سے بچتے ہیں کیا یہ اللہ کی تقدیر کو ٹال سکتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تقدیر الٰہی میں سے ہے یہ حدیث ہم صرف زہری کی روایت سے جانتے ہیں کئی راوی اسے سفیان وہ زہری وہ ابوخزامہ اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں یہ زیادہ صحیح ہے اسی طرح کئی راوی زہری سے وہ ابوخزامہ سے اور وہ اپنے والد سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ماقبل ابواب الطب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس کی سند میں سفیان سے زیادہ تر لوگوں نے عَنْ أَبِي خِزَامَةَ عَنْ أَبِيهِ کو نقل کیا ہے نہ کہ ”عن ابن ابی خزامۃ“ کہہ کر سوائے سعید بن عبدالرحمن کے صرف انہوں نے ابن کا اضافہ کیا ہے۔ لہٰذا بغیر ابن والی روایت اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَدَرِيَّةِ

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ حَبِيبٍ وَعَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ عَنْ نِزَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي لَيْسَ لَهُمَا فِي الْإِسْلَامِ نَصِيبٌ الْمُرْجِئَةُ وَالْقَدَرِيَّةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عُمَرَ وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

واصل بن عبدالاعلی، محمد بن فضیل بن قاسم بن حبیب وعلی بن نزار، نزار، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ایک فرقہ مرجیہ اور دوسرا فرقہ قدریہ۔ اس باب میں حضرت عمر، ابن عمر اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا سَلَّامُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نِزَارٍ عَنْ نِزَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ

محمد بن رافع، محمد بن بشر، سلام بن ابوعمرۃ، عکرمہ، محمد بن رافع محمد بن بشر سے وہ سلام بن ابوعمرہ سے وہ عکرمہ سے وہ ابن عباس سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں پھر محمد بن بشر بھی علی وہ نزار وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔

تشریح: **الْمُرْجِئَةُ**: یہ ارجاء بمعنی تاخیر سے مشتق ہے اس سے مراد جبریہ ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے اور ایمان کے ساتھ کوئی گناہ مضر نہیں جس طرح کفر کے ساتھ کوئی نیکی معتبر نہیں۔ مرجئہ اور جبریہ میں مناسبت یہ ہے کہ انسان کے بارے میں مجبور محض کا قول کر کے انہوں نے بھی اپنے آپ کو مؤخر کر دیا یعنی اپنے مقام سے اپنے آپ کو گرا دیا ہے۔

وَالْقَدَرِيَّةُ: اس سے مراد منکرین تقدیر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور مزید یہ کہتے ہیں کہ افعال خیر کا خالق اللہ ہے اور شر کا خالق نفس امارہ ہے۔

سوال: ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی جائیگی یا نہیں؟ **جواب:** بعض حضرات نے ان دونوں فرقوں کی تکفیر کی ہے اور انکی دلیل یہی حدیث ہے "لیس لهما فی الاسلام نصیبٌ" بعض حضرات جن میں جمہور علماء سلف ہیں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں تاویل کی وجہ سے کافر نہیں بلکہ فاسق ہیں۔

حدیث الباب کے جوابات: ① نصیب میں نصیب کامل کی نفی مراد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "لیس لبخیل من ماله نصیبٌ" ② یہ حدیث زجر و تغلیظ پر محمول ہے ③ یہاں کفر سے کفر تاویلی مراد ہے نہ کہ ارتدادی ④ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیا جا سکتا۔

فرقوں کی ابتداء: **سوال:** ان دونوں فرقوں کی ابتداء کب سے ہوئی؟

جواب: انکے ظہور کی ابتداء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانہ میں ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ خانہ کعبہ کو آگ لگ گئی ایک شخص کے منہ سے نکل گیا کہ یہ قضاء وقدر کا نتیجہ ہے ایسے ہی تقدیر میں تھا اس شخص کا نام سوسن تھا اس نے تقدیر کا انکار کیا اسی طرح سیبویہ نامی شخص انکا قائد تھا ان دونوں کی تردید عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ نے کی۔

وَفِي الْبَابِ: اس باب کے اندر امام ترمذیؒ نے تین سندیں پیش کی ہیں۔

اول: علی بن نزار اسدی کوفی اپنے والد نزار بن حیان اسدی سے روایت کرتا ہے اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔

ثانی: اس میں محمد بن بشر، سلام بن ابی عمرہ سے روایت کرتا ہے، یہ سلام ابو علی خراسانی ہے اور یہ بھی ضعیف راوی ہے ترمذی میں اس کی یہی ایک حدیث ہے تہذیب التہذیب میں ہے کہ وہ ثقہ رواۃ سے الٹ پلٹ روایتیں کرتا ہے۔ اس لئے اس کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں۔

ثالث: اس میں محمد بن بشر علی نزار سے روایت کرتا ہے اور وہ عکرمہ سے، اس سند میں علی کے باپ نزار بن حیان کا واسطہ نہیں مگر علی خود ضعیف راوی ہے چونکہ اس حدیث کی تمام سندیں ٹھیک نہیں لہٰذا اس حدیث کی بنیاد پر ان فرقوں کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ مُحَمَّدُ بْنُ فِرَاسٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو

ابو ہریرہ، محمد بن فراس بصری، ابو قتیبہ وسلم بن قتیبہ، ابو العوام، قتادہ، مطرف بن عبداللہ بن شخیر، حضرت عبداللہ بن شخیر رضی

الْعَوَّامِ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُثِّلَ ابْنُ آدَمَ وَإِلَى جَنْبِهِ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ مَنِيَّةً إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتَّى يَمُوتَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو الْعَوَّامِ هُوَ عِمْرَانُ الْقَطَّانُ

اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنو آدم کی تصویر اس نقشے پر تیار کی گئی ہے کہ اس کے دونوں جانب ننانوے اسبابِ موت ہیں اگر وہ زندگی بھر ان تمام اسباب موت سے محفوظ بھی رہے تو بڑھاپے میں گرفتار ہو جاتا ہے پھر اسی میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ابوالعوام سے مراد عمران القطان ہیں۔

تشریح: مُثِّلَ ابْنُ آدَمَ: اس کا معنی ہے کسی چیز کی اس طرح وضاحت کرنا جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے یہاں مراد انسان کا نفس الامر میں پیدا کیا جانا ہے۔

مَنِيَّةً: میم کے فتحہ کے ساتھ بلیۃ مھلکۃ یعنی سبب موت۔ ''المنایا'' جمع ہے ''منیۃ'' کی۔ الھرم بڑھاپا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کے ساتھ اس کو فنا کرنے والی اشیاء پیدا کی ہیں اگر وہ ساری فوت ہو جائیں یعنی چوک جائیں اور اس کو وہ پیش نہ آئیں تو بالآخر بڑھاپا تو آئے گا اس کے بعد وہ ختم ہو جائے گا۔ بہرحال انسان کی خلقت ایسی ہی ہے کہ وہ مصائب و امراض سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ صاحب محکم فرماتے ہیں کہ انسان جب تک دنیا میں مصائب کا شکار رہتا ہے اگر وہ مصائب سے بچ بھی جائے تو آخر میں بڑھاپا لاحق ہو جاتا ہے جس کا کوئی علاج نہیں لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتا رہے اور اس کی قدر و قضاء پر راضی رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرِّضَاءِ بِالْقَضَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ وَيُقَالُ لَهُ أَيْضًا حَمَّادُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ وَهُوَ أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْمَدِينِيُّ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ

محمد بن بشار، ابو عامر، محمد بن ابی حمید، اسماعیل بن محمد بن سعد، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بنو آدم کی سعادت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی رہے اور اس کی بدبختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب نہ کرے اور اس کی قضاء پر ناراضگی کا اظہار کرے۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف محمد بن ابی حمید کی روایت سے جانتے ہیں محمد بن ابی حمید کو حماد بن ابی حمید بھی کہتے ہیں یہ ابو ابراہیم مدنی ہیں اور محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

تشریح: حاصل کلام کا یہ ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے دل وزبان سے شکوہ وشکایت نہ کرے اگر نفع حاصل ہو تو شکر ادا کرے اور ضرر پہنچے تو صبر کرے جزع فزع واویلا نہ کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ یہ سب کچھ میرے مقدر میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عبادات ودعاؤں میں وقت گزارے۔ ورنہ طرح طرح کے فاسد خیالات اسے ایمان سے دور کر دیں گے جو کہ اس کے لئے نقصان دہ ہے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی محمد بن ابی حمید ہے جس کو حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور وہی ابوابراہیم مدینی بھی ہے یہ راوی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ أَخْبَرَنِي أَبُو صَخْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ فُلَانًا يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ فَإِنْ كَانَ قَدْ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَكُونُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوْ فِي أُمَّتِي الشَّكُّ مِنْهُ خَسْفٌ أَوْ مَسْخٌ أَوْ قَذْفٌ فِي أَهْلِ الْقَدَرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَأَبُو صَخْرٍ اسْمُهُ حُمَيْدُ بْنُ زِيَادٍ

محمد بن بشار، ابوعاصم، حیوۃ بن شریح، ابوصخر، حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ فلاں آپ کو سلام کہتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ اس نے نیا عقیدہ نکالا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اسے میرا اسلام نہ کہنا اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں یا فرمایا میری امت میں زمین میں دھنسا دینا، چہروں کا مسخ کر دینا یا پتھروں کا برسنا ہوگا اور یہ سب اہل قدر میں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ابوصخر کا نام حمید بن زیاد ہے۔

تشریح: خَسْفٌ أَوْ مَسْخٌ: "خسف" کے معنی لغت میں، دھنس جانے کے آتے ہیں جیسے قارون اور اس کا مال دھنس گیا تھا اور مسخ کے معنی شکلوں کا تبدیل ہونا جیسے حضرت داؤد وعیسیٰ علیہما السلام کی قوم کی شکلیں تبدیل ہوگئی تھیں اور ایک صورت یہ ہے کہ بدن وہی ہو لیکن چہرہ بدل جائے بعض علماء نے "خسف" سے چہروں کا سیاہ ہونا اور مسخ سے دلوں کا سیاہ ہونا مراد لیا ہے۔

روایات میں تعارض: دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت پر دوسری امتوں کی طرح خسف ومسخ نہیں ہوگا جبکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خسف ومسخ ہوگا۔ اسی طرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث شریف ہے: جو شخص رکوع یا سجود میں امام سے سبقت کرے اس کی شکل گدھے جیسی ہو جائے گی۔ تو ان روایات میں تعارض ہے۔

جوابات: ① معنی کے اعتبار سے جملہ شرطیہ ہے کہ اگر میری امت میں خسف ومسخ ہوتا تو اس میں منکرین قدر شامل ہوتے ② علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ خسف ومسخ کی دو صورتیں ہیں (۱) ظاہری (۲) معنوی۔ ظاہری خسف ومسخ تو رسول کریم ﷺ کی دعا کی برکت سے ختم ہوگیا۔ معنوی خسف ومسخ جو باعتبار قلوب کے ہوتا ہے وہ باقی ہے ③ خسف ومسخ دو قسم کا ہے ایک عام ہے دوسرا خاص ہے پہلی

امتوں میں خسف و مسخ عام ہوتا تھا اور اگر اس امت میں خسف و مسخ ہو تو ان خاص لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کے منکر ہیں ④ اس سے مراد یہ ہے کہ پہلی امتوں کی طرح اجتماعی طور پر میری امت میں خسف مسخ نہیں ہوگا ⑤ حدیث میں جس خسف و مسخ کا ذکر ہے یہ دنیا میں نہیں ہوگا بلکہ آخرت میں ہوگا کہ انکے چہرے سیاہ ہونگے جیسا کہ اہل بدعت کے چہرے "لقوله تعالیٰ اسودت وجوههم" اور اسی طرح خسف سے انکا پل صراط سے گر کر جہنم میں جانا مراد ہے۔ یا برے ٹھکانے میں داخل ہونا مراد ہے۔ (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۷۹)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ قَدِمْتُ مَكَّةَ فَلَقِيتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّ أَهْلَ الْبَصْرَةِ يَقُولُونَ فِي الْقَدَرِ قَالَ يَا بُنَيَّ أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاقْرَأِ الزُّخْرُفَ قَالَ فَقَرَأْتُ حم وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ فَقَالَ أَتَدْرِي مَا أُمُّ الْكِتَابِ قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهُ كِتَابٌ كَتَبَهُ اللَّهُ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَقَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ الْأَرْضَ فِيهِ إِنَّ فِرْعَوْنَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَفِيهِ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ قَالَ عَطَاءٌ فَلَقِيتُ الْوَلِيدَ بْنَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ مَا كَانَتْ وَصِيَّةُ أَبِيكَ عِنْدَ الْمَوْتِ قَالَ دَعَانِي أَبِي فَقَالَ لِي يَا بُنَيَّ اتَّقِ اللَّهَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَتَّقِيَ اللَّهَ حَتَّى تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ فَإِنْ مُتَّ عَلَى غَيْرِ هَذَا دَخَلْتَ النَّارَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمُ فَقَالَ اكْتُبْ فَقَالَ مَا أَكْتُبُ قَالَ اكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ

یحییٰ بن موسیٰ، ابوداؤد طیالسی، عبدالواحد بن سلیم کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آیا تو میری ملاقات عطاء بن ابی رباح سے ہوئی میں نے کہا اے ابومحمد اہل بصرہ تقدیر کے متعلق کچھ چیزوں پر اعتراض کرتے ہیں فرمایا بیٹے تم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا ہاں فرمایا تم سورۃ زخرف پڑھو کہتے ہیں میں نے پڑھنا شروع کیا (ترجمہ: قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ ہم نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا۔ تاکہ تم لوگ سمجھ سکو اور یہ قرآن ہمارے پاس لوح محفوظ میں اس سے برتر اور مستحکم ہے) عطاء بن ابی رباح نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ ام الکتاب کیا ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کرنے سے پہلے لکھا اس میں تحریر ہے کہ فرعون دوزخی ہے اور ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود ٹوٹ گیا عطاء کہتے ہیں کہ پھر میں نے صحابی رسول عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ولید سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا آپ کے والد نے موت کے وقت کیا وصیت کی تھی فرمایا میرے والد نے مجھے بلایا اور فرمایا بیٹے اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ تم اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اچھی اور بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ اور اگر تم اس کے علاوہ کسی اور عقیدے پر مرو گے تو جہنم میں جاؤ گے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ لکھو اس نے عرض کیا کیا لکھوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تقدیر جو گزر چکی اور جو ہمیشہ ہمیشہ ہونے والی ہے قیامت تک۔ ی حدیث غریب ہے۔

تشریح: روایات میں تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اول پیدا ہونے والی چیز قلم ہے جبکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل پیدا ہونے والی عقل ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ اول پیدا ہونے والی چیز نور محمدی ہے اسی طرح ایک حدیث میں ہے سب سے پہلے پیدا ہونے والی چیز عرش ہے۔ ان احادیث میں تعارض واقع ہو رہا ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی پھر پانی پھر عرش پھر قلم پھر دوات پھر باقی کائنات پیدا کی تو نور محمدی میں اولیت حقیقیہ اور باقی چیزوں میں اولیت اضافیہ مراد ہے اور نور محمدی سے مراد روح محمدی ہے کیونکہ روح ایک نورانی چیز ہے اس لئے اس کو نور سے تعبیر کیا چنانچہ ایک روایت میں ''اول ما خلق اللہ نوری'' اور دوسری روایت میں ''اول ما خلق اللہ روحی'' ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ: ''اوّل ما خلق اللہ'' منصوب ہے اور ''اِنَّ'' کا اسم ہے اور ''القلم'' مرفوع ''اِنَّ'' کی خبر ہے۔

اُكْتُبِ الْقَدَرَ مَا كَانَ: سوال: قلم سے پہلے تو کچھ نہیں تھا پھر ''کتب ما کان'' کا کیا مطلب ہے؟

جوابات: ① یہ ان اشیاء کے اعتبار سے ہے جو اس وقت موجود تھیں جیسے عرش، ہوا، پانی، کرسی وغیرہ ② آپ ﷺ کے زمانہ کے اعتبار سے ''ما کان'' مراد ہے۔

سوال: قلم تو ذی شعور چیز نہیں پھر اس کو لکھنے کا حکم کس طرح دیا۔ **جواب:** اللہ جس کو شعور دینا چاہے تو دے سکتا ہے فلا اشکال۔

أَوَّلَ مَا خَلَقَ کے بارے میں علماء کے تفصیلی اقوال:

اول: أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمُ ہے عند حر یہ طبری۔ **ثانی:** أَوَّلَ مَا خَلَقَ عرش ہے عند ابو العلاء ہمدانی۔

ثالث: أَوَّلَ مَا خَلَقَ ہے ماء ہے عند ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ **رابع:** أَوَّلَ مَا خَلَقَ نور وظلمت ہے عند البعض۔

خامس: أَوَّلَ مَا خَلَقَ نور محمدی ہے ''کما فی مصنف عبد الرزاق عن جابر اول ما خلق اللہ نوری''۔

سادس: أَوَّلَ مَا خَلَقَ عقل ہے یؤیدہ بعض الروایات وان کانت ضعیفۃ۔

سابع: أَوَّلَ مَا خَلَقَ سے مراد روح ہے کمافی اکثر الروایات۔

بہر حال ان تمام اقوال میں ''اول ما خلق القلم'' اولیت پر محمول ہے۔

اَلْقَلَمُ: (۱) علامہ زرقاویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے حقیقی قلم مراد ہے اور وہ پانچ سو سال کی مسافت کے برابر لمبا ہے اور اتنی ہی چوڑائی ہے لیکن چوڑائی والی روایات ضعیف ہیں

(۲) ایک روایت میں ہے کہ یہ موتی کا قلم ہے اور سات سو سال مسافت کی بقدر لمبا ہے۔

(۳) بعض روایات میں ہے کہ یہ نور سے بنایا گیا ہے۔

(۴) بعض حضرات نے کہا کہ قلم سے مراد فرشتہ ہے۔

(۵) علامہ ابن القیمؒ نے قلم کی بارہ قسمیں شمار کرائی ہیں فرمایا ان میں سب سے افضل قلم تقدیر ہے۔

ما کان: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خلق قلم سے پہلے کی مخلوقات یا امر کتابت سے پہلے کی مخلوقات ہیں۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُنْذِرِ الصَّنْعَانِيُّ ابراہیم بن عبد اللہ بن منذر صنعانی، عبد اللہ بن یزید

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ حَدَّثَنِي أَبُو هَانِئٍ الْخَوْلَانِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَدَّرَ اللهُ الْمَقَادِيرَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِينَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

مقری، حیوۃ بن شریح، ابو ہانی خولانی، ابوعبدالرحمن حبلی، حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تقدیریں آسمان و زمین پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: **قَدَّرَ اللهُ:** اس سے کوئی تحدید مقصود نہیں بلکہ کسی خاص دیوان میں کتابت مراد ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ دیوان خاص زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے ہو نفس تقدیر ازل سے۔

بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ: **سوال:** جب زمین وآسمان نہیں پیدا ہوئے تھے تو سالوں کا اندازہ کیسے ہوا سالوں کا اندازہ تو سورج کی گردش سے ہوتا ہے **جوابات:** ① یہاں اس سے طویل مدت مراد ہے بعض نے اسکے معنی سوصدیاں کی ہیں ② ممکن ہے یہ اندازہ عرش کی حرکت سے لگایا گیا ہو ③ یہ عدد تخمینی ہے۔

آیات میں تعارض: زمین وآسمان کی تخلیق میں آیات مختلف ہیں۔ سورۂ بقرہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین پہلے بنائی گئی اور آسمان بعد میں ملاحظہ ہو "هو الذي خلق لكم ما في الارض جميعا ثم استوى الى السماء فسوٰهن۔ الاية" اور سورۂ نازعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پہلے بنایا گیا اور زمین بعد میں۔ دیکھئے "ء انتم اشد خلقا ام السماء بناها رفع سمكها فسوٰها واغطش ليلها واخرج ضحٰها والارض بعد ذلك دحٰها" اس کے مفسرین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول: علامہ آلوسیؒ نے جواب دیا کہ زمین کی تخلیق مقدم ہے اور سورۂ نازعات کی آیت کا جواب دیا کہ یہ بعدیت باعتبار وجود اور زمان کے نہیں بلکہ یہ باعتبار ذکر کے ہے۔

جواب ثانی: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا جواب یہ دیا جس کا حاصل علامہ خفاجیؒ نے بیان کیا کہ سورۂ نازعات میں "والارض بعد ذلك دحٰها" سے مراد زمین کا بچھانا نہیں بلکہ زمین کے اندر جو چیزیں پیدا کیں وہ مراد ہیں تو "بعد ذالك" سے تاخر ذاتی مراد نہیں ③ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے جواب دیا کہ "ثم استوى" اور "بعد ذلك دحٰها" میں "ثم" اور "بعد" تراخی زمان کے لئے ہو یہ ضروری نہیں یہ بھی ممکن ہے "تراخی فی الاخبار" یا تراخی رتبی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے نعمت کے تذکرہ میں زمین کو مقدم کیا اور عظمت وقدرت کے تذکرے میں آسمان کا ذکر مقدم کیا۔ اس ترتیب ذکری سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسی طرح کی ترتیب وقوعی بھی ہو جیسا کہ تخلیق کائنات میں دنوں کی تعیین کی ہے۔ دیکھئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مٹی کو اللہ نے ہفتہ کے دن، پہاڑوں کو اتوار، نباتات کو پیر، برائیوں اور بیماریوں کو منگل، نور اور بھلائی کو بدھ، بہائم اور چوپائے جمعرات اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز آخری پہر عصر ومغرب کے درمیان پیدا کیا۔ الحاصل اللہ تعالیٰ نے زمین دو دن میں پیدا کی اور پھر دو دن میں زمین پر پہاڑوں کو گاڑا اور طرح طرح کے خزائن رکھ دیئے۔ مخلوقات کی پیدائش کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ اس

صورت میں کہ وہ دخان دھویں کی طرح تھا جس کو سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور ان میں شمس وقمر وغیرہ لگا دیئے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ زِيَادِ بْنِ إِسْمٰعِيلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ الْمَخْزُومِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ مُشْرِكُو قُرَيْشٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَاصِمُونَ فِي الْقَدَرِ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن علاء، محمد بن بشار، وکیع، سفیان ثوری، زیاد بن اسماعیل، محمد بن عباد بن جعفر مخزومی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین قریش نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تقدیر کے متعلق جھگڑتے ہوئے حاضر ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس دن دوزخ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا دوزخ کی آگ کا مزہ چکھو بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم نے ہر چیز کو تقدیر ازلی کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی عالم میں پیدا ہونے والی ہر چیز اور اس کی مقدار زمان ومکان اور اس کے بڑھنے اور گھٹنے کا پیمانہ عالم پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔ اس آخری آیت میں مشرکین قریش کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ تمہارا دوزخ میں جانا طے شدہ ہے اور اس کا ایک وقت مقرر ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے پس وہ وقت آنے دو پھر دوزخ کا مزہ چکھو۔

اَبْوَابُ الْفِتَنِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

''فتن'' فتنة کی جمع ہے جیسے ''محن'' محنة کی جمع ہے ''فتنہ'' کے کئی معنی آتے ہیں مثلاً آزمائش، کسی پر فریفتہ ہونا، امتحان، گناہ، ابتلاء، عذاب، مال واولاد کی محبت، بیماری جنون وغیرہ سب پر موقع بموقع فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ فتنہ کا واضح مفہوم وہ آفت ہے جو اللہ کی طرف سے کسی پر نازل ہو جائے پھر آفت کی دو اقسام ہیں۔ ① وہ آسمانی آفت جس کی علت اور سبب متعین نہ ہو بلکہ علت اور سبب مخفی ہو اس کو فتنہ عمیاء بھی کہتے ہیں کہ کوئی یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ اس میں حق کس جانب ہے اور باطل کس جانب ② وہ آفت جس کی علت اور سبب کسی حد تک معلوم ہو۔ باقی فتنوں کی تعیین کوئی نہیں کر سکتا اور اس کا حتمی مصداق بھی کوئی نہیں بتلا سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ایک پیشین گوئی کا مصداق مختلف زمانوں کے مختلف واقعات وحادثات ہوں گویا اپنے اپنے وقت پر آنے والے مختلف فتنے حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کا مصداق بن گئے ہوں اس لئے تعیین مشکل ہے۔

حضرت علامہ ادریس کاندھلویؒ نے فتن کی چند قسمیں بیان کی ہیں ① انسان کے اپنے نفس کا فتنہ یعنی ذاتی فتنہ کہ انسان کا دل سخت ہو جائے اور اس کو نیکی کی حلاوت محسوس نہ ہو ② اپنے اہل وعیال کا فتنہ: اہل کا فتنہ کہ زوجین میں تفریق، لڑائی جھگڑے کا ہونا اور اولاد کا فتنہ کہ اولاد کا نافرمان ہو جانا ③ سمندر کی موجوں کی طرح فتنہ یعنی شہر میں لوگوں کا خلافت کیلئے بغیر حق واستطاعت کے طمع کرنا ④ انسانیت کا فتنہ یعنی انسانیت ختم ہو جائے کہ خود غرضی، ایذاء رسانی کے درپے سب کام ہونے لگیں ⑤ لوگوں کے دلوں سے امانت کے اٹھ جانے کا فتنہ ⑥ وبائی فتنہ کہ وباؤں اور آفتوں کا عام ہو جانا ⑦ کذب کا فتنہ کہ جھوٹ ودھوکہ دہی عام ہو جائے ⑧ فتنہ تاویلات کہ آیات متشابہات کی تاویلات کی گہرائیوں میں پڑنے کا فتنہ حالانکہ اس سے اللہ نے روکا ہے ⑨ فتنہ سب وشتم یعنی سلف وصالحین کو برا بھلا کہنے کا فتنہ جیسا کہ ترمذی شریف میں اس کو قیامت کی علامات میں سے شمار کیا گیا ہے ⑩ خوارج، روافض، مرجئہ اور قدریہ کے ظاہر ہونے کا فتنہ کیونکہ یہ دوسرے مذاہب باطلہ کی پیداوار ہیں ⑪ فتنہ استحلال متعہ کے بہانے عورتوں کو اپنے لئے حلال سمجھنے کا فتنہ اور شراب کو نام بدل کر حلال سمجھنا ⑫ مسلمانوں کا آپس میں اتفاق کا اٹھ جانا اور قتل وقتال کا عام ہونا یہ بھی فتنہ ہے ⑬ شریر اور نااہل کے حکمران بننے کا فتنہ جیسا کہ حدیث میں ہے ''اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعة'' ہمارے حکمرانوں کی نااہلی کی وجہ سے مسلمانوں کو موجودہ حالات کا سامنا ہے اللہ حفاظت فرمائے۔ (التعلیق الصبیح ج ۶ ص ۱۲۵)

زمانہ فتنہ کے احکام: رسول کریم ﷺ نے جس طرح فتنہ سے منع فرمایا ہے اسی طرح سے ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ سے چھٹکارے کے حل بھی بیان کئے ہیں ① مسلمانوں کے درمیان جب فتنہ وفساد پھوٹ پڑیں تو گوشہ نشینی اختیار کی جائے ② جب تک امیر کی طرف سے صریح کفریہ احکام واعمال نہ صادر ہوں اس کی مخالفت نہ کی جائے ③ ایسے موقع پر امر بالمعروف ونہی عن

المنکر کا فریضہ ساقط ہو جاتا ہے ④ ایسے موقع پر حکام کے اختلاط سے اجتناب کرنا چاہیے فتنوں کے زمانوں میں عبادات پر قائم رہنا ہاتھ میں انگارہ لینے کے مترادف ہے اس لئے ایک عبادت کا ثواب پچاس عبادات کے برابر ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلٰثٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ فَقَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ زِنًا بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوِ ارْتِدَادٍ بَعْدَ إِسْلَامٍ أَوْ قَتْلِ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقُتِلَ بِهِ فَوَاللهِ مَا زَنَيْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَلَا فِي إِسْلَامٍ. وَلَا ارْتَدَدْتُ مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَتَلْتُ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ فَبِمَ تَقْتُلُونَنِي وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ فَرَفَعَهُ وَرَوٰى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ فَوَقَفُوهُ وَلَمْ يَرْفَعُوهُ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

احمد بن عبدۃ ضبی، حماد بن زید، یحیی بن سعید، حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جبکہ اپنے دور خلافت میں اہل فتنہ کی وجہ سے گھر میں محبوس تھے کہ) ایک دن چھت پر چڑھے اور فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کا خون تین جرموں کے علاوہ بہانا حرام ہے اول یہ کہ شادی شدہ زنا کرے دوسرا یہ کہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور تیسرا یہ کہ کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کرے اللہ کی قسم میں نے نہ کبھی زمانہ جاہلیت میں زنا کیا اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد پھر جس دن سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کے بعد مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا پس تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کو حماد بن سلمہ یحیی بن سعید سے غیر مرفوع نقل کرتے ہیں پھر یحیی بن سعید قطان اور کئی راوی یحیی بن سعید سے یہی حدیث موقوفاً نقل کرتے ہیں حضرت عثمانؓ سے یہ حدیث کئی سندوں سے مرفوعاً منقول ہے۔

تشریح: أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَشْرَفَ يَوْمَ الدَّارِ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فتنہ کے خوف سے گھر میں قیام پذیر رہے اور اہل فتنہ نے ان کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تا کہ ان کو قتل کر دیں۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے گھر کے اوپر سے جھانک کر تقریر کی میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ سے۔ ان تین وجوہ کا ذکر حدیث مبارک میں آتا ہے۔

سوال: اس حدیث مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا قتل ان تین امور کے علاوہ جائز نہیں حالانکہ روایات میں جواز قتل کی اور بھی صورتیں نقل کی گئی ہیں جیسے محارب کا قتل "انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ" اس میں فساد فی الارض پر قتل کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں آتا ہے "من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوہ" اسی طرح روایت میں آتا ہے "من اتی بھیمۃ فاقتلوہ"۔ تو آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اور بھی اسباب موجود ہیں جن کی وجہ سے قتل جائز ہے جبکہ روایت باب میں تین کا حصر معلوم ہو رہا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ حافظ ابن العربیؒ نے فرمایا کہ بعض حضرات نے اسباب قتل دس شمار کئے ہیں مگر وہ سب ان تین میں شامل ہیں۔ بالخصوص التارک لدینہ کا لفظ بعض روایات میں واقع ہے جس کا مفہوم عام ہے۔ اس میں سب اقسام شامل ہیں۔

وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ: اس حدیث کی سند میں جو یحییٰ بن سعید ہیں وہ انصاری اور جلیل القدر تابعی ہیں ان کے دوسرے تلامذہ یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ اس کی سند کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف کرتے ہیں مگر یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مرفوع منقول ہے اور دوسرے صحابہ کرامؓ بھی مرفوع نقل کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لِلنَّاسِ أَيُّ يَوْمٍ هَذَا قَالُوا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ فِي بِلَادِكُمْ هَذِهِ أَبَدًا وَلَكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تَحْتَقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضَى بِهِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَحِذْيَمِ بْنِ عَمْرٍو السَّعْدِيِّ

ہناد، ابو الاحوص، شبیب بن غرقدۃ، سلیمان بن عمرو بن الاحوص، حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے پوچھا یہ کون سا دن ہے انہوں نے کہا حج اکبر کا دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک تم لوگوں کی جان و مال اور عزت آپس میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن کی تمہارے اس شہر میں حرمت ہے جان لو کہ انسان کے جرم کا وبال اس پر ہے سن لو انسان کے جرم کا وبال نہ اس کی اولاد پر ہے اور نہ باپ پر سن لو شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہارے اس شہر میں اس کی پوجا کی جائے لیکن تم اپنے چھوٹے چھوٹے اعمال میں اس کی اطاعت کرو گے اور وہ اس پر راضی ہوگا۔ اس باب میں حضرت ابوبکرہ، ابن عباس، جابر اور حذیم بن عمرو ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوٰى زَائِدَةُ عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ نَحْوَهُ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ

صحیح ہے اور اس حدیث کو زائدہ شبیب بن غرقدہ کی سند سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔ اور ہم اسے شبیب بن غرقدہ کی حدیث کے علاوہ نہیں پہچانتے۔

تشریح: **حَجَّةِ الْوَدَاعِ:** ۱۰ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں یہاں اس سے مراد یوم النحر ہے۔ اس حج کو وداع اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں اپنے آپ کو وداع کیا یا حرم سے وداع ہوئے اس لئے اس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ: اس میں دو ابحاث ہیں (۱) حج اکبر کا مصداق (۲) یوم الحج الاکبر کا مصداق۔

یوم حج الاکبر کا مصداق: **اول:** اس کا مصداق یوم النحر ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم حج اکبر کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا یوم النحر ۔ دوسرا یہ کہ اکثر اعمال یوم النحر کو کئے جاتے ہیں اس لئے اسے یوم الحج الاکبر کہا گیا مثلاً وقوف مزدلفہ، جمرۂ عقبہ کی رمی، ذبح، حلق، طواف زیارت۔

ثانی: اس کا مصداق یوم عرفہ ہے جیسا کہ روایت میں آتا ہے ''الحج عرفۃ''

ثالث: یوم حج ابی بکر حج اکبر ہے یعنی ۹ھ چونکہ اس حج میں مسلمانوں اور اہل کتاب سب نے شرکت کی تھی اس لئے اس کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔

حج اکبر کا مصداق: **اول:** اکثر علماء کے نزدیک حج اکبر سے مراد مطلق حج ہے اس لئے کہ عمرہ کو حج اصغر کہا جاتا ہے عمرہ سے حج کو ممتاز کرنے کے لئے حج کو حج اکبر کہا جاتا ہے۔

ثانی: بعض نے کہا کہ حج اکبر وہی تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت کی تھی۔

ثالث: مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حج اکبر، حج قران ہے اور حج اصغر ''حج افراد'' ہے۔

وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ: یہاں عبادت سے مراد شرک ہے مطلب یہ ہوگا کہ شیطان مایوس ہو چکا ہے مؤمنین سے کہ وہ شرک کریں۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ عرب میں بالکل کفر نہیں ہوگا حالانکہ ایسا ہرگز نہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر کے کفر کیا اور مانعین زکوٰۃ نے زکوٰۃ کا انکار کیا یہ دونوں کفر ہیں اور یہ اس حدیث کیخلاف ہے۔

جواب اول: ''ان یعبد'' سے مراد بت پرستی ہے اور ان مرتدین نے بت پرستی نہیں کی اگر چہ مرتد ہو گئے تھے

جواب ثانی: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پہلے پوری دنیا گمراہی میں مبتلا تھی اس طرح قیامت تک پوری دنیا ازسرنو گمراہی مین مبتلا نہ ہوگی اس سے شیطان مایوس ہے

جواب ثالث: مایوسی اس بات سے ہے کہ اسلام بالکل نیست و نابود ہو جائے اور پہلے کی طرح کفر کا غلبہ ہو جائے حالانکہ یہ نہیں ہو سکتا ''الاسلام یعلوا ولا یعلی علیه'' کے پیش نظر اسلام غالب ہونے کیلئے آیا ہے مغلوب ہونے کیلئے نہیں

جواب رابع: ''ان یعبد'' سے مراد ''ارتداد عن الاسلام من حیث الکل'' ہے کہ جماعت در جماعت کے مرتد ہونے سے

شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ ’’فی بلادکم ھذا ابدًا‘‘ سے مراد جزیرہ عرب ہے اور باقی جزیرہ عرب کی تخصیص اس لئے کی کہ عرب کا علاقہ وحی کے اترنے کی جگہ تھا یا اس لئے کہ اس وقت اسلام جزیرہ عرب سے باہر نہیں نکلا تھا یا اہل عرب کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْخُذْ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ وَجَعْدَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ وَالسَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ لَهُ صُحْبَةٌ قَدْ سَمِعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غُلَامٌ وَقُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ وَأَبُوهُ يَزِيدُ بْنُ السَّائِبِ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ

بندار، یحیی بن سعید، ابن ابی ذئب، حضرت عبداللہ بن سائب بن یزید اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص بطور مذاق یا سنجیدگی سے اپنے بھائی کو پریشان کرنے کے لئے اس کی لاٹھی نہ لے اور اگر کسی نے لی ہو تو واپس کر دے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، سلمان بن صرد، جعدہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ابن ابی ذئب کی روایت سے جانتے ہیں سائب بن یزید صحابی ہیں انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سنی ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر سات سال تھی جبکہ ان کے والد یزید بن سائب صحابی ہیں اور انہوں نے کئی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہیں۔

تشریح: **لَا يَأْخُذْ**: یہ نفی کے معنی میں بھی ہے اور نہی کے معنی میں بھی ہے۔

عَصَا أَخِيهِ: اس سے مراد فقط لاٹھی نہیں بلکہ کوئی بھی سامان ہے۔

لَاعِبًا أَوْ جَادًّا: یہ دونوں حال ہیں لا یاخذ کے فاعل سے۔ ’’ای لاعبًا ظاهرًا و جادًّا باطنًا‘‘ نہ مذاق میں لے نہ ہی سنجیدگی سے لے۔ اس کے دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں۔

اول: کسی نے ابتداءً لاٹھی مذاق کے طور پر لی بعد میں نیت بدل گئی تو دبا لی۔ موجودہ دور کے اعتبار سے اس کو اس مثال سے سمجھ لیں کہ کوئی شخص چیز اٹھا رہا ہے اگر اٹھاتے ہوئے پکڑا گیا تو جان پہچان والا بندہ ہوا تو کہے گا میں تو مذاق کر رہا تھا اگر نہ پکڑا گیا تو پھر گئی ہاتھ سے۔

الثانی: کسی کا سامان چرانا مقصود نہیں تھا صرف اس کو غصہ دلانا اور پریشان کرنا تھا بس وہ چرانے کے اعتبار سے تو کھیل کرنے والا ہے اور غصہ دلانے میں اور گھبراہٹ میں مبتلا کرنے میں اور تکلیف پہنچانے میں سنجیدہ ہے گویا اس میں دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتوں سے منع فرما دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشَارَةِ الرَّجُلِ عَلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ حَدَّثَنَا مَحْبُوبُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ لَعَنَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَعَائِشَةَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ وَرَوَاهُ أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَزَادَ فِيهِ وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا

عبداللہ بن صباح ہاشمی، محبوب بن حسن، خالد حذاء، محمد بن سیرین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہتھیار سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرے اس پر فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوبکرہ، عائشہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے صحیح غریب ہے یعنی خالد بن خذاء کی روایت سے۔ محمد بن سیرین سے بھی حضرت ابوہریرہ کے واسطے سے اسی طرح کی حدیث نقل کی گئی ہے لیکن یہ مرفوع نہیں اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں (وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ) اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ قتیبہ، حماد بن زید سے وہ ایوب سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: مَنْ أَشَارَ عَلَى أَخِيهِ: اپنے مسلمان بھائی یا حقیقی بھائی کی طرف قتل کرنے والے آلہ سے اشارہ کرنا کہ میں تمہیں ماردوں گا اگرچہ مذاق میں ہو جیسا کہ آج کل چھری یا چاقو سے انسان کے پیٹ کی طرف بعض لوگ اشارہ کردیتے ہیں یا پستول یا بندوق سے اشارہ کردیتے ہیں ایسا کرنا ممنوع ہے کبھی شیطان مداخلت کر کے اس مذاق کو حقیقت میں تبدیل کردے تو یہ بہت بڑا فتنہ بن جائے گا۔ حدیث مبارک میں اشارہ کرنے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

وَفِي الْبَابِ: یہ حدیث محمد بن سیرین سے خالد حذاء نقل کرتے ہیں اور مرفوع بیان کرتے ہیں جبکہ امام ترمذیؒ اس کو غریب قرار دے رہے ہیں کیونکہ خالد کا کوئی متابع نہیں اور ''وان كان اخاه لابيه و امه'' کا اضافہ اسی میں ہے۔

مگر بعض حضرات نے کہا کہ خالد حذاء کے متابع موجود ہیں اور ان کی روایت مسلم شریف میں موجود ہے لہٰذا حدیث کا مرفوع ہونا صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ تَعَاطِي السَّيْفِ مَسْلُولًا

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ هٰذَا

عبداللہ بن معاویہ جمحی بصری، حماد بن سلمۃ، ابوزبیر، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ننگی تلوار لینے اور دینے سے منع فرمایا۔ اس باب میں ابوبکرہؓ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حماد

حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَرَوَى ابْنُ لَهِيعَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ بَنَّةَ الْجُهَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عِنْدِي أَصَحُّ

بن سلمہ کی روایت سے حسن غریب ہے ابن لہیعہ اسے ابوزبیر سے وہ جابر سے وہ بنتہ الجہنی سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں میرے نزدیک حماد بن سلمہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص چاقو، تلوار، تیر کوئی چیز کسی کو دے تو وہ کھلی ہوئی نہ دے بلکہ یہ چیزیں بند کر کے دوسرے کو پکڑائے تاکہ نقصان نہ ہو اور اگر پکڑانا ہو تو دستے کی طرف سے پکڑائے تاکہ دوسرے کا ہاتھ نہ کٹ جائے۔

بَابُ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا مَعْدِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فَهُوَ فِي ذِمَّةِ اللهِ فَلَا يُتْبِعَنَّكُمُ اللهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذِمَّتِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جُنْدَبٍ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

بندار، معدی بن سلیمان، ابن عجلان، ان کے والد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے فجر کی نماز پڑھی وہ اللہ کی پناہ میں ہے لہٰذا ایسا نہ ہو کہ اللہ اپنی پناہ توڑنے کے جرم میں تمہارا مواخذہ کرے۔ اس باب میں حضرت جندب اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

تشریح: مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ: اس کی شرح میں تمام شراح نے لفظ مع الجماعۃ کا ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی تو وہ اللہ کی حفاظت و پناہ میں ہونے کی وجہ سے کسل اور نحوست سے محفوظ رہتا ہے۔

فَلَا يُتْبِعَنَّكُمُ اللهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذِمَّتِهِ: يُتْبِعَنَّكُمْ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں مجرد سے جیسا کہ حدیث میں ہے اور مزید فیہ باب سے بھی پڑھ سکتے ہیں "يَتَّبِعَنَّكُمْ" بہر حال اس جملہ کے دو مطلب ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص فجر کی نماز با جماعت ادا کرے تو اس کے ساتھ تعرض نہ کرو کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تم سے ناراض ہوگا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ مراد نماز کی ذمہ داری ہے اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نماز فجر میں لاپرواہی اور کوتاہی نہ کرو، پابندی کرتے رہو۔ اگر اس بارے میں لاپرواہی کی تو اللہ رب العزت تم سے اس بارے میں باز پرس کریں گے۔

بَابٌ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ أَبُو الْمُغِيرَةِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَنَا

احمد بن منیع، نضر بن اسماعیل ابومغیرہ، محمد بن سوقہ، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ کے مقام پر ہم سے خطاب کرتے

عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِينَا فَقَالَ أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الِاثْنَيْنِ أَبْعَدُ مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ہوئے فرمایا اے لوگو میں تم لوگوں کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم مقام ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تم لوگوں کو اپنے صحابہ کی اطاعت کی وصیت کرتا ہوں پھر ان کے بعد آنے والوں کی اور پھر ان سے متصل آنے والوں کی (یعنی تبع تابعین کی) اس کے بعد جھوٹ رواج پکڑ جائے گا یہاں تک کہ قسم لئے بغیر قسمیں کھائیں گے اور بغیر گواہی طلب کئے لوگ گواہی دیں گے خبردار کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے اس لئے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے جماعت کو لازم پکڑو اور علیحدگی سے بچو کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ دو آدمیوں سے دور ہوتا ہے جو شخص جنت کا وسط چاہتا ہے اس کے لئے جماعت سے وابستگی لازمی ہے جس کو نیکی سے خوشی ہو اور برائی کا ارتکاب برا محسوس ہو وہی مومن ہے۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے ابن مبارک نے اسے محمد بن سوقہ سے روایت کیا ہے اور یہ کئی سندوں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے۔

تشریح: بِالْجَابِيَةِ: دمشق میں ایک قریہ کا نام ہے۔

سوال: حضرت عمرؓ نے اس مقام پر حدیث میں مذکور خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو صحابہ کرامؓ ہی موجود تھے تو پھر ان کی اطاعت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب:** یہاں پر ولاۃ الامور مراد ہیں یعنی ذمہ داران، مطلب یہ ہے کہ اے صحابہ تم ذمہ دار حضرات کی اتباع کرو۔

يَفْشُو الْكَذِبُ: تبع تابعین کے زمانہ کے بعد عالم میں کذب ظاہر ہونے لگے گا یہاں تک کہ جرأت بڑھ جائے گی کہ آدمی بلا خوف وخطر قسم کھائے گا حالانکہ اس سے حلف طلب نہیں کیا جا رہا ہوگا اسی طرح وہ اپنے آپ کو جھوٹی گواہی کے لئے پیش کرے گا اور جھوٹی قسم کھائے گا حالانکہ اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ: ثالثهما مرفوع ہے اور ''الشیطان'' منصوب ہے اس کی تفصیلی وضاحت کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ: اور افتراق سے بچو، اجتماعیت کو لازم پکڑو کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے زیادہ دور ہوتا ہے جتنا شیطان ایک کو ضرر پہنچا سکتا ہے اتنا دو کو نہیں پہنچا سکتا اور جتنا دو کو پہنچا سکتا ہے اتنا تین کو نہیں پہنچا سکتا۔ جتنی زیادہ اجتماعیت

ہوگی اتنا ہی شیطان دور بھاگے گا۔

مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ: جو شخص جنت کے وسط میں جگہ پکڑنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اجتماعیت کو لازم پکڑے۔ اجتماعیت کے ساتھ جو کام سرانجام پاتے ہیں وہ انفرادی حالت میں نہیں پاتے۔

مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ: جس کو نیکی سے خوشی ملتی ہے اور اپنی برائی سے تکلیف ہو وہ مؤمن ہے یہ ایک کسوٹی ہے اس سے آدمی اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس میں ایمان ہے یا نہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنِي الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ الْمَدِينِيُّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَسُلَيْمَانُ الْمَدِينِيُّ هُوَ عِنْدِي سُلَيْمَانُ بْنُ سُفْيَانَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

ابوبکر بن نافع بصری، معتمر بن سلیمان، سلیمان مدنی، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو یا فرمایا امتِ محمد کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے جبکہ جو شخص جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں ڈال دیا گیا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ میرے نزدیک سلمان مدنی سے مراد سلیمان بن سفیان ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔

تشریح: إِنَّ اللهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ: امت کی دو قسمیں ہیں امت اجابت اور امت دعوت۔ امت اجابت کا مطلب یہ ہے کہ امت مسلمہ تو گمراہی پر جمع نہیں ہوگی بلکہ باطل کی تردید اور حق کی تعلیم وترویج کرتی رہے گی۔ البتہ امت دعوت یعنی کفار آپس میں گٹھ جوڑ کرتے رہیں گے اور قربِ قیامت تو سب ہی جمع ہوجائیں گے۔ ید اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی قوت ونصرت اور حفاظت ہے کہ امت اجابت جب تک اجتماعیت کو لازم پکڑے گی اللہ کے حفظ وامان میں رہے گی۔

وَمَنْ شَذَّ شُذَّ إِلَى النَّارِ: اول معروف ہے اور ثانی مجہول ہے معنی یہ ہیں کہ جو شخص جماعت سے الگ ہوگیا تو اس کو اکیلے ہی جماعت سے الگ جہنم میں ڈالا جائے گا پھر شذوذ عام ہے اجتماعیت سے الگ ہونا خواہ اعتقاداً ہو یا قولاً یا عملاً ہو۔

اس روایت سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے مگر اس کے شواہد کثیر ہیں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْمُونٍ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

یحیی بن موسی، عبدالرزاق، ابراہیم بن میمون، ابن طاؤس، طاؤس، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہوتا ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے صرف اسی سند جانتے ہیں۔

تشریح: يَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ: کے بارے میں علما نے لکھا ہے کہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کی صیانت وحمایت کی علامت یہ ہے کہ ان کے درمیان اتفاق ومحبت کی فضاء قائم رہتی ہے اطمینان وسکون ایک دوسرے پر اعتماد پر ہوتا ہے۔ ورنہ ہر شخص خوف واضطراب اور بے چینی کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُوْلِ الْعَذَابِ إِذَا لَمْ يُغَيِّرِ الْمُنْكَرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّهُ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَءُونَ هٰذِهِ الْآيَةَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ مِنْهُ

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، اسماعیل بن ابی خالد، قیس بن ابی حازم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو۔ ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنی جانوں کی فکر کو ضروری سمجھو کوئی گمراہ تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَعَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ وَحُذَيْفَةَ وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ نَحْوَ حَدِيثِ يَزِيدَ وَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ عَنْ إِسْمٰعِيلَ وَوَقَفَهُ بَعْضُهُمْ

محمد بن بشار، یزید بن ہارون، اسماعیل بن ابی خالد، عائشہ، ام سلمہ، نعمان بن بشیر، عبداللہ بن عمر، حذیفہ، اسماعیل سے اور وہ اسماعیل بن خالد سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ام سلمہ، نعمان بن بشیر، عبداللہ بن عمر اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات ہیں۔ متعدد راوی یزید کی روایت کی طرح اسماعیل سے روایت کرتے ہیں جبکہ بعض اسماعیل سے مرفوع روایت کرتے ہیں۔ جبکہ بعض راوی اسے موقوفاً بھی نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کو صرف اپنے عمل اور اپنی فکر کرنی چاہیے دوسرے لوگ کچھ بھی کرتے رہیں اس پر دھیان کرنے کی ضرورت نہیں اور یہ بات قرآن پاک کی بے شمار تصریحات کے خلاف ہے جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلام کا فریضہ اور اس امت کی امتیازی خصوصیت قرار دیا گیا ہے اس لئے اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں کو شبہات تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کئے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی کہ یہ آیت امر بالمعروف کے منافی نہیں اگر امر بالمعروف چھوڑ دو گے تو مجرموں کے ساتھ ماخوذ ہو گے اس آیت کے آخر میں فرمایا ''من ضلّ اذا اھتدیتم'' میں غور کرنے سے معلوم ہو کہ تم صحیح راہ پر چل رہے ہو تو دوسروں کی گمراہی تمہارے لئے مضر نہیں ظاہر یہ ہے کہ جو

شخص امر بالمعروف کے فریضہ کو ترک کر دے تو وہ ہدایت کے راستے پر نہیں چل رہا۔

تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ان کے سامنے کسی نے سوال کیا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی جھگڑا ہے ایک دوسرے کو مشرک کہتے ہیں تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان سے کہہ دوں کہ جاؤ ان سے قتال کرو ہرگز نہیں۔ بلکہ جاؤ اور نرمی کے ساتھ ان کو سمجھاؤ قبول کریں تو بہتر ہے اور نہ کریں تو ان کی فکر چھوڑ دو اپنی فکر میں لگ جاؤ پھر یہی آیت تلاوت کی۔ اس آیت کے ظاہر سے جو شبہ ہو سکتا تھا اس کے پیش نظر صدیق اکبرؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم لوگ اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کو بے موقع استعمال کرتے ہو کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں خوب سمجھ لو میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو لوگ کوئی گناہ ہوتا دیکھیں تو جتنی ہمت و کوشش ہو سکے اس کو روکیں ورنہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ منکر سے نہ روکنے والے لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑ لیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر عذاب بھیج دے اور تم اس سے دعائیں مانگو اور وہ قبول نہ کرے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر سے وہ عمرو بن ابی عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی سند سے اسی کی مثل حدیث نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: بِالْمَعْرُوفِ: یہ معرفت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پہچاننا حقیقت کو پالینا اور معروف وہ شخص، جگہ یا کام جس کی پہچان حاصل ہو یہاں پر معروف سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو شریعت کے ذریعے پہچانا گیا ہے اور جن کو اختیار کرنے کا حکم شریعت نے دیا ہے مثلاً ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، دیانت، شرافت، صداقت، امانت نیز معروف کے مقابلے میں منکر ہے یعنی وہ چیزیں جن کا شریعت سے کوئی واسطہ نہ ہو اور ان کو اختیار کرنے سے شریعت نے منع کیا ہو۔

امر بالمعروف کا حکم: فرض کفایہ کے درجے میں ہے اگر کسی شخص کو خاص منکر کا علم ہو اور دوسروں کو نہ ہو اور وہ شخص اس منکر کے ازالے پر قادر بھی ہو تو اس وقت ایسے شخص کیلئے امر بالمعروف کرنا فرض عین ہو جائے گا دوسروں پر فرض نہیں نیز امر بالمعروف کرنے والا اپنا فرض ادا کر دے تو بری الذمہ ہو جاتا ہے چاہے مخاطب قبول کرے یا نہ کرے بالفاظ دیگر اگر کوئی حرام کا مرتکب ہے تو اس کو روکنا

واجب ہے اور اگر مکروہ چیز کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس کو روکنا مستحب ہے نیز امر بالمعروف کرنے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ مامور کو وعظ و نصیحت کرے اور اللہ سے ڈرائے اور خود بھی اعمالِ صالحہ، تقویٰ، پرہیزگاری میں مامور سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونا چاہیے کیونکہ مصلح وہ ہو سکتا ہے جو خود صالح ہو۔

اس حدیث کی تشریح میں دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں ① تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ تم پر اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا پھر تم اس عذاب کے رفع ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو گے لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی ② بزار اور طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا دو باتوں میں سے ایک بات کا ہونا ضروری ہے یا تم یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے یا ان دونوں فریضوں کے ترک کرنے پر اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے برے لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر تمہارے نیک لوگ برے لوگوں کی ہلاکت کیلئے دعا کریں گے مگر ان کی دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيُّ الْأَشْهَلِيُّ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوا بِأَسْيَافِكُمْ وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، عمرو بن ابی عمرو، عبداللہ بن عبدالرحمن الانصاری اشہلی، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کرو اپنی تلواروں سے لڑائی کرو اور تمہارے دنیاوی امور شریر لوگوں کے ہاتھ میں آ جائیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حَتّٰى تَقْتُلُوا إِمَامَكُمْ: امام سے سلطان مراد ہے۔

قول اول: بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہے صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اس حدیث کا مصداق نہیں کیونکہ حضرت عثمان ؓ کے بعد خلیفہ بننے والے حضرات بھی نیکوں کے سردار تھے جبکہ حدیث میں ہے ''ویرث دنیاکم شرارکم''۔

قول ثانی: حضرت مہدی علیہ السلام سے کچھ پہلے جس امام المسلمین کو امت قتل کرے گی۔ وہ امام مراد ہے۔

وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ: ملک و مال دونوں پر ظالموں کا قبضہ ہو جائے گا۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت: اس روایت کو ترجمۃ الباب کے تحت اس لئے ذکر کیا اس سے اشارہ کرنا مقصود ہے اس بات کی طرف کہ فتنہ اس وقت واقع ہوگا جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دیا جائے گا۔

اور روایت الباب سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خاص اہمیت معلوم ہوئی کہ اس امر عظیم کو ترک کیا گیا تو لوگوں کا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جائیں گے ملک و مال پر اہل فساد کا قبضہ ہوگا پھر عالم میں فساد ہی پھیلے گا اہل دنیا کو اطمینان و سکون تو درکنار ان کو اضطراب لاحق ہوگا جیسا کہ ہمارے زمانے میں مشاہدہ ہو رہا ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الْجَيْشَ الَّذِي يُخْسَفُ بِهِمْ فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لَعَلَّ فِيهِمُ الْمُكْرَهُ قَالَ إِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نصر بن علی، سفیان، محمد بن سوقہ، نافع، ابن جبیر، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا ذکر کیا جو دھنسا دیا جائے گا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ممکن ہے کہ اس میں بعض لوگ مجبور بھی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے یہ حدیث نافع بن جبیر سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واسطے سے مرفوعاً نقل کی گئی ہے

تشریح: إِنَّهُمْ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ: جن امتوں کو دنیا میں دھنسنے کا عذاب دیا گیا اور ان کے ساتھ ایسے بھی لوگ ہوں گے جو اس عذاب کے مستحق نہیں تھے مگر قیامت کے دن جب ان کو اٹھایا جائے گا تو ان کے ساتھ ان کی نیتوں کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ اب رہا ان لوگوں کا معاملہ فی الآخرۃ جن پر استحقاقاً دنیا کا عذاب آیا تو وہ تحت المشیۃ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَغْيِيرِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ أَوْ بِاللِّسَانِ أَوْ بِالْقَلْبِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ أَوَّلُ مَنْ قَدَّمَ الْخُطْبَةَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ لِمَرْوَانَ خَالَفْتَ السُّنَّةَ فَقَالَ يَا فُلَانُ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَمَّا هٰذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَأَى مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، قیس بن مسلم، حضرت طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ جس نے سب سے پہلے نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا وہ مروان تھا پس ایک شخص کھڑا ہوا اور مروان سے کہا کہ تم نے سنت کی مخالفت کی اس نے جواب دیا اے فلاں سنت جسے تم ڈھونڈ رہے ہو اب چھوڑ دی گئی ہے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس شخص نے اپنا حق ادا کر دیا اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روک دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے

تشریح: خَالَفْتَ السُّنَّةَ: عیدین کا خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ کے زمانے میں بعد الصلوٰۃ تھا اور جمہور کا اجماع بھی اسی پر ہے مگر مروان نے اس کو نماز پر مقدم کر دیا تھا اس لئے مروان مخالف سنت ہوا۔

مروان نے تبدیلی کیوں کی؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ ظالم بادشاہ خطبہ میں اہل بیت کو برا بھلا کہتا تھا تو لوگ خطبہ نہیں سنتے تھے اس وجہ

ہے اس نے خطبہ کو نماز پر مقدم کر دیا تھا۔

نماز عید سے خطبہ مقدم کرنے کا کیا حکم ہے: احناف اور مالکیہ حضرات کے نزدیک اگر خطبہ پہلے دے دیا تو جائز ہے لیکن سنت کے خلاف ہے۔ **فَقَامَ رَجُلٌ:** اس کا نام کسی کو معلوم نہیں۔

یَقُولُ مَنْ رَأَى مُنْكَرًا: یعنی تم میں سے کوئی شخص برائی دیکھے تو یہاں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ان لوگوں کے اوپر ہی ہے جو معروف اور منکر کو جانتے ہوں اور وہ لوگ متفق علیہا اور مختلف فیہا مسائل میں فرق کر سکتے ہوں اور ناسخ ومنسوخ کو پہچانتے ہوں اور مکی ومدنی نصوص میں فرق کر سکتے ہوں باقی امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں لہٰذا اگر کوئی بھی شخص علم بالاحکام کے ساتھ تمام شرائط پر قادر ہو کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ کرے تو سب گناہگار ہونگے اور اگر ایک ادا کر دے تو سب کی طرف سے فرضیت ساقط ہو جائیگی ہر ایک پر فرض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص عالم نہیں ہے اور وہ طریقہ دعوت سے واقف نہیں ہے اب اگر ہر ایک پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر فرض قرار دیا جائے تو جرم عظیم لازم آئیگا ہاں اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے اپنی اصلاح مقصود ہو تو پھر فرضِ عین ہے کیونکہ اپنی اصلاح فرض عین ہے۔ باقی نہی عن المنکر سے روکنے کے تین درجات ہیں ① ہاتھ سے روکنا ② زبان سے روکنا ③ دل سے برا سمجھنا۔

وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جب کسی مسلمان سے کوئی غیر مشروع کام سرزد ہوتے ہوئے دیکھیں تو سب لوگ زبان سے اس کو باز رکھنے کی کوشش کریں۔ قرآن وحدیث وغیرہ سے اس کیلئے وعیدات ذکر کریں اور اگر زبان سے روکنے کی بھی ہمت نہ ہو تو سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اس برائی کو اپنے دل میں برا سمجھا جائے دل سے برا سمجھنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ خود برائی کے نزدیک نہیں جائیگا اور اس طرح معاشرہ کے بے شمار افراد خود بخود راہِ راست پر آ جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو آدمی برائی کو دل میں بھی برا نہیں سمجھتا تو پھر ایسے شخص کو مومن کہلانے کا حق نہیں ہے کیونکہ دل سے برا سمجھنے میں تو کسی کا خوف نہیں پھر بھی منکر کو دل سے برا نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا کہ وہ اس برائی پر راضی ہے۔ یہ سب سے ضعیف ایمان کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایمان قوی ہوتا تو جان جانے تک اُس سے روکتا یا مطلب یہ ہے کہ تغییر بالقلب ضعیف ترین ایمان کا درجہ ہے اسلئے کہ اہل زمانہ اگر قوی الایمان ہوتے تو ہاتھ وزبان سے تغییر پر قدرت ہوتی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ پہلا جملہ امراء وحکام کیلئے ہے کیونکہ ان کے پاس قدرت ہے اور دوسرا جملہ علماء کرام کیلئے ہے کہ وہ وعظ کے ذریعے برائی سے روک سکتے ہیں اور تیسرا جملہ عامۃ المسلمین کیلئے ہے کہ وہ کم از کم اپنے دل سے اُس برائی کو برا جانیں جس کی صورت یہ ہے کہ گھر میں انتہائی کمزور بوڑھا انسان سویا ہوا ہو اور گھر کو آگ لگ گئی اب یہ بچا نہیں سکتا تو اس وقت اُس کے دل میں جو کرب اور تکلیف کی کیفیت ہوگی وہی دل میں برائی کو برا سمجھنے والے کیلئے ہونی چاہیے چنانچہ اسکے بعد ایمان کا کوئی بھی درجہ نہیں ہے پھر یہ بات بھی جان لیں کہ خلاف شرع کام اگر حرام ہے تو اس پر روکنا واجب ہے اگر وہ کام مکروہ ہے تو منع کرنا مستحب ہے امر بالمعروف بھی اسی چیز کے تابع ہے جس کا حکم دیا جاتا ہے اگر وہ کام واجب فرض ہے تو امر بالمعروف فرض ہے اور اگر وہ کام مستحب ہے تو امر بالمعروف بھی مستحب ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں امر بالمعروف کرنے والے کے لئے پانچ شرائط ہیں ① داعی کا عالم ہونا ② رضا الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ مقصود

ہونا③ جس کو دعوت دے رہا ہے اس پر شفقت و نرمی کرنا④ ہر مشقت پر صبر کرنا⑤ داعی کا اپنے کہے ہوئے پر عمل کرنا۔

وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ: ذلك کا مشار الیہ کراہت قلبی اور دل سے برا جاننا ہے اور یہ باطنی ایمان کا کمزور تر درجہ ہے۔(۲) یا اس کا مشار الیہ دل سے نکیر کرنے والا اور برا سمجھنے والا شخص ہے یعنی یہ شخص کمزور ترین ایمان والا ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰى حُدُودِ اللّٰهِ وَالْمُدْهِنِ فِيهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلٰى سَفِينَةٍ فِي الْبَحْرِ فَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَعْلَاهَا وَأَصَابَ بَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا يَصْعَدُونَ فَيَسْتَقُونَ الْمَاءَ فَيَصُبُّونَ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا لَا نَدَعُكُمْ تَصْعَدُونَ فَتُؤْذُونَنَا فَقَالَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا فَإِنَّا نَنْقُبُهَا مِنْ أَسْفَلِهَا فَنَسْتَقِي فَإِنْ أَخَذُوا عَلٰى أَيْدِيهِمْ فَمَنَعُوهُمْ نَجَوْا جَمِيعًا وَإِنْ تَرَكُوهُمْ غَرِقُوا جَمِيعًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

احمد بن منیع، ابو معاویہ، اعمش، شعبی، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حدود الٰہی کو قائم کرنے اور ان میں سستی برتنے والوں کی مثال اس طرح ہے کہ ایک قوم کشتی پر سوار ہوئی اور کشتی کے اوپر اور نیچے والے حصہ کو باہم تقسیم کر لیا بعض کو اوپر والا اور بعض کو نیچے والا حصہ ملا۔ نچلے والے اوپر والے حصے میں جا کر پانی لاتے ہیں تو وہ پانی اوپر والوں پر گرنے لگا پس اوپر والوں نے کہا ہم تمہیں اوپر نہیں آنے دیں گے کیونکہ تم ہمیں تکلیف دیتے ہو اس پر نچلے والے کہنے لگے کہ اگر ایسا ہے تو ہم نچلے حصے میں سوراخ کر کے دریا سے پانی حاصل کریں گے اب اگر اوپر والے ان کو اس حرکت سے باز رکھیں تو سب محفوظ رہیں گے اور اگر نہ روکیں تو سب کے سب غرق ہو جائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے

تشریح: حُدُودِ اللّٰهِ: حدود حد کی جمع ہے مراد وہ سزائیں ہیں جو شریعت کی طرف سے مقرر ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حدود اللہ مقرر کی گئی ہیں ان حدود کو پورا کرنے میں تساہل اور نرمی سے کام لینے والا اور جن معاصی میں حدود مقرر ہیں ان معاصی کے ارتکاب سے منع کرنے میں تساہل کرنے والا یا حدود سے مطلقا معاصی مراد ہیں۔

وَالْمُدْهِنِ: اسم فاعل ادھان سے بنا ہے بمعنی فریب کرنا دھوکہ دینا یہاں مراد سستی کرنا ہے بے جازمی اور تساہل برتنے والا یعنی زنا ہو رہا ہو، شراب پی جا رہی ہو چوریاں ہو رہی ہوں، ڈاکے پڑ رہے ہوں، ناچ گانے وغیرہ سب منکرات کو بخوشی برداشت کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا مداہن ہے۔

"مداهنت" اور "مدارات" میں فرق: "مداہنت" کے ساتھ ایک دوسرا لفظ مدارات بھی ہے۔ یہ دونوں قریب قریب معنی رکھتے ہیں لیکن عرف میں ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے "مداہنت" کہا جاتا ہے کسی منکر و ناجائز امر کو دیکھ کر اس کو دفع

کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود خود لالچ یا شرم یا رشوت لینے کی وجہ سے منع نہ کرنا۔ مدارات کہا جاتا ہے شر وضرر وفتنہ کو دفع کرنے کی وجہ سے منکر کو دفع کرنے سے سکوت اختیار کرنا یا حفظ دین اور دفع ظلم کی وجہ سے ظالم سے نرم معاملہ اختیار کرنا اور بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ مداہنت کہا جاتا ہے کہ غیر کے دنیوی نفع کیلئے اپنے دینی امور میں ضرر اختیار کرنا اور مدارات کہا جاتا ہے کہ غیر کے دینی معاملے کی خاطر اپنے دنیوی ضرر کو برداشت کرنا نیز مدارات محمود اور مامور بہ ہے اور مداہنت مذموم ومنہی عنہ ہے۔

الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا يَصْعَدُونَ فَيَسْتَقُونَ الْمَاءَ: یہاں پانی سے مراد اکثر شارحین کے نزدیک وہ پانی ہے جو پینے کی غرض کیلئے ہو جیسا کہ حدیث کے ترجمہ سے واضح ہے اور بعض شارحین نے کہا کہ یہاں پانی سے مراد پیشاب ہے کہ کوئی شخص نیچے کے حصہ میں کسی برتن وغیرہ میں پیشاب کرے اور پھر اس کو دریا میں ڈالنے کیلئے اوپر والے حصہ میں آئے اور وہاں کے لوگوں کے درمیان سے گزرے تو اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ اوپر والے لوگوں کو تکلیف وناگواری محسوس ہوگی اب نیچے والوں میں سے کوئی شخص اوپر والوں کی تکلیف وناگواری کو دیکھ کر کشتی کے نیچے کی سطح توڑنے لگے تا کہ بوقت ضرورت اس جگہ سے پانی حاصل کرے یا گندگی، بول نیچے پھینکے۔ نیز نبی کریم ﷺ اس ارشاد گرامی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حدود میں غفلت وسستی کرنے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو کشتی کے اوپر کے درجہ میں ہو اور حدود میں گر پڑنے والے یعنی گناہ ومعصیت میں مبتلا ہونے والے کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کشتی کے نیچے کے درجہ میں ہو اور ان حدود (گناہوں) میں مشغول ومتفرق رہنے اور ان کو ترک نہ کرنے کو کشتی کے نیچے کی سطح کو توڑنے کے عمل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور کشتی توڑنے والے کا ہاتھ پکڑنے اور اسے توڑنے سے منع کرنے والے کو گناہوں سے روکنے والے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور گناہوں سے روکنے اور منع کرنے کے فوائد کو ان سب کی فلاح ونجات سے تعبیر کیا گیا گناہوں سے منع نہ کرنے والوں کو ان لوگوں کے ساتھ تعبیر کیا جو کشتی توڑنے والے کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ باقی حدیث میں منع کرنے والوں کو جمع کے صیغے کے ساتھ لائے جسکے ذریعے سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کی بھرپور مدد کریں۔ (مرقاۃ ج۹ ص ۳۳۰)

بَابُ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مُصْعَبٍ أَبُو يَزِيدَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

قاسم بن دینار کوفی، عبدالرحمن بن مصعب ابویزید، اسرائیل، محمد جحادہ، عطیہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا ہے۔ اس باب میں حضرت ابوامامہؓ سے بھی روایت ہے یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے

تشریح: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْجِهَادِ: مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت میں افضل الجہاد کا لفظ واقع ہے یہاں کلمہ سے مراد ایسی بات کہہ دینا یا لکھ دینا جو "امر بالمعروف والنھی عن المنکر" ہو۔

کلمہ حق کو اعظم الجہاد کیوں کہا: اعظم جہاد اس لئے قرار دیا کہ جہاد میں مجاہد کافر کے مقابلے میں یا تو غالب ہو کر کامیابی حاصل کر لیتا ہے ورنہ مغلوب ہو کر شہادت کا رتبہ مل جاتا ہے۔ مگر بادشاہ کے سامنے کلمہ حق ادا کرنے سے غالب ہونے کا احتمال تو نہیں البتہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا مقصود ہے اور ہلاکت بھی ایسی جو یکدم نہیں بلکہ مصائب جھیل جھیل کر آتی۔ اسی وجہ سے اس کو اعظم الجہاد کہا گیا ہے۔

علامہ مظہریؒ فرماتے ہیں کہ اعظم الجہاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے گا تو بادشاہ ظلم سے رک جائے گا اس کا فائدہ عام مخلوق کو پہنچے گا برخلاف کفار کے قتال کے وہاں انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا جس کا افادہ عام مخلوق کو نہیں بہرحال سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کا اظہار بڑی جرأت کے ساتھ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے۔ اس وجہ سے اس کو افضل اور اعظم الجہاد کہا گیا ہے۔

بَابُ سُؤَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا فِي أُمَّتِهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ رَاشِدٍ يُحَدِّثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً فَأَطَالَهَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّيْتَ صَلَاةً لَمْ تَكُنْ تُصَلِّيهَا قَالَ أَجَلْ إِنَّهَا صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ إِنِّي سَأَلْتُ اللهَ فِيهَا ثَلَاثًا فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً سَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُذِيقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَابْنِ عُمَرَ

محمد بن بشار، وہب بن جریر، نعمان بن راشد، زہری، عبداللہ بن حارث، حضرت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت طویل نماز پڑھی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسی طویل نماز پہلے کبھی نہیں پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں بے شک یہ امید وخوف کی نماز تھی میں نے اس میں اللہ تعالیٰ سے تین چیزیں مانگی تھیں اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں عطا فرما دیں اور ایک چیز نہیں دی میں نے سوال کیا کہ میری ساری امت قحط میں ہلاک نہ ہو اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا میں نے سوال کیا کہ ان پر کسی غیر قوم سے دشمن مسلط نہ ہو یہ دعا بھی قبول کر لی گئی پھر میں نے سوال کیا کہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ لڑائی کا مزانہ چکھا لیکن یہ دعا قبول نہیں ہوئی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں حضرت سعد اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً فَأَطَالَهَا: یہ طویل نماز اور دعا کہاں پڑھی گئی؟ یہ نماز و دعا مسجد نبوی کے نزدیک واقع بنی معاویہ کی مسجد میں پڑھی۔ یہ مسجد "مسجد اجابہ" کے نام سے مشہور ہے ابن النجار نے ذکر کیا

ہے کہ میں نے اس مسجد کو ویران حالت میں دیکھا تھا۔

صَلَاةُ رَغْبَةٍ وَرَهْبَةٍ: نماز کے دوران کبھی عبدیت کا اظہار ہوتا ہے اور کبھی شوق و رغبت والی اور کبھی خوف و رہبت والی۔ یہ نماز رغبت و رہبت دونوں کی جامع تھی کہ قبولیت کی امید اور عدم قبولیت کا اندیشہ تھا لیکن لفظ رغبت کے مقدم ہونے سے معلوم ہو رہا ہے کہ امید غالب اور مقدم تھی قرآن کریم میں صالحین و مقبولین کی دعا و التجاء کا بیان ایسے ہی ہے۔

سَأَلْتُ اللهَ فِيهَا ثَلَاثًا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں مانگی تھیں۔ اول: پوری امت قحط سالی میں ہلاک نہ ہو ثانی: ایسا دشمن مسلط نہ ہو جو امت کی بیخ کنی کر دے۔ ثالث: امت مسلمہ باہم دست و گریبان نہ ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اول دو دعائیں قبول کر لی گئیں آخری دعا قبول نہ ہوئی۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهَا عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَإِنَّ رَبِّي قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَلَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، ابوقلابہ، ابواسماء، حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین میرے سامنے کر دی اور میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھے بے شک میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک یہ میرے سامنے سمیٹی گئی ہے اور مجھے دو خزانے عطا کئے گئے سرخ اور سفید پھر میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کو ایک ہی مرتبہ قحط میں ہلاک نہ کرنا اور ان کے علاوہ کسی اور دشمن کو ان پر مسلط نہ کرنا جو ساری امت کو ہلاک کر دے اس پر رب ذوالجلال نے فرمایا اے محمد جب میں کسی چیز کا حکم دیتا ہوں تو وہ واپس نہیں لیا جاتا میں نے تمہاری امت کو یہ عطاء کر دیا ہے کہ میں انہیں قحط عام سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے علاوہ کسی ایسے دشمن کو ان پر مسلط نہیں کروں گا جو ان کی پوری جماعت کو ہلاک کر دے خواہ تمام اہل زمین ہی اس پر متفق کیوں نہ ہو جائیں لیکن انہی میں سے بعض لوگ دوسروں کو ہلاک کریں گے اور انہیں قید کریں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ: یہ ترکیب میں الکنزین سے بدل الکل ہیں۔ المفہم میں ہے کہ کنزین سے مراد سونا، چاندی، خزائن کسری، خزائن قیصر ہیں رنگت میں مناسبت بھی واضح ہے کہ کسری کے ہاں سونے کے دینار مروج تھے جو احمر کا مصداق ہے۔ اور قیصر کے ہاں چاندی کے درہم رائج تھے جو ابیض کا مصداق بنے۔

فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ: استباحۃ کے دو معنی ہیں اول: جائز و مباح سمجھنا۔ دوم: جڑ سے اکھاڑنا۔

البیضۃ کے بھی دو معنی ہیں (۱) لوہے کا خول جو جنگ میں پہنا جاتا ہے۔ (۲) اور دوسرا معنی اس کا انڈا ہے۔ اسلام کی جمعیت و شوکت کو بیضہ سے اس لئے تعبیر کیا کہ جس طرح بیضہ ٹوٹ جانے کے بعد بے کار ہو جاتا ہے اسی طرح جب مسلمانوں کی جمعیت ختم ہو جاتی ہے تو پھر ساری مملکت بے کار ہو جاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَكُونُ فِي الْفِتْنَةِ

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى الْقَزَّازُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ قَالَتْ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِتْنَةً فَقَرَّبَهَا قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ خَيْرُ النَّاسِ فِيهَا قَالَ رَجُلٌ فِي مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّي حَقَّهَا وَيَعْبُدُ رَبَّهُ وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ يُخِيفُ الْعَدُوَّ وَيُخِيفُونَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ مُبَشِّرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَابْنِ عَبَّاسٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ اللَّيْثُ بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ أُمِّ مَالِكٍ الْبَهْزِيَّةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عمران بن موسیٰ قزار بصری، عبدالوارث بن سعید، محمد بن جحادۃ، ایک آدمی، طاؤس، حضرت ام مالک بہزیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنے کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ بہت قریب ہے میں نے عرض کیا اس دور میں کون بہترین شخص ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ شخص جو اپنے جانوروں میں ہوگا اور ان کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت کرے گا دوسرا وہ شخص جو اپنے گھوڑے کو پکڑ کر دشمن کو ڈرا رہا ہوگا اور وہ اسے ڈرا رہے ہوں گے اس باب میں ام مبشر، ابوسعید خدری اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے لیث بن ابی سلیم بھی اسے طاؤس سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: رَجُلٌ فِي مَاشِيَتِهِ يُؤَدِّي حَقَّهَا: بہترین شخص وہ بندہ ہے جو اپنی بکریوں میں ہو، بکریوں کا حق ادا کرتا ہو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہو بکریاں لے کر بستی سے دور نکل گیا ہو بکریوں کی زکوۃ ادا کرتا ہو اور اللہ کی عبادت کرتا ہو اس طرح فتنوں سے الگ تھلگ رہتا ہو۔ وہ بہترین ہے۔

وَرَجُلٌ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ: وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے ہو۔ وہ جو دشمن کو ڈراتا ہو اور دشمن اس کو ڈراتے ہو ں یعنی گھوڑا لے کر جہاد میں نکل گیا ہو اور دشمن اس سے ڈرتے ہوں اور وہ دشمنوں پر اپنا رعب جماتا ہو تو وہ بہترین آدمی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت دو شخص بہتر ہوں گے یا تو وہ شخص جو فتنہ سے بچ کر جانوروں کو لے کر لوگوں سے الگ تھلگ ہو جائے جانوروں کے حقوق ادا کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہے۔ لوگوں کے ساتھ فتنہ میں مبتلا نہ ہو دوسرا وہ شخص جو کفار کے ساتھ مقابلے میں رہے یعنی جہاد کی تیاری میں رہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ

عبداللہ بن معاویہ جمحی، حماد بن سلمۃ، لیث، طاؤس، زیاد

بْنُ سَلَمَةَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ سِيمِينَ كُوشَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ الْفِتْنَةُ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِي النَّارِ اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ يَقُولُ لَا نُعْرِفُ لِزِيَادِ بْنِ سِيمِينَ كُوشَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ لَيْثٍ فَرَفَعَهُ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ لَيْثٍ فَوَقَفَهُ

بن سیمین کوش، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک فتنہ ایسا ہوگا جو عرب کو گھیر لے گا اور اس میں قتل ہونے والے دوزخی ہوں گے اس میں تلوار سے زیادہ زبان شدید ہوگی۔ یہ حدیث غریب ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ زیاد بن سیمین کوش کی اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث کو ہم نہیں پہچانتے حماد بن سلمہ اسے لیث سے مرفوعاً اور حماد بن زید لیث سے موقوفاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: تَسْتَنْظِفُ ''استنظف الشئ'' کے معنی ہیں وصول کر لینا۔ ایسا فتنہ جو سارے عرب کو ختم کر دے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جو جنگ ہوئی وہ اس کا مصداق نہیں اس حدیث کی بناء پر دونوں جانب کے مقتولین کو دوزخی کہنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے یہی مراد لیا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جنگ ہے پھر آگے حدیث کے الفاظ ''قتلاها في النار'' کا کیا مطلب ہوگا کیونکہ ان میں اکثر صحابہ کرامؓ ہیں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ بطور زجر و توبیخ ہے۔ بہر حال دونوں جماعتیں حق و صواب پر تھیں اور دونوں کا مقصد قاتلین عثمان کا بدلہ لینا تھا لیکن منافقین نے ایسا نہ ہونے دیا کیونکہ منافقین کو معلوم تھا کہ اگر یہ دونوں جماعتیں ایک ہو گئیں تو پھر یہ حضرات ہماری جڑ اکھاڑ پھینکیں گے اس لئے ان کی سازش نے ان دونوں فریقین کو لڑوا دیا اور خود بچ کر نکل آئے جیسا کہ منافقین کا وطیرہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دونوں اہل حق کی جماعتیں آپس میں نہیں لڑیں بلکہ لڑوایا گیا۔ ورنہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن نے گواہی دی ''رحماء بینهم'' آپس میں رحم دل ہیں پھر آپس میں کیسے جنگ کر سکتے ہیں جو کچھ بھی ہوا منافقین نے اس پاک جماعت میں دراڑ ڈالی۔ تاریخ ابن کثیر میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔

اللِّسَانُ فِيهَا أَشَدُّ مِنَ السَّيْفِ: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اللسان سے مراد کلمہ بمعنی بات ہے اس سے دو معنی مراد ہو سکتے ہیں یا تو حق مراد ہے۔ اگر حق مراد ہو تو مقصود جماعت حقہ کی تعریف ہے یعنی ایسے فتنہ کے موقع پر حق بات کہنا اور حق والوں کے ساتھ رہنا تلوار سے بھی زیادہ شدید ہے۔

واضح رہے کہ مشاجرات صحابہ میں کسی ایک جانب زبان درازی کرنا اور صحابہ کرامؓ پر لعن وطعن کرنا یقیناً روحانی موت ہے جو تلوار سے سخت ہے اور اس سے زیادہ خطرناک ہے۔

اور اگر باطل مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ ایسے فتنہ کے موقع پر غلط بات اور باطل بات کہہ دینا تلوار سے بھی زیادہ سخت ہے کہ تلوار سے ایک زخم ہوگا اور باطل بات سے فتنہ پھیل کر نہ معلوم کتنے قتل ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْأَمَانَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثَيْنِ قَدْ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْآنُ فَعَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَعَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِ الْأَمَانَةِ فَقَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ نَوْمَةً فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَتْ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ أَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلَى رِجْلِهِ قَالَ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ لَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ حَتَّى يُقَالَ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَحَتَّى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا أَجْلَدَهُ وَأَظْرَفَهُ وَأَعْقَلَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ قَالَ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيُّكُمْ بَايَعْتُ فِيهِ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ دِينُهُ وَلَئِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ مِنْكُمْ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، زید بن وہب، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو حدیثیں بیان کیں ان میں سے ایک میں نے دیکھ لی اور دوسری کا انتظار کر رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امانت لوگوں کے وسط قلوب میں نازل ہوئی پھر قرآن پاک نازل ہوا تو انہوں نے امانت کا حق قرآن سے سیکھا اور حدیث سے بھی سیکھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں امانت کے اٹھ جانے کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ایک آدمی سویا ہوگا اور اس کے دل سے امانت نکال لی جائے گی اور صرف ایک دھبہ باقی رہ جائے گا پھر وہ حالت نیند میں ہوگا اور اس کے دل سے امانت قبض کر لی جائے گی اور اس کا اثر نشان آبلہ کی طرح رہ جائے گا جیسے کہ تم انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکا دو اور وہ چھالا بن جائے لیکن اس میں کچھ نہ ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کنکری اٹھائی اور اسے اپنے پاؤں پر لڑھکا کر دکھایا پھر فرمایا جب صبح ہوگی تو لوگ خرید وفروخت کر رہے ہوں گے اور کوئی ایسا نہیں ہوگا کہ امانت کو ادا کرے یہاں تک کہ کہا جائے گا کہ فلاں قبیلے میں ایک شخص امین ہے اور یہاں تک کہ کسی کی تعریف میں اس طرح کہا جائے گا کتنا چست و چالاک آدمی ہے جبکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا راوی کہتے ہیں بے شک مجھ پر ایسا زمانہ آیا کہ میں بلاخوف وخطر خرید وفروخت کیا کرتا تھا اگر کسی مسلمان کے پاس میرا حق رہ جاتا تو وہ دینداری کی بناء پر خود مجھے واپس کر دیتا اور اگر یہودی یا نصرانی ہوتا تو ان کے سردار ہمیں ہمارا حق دلواتے لیکن آج کل میں کسی سے معاملات نہیں کرتا ہاں البتہ فلاں فلاں شخص سے کر لیتا ہوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امانت کے لغوی معنی ہیں ذمہ داری باب سمع سے ہو تو اس کا معنی ہے کہ کسی پر اعتماد کرنا۔ باب کرم سے ہو تو اس کا معنی

امین ہونا، دیانت دار ہونا۔
اصطلاح میں امانت اس ذمہ داری کا نام ہے جو انسان پر اللہ کی طرف سے پابندیوں کی صورت میں عائد کی جاتی ہے۔
الْأَمَانَةَ: اس کی مراد میں مختلف اقوال ہیں۔ اول: امانت سے اس کے مشہور معنی یعنی لوگوں کے حق میں خیانت نہ کرنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ خیانت نہ کرنے کا مادہ لوگوں کے دلوں میں ڈالا گیا۔ دوم: امانت سے مراد ہے کہ تمام تکالیف واحکام شرعیہ کے ساتھ مکلف ہونے کی استعداد قلوب رجال میں رکھی گئی ہے۔ سوم: عقل مراد ہے یہی عقل اصل قلب میں ڈالی گئی ہے۔
چہارم: اس سے مراد ایمان وہدایت کا بیج ہے جس کو بنی آدم کے قلب میں بکھیرا گیا ہے وہ بیج اگر نہ ہو تو ایمان بھی نہیں۔
الْوَكْتِ: بمعنی اثر کے ہے جیسے ایک شئی میں نقطہ ہوتا ہے۔
الْمَجْلِ: آبلہ: ہاتھ سے کام کرنے کی وجہ سے جو چمڑا سخت ہوجاتا ہے یا ابھر آتا ہے، اب مطلب یہ ہے کہ امانت قلوب رجال سے آہستہ آہستہ زائل ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ امانت کا جز اول زائل ہوگا تو نور ایمان زائل ہو کر وکت کی طرح ظلمت پیدا ہوگی۔ جو نقطہ کی صورت میں ہوگی جب جزو ثانی زائل ہوگا تو مجل کی طرح ہوگا۔ اب اس ظلمت کے باقی رہنے کو اس انگارے کے ساتھ تشبیہ دی جو لڑھک کر پاؤں پر پڑے اور آبلہ ڈال دے۔ جو دیکھنے میں بلند اور پھولا ہوا ہوتا ہے لیکن اس کے اندر مادہ فاسد کے علاوہ کوئی چیز نہیں۔
لَيَرُدَّنَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت مجھ پر ایسا گزرا کہ میں پرواہ نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کسی کے ساتھ بھی معاملہ کروں اس لئے کہ اگر وہ شخص مسلمان ہوگا تو ضرور اس کا دین اس چیز کو مجھ پر پھیرے گا اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوگا تو ضرور اس کا عمل مجھ پر پھیر دے گا مگر اب میں معاملہ نہیں کرتا مگر فلاں وفلاں سے۔ لیکن اب امانت اٹھنی شروع ہوگئی تو اب اطمینان نہیں رہا یہ تو اس زمانہ کی بات ہے موجودہ زمانہ میں تغیر امانت کے بارے میں کیا کہو گے۔
فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ مِنْكُمْ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُس زمانے کے سارے لوگ خائن ہو گئے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ خیانت کا ظہور شروع ہو چکا تھا مگر پھر بھی محض ظہور کی وجہ سے عام لوگوں سے معاملہ نہیں کرتا ہوں۔
اشکال: ادھر سے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دوسری بات کا منتظر ہوں ادھر فرما رہے ہیں کہ میں نے اسی رفع امانت کی بنا پر معاملات عام ترک کر دیئے ہیں اس اعتبار سے دونوں باتوں میں تضاد ہو گیا۔
جواب: چونکہ زمانہ میں تبدیلی ابھی پوری نہیں آئی بلکہ آثار شروع ہوئے تھے اور حدیث میں ہے ''**الحزم سوء الظن** چوکنا پن بدظنی میں ہے'' اس لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔

بَابُ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سِنَانِ بْنِ أَبِي سِنَانٍ عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ	سعید بن عبدالرحمن مخزومی، سفیان، زہری، سنان بن ابی سنان، حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ حنین کے لئے نکلے تو مشرکوں کے

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ

ایک درخت کے پاس سے گزرے جس کو ذات نواط کہا جاتا تھا اور وہ اس کے ساتھ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لئے بھی ان کی طرح کا ذات انواط مقرر فرما دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُبْحَانَ اللهِ کہا اور فرمایا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسا حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے کیا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیں جیسا ان کے لئے ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور پچھلی امتوں کا راستہ اختیار کرو گے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابو واقد لیثی کا نام حارث بن عوف ہے اس باب میں حضرت ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: ذَاتُ أَنْوَاطٍ: یہ ایک درخت تھا جس پر مشرکین ہتھیار لٹکاتے تھے اور اس کے پاس اعتکاف کرتے تھے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے جب ان لوگوں کو دیکھا کہ وہ درخت کا احترام کر رہے ہیں تو بعض صحابہ کرام نے بھی درخواست پیش کردی کہ ہمارے لئے بھی تخصیص پیش کردی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طریقہ یہودیوں والا ہے انہوں نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا ہی سوال کیا تھا۔ ''اجعل لنا الها کما لهم الهة'' جیسا کہ ایک اور آیت کا مفہوم ہے: ''لتتبعن سنن من قبلکم شبرًا شبرًا و ذراعًا حتی لو دخلوا حجر ضب تبعتموهم قلنا یا رسول الله الیهود و النصاری قال فمن''۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ السِّبَاعِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا أَبُو نَضْرَةَ الْعَبْدِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْإِنْسَ وَحَتَّى تُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ وَشِرَاكُ نَعْلِهِ وَتُخْبِرَهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ بَعْدَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سفیان بن وکیع، ان کے والد، قاسم بن فضل، ابونضرۃ عبدی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک درندے انسانوں سے بات نہیں کریں گے اور جب تک کسی شخص سے اس کی چابک کی رسی اور تسمہ وغیرہ بات نہیں کریں گے اور اس کی ران اسے بتا دے گی کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی نے کیا کیا۔ اس باب میں حضرت

غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْقَاسِمِ بْنِ الْفَضْلِ وَالْقَاسِمُ بْنُ الْفَضْلِ ثِقَةٌ مَأْمُونٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَثَّقَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدِ الْقَطَّانُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اسے صرف قاسم بن فضل کی روایت سے جانتے ہیں اور یہ ثقہ اور مامون ہیں انہیں یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

تشریح: اس روایت کا تعلق حقیقت سے ہے یا صرف تمثیل دی گئی ہے۔اس بارے میں حقیقت بھی ہے کہ موجودہ دور میں اتنی ترقی اور جدید آلات آچکے ہیں کہ ہر چیز ناممکن کو ممکن بنا رہی ہے تو یہ بھی امکانات میں سے ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ بے جان بھی بات کرے اور انسان بھی جہاں کہیں بھی ہو اپنے بچوں کی خبر وخیریت معلوم کرلے گا جیسا کہ موجودہ زمانہ میں فون کا ایجاد ہونا کہ ہزاروں میل دور رہونے کے باوجود اسے اپنے گھر والوں کی خبر ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي انْشِقَاقِ الْقَمَرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ انْفَلَقَ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْهَدُوا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، اعمش، مجاہد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چاند دو ٹکڑے ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گواہ رہو۔اس باب میں حضرت ابن مسعود، انس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا جس کی صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ حدیث میں شہادت کے ایک معنی یہ ہیں کہ آؤ اس معجزہ کو دیکھو اس صورت میں ''اشھدوا'' کو شہود سے مشتق مانا جائے گا۔اور دوسرا معنی یہ ہے کہ گواہ ہو جاؤ اس صورت میں یہ شہادت سے ماخوذ ہوگا۔اس سے مراد وہی شق قمر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر واقع ہوا اور انشقاق قمر اور ہے جو قیامت کے دن ہوگا جس کو قرآن میں سورہ قمر میں بیان کیا گیا ہے اس شق قمر کے معجزہ پر منکرین ایک اعتراض کرتے ہیں جو بالکل بے بنیاد ہے۔

اعتراض: شق قمر یہ بہت بڑا واقعہ ہے اگر حقیقۃً ہوا ہے تو صرف اہل مکہ ہی نے کیوں دیکھا اور لوگ بھی دیکھتے لہٰذا اگر یہ واقعۃً سچا ہوتا تو ساری دنیا دیکھتی۔ جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ شق قمر کا ظہور خاص اُن لوگوں کیلئے ہوا تھا جنہوں نے مطالبہ کیا لہٰذا انہی کا دیکھنا کافی ہے ساری دنیا کا دیکھنا ضروری نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ رات کا واقعہ ہے اور اس وقت لوگ سوئے ہوئے تھے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع کی بناء پر چاند ایک ہی وقت میں دنیا کے تمام خطوں پر نظر آئے یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ جہاں دن ہوتا ہے مگر دوسری جگہ رات ہوتی ہے ''وعلی ھذا القیاس'' جیسا کہ چاند گرہن بعض لوگوں کو بعض علاقوں میں نظر آتا ہے اور بعض کو بعض علاقوں میں نظر نہیں آتا یہاں بھی ایسا ہوا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَسْفِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ قَالَ أَشْرَفَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غُرْفَةٍ وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ السَّاعَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَرَوْا عَشْرَ آيَاتٍ طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَالدَّابَّةَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ تَسُوقُ النَّاسَ أَوْ تَحْشُرُ النَّاسَ فَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا وَتَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا

بندار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، فرات، قزاز، ابوطفیل، حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے سے ہم لوگوں کو قیامت کے متعلق بات چیت کرتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، زمین کا تین جگہ سے دھنسنا مشرق، مغرب اور جزیرہ عرب میں، عدن کی جڑ سے آگ کا نکلنا جو آدمیوں کو ہانکے گی یا فرمایا اکٹھا کرے گی اور اس کے ساتھ جہاں وہ رات گزاریں رات گزارے گی اور جہاں وہ قیلولہ کریں گے یعنی دوپہر گزاریں گے وہیں ٹھہرے گی۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ فُرَاتٍ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ وَالدُّخَانَ

سفیان سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں البتہ اس میں "والدُّخَانَ" (دھواں) کے الفاظ زیادہ ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ نَحْوَ حَدِيثِ وَكِيعٍ عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ عَنْ شُعْبَةَ وَالْمَسْعُودِيِّ سَمِعَا فُرَاتًا الْقَزَّازَ نَحْوَ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ فُرَاتٍ وَزَادَ فِيهِ الدَّجَّالَ أَوِ الدُّخَانَ

ہناد، ابوالاحوص، فرات، قزاز، وکیع، سفیان، محمود بن غیلان، ابوداؤد طیالسی، شعبہ، مسعودی بھی ابوالاحوص سے اور وہ فرات قزاز سے وکیع کی سفیان سے منقول حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں محمود بن غیلان ابوداؤد طیالسی سے وہ شعبہ اور مسعودی سے اور وہ فرات قزاز سے عبدالرحمن کی سفیان سے منقول حدیث کی مانند نقل کرتے ہیں اور اس میں (الدَّجَّالَ أَوِ الدُّخَانَ) کے الفاظ زیادہ ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ الْحَكَمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْعِجْلِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ فُرَاتٍ نَحْوَ حَدِيثِ أَبِي دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ وَزَادَ فِيهِ وَالْعَاشِرَةُ إِمَّا رِيحٌ تَطْرَحُهُمْ فِي الْبَحْرِ وَإِمَّا نُزُولُ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَفِي الْبَاب

ابوموسی، محمد بن مثنی، ابونعمان حکم بن عبداللہ عجلی سے وہ شعبہ سے اور وہ فرات سے شعبہ کی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں اور دسویں نشانی یا تو ہوا ہے جو ان کو سمندر میں پھینک دے گی یا حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول ہے اس باب میں حضرت

عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَصَفِيَّةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ
علی، ابو ہریرہ، ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: عشر علامات قیامت میں مختلف روایات اوران کی تطبیق: قیامت کی ان دس علامات کا ذکر روایات میں مختلف ہے بعض روایات میں اول العلامات خروج و دجال کو بتایا ہے اور بعض روایات میں ''اول العلامات مغربها'' ہے اور بعض روایات میں دابۃ الارض کو اول العلامات قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں ''نار تحشر الناس'' واقع ہے چند روایات علامہ بیہقیؒ نے ذکر کی ہے۔

اول: ''اول الایات ظهور الدجال ثم نزول عیسی ثم خروج یاجوج وماجوج ثم خروج الدابة''۔

ثانی: ''اول الایات الخسوفات ثم خروج الدجال ثم نزول عیسی ثم یاجوج ماجوج ثم الریح القابضة لارواح المؤمنین ثم طلوع الشمس ثم الدابة''۔

ثالث: ''اول العلامات الدخان ثم خروج الدجال ثم نزول عیسی ثم خروج یاجوج ماجوج ثم خروج الدابة ثم طلوع الشمس من مغربها''۔ ان روایات میں اختلاف ہے۔

تطبیق بین الروایات: حافظ ابن حجرؒ نے اس میں یہ تطبیق بیان کی ہے کہ ان تمام روایات میں اولیت مختلف اعتبارات سے ہے۔ مثلاً حدیث میں سب سے پہلی علامت طلوع شمس من مغربها ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ تمام نشانیوں میں پہلی نشانی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پر ظہور پذیر ہونے والی سب سے پہلی علامت طلوع شمس من مغربها ہے اس لئے اولیت بھی ہے اور دوسری روایت کے ساتھ متعارض بھی نہیں ہے۔

دجال کے ظہور کی علامت اولی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زمین پر لوگوں میں بڑی تبدیلی لانے والی سب سے پہلی علامت دجال کا خروج ہوگا یہ زمین کی علامات میں سے پہلی علامت ہوگی۔

خروج نار کی اولیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ علامات قیامت کی اطلاع دینے والی پہلی نشانی آگ ہوگی۔ اور دابۃ الارض کے پہلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مومن و کافر کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی پہلی علامت دابۃ الارض ہے یا یوں کہو کہ حیوانات کی نشانیوں میں سب سے بڑی نشانی دابۃ الارض کا خروج ہے۔

طُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا: مغرب سے سورج کا طلوع ہونا بھی علامات قیامت میں سے ہے قرآن پاک میں آیت ''یوم یأتی'' بعض آیات ''ربك لا ینفع نفسا'' کا مصداق علماء نے طلوع شمس من المغرب کو قرار دیا ہے۔ مغرب سے طلوع کی کیفیت کیا ہوگی اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ درمنثور کی روایت میں ہے کہ سورج واپس الٹا جائے گا۔

ابن عساکر کی تاریخ میں حضرت کعب سے اس کی یہ کیفیت منقول ہے کہ شمس قطب کی طرف گھوم کر نقطہ مغرب پر آجائے گا ہوسکتا ہے رجعت قہقری سے یہی مراد ہو۔

درمنثور میں ہی ایک روایت ہے کہ مغرب سے طلوع ہو کر وسط آسمان تک پہنچے گا پھر مغرب ہی کی طرف لوٹ کر غروب

ہوگا اس کے بعد بدستور سابق مشرق سے طلوع ہوگا۔

قول اول: اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ توبہ وایمان قبول نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: چونکہ اس کے بعد ایمان بالغیب باقی نہیں رہتا بلکہ غیب کا مشاہدہ ہوجاتا ہے۔

قول ثانی: عدم قبولیت کا یہ حکم دائمی نہیں رہے گا بلکہ اس کے بعد جو لوگ پیدا ہوں گے وہ مخاطب بالشرع ہوں گے ان کی توبہ وعبادت قبول ہوگی۔ بعض نے کہا کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب ذہول ہوجائے گا پھر دوبارہ توبہ قبول ہونی شروع ہوجائے گی۔

وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ: یاجوج ماجوج کا نکلنا اور ان کا ہلاک ہونا: پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو ظاہر کریں گے وہ جہاں سے گزریں گے وہاں ساری چیزیں چٹ کر جائیں گے ان کی پہلی جماعت جب بحیرہ طبریہ سے گزرے گی تو سارا پانی پی جائے گی اس کے بعد آنے والی جماعت کہے گی کہ یہاں کبھی پانی تھا پھر یہ بیت المقدس کے جبل خمر تک پہنچ جائیں گے جو بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے پھر ظلم وستم، قتل وغارت گری کرنے کے بعد کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو ختم کردیا اب آسمان والوں کو ختم کرتے ہیں چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر برسائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلودہ کرکے واپس کرے گا تاکہ یہ گمان کریں کہ ہمارے تیر واقعۃً آسمان والوں کا کام کرکے آئے ہیں اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اڑنے والے پرندوں کو لگیں اور خون آلود ہوجائیں اس دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمان کوہ طور پر روکے جائیں گے اور اس وقت ان کے اسباب معیشت کی تنگی اور قلت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ ان کے لئے بیل کا سر آج کے سو دیناروں کے بقدر ملے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء یاجوج ماجوج کی تباہی کے لئے بددعا کریں گے اس بددعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں نغف کی بیماری ڈال دیں گے جس کی بناء پر ان کو کیڑے پڑ جائیں گے اور سب ایک وقت میں موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اتر کر نیچے آئیں گے تو ایک بالشت بھر زمین بھی ایسی نہیں ملے گی جس پر قدم رکھیں اور یاجوج ماجوج کی لاشوں اور بدبو سے خالی ہو۔ وہ پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹ کی گردن جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندوں کو بھیج دیں گے جو یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں سے سات سال تک آگ جلاتے رہیں گے پھر بھی وہ ختم نہیں ہوں گی پھر اللہ تعالیٰ ایک ایسی بارش برسائے گا جو ہر جگہ پہنچے گی اور کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا جہاں اسکا پانی نہ پہنچے جس سے زمین صاف اور شفاف بن جائے گی اور پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھلوں کی پیداوار کو نکال دے پیداوار اس قدر کثرت سے ہوگی کہ چالیس آدمیوں کی جماعت کے لئے ایک انار کافی ہوجائے گا اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے نیز دودھ میں اتنی برکت دی جائے گی ایک اونٹنی کا دودھ ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوجائے گا اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کے لئے اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوجائے گا۔

اسی اثناء میں جب لوگ امن وامان اور سکون کی زندگی بسر کر رہے ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جو ان کے بغل کے نیچے کے حصہ کو متاثر کرے گی اور پھر وہ ہوا ہر مؤمن اور ہر مسلمان کی روح قبض کرلے گی اور بدکار شریر لوگ دنیا میں رہ جائیں گے اور وہ علانیہ طور پر زنا کریں گے اور انہی بدکار لوگوں پر قیامت قائم ہوگی جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے۔ ایک حدیث

میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ روئے زمین پر اللہ اللہ کہنا بند نہ ہو جائے۔

وَالدَّابَّةَ: اس سے مراد عجیب الخلقت جانور ہے جو کہ صفاء ومروہ کے درمیان برآمد ہوگا جسکا ذکر قرآن مجید میں ہے "واخرجنا لهم دابة من الارض" اسکی صورت یہ ہوگی کہ اسکے چاروں پاؤں ساٹھ ساٹھ گز لمبے ہونگے اسکے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہ صفاء یکا یک زلزلہ سے پھٹ جائیگا اس میں سے یہ جانور نکلے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یوں ہو گی کہ چہرہ انسانوں کی طرح، پاؤں اونٹ کی طرح، دم چیل کی طرح، سرین ہرن کی طرح، سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہوں گے۔ اسکے ایک ہاتھ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا اور دوسرے ہاتھ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری۔ یہ تمام شہروں اور تمام علاقوں میں اس طرح گھومے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہیں کر سکے گا اور نہ دوڑ میں مقابلہ کر کے اس سے کوئی چھٹکارہ پا سکے گا جہاں جہاں سے گزرے گا ہر اس شخص پر نشان لگا تا جائیگا جو صاحب ایمان ہوگا اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چھوئے گا اور اس پر مومن لکھ دے گا اور جو کافر ہوگا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا اور اسکے منہ پر کافر لکھ دے گا۔

بعض حضرات نے کہا کہ دابۃ الارض تین مرتبہ نکلے گا ایک دفعہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے زمانے میں دوسری بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور پھر تیسری بار طلوع شمس من المغرب سے پہلے ہوگا۔

وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ: یہ تین خسوف ہو چکے ہیں یا نہیں۔ علامہ شاہ رفیع الدین اپنے رسالہ اشراط الساعۃ میں فرماتے ہیں کہ یہ تینوں خسوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوں گے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تینوں خسوف واقع ہو چکے ہیں۔

اول: ۲۰۸ھ میں مغرب میں خسف ہوا اس میں تیرہ بستیاں ہلاک ہوئیں۔

ثانی: ۳۴۶ھ میں صوبہ رائے میں ایک سو پچاس بستیاں زمین میں دھنس گئیں۔

ثالث: شعبان ۴۸۳ھ میں غرناطہ کے کئی مکانات زمین میں دھنس گئے اس لئے ان کا وقوع ہو چکا ہے۔

لیکن اتنے بعید زمانہ کو قرب قیامت کی علامت کیسے کہا جا سکتا ہے لہٰذا راجح یہی ہے کہ قرب قیامت میں یہ علامات ظاہر ہوں گی۔

وَنَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنَ: عدن یہ یمن میں مشہور شہر ہے۔

قوله واخر ذالك نار تخرج من اليمن: یمن سے جو آگ نکلے گی وہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر محشر (شام کی طرف) ہانک کر لے جائے گی بعض حضرات نے کہا کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس آگ کی ابتداء ملک شام سے ہوگی یا یہ کہ ملک شام کو اس سے ملا کر وسیع وفراخ کر دیا جائے گا کہ سارے عالم کے لوگ اس میں جمع ہو جائیں گے۔ اگر زمین حشر سے مراد میدان حشر لیا جائے تو اس میں اعتراض واقع ہوتا ہے اس لئے میدان حشر مراد نہیں۔

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ حجاز کی سرزمین سے نمودار ہوگی جبکہ یہاں حدیث میں ہے کہ وہ یمن سے نمودار ہوگی۔

جواب اول: قاضی عیاضؒ وغیرہ نے کہا کہ قیامت کی نشانی ایک قسم کی آگ نہیں ہوگی بلکہ دو قسم کی آگ ہوگی اور وہ دونوں قسم کی آگ لوگوں کو ہانک کر میدان حشر کی طرف لے جائیگی۔

جواب ثانی: یا یہ کہ وہ آگ تو ایک ہی ہوگی جو ابتداء میں یمن کی جانب سے نکلے گی لیکن اسکا ظہور حجاز کی سرزمین سے ہوگا اور بعض روایات میں نار کے بجائے "ریح تلقی الناس فی البحر" کا ذکر ہے اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ وہی نار سخت ہوا کیساتھ مل کر کفار کو سمندر میں ڈال دیگی اور وہی نار مسلمانوں کیلئے شدید الحرنہ ہوگی بلکہ صرف میدان حشر کی طرف لے جائیگی۔

اہل حجاز سے جو آگ نکلی: اس آگ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ یہ آگ تین جمادی الثانیہ ۶۵۰ھ بروز جمعہ کو شروع ہوئی اور ۲۷ رجب ۶۵۰ھ بروز اتوار تک ظاہر رہی۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ یہ آگ ایک بڑے شہر کی مانند تھی جس میں قلعہ بروج وغیرہ تھے یہ آگ وسط حجاز میں طوفان اور سمندر کی موجوں کی طرح بلند ہو رہی تھی ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے اس میں آگ کی ندی جاری ہو اور جس شہر میں جاتی سب کو راکھ کر ڈالتی اس میں کڑک بھی تھی اور مختلف رنگ بھی تھے چنانچہ یہ آگ اس طوفانی حیثیت سے مدینہ منورہ تک پہنچ گئی لیکن حدود مدینہ میں کسی چیز کو نہیں جلاتی تھی حتی کہ اگر پتھر کا آدھا حصہ مدینہ میں ہوتا اور آدھا باہر ہوتا تو باہر والے حصہ کو جلا ڈالتی اندر والے حصے کو کچھ نہ کہتی اس آگ کی وجہ سے مدینہ منورہ کے لوگ گھبرائے ہوئے تھے وہ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے اور صدقات دے رہے تھے اس آگ سے مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کے علاقے اس طرح روشن تھے کہ دن کے وقت سورج کی روشنی کمزور پڑ جاتی تھی اور بعض اہل مکہ نے اس کی روشنی کو یمامہ اور بصرہ میں دیکھا وہ پتھر کو جلا دیتی تھی لیکن درختوں کو نہ جلاتی تھی اس بناء پر لوگ روضہ اطہر کے پاس جمع ہو گئے اور رو رو کر دعائیں مانگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس آگ کا رخ شمال کی طرف موڑ دیا اور لوگ محفوظ ہو گئے۔

نیز اس آگ کے متعلق تین اقوال ہیں ① اس آگ سے تاتاریوں کا فتنہ اور ان کی آگ مراد ہے جس کا زیادہ زور بغداد میں رہا ② اس آگ سے حقیقی آگ مراد ہے جو قرب قیامت میں ظاہر ہوگی ③ اس آگ سے مراد حقیقی آگ ہے جس کا ظہور ہو چکا ہے۔

وَزَادَ فِيهِ الدَّجَّالَ أَوِ الدُّخَانَ: "دخان" کے متعلق دو قول ہیں۔ ① "دخان" سے مراد وہ دخان ہے جس سے قریش میں قحط سالی آئی تھی اور فضاء میں دھواں کی طرح کوئی چیز نظر آئی تھی جیسا کہ عام طور پر بھوک کی حالت میں اگر آسمان کی طرف دیکھا جائے تو زمین و آسمان کے درمیان ایک دھواں نظر آتا ہے اس دھویں کا سبب یہ تھا کہ یمامہ کا رئیس ثمامہ بن اثال جب مسلمان ہوا تو کفار مکہ نے ان پر لعن طعن شروع کر دیا تو ثمامہ نے یمامہ سے غلہ لانا بند کر دیا تھا ادھر آپ ﷺ کی بددعا کی وجہ سے بارش بند ہو گئی جس سے قریش میں قحط سالی آئی اور وہ مرنے لگے ② بعض حضرات کے نزدیک جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دخان سے مراد وہ ہے جو قرب قیامت میں نکل کر مشرق و مغرب میں پھیل جائیگا اور چالیس دن تک رہے گا اسکی وجہ سے تمام لوگ بہت سخت پریشان ہونگے "دخان" کی وجہ سے مسلمان صرف زکام میں مبتلا ہونگے مگر منافقین و کفار بے ہوش ہو جائینگے ان کو کئی کئی دن تک ہوش نہیں آئے گا جیسا کہ قرآن میں ہے "فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین الخ"

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْمُرْهِبِيِّ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ

محمود بن غیلان، ابونعیم، سفیان، سلمۃ بن کہیل، ابوادریس مرہبی، مسلم بن صفوان، حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگ اس گھر پر

صَفِيَّةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْتَهِي النَّاسُ عَنْ غَزْوِ هٰذَا الْبَيْتِ حَتّٰى يَغْزُوَ جَيْشٌ حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ أَوْ بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَلَمْ يَنْجُ أَوْسَطُهُمْ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ فَمَنْ كَرِهَ مِنْهُمْ قَالَ يَبْعَثُهُمُ اللهُ عَلٰى مَا فِي أَنْفُسِهِمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

چڑھائی کرنے سے باز نہیں آئیں گے یہاں تک کہ ایک لشکر چڑھائی کرے گا اور جب وہ زمین کے ایک چٹیل میدان میں ہوں گے ان کے اول اور آخر زمین میں دھنسا دیے جائیں گے اور درمیان والے بھی نجات نہیں پائیں گے میں نے عرض کیا یارسول اللہ جو لوگ ان لوگوں میں سے اس فعل کو برا سمجھیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے دلوں کے حال کے مطابق اٹھائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ یہ قصہ زمانہ مہدی میں پیش آئے گا حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ کعبہ کا وقوع متعدد بار ہوگا بعض مرتبہ کعبہ پر چڑھائی کرنے والوں کو حملہ کرنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیا جائے گا بعض مرتبہ قابو دے دیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد وہی لشکر ہو جو کفار حبشہ کا ہوگا جس کو دھنسا دیا جائے گا جب وہ کعبہ کو گرا دیں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ خسف فرمائیں گے مگر یہ قول بعید ہے درست نہیں کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کو گرانے سے پہلے ان کو خسف کر دیا جائے گا۔ جبکہ بعض طرق میں ''من امتی'' کا لفظ ہے اور جو لوگ کعبہ کو گرائیں گے وہ کفار حبشہ ہوں گے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا صَيْفِيُّ بْنُ رِبْعِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْثُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ تَكَلَّمَ فِيهِ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس امت کے آخر میں زمین میں دھنسا دینا، چہرے کا مسخ ہونا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہوگی۔ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم نیک لوگوں کی موجودگی کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں جبکہ فسق و فجور ظہور پذیر ہوگا۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں عبداللہ بن عمر راوی کے حافظے پر یحییٰ بن سعید اعتراض کرتے ہیں۔

تشریح: **إِذَا ظَهَرَ الْخُبْثُ:** خباثت سے مراد نافرمانی ہے۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر زنا سے کی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس سے عقائد و اعمال کا مطلقاً بگاڑ اور معاصی مراد ہے۔ جب فسق و فجور کی کثرت ہوگی تو یہ وبال اور بلائیں اتریں گی اور ہلاکتیں کثرت سے واقع ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فسق و فجور سے بچاتے ہوئے مذکورہ وبال اور بلاؤں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَدْرِي أَيْنَ تَذْهَبُ هٰذِهِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّهَا تَذْهَبُ تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا وَكَأَنَّهَا قَدْ قِيلَ لَهَا اطْلُعِي مِنْ حَيْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ مِنْ مَغْرِبِهَا قَالَ ثُمَّ قَرَأَ وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا وَقَالَ ذٰلِكَ قِرَائَةُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي مُوسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، ابراہیم تیمی، ان کے والد، حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں غروب آفتاب کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوذر جانتے ہو یہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ سجدے کی اجازت لینے کیلئے جاتا ہے اور اسے اجازت دے دی جاتی ہے گویا کہ پھر حکم دیا جائے کہ وہاں سے طلوع کرو جہاں سے آئے ہو اس طرح وہ مغرب سے طلوع ہوگا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی وَذٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَّهَا راوی کہتے ہیں کہ یہ ابن مسعودؓ کی قراءت ہے اس باب میں حضرت صفوان بن عسال، حذیفہ بن اسید، انس اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: طلوع شمس من مغربہا کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے اس باب میں دو سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

سوال اول: سورج کے غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرنے کا کیا مطلب ہے؟ **جواب:** سورج حکم الٰہی کے تابع ہے وہ اپنی زبان حال سے انقیاد ظاہر کرتا ہے گویا اس کا سجدہ کرنا انقیاد ہے ہماری طرح سجدہ کرنا مراد نہیں اسی طرح دوسری مخلوقات چرند و پرند، درختوں کے سجدہ کا ذکر آتا ہے تو اس سے انسانوں والا سجدہ مراد نہیں بلکہ اللہ کے سامنے عاجزی اور تذلل سے پیش آنا ہے۔

سوال ثانی: جب سورج واپس لوٹے گا تو کس ملک میں مغرب سے طلوع ہوگا اور دوسرے ممالک کا کیا بنے گا؟

جواب: آئندہ آنے والے واقعات موجودہ تعبیرات سے سمجھائے گئے ہیں لیکن جب وہ واقعات پیش آئیں گے تو ان کی صحیح صورتحال سامنے آئے گی فی الوقت ہم کما حقہ نہیں سمجھ سکتے وقت ہی بتائے گا کہ اس کی نوعیت کیا ہوگی بہرحال اس کی اصل صورتحال اللہ ہی کے علم میں ہے۔

تَسْتَأْذِنُ فِي السُّجُودِ فَيُؤْذَنُ لَهَا: استیذان سے مراد ''حضور حق میں حاضری کی اجازت چاہنا'' ہے لیکن صحیح مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آفتاب سجدہ ریز ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت لیتا ہے اور اس کو اجازت عطاء کی جاتی ہے عرش کے نیچے مستقر رہنے کا بھی یہی مطلب ہے کہ سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔

سوال: آفتاب جب ہر وقت طلوع رہتا ہے تو اس کا اپنے مستقر میں غروب ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب اول: سورج کا ایک مستقر زمانی ہے اور ایک مستقر مکانی ہے آیت میں مستقر زمانی مراد ہے یعنی جس زمانے تک سورج کو جس کام میں لگایا گیا ہے اسی کام میں لگا رہے گا یہاں تک کہ قیامت آ جائے یعنی قیامت تک اپنے مستقر کی طرف جاری وساری رہے گا کبھی رکے گا نہیں قرآن کی آیت "الی اجل مسمی" اس کی تائید کر رہی ہے

جواب ثانی: آیت مستقر سے مستقر مکانی مراد ہے اور مستقر مکانی کا مطلب یہ ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے سورج کو پیدا کیا اور جس دائرہ میں سورج کو چلایا تھا اسی دائرے میں سورج چلتا رہے گا اُس دائرے سے نہ نیچے آئے گا نہ اوپر جائیگا اس کو مثال سے یوں سمجھا جائے کہ سورج کا دائرہ چوتھا آسمان ہے جبکہ عرش الٰہی تمام آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے لہٰذا سورج عرش کے نیچے ہی چوتھے آسمان پر چکر لگا رہا ہے نہ تیسرے آسمان پر اترتا ہے نہ پانچویں آسمان پر چڑھتا ہے بلکہ اپنے مستقر میں رہتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ حَبِيبَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَوْمٍ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ وَهُوَ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يُرَدِّدُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ وَعَقَدَ عَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ جَوَّدَ سُفْيَانُ هٰذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ الْحُمَيْدِيُّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ حَفِظْتُ مِنَ الزُّهْرِيِّ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ أَرْبَعَ نِسْوَةٍ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ حَبِيبَةَ وَهُمَا رَبِيبَتَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أُمِّ

سعید بن عبد الرحمن مخزومی وغیر واحد، سفیان، زہری، عروہ، زینب بنت ابی سلمۃ، حبیبۃ، ام حبیبہ، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ **لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ** پڑھا اور فرمایا عرب کے لئے اس شر سے ہلاکت ہے جو قریب ہو گیا ہے آج کے دن یاجوج ماجوج کو روکنے والی دیوار میں اس کے برابر سوراخ ہو گیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلی سے گول دائرے کا نشان بنا کر دکھایا زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم صالحین کے ہونے کے باوجود ہلاک کر دیئے جائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں جب برائی زیادہ ہو جائے گی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے سفیان نے اسے جید قرار دیا ہے حمیدی سفیان کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے زہری کی اس سند سے چار عورتوں کو یاد کیا ہے زینب بنت ابو سلمہ کو جو حبیبہ سے نقل کرتی ہیں اور یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں رہیں ام حبیبہ، زینب بنت

حَبِيبَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَى مَعْمَرٌ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ حَبِيبَةَ

جحش سے روایت کرتی ہیں اور یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے تھیں معمر نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا لیکن اس میں حبیبہ کا ذکر نہیں ہے۔

تشریح: **مِثْلُ هٰذِهٖ وَعَقَدَ عَشْرًا**: یاجوج ماجود کی ردم میں یعنی سد ذوالقرنین میں اتنا سوراخ کھل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھایا۔ سد یاجوج و ماجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہو جانا اپنے حقیقی معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور مجازی معنی میں بھی ممکن ہے کہ سد ذوالقرنین کے کمزور ہو جانے کے معنی میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج ہر روز سد ذوالقرنین کو کھودتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس دیوار کے آخری حصہ تک اتنے قریب پہنچ جاتے ہیں کہ دوسری طرف روشنی نظر آنے لگے مگر یہ کہہ کر لوٹ جاتے ہیں کہ باقی کل کھود کر پار کریں گے مگر اللہ تعالیٰ اس کو ویسے ہی پہلے کی طرح مضبوط اور درست کر دیتے ہیں پھر وہ اگلے روز نئے سرے سے محنت کرنا شروع کرتے ہیں۔ جب اللہ رب العزت اس دیوار کو کھولنے کا ارادہ کریں گے تو اس روز جب محنت کر کے یاجوج ماجوج آخری حد تک پہنچ جائیں گے تو اس روز یوں کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کل پار کریں گے اللہ تعالیٰ کے نام لینے سے اور اس کی مشیت پر موقوف رکھنے کی آج ان کو توفیق ہو جائے گی تو اگلے روز ان کی دیوار کا باقی ماندہ اپنی حالت پر ملے گا جس کو توڑ کر پار کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج و ماجوج میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی مشیت اور ارادے کو مانتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر کسی عقیدے کے ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ یہ جملہ جاری کروا دیں اور اس کی برکت سے ان کا کام بن جائے مگر ظاہر یہ ہے کہ ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے ورنہ نص قرآنی کے مطابق ان کو جہنم کا عذاب نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن پاک میں آیت ہے ”وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا“ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت ایمان ان کو پہنچ چکی ہے مگر یہ لوگ کفر پر جمے رہے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے ارادہ و مشیت کے قائل ہوں گے مگر صرف یہ عقیدہ ایمان کے لئے کافی نہیں جب تک رسالت و آخرت پر ایمان نہ ہو۔ بہر حال ان شاء اللہ کہنے کے باوجود بھی کفر بعید نہیں۔ حدیث کے چند الفاظ کی وضاحت بھی ذکر کی جاتی ہے۔

مِنْ شَرٍّ: شر سے مراد یا تو قتل عثمان ہے کہ اس کے بعد فتنوں کا ظہور اور وقوع اس قدر ہوا کہ عرب لوگوں کے درمیان اس طرح ہو گئے جس طرح کوئی پلیٹ ہو کھانے والوں کے درمیان۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ شر سے مراد وہ فتن ہیں جن کا ذکر حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ہے ”ماذا انزل اللیلۃ من الفتن وماذا انزل من الخزائن“ اس سے اشارہ ان فتوحات کی طرف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہیں کہ اموال کثیرہ لوگوں کو حاصل ہوئے تو لوگوں میں تنافس ہوا پھر فتنے رونما ہوئے۔

مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ: اس سے سلطان سکندر ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کی طرف اشارہ ہے جس کے پیچھے یاجوج ماجوج کو بند کر کے رکھا گیا ہے یاجوج ماجوج کی لوٹ مار کے خوف سے حفاظت کے طور پر دنیا میں کئی دیواریں بنی ہوئی ہیں ان میں

مشہور چار دیواریں ہیں۔ ① سب سے بڑی دیوار دیوار چین ہے اس کو فغفور بادشاہ نے بنایا ہے جو ایک ہزار میل لمبی دیوار ہے۔

② دوسری دیوار وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے درمیان واقع ہے جس کو دربند کہتے ہیں یہ دیوار مغل بادشاہ تیمور لنگ نے بنائی تھی۔

③ تیسری دیوار روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے اس کو بھی دربند کہتے ہیں۔

④ چوتھی دیوار کاکیشیا میں ہے جو اسی داغستان کے مغربی علاقہ میں واقع ہے جو بہت بڑے پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے اس جگہ ایک درہ واقع ہے جس کو سد کوہ قاف کہتے ہیں یہی سد سکندری ہے اور اس کے پیچھے یاجوج ماجوج بند ہیں یہ چیچنیا کے علاقے کے آس پاس ہیں۔

ایک تحقیقی بات: زمین کی کل وسعت پانچ سو سال کی مسافت پر واقع ہے تین سو سال کی مسافت کے علاقے پر سمندر واقع ہے اور ایک سو نوے سال کی مسافت پر یاجوج ماجوج آباد ہیں اور دس سال کی مسافت کے بقیہ رقبے پر انسان آباد ہیں۔ یاجوج ماجوج تاتاریوں کے ان وحشی قبائل کا نام ہے جن سے یورپ اور روسی اقوام کی ابتدائی نسل کا تاریخی ثبوت حاصل ہے۔ بہر حال آپ ﷺ نے اپنے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان حلقہ بنا کر دکھایا کہ اس دیوار میں آج تک کوئی سوراخ نہیں کر سکا لیکن آج اس میں اتنا بڑا سوراخ ہو گیا جتنا ان دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔ عند البعض حضور ﷺ نے یاجوج ماجوج کی دیوار میں سوراخ ہو جانے کی بابت کہہ کر گویا اس علاقے سے اٹھنے والے ایک عظیم فتنہ اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو سخت پہنچنے والے نقصان کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان میں سے اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچانے والے چنگیز خان اور ہلاکو خان بھی ہیں کہ انہوں نے خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کیا اور بغداد کو لوٹ کر تباہ و برباد کیا اور لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا۔

إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ: اس کے معنی فسق و فجور اور کفر و شرک کے بھی آتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ اس کے معنی زنا کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی جگہ آگ لگتی ہے تو بھڑک اٹھتی ہے پھر وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے اسی طرح عذاب الٰہی کا معاملہ ہے کہ جب کسی علاقے میں برائیوں کا رواج ہو جائے تو پھر نیک بندوں کی موجودگی بھی عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ واضح رہے کہ کبھی برے لوگوں کی کثرت نیک لوگوں کو عذاب سے نہیں بچا سکتی اور کبھی نیک لوگوں کی نیکی برے لوگوں کو عذاب سے بچا لیتی ہے۔

وَقَدْ جَوَّدَ سُفْيَانُ هٰذَا الْحَدِيثَ: سفیان بن عیینہ نے اس کی سند بہترین قرار دی ہے اس میں چار مبارک عورتوں کا ذکر ہے، زینب بنت ابی سلمہ"، عن حبیبہ یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں تیسری عن ام حبیبہ، چوتھی زینب بنت جحش یہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ معمر نے زہری سے یہ روایت نقل کی تو انہوں نے حبیبہ کا ذکر نہیں کیا جو سفیان کی روایت موجود ہے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس پر طویل کلام کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الْمَارِقَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ

ابوکریب، ابوبکر بن عیاش، عاصم، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَقُولُونَ مِنْ قَوْلِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ فِي غَيْرِ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَ هَؤُلَاءِ الْقَوْمَ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ إِنَّمَا هُمُ الْخَوَارِجُ الْحَرُورِيَّةُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْخَوَارِجِ

آخری زمانے میں ایک قوم پیدا ہوگی جن کی عمریں کم ہوں گی، بے عقل ہوں گے، قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم والی بات (احادیث) کہیں گے لیکن دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اس باب میں حضرت علی، ابوسعید اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کے علاوہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان لوگوں کے اوصاف منقول ہیں وہ یہ کہ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے ان لوگوں سے مراد خوارج کا فرقہ حروریہ اور دوسرے خوارج ہیں۔

تشریح: **يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ:** دور خلافت کا آخری زمانہ مراد ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں خوارج کا ظہور ہوا۔

يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ: وہ قرآن پڑھنے والے ہوں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ وہ لوگ قرآن کریم پر عمل نہیں کریں گے اس لئے اس پر ان کو ثواب بھی نہیں ملے گا یا ان کے حلق سے قرآن نیچے نہیں اترے گا مطلب یہ ہے کہ دل پر قرآن کے پڑھنے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ: دین سے مراد ایمان تو مشکل ہے بلکہ اس سے مراد اطاعت ہے اور یہی امام خطابیؒ کا قول ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خوارج دین واطاعت سے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

إِنَّمَا هُمُ الْخَوَارِجُ: اوپر جو حدیث میں بیان ہوا کہ وہ قرآن پڑھیں گے وہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔ اس سے مراد خوارج کا فرقہ ہے۔

الْحَرُورِيَّةُ: یہ فرقہ مقام حروراء میں رہتا تھا اس وجہ سے اس کو حروریہ کہا جاتا ہے خوارج کا فتنہ اسلام کے لئے بڑا فتنہ ہے اس کا سرکردہ عبدالرحمن بن ملجم ہے اس بدبخت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر کے انہیں شہید کیا تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَثَرَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، قتادہ، انس بن مالک، حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک

عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے فلاں شخص کو حاکم بنایا اور مجھے نہیں بنایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میرے بعد اثرہ (یعنی ناجائز ترجیح) دیکھو گے پس صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھ سے ملاقات کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَأَسْأَلُوا اللهَ الَّذِي لَكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، اعمش، زید بن وہب، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ میرے بعد ناجائز ترجیحات اور ناپسندیدہ امور دیکھو گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ ہمیں اس وقت کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ان حاکموں کا حق ادا کرنا اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگنا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: أَثَرَةً: مصدر ہے بمعنی ترجیح دینا، کسی کو کسی پر مقدم کرنا۔ یہ بات بھی فتنہ کا باعث ہے کیونکہ اگر نااہل کو ترجیح دی جائے تو یہ بڑا فتنہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ" جب حکومت کا کام کسی نااہل کے سپرد کر دیا جائے تو پھر قیامت کا انتظار کرو اتنے فتنے رونما ہوں گے جن پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

اور اگر اہل کو ترجیح دی جائے تو پھر بعض لوگوں کو شبہ ہوگا کہ اس کو ترجیح کیوں دی گئی تو اس وقت سربراہ کو چاہیے کہ اس کی وجہ ترجیح کو لوگوں کے سامنے لائے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مجلس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو نوجوان تھے قریب کرتے تھے مجلس کے اکابرین کو اشکال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوچھا بتاؤ سورۃ النصر کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ سب نے کہا اس میں اسلام کے غلبہ کی خبر دی گئی ہے آپؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ تم بھی یہی کہتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا نہیں اس سورت کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی گئی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی یہی جانتا ہوں تو اس واقعے سے حضرت ابن عباسؓ کی برتری ثابت ہوگئی۔ لوگوں کے شبہات بھی زائل ہو گئے۔

فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ: یعنی تم صبر کرو فتنہ نہ پیدا کرنا حتیٰ کہ مرنے کے بعد تمہاری مجھ سے ملاقات ہوگی کہ تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے قیامت کے دن میں تمہیں ظالمین کے مقابلے میں انصاف دلاؤں گا اور جب دنیا میں صبر کرو گے اس پر ثواب الگ سے ملے گا۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں آپ کا یہ ارشاد صحابیؓ کے مطالبہ کا جواب نہیں ممکن ہے اصل جواب کو راوی نے ذکر ہی نہ کیا ہو۔

بَابُ مَا اَخْبَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ اَصْحَابَهٗ بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى الْقَزَّازُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا صَلَاةَ الْعَصْرِ بِنَهَارٍ ثُمَّ قَامَ خَطِيبًا فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا أَخْبَرَنَا بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ وَكَانَ فِيمَا قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ وَكَانَ فِيمَا قَالَ أَلَا لَا تَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ قَالَ فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ فَقَالَ قَدْ وَاللهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهِبْنَا وَكَانَ فِيمَا قَالَ أَلَا إِنَّهُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ وَلَا غَدْرَةَ أَعْظَمُ مِنْ غَدْرَةِ إِمَامِ عَامَّةٍ يُرْكَزُ لِوَاؤُهُ عِنْدَ اسْتِهِ وَكَانَ فِيمَا حَفِظْنَا يَوْمَئِذٍ أَلَا إِنَّ بَنِي آدَمَ خُلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى فَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيَى مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِرًا وَيَحْيَى كَافِرًا وَيَمُوتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ مُؤْمِنًا وَيَحْيَى مُؤْمِنًا وَيَمُوتُ كَافِرًا وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِرًا وَيَحْيَى كَافِرًا وَيَمُوتُ مُؤْمِنًا أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ بَطِيءَ الْغَضَبِ سَرِيعَ الْفَيْءِ وَمِنْهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ فَتِلْكَ بِتِلْكَ أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ سَرِيعَ الْغَضَبِ بَطِيءَ الْفَيْءِ أَلَا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور پھر خطاب فرمایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک واقع ہونے والی کوئی چیز نہیں چھوڑی پس یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا سو بھول گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا بڑی سرسبز وشاداب اور میٹھی ہے اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو آئندہ لوگوں کا خلیفہ بنانے والے ہیں پھر وہ دیکھیں گے کہ تم لوگ کیا کرتے ہو خبردار دنیا اور عورتوں سے بچو خبردار کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جبکہ اس کو اس کا حق ہونا معلوم ہو راوی کہتے ہیں کہ ابوسعیدؓ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے رونے لگے اور فرمایا اللہ کی قسم ہم بہت سی چیزوں سے ڈر گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا خبردار قیامت کے دن ہر غدار کے لئے اس کی بے وفائی کی مقدار پر جھنڈا ہوگا اور امام عام سے غداری کرنے والا سب سے بڑا غدار ہے اس کا جھنڈا اس کی پشت پر لگایا جائے گا ابوسعیدؓ فرماتے ہیں کہ اس دن جو چیزیں ہم نے یاد کیں ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی تھا کہ آگاہ ہو جاؤ انسان کئی طبقات پر پیدا ہوئے ہیں ان میں سے بعض مومن پیدا ہوتے اور مومن ہی کی حیثیت سے زندہ رہتے اور مومن ہی مرتے ہیں جبکہ بعض کافر پیدا ہوتے اسی حیثیت سے جیتے اور اسی حیثیت پر مرتے ہیں بعض ایسے بھی ہیں جو مومن ہی پیدا ہوتے اور اسی حیثیت سے جیتے ہیں لیکن کافر ہو کر مرتے ہیں پھر ان کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو کافر پیدا ہوتا ہے کافر بن کر زندگی گزارتا ہے لیکن خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے انہی میں سے کچھ ایسے ہیں جنہیں دیر سے غصہ آتا اور جلدی ٹھنڈا ہو جاتا ہے جبکہ بعض غصے کے بھی تیز ہوتے ہیں اور ٹھنڈے بھی جلدی ہو جاتے ہیں یہ دونوں برابر برابر ہیں انہی میں ایسا طبقہ بھی ہے جو جلدی غصے میں آجاتا ہے لیکن دیر سے اس کا اثر زائل ہوتا ہے

وَخَيْرُهُمْ بَطِيُّ الْغَضَبِ سَرِيعُ الْفَيْءِ أَلَا وَشَرُّهُمْ سَرِيعُ الْغَضَبِ بَطِيُّ الْفَيْءِ أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ حَسَنَ الْقَضَاءِ حَسَنَ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ حَسَنُ الطَّلَبِ وَمِنْهُمْ حَسَنُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ فَتِلْكَ بِتِلْكَ أَلَا وَإِنَّ مِنْهُمْ سَيِّئَ الْقَضَاءِ سَيِّئَ الطَّلَبِ أَلَا وَخَيْرُهُمْ حَسَنُ الْقَضَاءِ حَسَنُ الطَّلَبِ أَلَا وَشَرُّهُمْ سَيِّئُ الْقَضَاءِ سَيِّئُ الطَّلَبِ أَلَا وَإِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ فِي قَلْبِ ابْنِ آدَمَ أَمَا رَأَيْتُمْ إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ فَمَنْ أَحَسَّ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ فَلْيَلْصَقْ بِالْأَرْضِ قَالَ وَجَعَلْنَا نَلْتَفِتُ إِلَى الشَّمْسِ هَلْ بَقِيَ مِنْهَا شَيْءٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيمَا مَضَى مِنْهَا إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيمَا مَضَى مِنْهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَأَبِي زَيْدِ بْنِ أَخْطَبَ وَ حُذَيْفَةَ وَأَبِي مَرْيَمَ وَذَكَرُوا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

ان میں سب سے بہتر دیر سے غصے میں آنے والے ہیں اور جلدی ٹھنڈے ہونے والے ہیں اور سب سے برے جلدی غصہ میں آنے والے اور دیر سے ٹھنڈے ہونے والے ہیں یہ بھی جان لو کہ ان میں بعض لوگ اچھی طرح قرض ادا کرنے والے اور سہولت کے ساتھ ہی تقاضا کرنے والے ہیں بعض قرض کی ادائیگی میں برے ہیں لیکن تقاضا حسن وخوبی کے ساتھ کرتے ہیں تیسرا طبقہ ایسا بھی ہے جو ادائیگی میں تو ٹھیک ہے لیکن تقاضے میں برا ہے جبکہ کچھ ایسے بھی ہیں جو مانگنے میں بھی برے ہیں اور ادا کرنے میں بھی صحیح نہیں جان لو کہ ان میں سے سب سے بہتر بحسن وخوبی تقاضا کرنے والے اور ادا کرنے والے ہیں اور ان میں بدترین وہ ہیں جو دونوں چیزوں میں برے ہیں خبردار غضب ابن آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے کیا تم اس کی آنکھوں کی سرخی اور اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کو نہیں دیکھتے پس جسے غصہ آئے اسے زمین پر لیٹ جانا چاہئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سورج کی طرف دیکھنے لگے کہ آیا کچھ باقی رہ گیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سن لو دنیا کی باقیات گزرے ہوئے زمانے کی بہ نسبت اتنی ہی رہ گئی ہیں جتنا تمہارا آج کا بقیہ دن گزرے ہوئے پورے دن کی بہ نسبت اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ، ابوزید بن اخطب، حذیفہ اور ابومریم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ تمام راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے واقعات کی خبر دی۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کے طویل اور مشہور خطبوں میں سے یہ ایک خطبہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے دنیا کی بے ثباتی، ناپائیداری اور انسانیت کے مزاج کو بیان کیا ہے اور قیامت تک پیش آنے والے مسائل کے متعلق اہم رہنمائی حاصل فرمائی یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے ورنہ اتنے مختصر وقت میں اور پھر مستقبل کے واقعات کا بیان ناممکن ہے۔

فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا: یعنی قیامت تک آنے والے تمام اہم امور کو بیان کر دیا ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑا۔

إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ: یعنی دنیا ایک میٹھی، لذیذ، خوبصورت اور شیریں چیز ہے "خضرة" ای "ناعمة" یعنی سرسبز شاداب، پرکشش، تر وتازہ، گلزار وسبزہ زار ہے کہ ہر شخص دنیا کو حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن یہ بھی سوچنا چاہیے کہ دنیا ایک آزمائش ہے عموماً دنیا کی محبت کی وجہ سے انسان اللہ پاک کے احکامات سے روگردانی کرتا ہے اسلئے اس آزمائش میں ناکامی کے خوف سے دنیا کی محبت سے بچنا چاہیے۔

مُسْتَخْلِفُكُمْ: ''اى جاعلكم خلفاء فى الدنيا معناه ان اموالكم ليست فى الحقيقة لكم''۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو عارضی طور پر دنیا کی چیزوں کا مالک بنایا ہے اصل مالک تو اللہ تعالیٰ ہے وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیا کرتے ہو اس لئے دنیا کی چیزوں کو حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کیا جائے اور من چاہی زندگی چھوڑ کر رب چاہی زندگی کو اختیار کیا جائے۔

فَاتَّقُوا الدُّنْيَا: تم دنیا سے بچو، دنیا سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تم دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کی حقیقت سے آشنا ہو چکے ہو تو پھر تم کو چاہیے کہ دنیا کے پیچھے بہت زیادہ مت پڑو بلکہ ضرورت کے بقدر دنیا سے تعلق رکھو اور دنیا میں رہتے ہوئے اُخروی امور کے لئے زیادہ محنت وکوشش کرو۔

وَاتَّقُوا النِّسَاءَ: ''أى مكرهن وغدرهن وحبهن البالغ الباعث على جمع المال المانع من تحصيل العلم والعمل ومن اسباب الكمال'' عورتوں سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مکروفریب، ان کے دھوکہ اور ان کے ساتھ ایسی محبت جو تمہیں مال جمع کرنے پر لگا دے اور تحصیل علم اور علم پر عمل کرنے اور کامل اسباب سے روک دے۔

غَدْرَةِ إِمَامِ عَامَّةٍ: اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک ظالم غاصب متغلب حاکم آ جائے اور کسی کی جائز حکومت پر قبضہ جمالے اور زبردستی اقتدار پر غالب آ جائے ایسے غدار کی دبر کے پاس لمبا جھنڈا قیامت کے روز نصب کیا جائے گا کیونکہ اس نے عوام کے عمومی امیر المؤمنین کی خلافت پر قبضہ کرلیا اور غداری کی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک باغی شخص بغاوت کا جھنڈا بلند کرے اور عوام الناس کے متفقہ امیر کے خلاف بغاوت کا اعلان کرے تو ایسا باغی شخص بھی قیامت کے دن مذکورہ سزا کا مستحق ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جو شخص بھی کسی کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرے گا تو قیامت کے دن وہ لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا ہوگا۔

لا يمنعن ... الخ: مطلب یہ ہے کہ کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف آڑے نہیں آنا چاہیے ورنہ معاشرتی نظام تباہ وبرباد ہو جائے گا اسی وجہ سے ایک حدیث ''افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر'' میں کسی کے خوف کی پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کہنے کو افضل جہاد کہا گیا ہے۔

خُلِقُوا عَلَى طَبَقَاتٍ شَتَّى: یہاں چار طبقات کو ذکر کیا گیا ہے ① مؤمن پیدا ہوا مؤمن ہو کر زندہ رہا اور ایمان کی حالت میں فوت ہوا یہ کامیاب انسان ہے ② جس کو اللہ نے کافر پیدا کیا اور کفر پر زندگی گزاری اور کفر کی حالت میں مرا یہ ناکام انسان ہے ③ بعض وہ ہیں جن کو اللہ پاک نے مؤمن پیدا کیا مؤمن بن کر زندہ رہے لیکن ان کا خاتمہ کفر پر ہوا یہ ناکام انسان ہیں۔ ④ بعض وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کافر پیدا کیا کفر کی حالت میں زندگی گزاری اور ایمان کی حالت میں فوت ہو یہ بھی کامیاب ہو گئے۔

پہلی صورت کا مطلب یہ ہے کہ جس کو مؤمن ماں باپ سے پیدا کیا یا مسلمانوں کی آبادی میں اس کی پیدائش ہوئی۔ اس اعتبار سے اس کو مؤمن کہا گیا ہے یہ وضاحت اس لئے کی گئی کہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو سن تمیز کے پہنچنے سے قبل اس کی طرف ایمان کی نسبت کی جاتی۔ اسی طرح چوتھی صورت کی وضاحت یہ ہے کہ بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا اس سے مراد ہے کہ اس کو کافر ماں باپ نے جنا ہے یا جن کی پیدائش کافروں کی آبادی اور ان کے شہر میں ہوئی ہے اس اعتبار سے یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہوگی جس میں ہے ''كل مولود يولد على الفطرة'' ان اقسام کے علاوہ اور بھی اقسام ہیں مثلاً کئی لوگ مؤمن پیدا ہوتے ہیں کفر کی

حالت میں زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں اور ایمان کی حالت میں فوت ہوتے ہیں۔ دوسری قسم یہ کہ بعض لوگ کافر پیدا ہوتے ہیں پھر ایمان کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں اور کفر کی حالت میں مرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے حسن خاتمہ کی فکر کرنی چاہیے اور ہر وقت حسن خاتمہ کی دعا مانگنی چاہیے۔

قوله وذكر الغضب: اس میں انسان کے غصے کی مختلف صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ انسان کے توازن اور بگاڑ کی نشاندہی کی گئی ہے ① ایک وہ شخص ہے کہ جو بہت جلدی غصہ ہو جاتا ہے اور پھر جلدی اس کا غصہ چلا جاتا ہے یہ برابر سرابر ہے ② اسی طرح ایک شخص بہت دیر سے غصہ ہوتا ہے مگر دیر تک اس کا غصہ باقی رہتا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے ③ ایک شخص ایسا ہے کہ بہت دیر سے غصہ ہوتا ہے لیکن بہت جلدی راضی ہو جاتا ہے یہ سب سے عمدہ صفت کا آدمی ہے حضور ﷺ کے اندر بھی یہی غصہ تھا جیسا کہ ترمذی شریف ج ۲ میں تفصیل سے روایت موجود ہے ④ یہ شخص ایسا ہے کہ بہت جلدی غصہ ہو جاتا ہے اور پھر راضی ہونے کا نام نہیں لیتا یہ شخص بدترین صفت والا ہے اس لئے بہر حال غصے سے بچنا چاہیے کیونکہ غصہ ایک ایسی آگ ہے جو بہت سی نیکیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۳۸)

اسکے بعد آپ ﷺ نے قرض اور دین کا ضابطہ بیان فرمایا ان میں بھی لوگوں کے چار طبقات بیان فرمائے ① ایک شخص ایسا ہے کہ اگر وہ مدیون ہے تو بہتر طریقے پر قرض ادا کرتا ہے لیکن اپنا قرض وصول کرنے میں دوسرے کے ساتھ سختی کرتا ہے سیئ الطلب کا مطلب یہی ہے کہ سختی کرتا ہے اور غلط انداز اختیار کرتا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے ② ایک وہ شخص ہے کہ قرض ادا کرنے میں تو اچھا نہیں لیکن اپنا قرض مانگنے میں بہت نرم اور اچھا ہے یہ بھی برابر سرابر ہے ③ ایک ایسا شخص ہے کہ قرض ادا کرنے میں بھی اچھا اور نرم ہے اور قرض وصول کرنے میں بھی بہت نرم اور اچھا ہے یہ بہترین خصلت کا آدمی ہے ④ ایک وہ شخص ہے کہ قرض کی ادائیگی میں بہت برا ہے اور اگر اس کا کسی پر قرض ہو تو مانگنے میں بہت برا ہے یہ بدترین آدمی ہے۔ چونکہ غروب قریب تھا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی عمر ختم ہو گئی ہے جس طرح اب سورج کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت باقی ہے اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے اس لئے ہر آدمی کو قیامت کیلئے تیار رہنا چاہیے۔ نیک اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَهْلِ الشَّامِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوَالَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اہل شام میں خرابی پیدا ہو گئی تو تم میں کوئی خیر و بھلائی نہ ہو گی میری امت میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کی ہمیشہ مدد و نصرت ہوتی رہے گی اور کسی کا ان کی مدد نہ کرنا انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ امام بخاری، علی بن مدینی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ فرقہ محدثین کا ہے۔ اس باب میں عبداللہ بن حوالہ، ابن عمر، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيْنَ تَأْمُرُنِي قَالَ هَا هُنَا وَنَحَا بِيَدِهٖ نَحْوَ الشَّامِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت بہز بن حکیم اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں قیام کا حکم دیتے ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے شام کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس طرف۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ: ملک شام کے چار ملک بن گئے اول: سعیدہ اس میں دمشق، حمص، حمات اور حلب واقع ہیں۔ ثانی: لبنان۔ ثالث: اردن جس میں عمان اور خلیج عقبہ ہیں۔ رابع: فلسطین جس میں قدس اور غزہ ہیں۔

شام کے فضائل میں بہت ساری روایات مروی ہیں اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ جب شام والوں میں بگاڑ آجائے تو تم میں کوئی خیر نہیں اس کا ظہور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ہوا۔

سوال: مسلم شریف میں روایت ہے کہ "لا تقوم الساعة الا على شرار الناس" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری دنیا میں فساد ہو جائے گا تب قیامت قائم ہوگی جبکہ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک ایک جماعت صلحاء کی رہے گی۔

جواب: حدیث مذکور میں شرار الناس کسی مخصوص جگہ کے ہوں گے مخصوص وضع والے جن سے ایک جماعت قتال کرتی رہے گی چنانچہ یہ جماعت صلحاء بیت المقدس میں ہوگی۔

طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ: طائفہ منصورہ کا مصداق کیا ہے۔

اول: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں۔ **ثانی:** امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس کا مصداق اہل علم ہیں **ثالث:** علی بن مدینیؒ فرماتے ہیں کہ اس جماعت خاصہ سے مراد اصحاب حدیث ہیں۔

رابع: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے یہ طائفے متفرق ہوں بعض میں مجاہدین ہوں اور بعض میں فقہاء اور بعض میں محدثین اور بعض میں زہاد ہوں۔ **خامس:** اس سے مراد وہ افراد ہیں جن کو دجال گھیرے ہوئے ہوگا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے ان لوگوں کے پاس اور دجال کو قتل کریں گے۔

سادس: یا یہ مخصوص افراد بوقت خروج دجال ہوں گے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوں گے اس وقت ایک ہوا چلے گی جو ہر مؤمن کی روح کو قبض کرلے گی اور دنیا میں شرار الناس باقی رہ جائیں گے پھر اُن پر قیامت قائم ہو جائے گی۔

بَابُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ رِقَابَ بَعْضٍ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ

ابو حفص عمرو بن علی، یحیی بن سعید، فضیل بن غزوان، عکرمۃ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد دوبارہ کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ اس باب میں

بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَجَرِيرٍ وَابْنِ عُمَرَ وَكُرْزِ بْنِ عَلْقَمَةَ وَوَاثِلَةَ وَالصُّنَابِحِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود، جریر، ابن عمر، کرز بن علقمہ، واثلہ بن اسقع اور صنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں جیسے اعمال کرنے والے نہ بن جانا کہ بلاوجہ ایک دوسرے کی گردن کو مارنے لگو جیسا کہ کفار ایک دوسرے کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں ایسے تم بھی سمجھنے نہ بیٹھ جاؤ۔ یا کفار اس وجہ سے فرمایا کہ مسلمان کو قتل کرنا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کو اپنے بعد کے لئے یہ وصیت فرمائی کہ میرے بعد ایسا نہ کرنا کہ کافروں والا کام تم کرنے لگ جاؤ بلکہ آپس میں بھائی چارہ قائم رکھنا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ عِنْدَ فِتْنَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي قَالَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ دَخَلَ عَلَيَّ بَيْتِي وَبَسَطَ يَدَهُ إِلَيَّ لِيَقْتُلَنِي قَالَ كُنْ كَابْنِ آدَمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي وَاقِدٍ وَأَبِي مُوسَى وَخَرَشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَزَادَ فِي هٰذَا الْإِسْنَادِ رَجُلًا وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ

قتیبہ، لیث، عیاش بن عباس، بکیر بن عبداللہ بن اشج، حضرت بسر بن سعید، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف فتنہ کے موقع پر کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا جس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا کسی نے پوچھا بتایئے اگر کوئی میرے گھر میں داخل ہو اور مجھے قتل کرنے لگے تو میں کیا کروں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو آدمؑ کے بیٹے ہابیل کی طرح ہو جانا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، خباب بن ارت، ابوبکرہ، ابن مسعود، ابوواقد، ابوموسیٰ اور خرشہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے اور بعض راوی اسے لیث بن سعد سے نقل کرتے ہوئے ایک راوی کا اضافہ کرتے ہیں پھر یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بواسطہ سعد کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: فتنہ کے وقت انسان سے جتنا ہو سکے وہ فتنہ سے دور رہے اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر چل رہا ہے تو رک جائے فتنوں کی

جگہ سے دور ہٹ جائے۔ اور ابن آدم کے بیٹوں میں سے ہابیل کی طرح ہو جائے مطلب یہ ہے کہ مظلوم بن جائے ظالم نہ بنے۔

فِتْنَةٌ اَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ: حدیث الباب میں بیٹھنا، کھڑا ہونا، چلنا دوڑنا بطور تشبیہ واستعارہ فرمایا گیا ہے بیٹھنے سے مراد فتنوں سے الگ تھلگ رہنا، کھڑے ہونے سے مراد ہے دور سے اُن فتنوں کا مشاہدہ کرنا ان پر مطلع ہونا، چلنے سے مراد ہے فتنوں میں مشغول ہونا مگر معمولی طور پر، دوڑنے سے مراد ہے فتنوں میں بھرپور مشغول ہونا۔ ''نائم'' سے مراد فتنوں سے بے خبر ہونا ہے۔ ''یقظان'' سے مراد ہے فتنوں سے خبردار ہونا مگر شریک نہ ہونا۔

فتنہ کے وقت قتال کا کیا حکم ہے: اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ رہی ہیں تو ان میں سے کسی کا ساتھ نہ دے اگرچہ لوگ اس کو قتل کرنے کے لئے اس کے گھر میں داخل ہو جائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قتال میں شرکت تو جائز نہیں البتہ اپنا دفاع کر سکتے ہیں۔

حدیث کا محمل وہ صورت ہے جبکہ حق ایک جانب میں واضح نہ ہو یا دونوں جماعتیں اہل باطل کی ہوں۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں کے دو فریق بن جائیں اور آپس میں جنگ وجدال کرنے لگ جائیں تو اس وقت باقی مسلمانوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے اس بارے میں ائمہ کے تین اقوال ہیں۔

قول اوّل: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان احادیث کے ظاہر کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں دونوں فریقوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے نہ ہی ابتداءً شامل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی مدافعۃً۔ ان میں سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان کی تائید اکثر احادیث سے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث الباب ہے۔

قول ثانی: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عمر، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ابتداءً تو شریک ہونا جائز نہیں ہاں اگر اپنے اوپر حملہ ہو جائے تو مدافعت کی غرض سے شرکت جائز ہے۔ **قول ثالث:** بقیہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ کے نزدیک مسلمانوں کی دو جماعتوں میں قتال شروع ہو جانے کی صورت میں باغی جماعت کیخلاف مدد ونصرت اور قتال کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے ''وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فان بغت احدهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفئ الى امر الله'' (حجرات:۹) تو مذکورہ آیت میں بھی باغی جماعت کے ساتھ قتال کا حکم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر باغی جماعت کے خلاف قتال کر کے ان کو زیر نہ کیا جائے تو ان کی قوت وشوکت بڑھ جائے گی جس سے کفار کی جماعت کو بھی تقویت ملے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد بن علاء بن عبدالرحمن، ان کے والد، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اعمال صالحہ میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ اندھیری رات کی طرح فتنے تم لوگوں کو گھیر لیں جن میں انسان صبح

الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ أَحَدُهُمْ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

مومن اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا لیکن صبح تک کافر ہو جائے گا اور اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال کے عوض بیچ دے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اندھیری رات میں جس طرح کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں صلاح وفساد کا پتہ نہیں لگے گا اور اس میں سبب مخفی بھی ہوگا اور اس سے چھٹکارے کا ذریعہ بھی نہیں بنے گا۔ اس کی چند تفسیریں کی ہیں۔

اول: حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ جب صبح ہوگی تو ایمان کے ساتھ انسان متصف ہوگا لیکن شام ہوتے ہوتے کفر کے اندھیروں میں پہنچ جائے گا۔ رہی یہ بات کہ کفر سے کیا مراد ہے ① یا تو اصل کفر مراد ہے یعنی وہ حقیقۃً کفر میں داخل ہو جائے گا ② یا کفران نعمت مراد ہے کہ وہ ناشکرا ہو جائے گا ③ یا وہ کافروں کی مشابہت اختیار کرنے والا ہو جائے گا۔

④ یا وہ کافروں والے کام کرے گا۔ اوّل مطلب زیادہ راجح ہے کیونکہ حدیث الباب میں کافر مومن کے مقابلے میں آیا ہے۔

ثانی: ایک شخص صبح کو اٹھے گا تو اس چیز کو حلال جانتا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور اس چیز کو حرام جانتا ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے لیکن شام ہوتے ہوئے اس کا ذہن، تفکرات اور عقیدہ بدل جائیگا تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال جاننے لگ جائیگا۔

ثالث: آدمی صبح کو اٹھے گا تو اپنے مسلمان بھائی کے خون اور مال وعزت کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھنے کے سبب وہ ایمان کی حالت میں ہوگا مگر شام ہوتے ہوئے اس کے اس عقیدے میں تبدیلی آ جائے گی تو اپنے مسلمان بھائی کے خون وعزت و مال کو حلال سمجھنے لگے گا۔ اس کے سبب وہ کافر ہو جائے گا اس معنی کی صورت میں فتنوں سے مراد عزت آبرو کو لوٹنا اور جنگ وقتال ہوگا۔

يَبِيعُ أَحَدُهُمْ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا: مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی متعدد صورتیں ہیں: **اول:** مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان محض عصبیت اور غضب کے نام پر قتل ہوگا اور وہ جان بوجھ کر ایک دوسرے سے مال چھین لینے کو جائز سمجھیں گے۔

ثانی: اس کا مطلب یہ ہے کہ امراء ظالم ہوں گے مسلمانوں کا خون بہائیں گے اور ان کے اموال کو ظلماً حاصل کریں گے شراب پئیں گے، زنا کریں گے اور ان کے معتقدین ان کو حق پر سمجھیں گے لیکن علماء سوء بھی جواز کے فتاویٰ صادر کریں گے۔

ثالث: لوگ خلاف شرع معاملات کریں گے اور ان کو حلال سمجھیں گے جیسا کہ آج کل ایسا ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَيْقَظَ لَيْلَةً فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا

سوید بن نصر، عبداللہ بن مبارک، معمر، زہری، ہند بن حارث، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نیند سے بیدار ہو گئے اور فرمایا سُبْحَانَ اللّٰهِ آج رات کتنے فتنے

أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتْنَةِ مَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْخَزَائِنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يَا رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

نازل ہوئے اور کس قدر خزانے اتارے گئے کون ہے جو حجرے والیوں کو جگائے بہت سی دنیا میں لباس پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔ یہ حدیث صحیح ہے

تشریح: مَاذَا أُنْزِلَ: اس میں ما استفہامیہ تعجب اور تعظیم کے معنی کو متضمن ہے۔ أُنْزِلَ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کو حکم دینا ہے یا مراد اللہ تعالیٰ کا وحی کرنا ہے کہ بحالت نوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وحی کی گئی کہ آئندہ عالم میں فتنے ہوں گے۔ خزائن سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور فتن سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب ہیں۔

صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ: اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات ہیں جو کہ حاضر تھیں اس لئے ان کی تخصیص فرمائی۔

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ: اس کے مطلب میں چند اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

اول: دنیا میں باوجود امیر ہونے کے عورتیں ننگی ہوں گی اور آخرت میں ثواب سے خالی ہوں گی۔

ثانی: کاسیۃ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اور عاریۃ ہوں گی شکر سے جس کا آخرت میں ثواب کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہے۔

ثالث: کاسیۃ ہوں گی جسم کے اعتبار سے دوپٹہ بھی اوڑھا ہوگا لیکن اس کے باوجود عورت کا سینہ ننگا ہوگا اور آخرت میں سزا کی مستحق ہوں گی۔

رابع: کاسیۃ ہوں گی صالح مرد کے ساتھ شادی کرنے سے اور آخرت میں عمل سے عاری ہوں گی شوہر کی اصلاح نفع نہ دے گی۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَكُونُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ أَقْوَامٌ دِينَهُمْ بِعَرَضِ الدُّنْيَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجُنْدَبٍ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَأَبِي مُوسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، سعد بن سنان، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے قریب ایسے فتنے واقع ہوں گے جو اندھیری رات کی طرح ہوں گے ان میں انسان صبح مومن ہوگا تو شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر ہو جائے گا اور بہت سے لوگ تھوڑے سے مال کے عوض اپنا دین بیچ ڈالیں گے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، جندب، نعمان بن بشیر اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

تشریح: روایت میں ''یصبح'' اور ''یمسی'' سے مراد لوگوں کا وقتاً فوقتاً بدلنا ہے اور یہ کنایہ ہے لوگوں کے احوال کے متردد ہونے سے اور یہ کہ ان کے اقوال مذبذب ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت سے قبل لوگوں کے اقوال و افعال اور احوال میں جلدی جلدی تغیر ہوگا۔

حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ كَانَ يَقُولُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا قَالَ يُصْبِحُ مُحَرِّمًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ وَيُمْسِي مُسْتَحِلًّا لَهُ وَيُمْسِي مُحَرِّمًا لِدَمِ أَخِيهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ وَيُصْبِحُ مُسْتَحِلًّا لَهُ

صالح بن عبد اللہ، جعفر بن سلیمان، ہشام، حضرت حسن بصریؒ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے متعلق بیان فرماتے تھے کہ صبح کو اپنے بھائی کی جان مال اور عزت کو اپنے اوپر حرام سمجھے گا لیکن شام کو حلال سمجھنے لگے گا اور اسی طرح شام کو حرام سمجھتا ہوگا تو صبح حلال سمجھنے لگے گا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجُلٌ يَسْأَلُهُ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَمْنَعُونَا حَقَّنَا وَيَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن علی خلال، یزید بن ہارون، شعبہ، سماک بن حرب، علقمہ بن وائل بن حجر، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص کو یہ سوال کرتے ہوئے سنا کہ اگر ہم پر ایسے حاکم حکمرانی کرنے لگیں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں اور اپنا طلب کریں تو ہم کیا کریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اس لئے کہ ان کا عمل ان کے ساتھ اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْهَرْجِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَخَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، ابومعاویہ، اعمش، شقیق، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں علم اٹھالیا جائے گا اور ہرج زیادہ ہوگا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہرج کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قتل اس باب میں حضرت ابوہریرہ، خالد بن ولید اور معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **اَلْهَرْجُ:** فتنہ وفساد اور قتل وغارت گری اور خونریزی میں پڑ جانے کو ''ھرج'' کہتے ہیں یہاں ''ھرج'' سے خاص طور پر خونریزی مراد ہے۔ باقی قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے قاتل تو قتل کرنے کی وجہ سے اور مقتول ارادہ قتل کی وجہ سے کہ وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا اگرچہ وہ قتل نہ کرسکا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ زِيَادٍ رَدَّهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ رَدَّهُ إِلَى مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَدَّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَالْهِجْرَةِ إِلَيَّ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الْمُعَلَّى حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ

قتیبہ، حماد بن زید، معلی بن زیاد، معاویہ بن قرۃ، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قتل کے ایام میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے ہم اسے صرف معلی بن زیاد کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ: دیث الباب میں ہے کہ زمانہ نبوی میں فتح مکہ سے پہلے، دارالحرب سے ہجرت کر کے مدینہ آ جانے اور آنحضرت ﷺ کی رفاقت وصحبت کا شرف رکھنے والے کو جو عظیم ثواب ملتا تھا اس طرح کا عظیم ثواب اس شخص کو بھی ملے گا جو فتنہ وفساد، قتل وغارت کی جہالت وتاریکی سے اپنے کو محفوظ رکھ کر اور مسلمانوں کی باہمی محاذ آرائی سے اپنے دامن کو بچا کر اپنے مولیٰ کی عبادت میں مشغول ومصروف رہا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، ابوقلابہ، ابواسماء، حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو پھر قیامت تک نہیں اٹھائی جائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ: علم اٹھالیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اوراق اور کتب اٹھائی جائیں گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ باعمل اور متقی علماء فوت ہو جائیں گے بعد والے لوگ علم دین حاصل نہیں کریں گے اس طرح حقیقی علم مفقود ہو جائے گا۔ گویا علماء کے اٹھائے جانے کی صورت میں علم اٹھایا جائے گا۔

باقی حدیث میں آیا کہ جب میری امت میں تلوار چل پڑے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دو گروہوں میں اختلاف ہو جائے اور دونوں گروہ اس اختلاف کو باہمی مصالحت کے ذریعے افہام وتفہیم سے حل کرنے کے بجائے تلوار کی طاقت سے ختم کرنا چاہیں گے تو اس خونریزی سے جو فتنہ اٹھے گا وہ قیامت تک ٹھنڈا نہیں ہوگا اور مسلمان کہیں نہ کہیں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہیں گے۔ اس لئے اہل علم ومومنین آپس میں اختلاف کرتے ہوئے خیال کر لیں کہ کہیں وہ اس حدیث کا مصداق تو نہیں بن رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّخَاذِ السَّيْفِ مِنْ خَشَبٍ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عُدَيْسَةَ بِنْتِ أُهْبَانَ بْنِ صَيْفِيٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَتْ جَاءَ

عدیسہ بنت اہبان بن صیفی غفاری کہتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے والد کے پاس آئے اور انہیں لڑائی میں اپنے ساتھ چلنے کو کہا میرے والد نے کہا بے شک میرے دوست اور

عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ إِلَى أَبِي فَدَعَاهُ إِلَى الْخُرُوجِ مَعَهُ فَقَالَ لَهُ أَبِي إِنَّ خَلِيلِي وَابْنَ عَمِّكَ عَهِدَ إِلَيَّ إِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ أَنْ أَتَّخِذَ سَيْفًا مِنْ خَشَبٍ فَقَدِ اتَّخَذْتُهُ فَإِنْ شِئْتَ خَرَجْتُ بِهِ مَعَكَ قَالَتْ فَتَرَكَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدٍ

تمہارے چچازاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ اگر لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو میں لکڑی کی تلوار بنا لوں لہٰذا میں نے وہ بنوالی ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ وہ لے کر چلوں تو میں تیار ہوں عدیسہ فرماتی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا اس باب میں حضرت محمد بن سلمہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عبداللہ بن عبید کی روایت سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَرْوَانَ عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْفِتْنَةِ كَسِّرُوا فِيهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوا فِيهَا أَوْتَارَكُمْ وَالْزَمُوا فِيهَا أَجْوَافَ بُيُوتِكُمْ وَكُونُوا كَابْنِ آدَمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَرْوَانَ هُوَ أَبُو قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ

عبداللہ بن عبدالرحمن، سہل بن حماد، ہمام، محمد بن جحادۃ، عبدالرحمن بن ثروان، ہزیل بن شرحبیل، حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فتنہ کے زمانے میں اپنی کمانیں توڑ دینا، کمان کے چلوں کو کاٹ دینا اور اپنے گھروں ہی میں رہنا اور آدم کے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے عبدالرحمن بن ثروان سے مراد ابوقیس اودی ہے۔

تشریح: كَسِّرُوا فِيهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوا فِيهَا: یہ حکم گویا پہلے حکم یعنی اپنی کمانیں توڑ دو کو مؤکد کرنے کیلئے ہے کیونکہ کمانوں کو توڑ دینے کے بعد ان کے چلوں کو کاٹ دینے کا حکم تاکید کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس وقت دونوں طرف مسلمان ہوں گے جس کو مارو گے تو مسلمان کو مارو گے لہٰذا اپنے جنگی ہتھیاروں کو ناکارہ کر دو تاکہ تم جنگ کے قابل نہ رہو۔

وَكُونُوا كَابْنِ آدَمَ: یعنی آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے ہابیل نے مظلومیت کی موت کو گوارا کر لیا لیکن اس نے آدمؑ کے دوسرے بیٹے قابیل کے کسی حملے کا جواب نہیں دیا۔ اسی طرح فتنوں کے وقت تمہاری خلوت نشینی کے باوجود اگر تم پر کوئی حملہ کر دے تو اس کے ہاتھوں مر جانے کو گوارا کر لینا لیکن اس کا جوابی مقابلہ نہ کرنا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ۲۰۰ مملوک غلاموں اور ہزاروں ساتھیوں کی موجودگی کے باوجود باغیان سے اس لئے مقابلہ نہ کیا تاکہ مدینۃ الرسول مسلمانوں کے خون سے رنگین نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَشْرَاطِ السَّاعَةِ

''اشراط'' شرط کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں یا کسی چیز کو کسی کے ساتھ وابستہ کرنے یا کسی چیز کو لازم کرنے کے ہیں لیکن یہاں اشراط سے مراد وہ علامتیں اور نشانیاں ہیں جو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کریں گی۔

الساعة: اس کے اصلی معنی شب وروز کے اجزاء میں سے ہر جزء ہے اور "وقتِ حاضر" کے معنی میں آتا ہے چونکہ قیامت کے آنے کا معاملہ بالکل مبہم ہے کسی کو معلوم نہیں اسلئے اس کو ساعۃ کہا جاتا ہے اور یہاں اشراط سے مراد قیامت کی چھوٹی چھوٹی علامات ہیں جو پہلے بطور مقدمہ کے پیش آتی رہیں گی جیسے علم کا اٹھنا، زنا اور شراب خوری کا عام ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کو قیامت کی علامات صغریٰ کہا جاتا ہے۔ قیامت کی علامات کبریٰ بھی ہیں۔ بڑی علامات کے بعد قیامت آئیگی جیسے نزول عیسیٰ علیہ السلام، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ الْجَهْلُ وَيَفْشُوَ الزِّنَا وَتُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً قَيِّمٌ وَاحِدٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، نضر بن شمیل، شعبہ، قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اور یہ حدیث میرے بعد کوئی ایسا شخص بیان نہیں کرے گا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت ظاہر و غالب ہو جائے گی، زنا رواج پکڑ جائے گا، شراب بکثرت استعمال ہوگی، عورتوں کی کثرت ہوگی اور مرد کم ہو جائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا نگران ایک ہی مرد ہوگا۔ اس باب میں حضرت ابوموسیٰ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي: ممکن ہے کہ ان کا یہ فرمان بصرہ میں ہو کہ وہاں دوسرا کوئی شخص صحابی نہیں ہوگا دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا یہ فرمان عام ہے کیونکہ ان کو بعض حضرات نے "آخر من مات من الصحابة" بھی شمار کیا ہے یا ممکن ہے ان کا یہ فرمان اس روایت کے راوی ہونے کے اعتبار سے ہو۔

يُرْفَعَ الْعِلْمُ: "علم" سے مراد علم دین ہے اور "جهل" سے مراد علم دین سے غفلت ہے ہمارے زمانہ میں بھی دنیاوی علوم سے لوگوں کو زیادہ دلچسپی ہے دینی علوم سے نہیں یہی وجہ ہے کہ دن بدن سکولز، کالجز کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہو رہا ہے اور عصری تعلیمی اداروں سے بچی کھچی عربی، اسلامیات کو نکالا جا رہا ہے اور دنیاوی علوم پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔

وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ وَيَقِلَّ الرِّجَالُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ قتل وقتال کی وجہ سے مرد ختم ہو جائیں گے یا کم ہو جائیں گے یا لڑکیوں کی پیدائش زیادہ ہوگی اور لڑکوں کی کم۔ اسلئے ایک مرد کی پرورش میں پچاس پچاس عورتیں ہوں گی نیز یہاں پچاس عورتوں سے مراد رشتہ دار مائیں، بہنیں اور بھتیجیاں وغیرہ ہیں بیویاں نہیں کیونکہ چار سے زائد بیویوں کا رکھنا حرام ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اتنی کامیابی ہوگی کہ انکے ہاتھوں میں پچاس پچاس لونڈیاں آئیں گی۔

لِخَمْسِينَ امْرَأَةً: یا تو حقیقت پر محمول ہے یا محض کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ پچاس عورتوں کا ذمہ دار ایک شخص رہ جائے گا کہ کل کا کل خاندان فتنوں کی نظر ہو جائے گا صرف ایک شخص پر سب کا بوجھ ہوگا۔ یا یہ مراد ہے کہ زنا اتنی کثرت سے ہوگا کہ ایک شخص کے پاس پچاس پچاس مزنیہ ہوں گی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سفیان ثوری، حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج بن یوسف کے مظالم کی شکایت کی آپ نے فرمایا ہر آنے والا سال گزرے ہوئے سال کے مقابلے میں برا ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو میں نے یہ بات تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ابن بطالؒ کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اعلام نبوت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد احوال کی خبر پہلے ہی دے دی ہے جو بالکل صادق اور سچی ہے۔

سوال: بعض زمانے ایسے گزرے ہیں کہ وہ شر کے اعتبار سے پہلے زمانے سے کم ہیں جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ یہ حجاج کے زمانہ کے بعد ہے اس زمانہ میں تو بالکل امن وامان اور سکون تھا۔

جواب اول: زمانہ خیر کا ہونا من حیث المجموع کے اعتبار سے ہے کہ حجاج کے زمانے میں حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے اور عمر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں بالکل ختم ہو گئے تھے جو زمانہ صحابہ کا ہے وہ بہتر ہے بعد والے سے۔

جواب ثانی: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بعد والے زمانے کو پہلے کے مقابلے میں شر کہنا علم کے اعتبار سے ہے کہ اول زمانہ علم والا اور بعد والا زمانہ علم کے اعتبار سے کم ہوتا چلا جائے گا۔ لہٰذا جب علم ختم ہوگا تو علماء نہیں ہوں گے ہر جگہ فساد ہی فساد ہوگا۔

سوال: حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کو بھی خیر کہا گیا ہے جو زمانہ دجال کے بعد ہوگا۔

جواب اول: بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا زمانہ ہے۔

جواب ثانی: یا وہ زمانہ مراد ہے جو امراء کا زمانہ ہوگا جس میں شر غالب رہتا ہے۔

جواب ثالث: اس سے مراد علامات قیامت ظاہر ہونے سے پہلے کا زمانہ ہے تو اب زمانہ حجاج سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے زمانہ میں یہ شر اتفاضل ہوگا۔ رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ وہ مستقل زمانہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ اللهُ اللهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

محمد بن بشار، ابوعدی، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک اس پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمد بن المثنی اسے خالد بن حارث سے وہ حمید سے اور وہ حضرت انسؓ سے اسی کی مثل نقل کرتے ہیں لیکن یہ روایت مرفوع نہیں اور یہ پہلی والی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: قیامت کا وقوع اہل اللہ پر نہیں ہوگا بلکہ اشرالخلق پر ہوگا یعنی جب تک عالم میں اللہ کو یاد کرنے والے ہوں گے قیامت قائم نہیں ہوگی کیونکہ ذکر اللہ روح عالم ہے اور جب روح نکل جاتی ہے تو جسم ڈھیر ہو جاتا ہے جس کو کوئی انسان باقی نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح جب تک عالم میں روح رہے گی وہ زندہ رہے گا اور اسی پر فنا طاری نہیں ہوگا اور جب روح نکل جائے گی تو وہ فنا ہو جائے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو قَالَ ح وحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللهِ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيُّ الْأَشْهَلِيُّ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَكُونَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ ابْنُ لُكَعٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو

قتیبہ بن سعید، عبدالعزیز، محمد، عمرو بن عمرو (دوسری سند) علی بن حجر، اسماعیل بن جعفر، عمرو بن عمرو و عبداللہ بن عبدالرحمن انصاری اشہلی، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ آبائی احمق، دنیا کے سعادت مند لوگ شمار نہ ہونے لگیں گے یہ حدیث حسن ہے اور ہم اسے عمرو بن ابی عمرو کی روایت سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: قولہ لُكَعُ: ذلیل، کمینے، بیوقوف غلام اور بے نسب آدمی کو لکع کہتے ہیں چھوٹے بچے کو بھی لکع کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی بے سمجھ ہوتا ہے ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو لکع فرمایا اس سے مراد ناسمجھ بچہ ہے۔ حدیث میں بے اصل اور بے نسب آدمی مراد ہے جس کے اخلاق برے ہوں اور لوگ اس کو خوش قسمت سمجھتے ہوں۔ حدیث الباب کا حاصل یہ ہوا کہ قرب قیامت میں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ حکمران ایسے لوگ بنیں گے جو خاندانی خبیث ہوں گے دین سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقِيءُ

واصل بن عبدالاعلی، محمد بن فضیل، فضیل، ابوحازم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمین اپنے جگر کے خزانے

الْأَرْضُ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا أَمْثَالَ الْأُسْطُوَانِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ قَالَ فَيَجِيءُ السَّارِقُ فَيَقُولُ فِي مِثْلِ هٰذَا قُطِعَتْ يَدِي وَيَجِيءُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هٰذَا قَتَلْتُ وَيَجِيءُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هٰذَا قَطَعْتُ رَحِمِي ثُمَّ يَدَعُونَهُ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

سونے اور چاندی قے کی طرح اگلے گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چور آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹ گیا، قاتل آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قتل کیا قاطع رحم آئے گا اور کہے گا اس کی وجہ سے میں نے قطع تعلق کیا پھر وہ اسے چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: أَفْلَاذَ كَبِدِهَا: ''افلاذ'' اصل میں ''فلذة'' کی جمع ہے جسکے معنی کسی چیز کے اس ٹکڑے کے ہیں جسکو لمبائی میں کاٹا گیا ہو اور قاموس میں ہے کہ ''فلذ'' فاء کے زیر کے ساتھ اونٹ کا جگر مراد ہے۔ یہاں زمین کے جگر سے مراد زمین کے نیچے چھپے ہوئے خزانے ہیں اور معدنیات کو جگر کے ٹکڑوں کے ساتھ اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ زمین کا جوہر اور خلاصہ یہی ہے جیسے اونٹ کا جگر اصل چیز ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ آخر زمانہ میں زمین کا سینہ بڑی فراخ دلی کے ساتھ اپنے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو باہر اگل دے گا اور نسل انسانی مال و دولت کی فراوانی میں غرق ہو جائیگی اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس خزانہ سے مراد موجودہ عراق کا تیل ہو اور یہی تیل دریا کے نیچے سے ابل رہا ہو جیسا کہ آج کل کفر یہ طاقتیں جمع ہو کر عراق کا تیل لوٹ رہی ہیں۔

وَيَجِيءُ الْقَاتِلُ: مطلب یہ ہے کہ مال کی اتنی فراوانی ہو جائیگی کہ لوگوں کی اس سے رغبت ختم ہو جائیگی پھر مجرمین افسوس کرینگے کہ کاش اس حقیر مال کے عوض ہم جرائم کا ارتکاب نہ کرتے۔

بَابٌ (بِلَا تَرْجَمَة)

حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا الْفَرَجُ بْنُ فَضَالَةَ أَبُو فَضَالَةَ الشَّامِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قِيلَ وَمَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي

صالح بن عبداللہ، فرج بن فضالۃ ابو فضالۃ شامی، یحیی بن سعید، محمد بن عمر بن علی، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت میں پندرہ خصلتیں آجائیں گی تو ان پر مصیبتیں نازل ہوں گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال غنیمت ذاتی دولت بن جائے گا، امانت کو لوگ مال غنیمت سمجھنے لگیں گے، زکوۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا، شوہر بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے گا، دوستوں کے ساتھ بھلائی اور باپ کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے گا، مسجد میں لوگ زور زور سے باتیں کریں

الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ وَلُبِسَ الْحَرِيرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ غَيْرَ الْفَرَجِ بْنِ فَضَالَةَ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَقَدْ رَوَاهُ عَنْهُ وَكِيعٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ

گے، ذلیل قسم کے لوگ حکمران بن جائیں گے، کسی شخص کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کی جائے گی، شراب پی جائے گی، ریشمی کپڑا پہنا جائے گا، گانے بجانے والیاں لڑکیاں اور گانے کا سامان گھروں میں رکھا جائے گا اور امت کے آخری لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے پس اس وقت لوگ عذابوں کے منتظر رہیں یا تو سرخ آندھی یا خسف یا پھر چہرے مسخ ہو جانے والا عذاب۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ہمیں علم نہیں کہ اسے فرج بن فضالہ کے علاوہ کسی اور نے یحیی بن سعید سے نقل کیا ہو بعض محدثین فرج کو ان کے حافظے کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں وکیع اور کئی ائمہ ان سے احادیث نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ عَنِ الْمُسْتَلِمِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ رُمَيْحٍ الْجُذَامِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلًا وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ وَأَدْنَى صَدِيقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب مال غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جائے گا، امانت مال غنیمت بن جائے گی، زکوۃ ٹیکس سمجھا جانے لگے گا، علم کا حصول غیر دین کے لئے ہوگا، انسان اپنی بیوی کا مطیع اور ماں کا نافرمان ہو جائے گا، دوست کے ساتھ وفا اور باپ کے ساتھ بے وفائی کرے گا، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں گی، قبیلے کی سرداری فاسقوں کے ہاتھوں میں آ جائے گی، ذلیل شخص قوم کا رہبر بن جائے گا اور کسی شخص کو اس کے شر سے ڈرتے ہوئے قابل تعظیم سمجھا جائے گا، گانے والی لڑکیاں اور گانے بجانے کا سامان رواج پکڑ جائیں گے، شراب پی جائے گی اور امت کے آخری لوگ گزرے ہوؤں پر لعن طعن کریں گے تو پھر وہ لوگ سرخ آندھی، زلزلے، خسف، چہرے کے بدلنے اور آسمان سے پتھر برسنے کے عذابوں کا انتظار کریں اس وقت نشانیاں اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی پرانی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور پے در پے (دانے یا موتی) گرنے لگیں۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: **دُوَلًا**: اس سے مراد کافروں سے حاصل ہونے والا مالِ غنیمت ہے جو غازیوں اور مجاہدوں کا حق ہوتا ہے نیز مالِ غنیمت کے حقدار چاہے جس حالت کے بھی ہوں ان سب میں شرعی طریقے سے مالِ غنیمت تقسیم کرنا واجب ہے لہٰذا حدیث الباب کا مطلب یہ ہوا کہ جب مالدار اور عہدے دار اپنے آپ کو فقراء کے حقوق پر ترجیح دے کر مالِ غنیمت کو ذاتی دولت کی طرح استعمال کریں اور فقراء کو مالِ غنیمت سے محروم کر دیں۔

وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا: یعنی جن لوگوں کے پاس امانتیں محفوظ کرائی جائیں وہ ان امانتوں میں خیانت کرنے لگ جائیں اور امانت کے مال کو ذاتی مال کی طرح ہڑپ کر جائیں۔

وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوٰۃ کے مال کو تاوان کا مال سمجھنے لگ جائیں اسکا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا تو کریں مگر عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ بے دلی سے ٹیکس سمجھ کر ادا کریں جیسے کوئی شخص تاوان اور جرمانہ بھرتے وقت بہت بوجھ سمجھتا ہے۔

وَتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّينِ: اور علم دین حاصل کیا جائیگا دین پھیلانے کی غرض کے علاوہ کیلئے یعنی علم حاصل کرنے سے دین پھیلانے کی نیت نہیں ہوگی بلکہ دنیا کمانے یا دنیا والوں پر فخر کرنے کیلئے علم حاصل کیا جائیگا کہ ہمارے علم کا یا وعظ کا چرچا ہو جائے۔

وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ: مرد کا بیوی کی اطاعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خاوند زن مرید بن جائے گا بیوی کی ہر خواہش پوری کرے گا دین کی پرواہ نہیں کرے گا چاہے بیوی کی اطاعت میں اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کیوں نہ ہوتی ہو۔

وَعَقَّ أُمَّهُ: "ای خالفها فيما تامره" یعنی والدہ جس چیز کا حکم دے گی اس کی نافرمانی کرے گا اور والدہ کا دل دکھائے گا۔ حدیث میں والدہ کا تذکرہ اس وجہ سے کیا ہے کہ اولاد کے لئے چونکہ زیادہ محبت وشفقت والی ماں ہی ہوتی ہے یا اس وجہ سے ماں کا ذکر کیا کہ اگر باپ کی خلاف ورزی کرے گا تو پٹائی کھانی پڑے گی جبکہ والدہ مارتی نہیں اس لئے والدہ کو دکھ زیادہ ہوتا ہے یا والدہ کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ صنف نازک ہے اور صنف نازک کو تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

وَأَدْنَى صَدِيقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ: دوستوں کو قریب اور باپ کو دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نیک باپ سے نفرت کرے اور فاسق وعیاش دوستوں سے قرب رکھے۔

وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: مسجد میں زور زور سے دنیاوی باتیں کی جائیں کہ چیخ وپکار کے ذریعے مسجد گونج اٹھے اور مسجد کے ادب واحترام کو بالائے طاق رکھا جائے گا یا مسجد میں لڑائی جھگڑے ہونے لگیں۔

وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ: یعنی قوم کی قیادت وسیاست ایسے آدمی کے سپرد کی جائے گی جو بدقماش، بدمعاش اور بے ایمان، ذلیل انسان ہوگا۔

وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ: آدمی کی تعظیم اس کے فتنہ وشر سے بچنے کی وجہ سے کی جائے گی۔ لوگ کسی بڑے سردار یا طاقتور شخص کے خوف اور شر سے بچنے کی وجہ سے اس کی تعظیم کریں گے اس کے سامنے حق بات کہنے سے خوف کریں گے۔

وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ: اور ناچنے والیاں، کنجریاں ظاہر ہو جائیں گی اس سے مراد ہر طرح کی گانے والیاں ہیں اسی طرح باجوں سے مراد ہر قسم کے ساز وباجے ہیں جن کو مزامیر کہا جاتا ہے باقی حدیث میں شراب سے ہر قسم کے نشہ آور مشروب مراد ہیں کہ

کھلم کھلا بے دھڑک شراب کا استعمال عام ہو جائے گا۔

وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا: جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں گے اس میں اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ برائی اس امت کی خاصیت ہے گزشتہ امتوں میں اس برائی کا رواج نہ تھا چنانچہ اس برائی میں روافض، خوارج وغیرہ شامل ہیں۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ تعالیٰ یوں ارشاد فرماتے ہیں "والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوہم باحسان رضی اللہ عنہم" اور دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا "لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرة"۔

بہر حال جن کے بارے میں اللہ پاک اپنی رضامندگی کا اظہار فرما رہے ہیں تو ان کو برا بھلا کہنا صریح گمراہی اور کفر کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو بغض صحابہ واہل بیت پر لعنت کرنے سے محفوظ فرمائے نیز یہی حکم تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، اولیاء کرام، صلحاء امت واکابرین کو برا بھلا کہنے کا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْقُدُّوسِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَتٰى ذٰلِكَ قَالَ إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَابِطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا

عباد بن یعقوب کوفی، عبداللہ بن عبدالقدوس، اعمش، ہلال بن یساف، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس امت میں عذاب آئیں گے خسف، مسخ اور قذف۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب گانے والیوں اور باجوں کو رواج ہو جائے گا اور لوگ شرابیں پینے لگیں گے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اعمش سے بھی عبدالرحمن بن سابط کے حوالے سے منقول ہے لیکن یہ مرسل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ هَيَّاجٍ الْأَسَدِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَرْحَبِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ الْفِهْرِيِّ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ أَنَا فِي نَفَسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ هٰذِهٖ لِأُصْبُعَيْهِ

محمد بن عمر بن ہیاج اسدی کوفی، یحیی بن عبدالرحمن ارحبی، عبیدۃ بن اسود، مجالد، قیس بن ابی حازم، مستورد بن شداد فہری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور قیامت ایک ساتھ مبعوث کئے گئے ہیں لیکن میں اس پر درمیانی انگلی کی شہادت کی انگلی پر سبقت کی طرح سبقت لے گیا۔ یہ

السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حدیث غریب ہے ہم اسے مستور بن شداد کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَأَشَارَ أَبُوْ دَاوُدَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى كَفَضْلِ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں پھر ابوداؤد نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا کہ ان میں سے ایک کی دوسری پر کیا فضیلت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **کھاتین:** قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب شہادت اور درمیانی انگلی کو ملایا جائے تو دونوں برابر ہو جاتی ہیں صرف درمیانی انگلی تھوڑی سی لمبی ہے گویا اس طرح میں کچھ پہلے آ گیا ہوں اور میرے بعد متصل قیامت آنے والی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے تشبیہ اس لئے دی گئی کہ جس طرح دین قیامت کے متصل ہے اس دین اور قیامت کے درمیان کسی دین کا فاصلہ نہیں جیسا کہ سبابہ اور وسطیٰ کے درمیان کسی انگلی کا فاصلہ نہیں اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی اور کوئی دین نہیں۔

سوال: سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی قیامت کو بہت قریب بتلایا ہے حالانکہ ہزاروں سال گزر چکے ہیں اب تک قیامت نہیں آئی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک چودہ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ابھی تک قیامت نہیں آئی تو یہ قیامت کس طرح قریب ہوئی؟

جوابات: ① علماء اور عقلاء سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "کل ما ہو آت فہو قریب" یعنی جو چیز بھی آنیوالی ہو سمجھ لو کہ قریب ہے کیونکہ ایک دن ایسا بھی آ جائیگا کہ وہ چیز آ چکی ہوگی بس قیامت بھی اسی طرح قریب ہے ② یہ بادشاہوں کا اطلاق ہے وہ جس کو قریب کہہ دیں اس پر کئی سال لگ جاتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِتَالِ التُّرْكِ

حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ وَبُرَيْدَةَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ وَعَمْرِو بْنِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم لوگ ایک ایسی قوم سے جنگ نہیں کرو گے جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے پھر مزید فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک ایسے لوگوں سے تمہاری جنگ نہ ہوگی جن کے چہرے تہ بہ تہ ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق، بریدہ، ابوسعید، عمرو بن تغلب اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث

تَغْلِبِ وَمُعَاوِيَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ: اس کے کئی مطلب ہیں ① انکے جوتے بٹے ہوئے بالوں سے ہوں گے ② غیر مدبوغ چمڑے کے جوتے ہوں گے ③ ان کی پنڈلیوں کے بال اتنے لمبے ہوں گے کہ پاؤں تک پہنچ کر جوتے کی طرح ہو جائیں گے۔

كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ: جس کے معنی ڈھال کے ہیں اور مطرقۃ کے معنی تہ بہ تہ رکھے ہوئے چمڑے کے ہیں چنانچہ ان کے چہروں کو مدور اور چپٹا ہونے کی بناء پر ڈھال کے ساتھ تشبیہ دی اور کثرت لحم اور سخت ہونے کی بناء پر مطرقہ کہا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے چہرے میں کسی قسم کی خوبصورتی نہیں ہے اور نہ ان کے چہرے ملائم ہیں اسی وجہ سے ان کے دلوں میں انسانوں کے لئے کوئی نرمی نہیں ہوگی گویا وہ انسان کی نوع میں سے نہیں ہیں اور انتہائی درجہ کے مفسد ہونگے ہوسکتا ہے کہ یہ قتال ہو چکا ہو یا آئندہ ہونے والا ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا ذَهَبَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفِقُنَّ كُنُوزَهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سعید بن عبدالرحمن، سفیان، زہری، سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی دوسرا کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور قیصر وکسریٰ کے خزانوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: هَلَكَ كِسْرٰى: یہ اصل میں "سیهلك" کے معنی میں ہے کہ عنقریب ہلاک ہو جائے گا۔ تحقق اور یقینی وقوع کی وجہ سے ماضی کا صیغہ لائے۔

فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جو کسریٰ کا فر تھا وہ باقی نہیں رہے گا اس کا نام خسرو پرویز تھا جس نے آپ ﷺ کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے تو حضور ﷺ نے بددعا کی تھی "اللهم مزقه كل ممزق" چنانچہ چند دنوں کے بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر ڈالا اور چند ماہ بعد اپنے باپ کا رکھا ہوا زہر مردانہ طاقت کی دوا سمجھتے ہوئے کھا کر خود بھی مر گیا۔ اس طرح اس کا خاتمہ تمام ہوا پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ پیدا نہیں ہوا یہی حال قیصر کا ہوا۔

بَابُ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ قِبَلِ الْحِجَازِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ احمد بن منیع، حسین بن محمد بغدادی، شیبان، یحیی بن ابی کثیر،

الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ وَفِي الْبَاب عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي ذَرٍّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ

ابوقلابۃ، حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرموت یا فرمایا حضرموت کے سمندر کی طرف سے قیامت سے پہلے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی عرض کیا گیا ہم لوگ اس وقت کیا کریں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم شام میں سکونت اختیار کرنا۔اس باب میں حضرت حذیفہ بن اسید، انس، ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: سَتَخْرُجُ نَارٌ: اس سے مراد یا توحقیقت میں آگ ہے یا فتنہ مراد ہے۔

قَالَ عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ: شام تک آگ نہیں پہنچے گی نہ ہی حسًا اور نہ ہی معنًی اس لئے کہ ملائکہ رحمت اس کی حفاظت پر مامور ہیں یہ آگ وہی ہے جس کا ذکر ماقبل میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُنْبَعِثَ كَذَّابُونَ دَجَّالُونَ قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، عبدالرزاق، معمر، ہمام بن منبہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجال نبوت کے دعویدار بن کر ظاہر نہیں ہوں گے۔ اس باب میں حضرت جابر بن سمرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتّٰى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، ابوقلابہ، ابواسماء، حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت کے کئی قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے اور بتوں کی پوجا نہیں کریں گے پھر فرمایا میری

وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک کا یہی دعویٰ ہوگا کہ وہ نبی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے

تشریح: قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ: یہ مرفوع ہے مبتدا کی خبر ہونے کی بنا پر اور مبتدا محذوف ہے۔ ای عددھم قریب من ثلاثین دوسری روایتوں میں جزم و یقین کے ساتھ ''انھم ثلاثون'' واقع ہے اور بعض روایتوں میں ''سبعون'' کا لفظ ہے بعض حضرات نے یہ تطبیق بھی بیان کی ہے کہ اس سے مقصود تحدید نہیں بلکہ کثرت کو بیان کرنا مقصود ہے یا ''سبعون'' والی روایت ضعیف ہے۔

حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي: آپ ﷺ کی اس پیشین گوئی کا کچھ حصہ تو آپ ﷺ کی وفات کے بعد سامنے آ گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کچھ قبائل مرتد ہو گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتدین کا استیصال کر دیا۔ آگے حدیث میں ہے یہاں تک کہ میری امت کے بعض قبائل بتوں کو پوجنے لگیں گے اگر حقیقی معنی مراد ہو تو کہا جائے گا کہ مسلمانوں کے کچھ طبقے ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے کے باوجود واقعتاً بتوں کی پوجا کرنے لگیں گے اس کا بھی ظہور ہمارے زمانہ میں ہو چکا ہے ''اعاذنا الله منه''

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيرٌ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُصْمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقِيفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيرٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ وَشَرِيكٌ يَقُولُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُصْمٍ وَإِسْرَائِيلُ يَقُولُ عَبْدُ اللهِ بْنُ عِصْمَةَ وَيُقَالُ الْكَذَّابُ الْمُخْتَارُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ وَالْمُبِيرُ الْحَجَّاجُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ أَحْصَوْا مَا قَتَلَ الْحَجَّاجُ

علی بن حجر، فضل بن موسیٰ، شریک، عبداللہ بن عصم، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک خون بہانے والا شخص پیدا ہوگا۔ اس باب میں حضرت اسماء بنت ابوبکر سے بھی روایت ہے کہ عبدالرحمن بن واقد بھی شریک سے اسی طرح کی حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے حسن غریب ہے ہم اسے صرف شریک کی سند سے جانتے ہیں اور وہ راوی کا نام عبداللہ بن عصم بیان کرتے تھے جبکہ اسرائیل عبداللہ بن عصبہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ کذاب سے مراد مختار بن ابی عبید اور قاتل سے مراد حجاج بن یوسف ہے۔ ابوداؤد سلیمان بن سلم بلخی، نضر بن شمیل سے اور وہ ہشام بن حسان سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج کے قتل کئے

صَبْرًا فَبَلَغَ مِائَةَ أَلْفٍ وَعِشْرِينَ أَلْفَ قَتِيلٍ ہوئے افراد کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچی ہے۔

تشریح: ثَقِيف: عرب کا مشہور قبیلہ ہے طائف اور حنین اس کا مقام تھا۔

اَلْكَذَّابُ: مبالغہ کا صیغہ ہے بڑا جھوٹا۔ علماء نے کذاب کا مصداق مختار بن ابی عبید ثقفی کو قرار دیا ہے اور مبیر کا مصداق حجاج بن یوسف ہے یہ اس امت کا سب سے بڑا ظالم شخص ہوا اس نے ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو ظلماً قتل کیا۔

وَالْمُبِيرُ: ''اباره'' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں ہلاک کرنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَرْنِ الثَّالِثِ

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِهِمْ قَوْمٌ يَتَسَمَّنُونَ وَيُحِبُّونَ السِّمَنَ يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوهَا هٰكَذَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ وَرَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَلِيَّ بْنَ مُدْرِكٍ

واصل بن عبد الاعلی، محمد بن فضیل، اعمش، علی بن مدرک، ہلال بن یساف، حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے زمانے کے لوگ سب سے بہتر ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے موٹاپے کو پسند کریں گے وہ لوگ گواہی طلب کئے بغیر گواہی دیں گے یہ حدیث محمد بن فضیل بھی اعمش سے وہ علی بن مدرک سے اور وہ ہلال بن یساف سے اسی طرح نقل کرتے ہیں جبکہ کئی راوی اسے اعمش سے وہ ہلال بن یساف سے نقل کرتے ہوئے علی بن مدرک کا ذکر نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ يَسَافٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدِي مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ فُضَيْلٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حسین بن حریث وکیع، اعمش، ہلال بن یساف، عمران بن حصین بھی وکیع سے اور وہ اعمش سے وہ ہلال بن یساف سے وہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث محمد بن فضیل کی روایت سے زیادہ صحیح ہے یہ حدیث کئی سندوں سے عمران بن حصین ہی سے مرفوعاً منقول ہے۔

تشریح: قَرْنِي: اس کی مدت میں مختلف اقوال ہیں۔ اول: اسی سال، ثانی: ساٹھ سال، ثالث: چالیس سال، رابع: ایک سو بیس سال، خامس: ایک سو سال، سادس: حربی کہتے ہیں کہ قرن دس سال سے ایک سو بیس سال تک کو کہتے ہیں۔

سابع: دو نسلیں جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں تقریباً ایک نسل سو سال میں منقطع ہو جاتی ہے اور نئی نسل میدان میں آ جاتی ہے۔

ثامن: ایک نبی کی بعثت والی مدت کو کہتے ہیں اس میں وقت کی تعیین نہیں بھلے کم ہو یا زیادہ۔ صحابہ کرامؓ کا زمانہ ایک سو بیس سال تک ہے کیونکہ آخری صحابی حضرت ابو الطفیل جن کی وفات علی اختلاف الاقوال ایک سو بیس سال میں ہے اس کے بعد دوسرا قرن تابعین کا ہے اور یہ ساٹھ سال تک ہے اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ ہے جو چالیس سال تک پہنچتا ہے پھر اس کے بعد ایک سو بیس سال کے بعد بدعات، معتزلہ، فلاسفہ اور دیگر فرق ضالہ کا ظہور ہو گیا تو کہنا پڑے گا کہ سب سے بہتر زمانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے جو سو سال ہے پھر اس کے بعد دو زمانے ایک سو بیس سال کے اندر اندر ہیں تو پھر ان دونوں کو اگر تقسیم کیا جائے تو ایک زمانہ کے ساٹھ سال ہی ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرن کے لئے سو سال کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ والوں کی عمروں کے لحاظ سے قرن بدلتے رہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ وَلَا أَعْلَمُ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا ثُمَّ يَنْشَأُ أَقْوَامٌ يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَفْشُو فِيهِمُ السِّمَنُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ بن سعید، ابو عوانہ، قتادہ، زرارۃ بن اوفی، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہترین لوگ میرے بعثت کے زمانے کے لوگ ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ تیسرے زمانے کا بھی ذکر فرمایا یا نہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بغیر طلب کئے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے، امین نہیں ہوں گے اور ان میں موٹاپا زیادہ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے

تشریح: وَلَا أَعْلَمُ ذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا: مسلم شریف میں یہ روایت شک کے ساتھ ہے مگر اکثر روایات بغیر شک کے وارد ہیں مثلاً حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت مسند احمد میں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اور اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بھی بغیر شک کے مروی ہے۔

وَيَفْشُو فِيهِمُ السِّمَنُ: یعنی وہ لوگ کھانے پینے میں ایسے توسع اختیار کریں گے جو موجب سمن ہوگا ان لوگوں کا کام اور مشغلہ کھانا پینا اور اسی میں لگے رہنا ہوگا دنیا کی کوئی فکر نہیں ہوگی۔ اس لئے وہ ایک دوسرے سے موٹا ہونے کو پسند کریں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلَفَاءِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بات

وَسَلَّمَ يَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا قَالَ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِشَيْئٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَسَأَلْتُ الَّذِي يَلِيْنِي فَقَالَ كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

فرمائی لیکن میں سمجھ نہیں سکا پس میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسٰى عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ هٰذَا الْحَدِيثِ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسٰى عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

ابوکریب، عمر بن عبید، ابی بکر بن ابی موسیٰ جابر بن سمرہ بھی اسے عمرو بن عبید سے وہ اپنے والد سے وہ ابوبکر بن ابوموسی سے اور وہ حضرت جابر بن سمرہؓ سے اسی طرح مرفوعاً نقل کرتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے یعنی بواسطہ ابوبکر بن موسیٰ۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: اثْنَا عَشَرَ أَمِيرًا: **اول:** حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود مدح نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ امت مرحومہ زمانہ طویل تک باقی رہے گی اس میں کوئی تعداد متعین نہیں۔

ثانی: عند البعض خلافت علی حسب السنۃ بارہ امیروں پر مشتمل ہوگی ان بارہ امیروں کو لگاتار ہونا ضروری نہیں۔

ثالث: اس سے مراد مہدی اور ان کے بعد کا زمانہ ہے اس وقت بارہ امیر ہوں گے۔

رابع: یا خلافت واحدہ پر لوگوں کا اجتماع بارہ امیروں تک ہوگا۔

خامس: یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی زمانے میں بارہ امیر ہوں گے اور سب کے سب دعوٰی خلافت کریں گے۔

سادس: یا اس میں اشارہ ہے حدیث خیر القرون کی طرف یعنی ان قرنوں میں غالب اخیار ہوں گے اور وہ بارہ ہوں گے۔

سابع: یا اس سے اشارہ خلفاء بنوامیہ کی طرف ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد ہوں گے۔

ثامن: یا اس سے مراد امارت علی حسب سنۃ الخلفاء ہے کہ وہ بارہ امیروں میں رہے گی۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مِهْرَانَ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ كُسَيْبٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ أَبُو بِلَالٍ انْظُرُوا إِلٰى أَمِيرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ

بندار، ابوداؤد، حمید بن مہران، سعد بن اوس، حضرت زیاد بن کسیب عدوی کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا ہوا تھا وہ خطبہ دے رہا تھا اور اس کے جسم پر باریک کپڑے تھے ابوبلال کہنے لگے دیکھو ہمارا امیر فساق کے کپڑے پہنتا ہے حضرت ابوبکرہؓ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص زمین میں اللہ

أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

کے حاکم کی توہین کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کریں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: مَنْ أَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِي الْأَرْضِ أَهَانَهُ اللهُ: یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی اور بادشاہت کا لباس پہنا دیا ہو یا اس طرح کا معزز شخص ہو تو اس کو بر سر عام رسوا کرنا درست نہیں خاص کر جبکہ بادشاہ و حاکم ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِلَافَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَشْرَجُ بْنُ نُبَاتَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ قَالَ حَدَّثَنِي سَفِينَةُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ لِي سَفِينَةُ أَمْسِكْ خِلَافَةَ أَبِي بَكْرٍ ثُمَّ قَالَ وَخِلَافَةَ عُمَرَ وَخِلَافَةَ عُثْمَانَ ثُمَّ قَالَ لِي أَمْسِكْ خِلَافَةَ عَلِيٍّ قَالَ فَوَجَدْنَاهَا ثَلَاثِينَ سَنَةً قَالَ سَعِيدٌ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ يَزْعُمُونَ أَنَّ الْخِلَافَةَ فِيهِمْ قَالَ كَذَبُوا بَنُو الزَّرْقَاءِ بَلْ هُمْ مُلُوكٌ مِنْ شَرِّ الْمُلُوكِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ قَالَا لَمْ يَعْهَدِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخِلَافَةِ شَيْئًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ قَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ وَلَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِهِ

احمد بن منیع، سریج بن نعمان، حشرج بن نباتہ، سعید بن جہمان، حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں تیس سال تک خلافت رہے گی پھر بادشاہت آجائے گی سفینہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت گن لو سعید کہتے ہیں کہ ہم نے پورے تیس سال پائے۔ سعید نے عرض کیا بنوامیہ سمجھتے ہیں کہ خلافت انہی میں ہے حضرت سفینہؓ نے فرمایا کہ بنوزرقاء جھوٹ بولتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو بدترین بادشاہوں میں سے ہیں۔ اس باب میں حضرت عمر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں یہ دونوں حضرات بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت کے معاملے میں کوئی تعیین نہیں فرمائی۔ یہ حدیث حسن ہے اسے کئی راوی سعید بن جہمان سے نقل کرتے ہیں ہم بھی اسے صرف انہی کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ سفینہ لقب تھا ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں۔ سفینہ نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ سفر میں تھے کہ لوگوں نے ان پر تلواروں اور تیروں وغیرہ کا بوجھ رکھ دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا ''انت سفینۃ'' اس وقت سے سفینہ اتنے مشہور ہوئے کہ اصل نام کا لوگوں کے ذہن سے ذہول ہوگیا۔

الْخِلَافَةُ: خلافت کی دو اقسام ہیں ① خلافت علی منہاج النبوۃ بطریق خاص اس کا مصداق ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں۔ ② خلافت علی منہاج النبوۃ بطریق عام۔ اس کا مصداق حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ ہیں۔

الْخِلَافَةُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ سَنَةً: تیس سال خلفاء راشدین کا دور ہوگا اور حقیقت میں تیس سال ہی خلفاء کا زمانہ تھا۔ آپ ﷺ نے ہر ایک کی مدت خلافت کسر کو حذف کر کے بیان کردی ورنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال چار ماہ رہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ رہی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت چند روز کم بارہ سال رہی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ رہی۔ اس حساب سے خلفاء اربعہ کی مدت خلافت انتیس سال سات ماہ نو دن بنتی ہے تیس سال ہونے کیلئے پانچ ماہ باقی رہ جاتے ہیں جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پورے ہو جاتے ہیں اس کے بعد ملوکیت کا دور ہے لیکن اس میں کچھ استثناء بھی ہے جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور یہ بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بطریق عام ہی میں شامل ہے۔ اس بحث کے متعلق تفصیل جاننے کے لئے ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق'' حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کی اور محقق عصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' قابل دید ہیں۔

سوال: اس بات میں اتفاق ہے کہ خلفاء رابعہ کے علاوہ بھی خلفاء ہوں گے جیسا کہ بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور اس طرح بعض خلفاء عباسیہ ہیں تو پھر تیس سال کا قول کیسے درست ہوگا؟

جواب: اس سے مراد ایسی خلافت ہے جس میں خلاف حق کی آمیزش بالکل نہیں تھی اس کے بعد کبھی خلافت حق ہوگی اور کبھی نہیں ہوگی۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قِيلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ إِنْ أَسْتَخْلِفْ فَقَدِ اسْتَخْلَفَ أَبُو بَكْرٍ وَإِنْ لَمْ أَسْتَخْلِفْ لَمْ يَسْتَخْلِفْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

یحیی بن موسی، عبدالرزاق، معمر، زہری، سالم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کسی کو خلیفہ بنا دیتے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں خلیفہ بناتا ہوں تو ابوبکر نے بھی کسی کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور اگر نہ مقرر کروں تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ اس حدیث میں طویل قصہ ہے یہ حدیث صحیح ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے کئی سندوں سے منقول ہے۔

تشریح: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خلیفہ جب قریب الموت ہو جائے یا اس سے پہلے وہ اپنا قائم مقام بنائے تو جائز ہے اگر وہ نہ بنائے تو یہ بھی جائز ہے ان دونوں کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے اور اس بات پر اجماع ہے کہ خلیفہ مسئلہ خلافت میں شوریٰ بنائے تو جائز ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلہ خلافت کے طے کرنے کے لئے چند افراد کو بلایا نیز اس پر اجماع ہے کہ خلیفہ جب قریب الموت ہو جائے تو ایسے شخص کو خلیفہ بنائے جو شریعت کا پابند ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْخُلَفَاءَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ

حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ

حسین بن محمد بصری، خالد بن حارث، شعبہ، حبیب بن

بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي الْهُذَيْلِ يَقُولُ كَانَ نَاسٌ مِنْ رَبِيعَةَ عِنْدَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ لَتَنْتَهِيَنَّ قُرَيْشٌ أَوْ لَيَجْعَلَنَّ اللهُ هٰذَا الْأَمْرَ فِي جُمْهُورٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِهِمْ فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ كَذَبْتَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قُرَيْشٌ وُلَاةُ النَّاسِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

زبیر، حضرت عبداللہ بن ابی ہذیل فرماتے ہیں کہ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن عاص ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے کہا کہ قریش کو باز رہنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ خلافت ان کے غیر جمہور عرب کے سپرد کر دیں گے۔ عمرو بن عاص ؓ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت تک خیر وشر میں قریش ہی لوگوں کے حکمران ہوں گے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن مسعود اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: قریش کی خلافت وریاست کے بارے میں مختلف روایات وارد ہیں۔ اول حدیث الباب ہے دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے تیسری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت قریش میں ہی رہے گی ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو حق خلافت نہیں تابعین اور تبع تابعین کا بھی اس پر اجماع رہا ہے۔ خلافت کا حق تو صرف قریش کو ہے اگر ان پر کوئی غلبہ حاصل کر لے اور خلیفہ بن جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے تاکہ اختلاف بین المسلمین نہ ہو۔

سوال: مسلم شریف و بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " اسمعوا و اطیعوا و ان استعمل علیکم عبد حبشی کان رأسه ذبیبة " اسی طرح دوسری روایت ام حصین ؓ کی مسلم شریف میں ہے " ان امر علیکم عبد مجدع یقرؤکم بکتاب اللّٰہ فاسمعوا " ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر قریشی حتیٰ کہ غلام بھی امیر بن سکتا ہے اس سے بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اول: تمام روایات کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص قریہ وغیرہ کی امارت کسی غلام یا غیر قریشی کے سپرد کی جائے تو اس کی اطاعت لازم ہے، قریش ولاۃ الناس ہی رہیں گے۔

جواب ثانی: یا روایت میں عبد حبشی کا لفظ مبالغۃً واقع ہوا ہے اس سے مقصود امام کی اطاعت کی ترغیب ہے اور امت کو اختلاف سے بچانا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ

محمد بن بشار، ابوبکر حنفی، عبدالحمید بن جعفر، حضرت عمرو بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کرتے ہوئے سنا کہ رات اور دن نہیں جائیں گے یہاں تک کہ

حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِنَ الْمَوَالِي يُقَالُ لَهُ جَهْجَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

غلاموں میں سے ایک آدمی برسرِ اقتدار آئے گا جس کو جہجاہ کہا جائے گا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: جَهْجَاهُ: بعض نسخوں میں تو دو ھاء کے ساتھ ''جهجهاه'' ہے اور بعض نسخوں میں جہجاہ ایک ہاء کے ساتھ منقول ہے نیز واضح رہے کہ چار بادشاہ پوری دنیا کے حکمران ہوئے ہیں ① سکندر ② حضرت سلیمان علیہ السلام ③ بخت نصر ④ نمرود۔ اور ''جهجاه'' اصل میں غلام ہوگا بعد میں پوری دنیا کا پانچواں حکمران بن جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِي أَئِمَّةً مُضِلِّينَ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ يَخْذُلُهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اپنی امت پر گمراہ کرنے والے حکمرانوں کا ڈر ہے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی اور وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوں گے انہیں کسی کے اعانت ترک کر دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: أَئِمَّةً مُضِلِّينَ: ائمہ امام کی جمع ہے اور امام قوم و جماعت کے سردار و پیشوا اور اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو اپنے قول و فعل یا عقیدے کی اتباع کی طرف بلائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اصلاح اور تباہی کی طرف لے جانے والی اصل چیز قیادت ہے۔ ائمہ مضلین سے مراد اہل بدعت ہیں یا ایسے ذمہ دار مراد ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔

عَلَى الْحَقِّ: یہ لاتزال کی خبر ہے ای ثابتین علی الحق علماً وعملاً

ظَاهِرِينَ: ای غالبین علی الباطل۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ظاهرین، لاتزال کی دوسری خبر ہے۔

حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ: اس سے مراد قیامت ہے یا اس سے مراد وہ ہوا ہے جو ہر مؤمن کی روح قبض کر لے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَهْدِيِّ

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى

عبید بن اسباط بن محمد قرشی، ان کے والد، سفیان ثوری، عاصم بن بہدلہ، زر، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا اس وقت تک فنا نہیں ہوگی جب تک میرے اہل بیت میں سے میرے ہی نام کا ایک

يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

شخص پورے عرب پر حکمرانی نہیں کرے گا۔ اس باب میں حضرت علی، ابوسعید، ام سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَلِي رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي قَالَ عَاصِمٌ وَحَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَلِيَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل بیت میں سے میرے نام کا ایک شخص دنیا کا حکمران ہوگا۔ عاصم، ابوصالح کے واسطہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر دنیا میں سے ایک دن ہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے طویل کردے گا یہاں تک کہ امام مہدی حکمران ہو جائیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ: اس سے مراد تمام اہل اسلام ہیں کیونکہ اسلام کا جو بھی حامل ہے وہ عربی ہے۔ یا عرب کا ذکر اس لئے کیا کہ تمام اہل عرب امام مہدی علیہ الرضوان کی اطاعت کریں گے جبکہ تمام اہل عجم امام مہدی علیہ الرضوان کی اطاعت نہ کریں گے بلکہ کچھ مخالفت بھی کریں گے۔ یا عرب کا اس لئے ذکر کیا کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے زمانہ میں اہل عرب کا غلبہ ہوگا۔ یا عرب کا ذکر اس لئے کیا کہ اہل عرب کو اہل عجم پر شرافت حاصل ہے۔ یا تغلیباً اہل عرب کا ذکر کیا اہل عجم ان کے تحت داخل ہیں۔

يَلِي رَجُلٌ: حدیث مبارک میں جس رجل کا ذکر آیا ہے اس سے مراد حضرت مہدی علیہ الرضوان ہونگے انکا نام محمد اور لقب مہدی ہوگا۔ رہی یہ بات کہ اس رجل کا تعلق کس سے ہوگا۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہونگے یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے۔۔۔ ممکن ہے دونوں نسبتوں کے حامل ہوں لیکن صحیح یہ ہے کہ باپ کی جانب سے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے اور ماں کی طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہونگے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا ہوئے اور خاتم انبیاء ہوگئے اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تمام اولیاء، صلحاء گزرے ہیں تو مناسب ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بھی ایک ایسا ولی ہونا چاہیے جو خاتم الاولیاء ہو جائے۔ (مرقاۃ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ الرضوان کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف نسبی نہیں ہوگا بلکہ روحانی اور شرعی بھی ہوگا۔ یعنی ان کا طور طریقہ اور ان کے عادات آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہی ہونگے۔

يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي: اور ایک روایت میں ہے: ''واسم ابیه اسم ابی'' اس سے روافض کے قول کی تردید ہوگئی وہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود منتظر اور حسن عسکری کے بیٹے محمد ہیں جبکہ حدیث الباب میں ہے کہ مہدی کا نام محمد اور ان کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، زید عمی، ابوصدیق ناجی،

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدًا الْعَمِّيَّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الصِّدِّيقِ النَّاجِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَشِينَا أَنْ يَكُونَ بَعْدَ نَبِيِّنَا حَدَثٌ فَسَأَلْنَا نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ فِي أُمَّتِي الْمَهْدِيَّ يَخْرُجُ يَعِيشُ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ تِسْعًا زَيْدٌ الشَّاكُّ قَالَ قُلْنَا وَمَا ذَاكَ قَالَ سِنِينَ قَالَ فَيَجِيءُ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَيَقُولُ يَا مَهْدِيُّ أَعْطِنِي أَعْطِنِي قَالَ فَيَحْثِي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو الصِّدِّيقِ النَّاجِيُّ اسْمُهُ بَكْرُ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ بَكْرُ بْنُ قَيْسٍ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی بدعت شروع ہو جائے پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں ایک مہدی آئے گا جو پانچ سات یا نو سال تک حکومت کرے گا پھر اس کے پاس ایک شخص آئے گا اور کہے گا اے مہدی مجھے دیجئے، مجھے دیجئے پس وہ اسے اتنا مال دیں گے جتنے اس میں اٹھانے کی استطاعت ہوگی یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے ابوصدیق کا نام بکر بن عمرو ہے انہیں بکر بن قیس بھی کہتے ہیں

تشریح: سوال: حدیث الباب میں صحابہ کرامؓ کے سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کیا مطابقت ہے۔

جواب اول: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم" فرمایا تو صحابہ کرامؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید ان زمانوں کے بعد بدعات اور نئی نئی باتیں پیش آئیں گی تو قیامت اچانک آجائے گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "شفقة علی الامة" یہ ارشاد فرمایا کہ پہلے حضرت مہدی علیہ السلام تشریف لائیں گے اور بدعات وغیرہ کو ختم کریں گے۔

جواب ثانی: یا یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانہ خیر سے خالی ہوتا نظر آتا ہے کہ کل کو جو حالت تھی آج نہیں۔ تو صحابہ کرامؓ نے یہ سوچا کہ شاید بالکل اخیر میں لوگ بالکل گمراہ ہو جائیں گے اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں شرور و فتن زائد ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تسلی فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ ایک زمانہ حضرت مہدی علیہ السلام کا بھی ہوگا اور وہ خیر کا زمانہ ہوگا۔

فَيَحْثِي لَهُ فِي ثَوْبِهِ مَا اسْتَطَاعَ أَنْ يَحْمِلَهُ: حضرت مہدی علیہ السلام اس کو اس قدر عطا فرمائیں گے جس کو وہ اٹھا سکے یعنی اس وقت مال کی کثرت ہوگی کہ فتوحات خوب ہوں گی مال غنیمت بہت حاصل ہوگا اور حضرت مہدی علیہ السلام سخی بھی ہوں گے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا قیام سات سال رہے گا وہ انتہائی فتوحات اسلامیہ کا دور ہوگا غنائم کی کثرت ہوگی اور وہ خود سخی ہوں گے لوگ ان سے مال وغیرہ مانگیں گے وہ حسب منشأ عنایت کریں گے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کے بارے میں تفصیلی ابحاث کتب میں شائع ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو آسمان پر اٹھا لیا جس پر قرآن

پاک کی یہ آیتیں دلالت کرتی ہے "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" اور "بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا" (نساء ۱۵۸) پھر احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ قرب قیامت کے زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے۔ دین محمدی کی اتباع کریں گے اور اپنے تمام احکام وفرامین شریعت محمدی کے مطابق جاری ونافذ کریں گے بعض ایسے احکام بھی جاری کرینگے جو شریعت محمدی میں نہیں ہوں گے جیسے جزیہ کو اٹھا دینا اور سور کو ختم کردینا یہ بھی رسول کریم ﷺ کے حکم سے ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری پر یہ دونوں حکم منسوخ ہو جائیں گے۔ اس صورت میں یہ بھی شریعت محمدی ہی کا ایک جزو ہوں گے۔

ابوطاہر قزوینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کی کیفیت اور آسمان سے اترنے کی کیفیت اور آسمان میں ٹھہرنے کی کیفیت اور وہاں ٹھہرنے کی مدت میں کھانے پینے کی احتیاجی کا نہ ہونا یہ عقل میں آنے والی بات نہیں اسلئے جو حکم من جانب اللہ ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

سوال: بعض فلاسفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا انکار کرتے ہوئے یہ سوال کرتے ہیں کہ اتنا عرصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے پینے سے کس طرح مستغنی ہوئے حالانکہ قرآن پاک میں ہے "وماجعلنهم جسدًا الا یاکلون الطعام" (النساء:۸)۔

جواب: کھانے پینے سے قوت کا حصول اس شخص کے لئے ہے جو زمین پر رہتا ہو کیونکہ زمین پر رہنے والے پر گرم وسرد ہوا اس کے جسم میں حلول کرتی ہے تو اس پر بھوک پیاس کا اثر پڑتا ہے لیکن جب اللہ نے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا تو اپنی قدرت سے ان کو کھانے پینے سے مستغنی کر دیا جیسا کہ فرشتوں کو کھانے پینے سے مستغنی کر دیا ان کا کھانا تسبیح وتہلیل ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے بعد جب قحط ہوگا اس وقت مومنین کے لئے تسبیح وتہلیل روحانی غذا کے ساتھ جسمانی غذا بھی ہوگی۔

اس پر شیخ ابوطاہر قزوینیؒ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مشرقی علاقہ میں ایک آدمی جس کا نام خلیفۃ الخراط ہے تیئس سال سے بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ رہا اس کا کام صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا تھا دن ہو یا رات اس طرح کے کئی واقعات صلحاء امت کے منقول ہیں اور جب دنیا میں ایسا ہو سکتا ہے تو آسمان پر بھی بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور رفع کے متعلق چند مختصر ابحاث سمجھ لیں۔

اول بحث: **سوال:** قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی کیا حکمت ہے اور کسی وقت میں بھی تو نزول ہو سکتا ہے اس کے شارحین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول: اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے یہود ونصاریٰ کی تردید مقصود ہے کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کر دیئے گئے ان کے باطل دعوے کے جھوٹ کو ثابت کرنے کیلئے حضرت عیسیٰ تشریف لائیں گے۔

جواب ثانی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر اترنا اپنی مدت حیات کو پورا کرنے کیلئے ہے۔

جواب ثالث: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ میرے بعد ایک امت آئے گی جس کے بہت سے فضائل ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے بھی ان میں شامل کر پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اسلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت کے وقت واپس آئینگے۔

سوال: ان وجوہات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کیلئے نہیں آئیں گے بلکہ دین کی تجدید کیلئے آئینگے جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کیلئے آئیں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو بھی قتل کرینگے اور اللہ کے دین کی تجدید بھی کرینگے۔

جواب رابع: اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو وہ انکی مدد کرے لقولہ تعالی ''واذا اخذالله ميثاق النبيين لما اتيتكم من كتب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتومنن به ولتنصرنه'' (ال عمران:۸۱) تمام انبیاء علیہم السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان تو لائے لیکن نصرت نہیں کی کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا اب عیسیٰ علیہ السلام اس نصرت کا وعدہ پورا کرنے کیلئے زمین پر تشریف لائینگے مزید تفصیل کیلئے اس موضوع پر حضرات اکابر علمائے کرام کی کتب سے استفادہ کیا جائے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے عنقریب لوگوں میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جو عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں گے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیے کو موقوف کردیں گے اور اتنا مال تقسیم کریں گے کہ لوگ قبول کرنا چھوڑ دیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ: ''صلیب'' اصل میں دو مثلث لکڑیوں کا نام ہے یہ جمع کی شکل میں ہوتی ہے جس سے عیسائی لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے سولی پر لٹکا دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کردیا اور آسمان پر اٹھا لیا۔ عیسائیوں کے ہاں صلیب انتہائی مقدس نشان ہے بلکہ وہ اس کی پوجا بھی کرتے ہیں اور اس کو اپنے گلوں میں لٹکانا یہ عیسائیوں کے ہاں قابل احترام عمل ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ بقول عیسائیوں کے جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی وہ اسی پھانسی کے گھاٹ سے محبت کرتے ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں حالانکہ یہ تو قابل نفرت چیز ہونی چاہیے ادھر عیسائیوں کے لئے یہ بات بھی قابل شرم اور افسوس ناک ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا بلکہ جاسوسی کر کے تیس روپے پر جھک گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے تو اس غلط عقیدے کو باطل قرار دیں گے اور صلیب توڑ دیں گے عیسائیوں کی علامات کو ختم کردیں گے اور خنزیر کو قتل اس وجہ سے کریں گے کہ یہ عیسائیوں کا محبوب ترین جانور ہے اور محبوب غذا ہے اس کے قتل کا مطلب تو واضح ہے کہ وہ حرام ہے۔

الْجِزْيَةَ: جزیہ کو ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد جب کسی کافر کو زندہ چھوڑنا اور امن دینا بند ہوجائے گا صرف مسلمان باقی رہیں گے کوئی کافر نہیں ہوگا تو پھر جزیہ کون ادا کرے گا۔ اس لئے

جزیہ خود بخود ختم ہو جائے گا کفار پر صرف اسلام یا موت کا قاعدہ جاری ہوگا۔ بعض حضرات نے کہا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ذمیوں سے جزیہ اس لئے اٹھائیں گے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں مال و دولت کی فراوانی اور اہل حرص کی کمی کی وجہ سے ایسا کوئی محتاج و ضرورت مند نہیں رہے گا جو ان سے جزیہ کا مال لینے والا ہو اس کی تائید آگے والی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّجَّالِ

دجال دجل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تغطیہ یعنی حق کو باطل کے ساتھ چھپانا، خلط ملط کرنا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دجال دونوں کو مسیح کیوں کہا جاتا ہے: دجال اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے درمیان مسیح کا لفظ مشترک ہے البتہ ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے کہ لفظ مسیح کو دجال کے ساتھ مقید کر کے مسیح الدجال کہا جاتا ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لئے مطلق کہا جاتا ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مسیح کہنے کی وجہ: حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مسیح کہنے کی مختلف وجوہات ہیں۔

اول: اندھے اور کوڑھی کو حضرت عیسٰی علیہ السلام مسح فرما دیتے تو وہ ٹھیک ہو جاتا۔

ثانی: حضرت مسیح علیہ السلام اپنی والدہ کے پیٹ کی تمام گندگیوں سے ممسوح یعنی پونچھے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

ثالث: مسیح بمعنی صدیق بھی آتا ہے۔

رابع: حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دونوں قدموں کے تلوے ممسوح اور ہموار تھے خم دار باریک نہیں تھے۔

خامس: حضرت عیسٰی علیہ السلام زمین پر کثرت سے سیاحت فرمائیں گے اس وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔

دجال کو مسیح کہنے کی وجہ: **اول:** اس کی ایک آنکھ ہموار اور ممسوح ہوگی اس وجہ سے اس کو مسیح کہتے ہیں۔

ثانی: ممسوح الخیر ہونے کی وجہ سے مسیح کہا گیا کیونکہ وہ خیر سے محروم ہے۔

ثالث: کثرت مساحت کی بنا پر مسیح کہلاتا ہے کہ وہ ادھر ادھر بھاگا پھرے گا۔

سوال: دجال کے فتنہ سے بچنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بچنے کے لئے دعائیہ سورتیں بتائیں اور احادیث میں بھی کثرت سے اس کے فتنہ کا ذکر آیا ہے پھر قرآن پاک میں دجال کا ذکر کیوں نہیں آیا؟

جواب اول: قرآن کی ایک آیت میں ''وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته'' اور اسی طرح ''وانه لعلم الساعة'' میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نزول کی طرف اشارہ ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے آیت میں احد الضدین کو بیان کیا ہے۔

جواب ثانی: قرآن پاک کی آیت ''یوم یأتی بعض ایات ربك لا ینفع نفسا ایمانها'' کی تفسیر میں امام ترمذیؒ نے یہ حدیث ذکر کی ہے ''ثلاثة اذا خرجن لم ینفع نفسا ایمانها لم تکن امنت من قبل الدجال والدابة وطلوع

الشمس من مغربها" معلوم ہوا بعض آیات سے مراد دجال ہے۔

جواب ثالث: ممکن ہے احتقاراً وتذلیلاً دجال کا ذکر نہیں فرمایا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُرَاقَةَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوحٍ إِلَّا قَدْ أَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهُ وَإِنِّي أُنْذِرُكُمُوهُ فَوَصَفَهُ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّهُ سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَآنِي أَوْ سَمِعَ كَلَامِي قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فَكَيْفَ قُلُوبُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ أَوْ خَيْرٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْجَرَّاحِ

عبداللہ بن معاویہ جمحی، حماد بن سلمۃ، خالد حذاء، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن سراقۃ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نوح کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں جس نے اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے ڈرایا نہ ہو اور میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اوصاف بیان کئے اور فرمایا شاید مجھے دیکھنے اور سننے والوں میں سے بھی کوئی اسے دیکھے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ اس دن ہمارے دلوں کی کیا کیفیت ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج کی طرح یا اس سے بھی بہتر۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن بسر، عبداللہ بن مغفل اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف خالد حذاء کی روایت سے جانتے ہیں اور ابوعبیدہ کا نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے۔

تشریح: سَيُدْرِكُهُ بَعْضُ مَنْ رَآنِي: بعض حضرات نے اس جملہ کا مشارالیہ حضرت خضر علیہ السلام کو قرار دیا ہے عند البعض کہ اس میں ہر وہ اہل ایمان آجاتا ہے جس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دجال کے بارے میں احادیث پہنچی ہونگی۔ گویا دجال کا ظاہر ہونا یقینی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ وَلَقَدْ أَنْذَرَ نُوحٌ قَوْمَهُ وَلٰكِنْ سَأَقُولُ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری، سالم، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور خطاب کیا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد دجال کا ذکر کیا اور فرمایا میں لوگوں کو اس سے ڈراتا ہوں جیسے کہ مجھ سے پہلے تمام انبیاء ڈرایا کرتے تھے نوح نے بھی اپنی قوم کو اس فتنے سے ڈرایا لیکن میں اس کے متعلق ایسی بات بتاؤں گا جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہیں بتائی وہ یہ کہ تم لوگ جانتے ہو کہ وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا

قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيُّ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَئِذٍ لِلنَّاسِ وَهُوَ يُحَذِّرُهُمْ فِتْنَتَهُ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ وَإِنَّهُ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَا فَرٌ يَقْرَؤُهُ مَنْ كَرِهَ عَمَلَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

زہری کہتے ہیں کہ عمر بن ثابت انصاری نے مجھے بعض صحابہ سے نقل کرتے ہوئے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز لوگوں کو دجال کے فتنے سے ڈراتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی اپنے خالق حقیقی اللہ رب العالمین کو اپنی زندگی میں نہیں دیکھ سکتا نیز اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوا ہوگا جو لوگ اس سے بیزار ہوں گے وہی یہ لفظ پڑھ سکیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ دجال کے ظہور کو اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظاہر نہیں فرمایا پس اس قدر معلوم ہے کہ وہ قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا اسلئے ہر نبی نے ظہور دجال سے اپنی امت کو ڈرایا۔

مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَا فَرٌ: چنانچہ مصابیح اور مشکوۃ کے نسخوں میں یہ الفاظ علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہیں گویا دجال کے چہرے پر ک ف ر (کفر) اس طرح لکھا ہوگا۔

نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دجال دراصل تباہی و ہلاکت یعنی کفر کی طرف بلانے والا اور کفر کے پھیلنے کا باعث ہوگا کہ دجال فلاح ونجات کی طرف بلانے والا نہیں ہوگا بلکہ اسکے چہرے پر کفر کا لکھا ہوا ہونا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے حق میں ایک بڑی نعمت ہے کہ دجال کی دونوں آنکھوں کے درمیان کفر کا لفظ نمایاں ہوگا جس کو ہر صاحبِ ایمان آسانی سے پڑھ اور سمجھ لے گا (خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ) اور اُس صاحبِ ایمان کو دجال کے مکروفریب سے بچنے میں آسانی ہوگی جبکہ پڑھا لکھا کافر اس کو نہ پڑھ سکے گا اور نہ سمجھ سکے گا۔ اس وجہ سے کافر کو دجال کے مکروفریب سے بچنے میں آسانی بھی نہ ہوگی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ فَتُسَلَّطُونَ عَلَيْهِمْ حَتَّى يَقُولَ الْحَجَرُ يَا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُودِيٌّ وَرَائِي فَاقْتُلْهُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری، سالم، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہودی تم لوگوں سے جنگ کریں گے اور تمہیں ان پر مسلط کر دیا جائے گا یہاں تک کہ پتھر کہے گا اے مسلمان میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اسے قتل کرو یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: تُقَاتِلُكُمُ الْيَهُودُ: یہود کی سلطنت قائم ہوگی اور پھر مسلمانوں اور یہود کی بہت بڑی جنگ ہوگی بالآخر آخری جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوگی اور یہود کو شکست بلکہ دنیا سے مسلمانوں کے ہاتھوں یہود فنا، تباہ و برباد ہو جائینگے (ان شاء اللہ) چنانچہ فلسطین پر یہود کا قبضہ وتسلط اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو امریکہ و برطانیہ کے گٹھ جوڑ سے بیت المقدس پر غلبہ کی کوشش کر رہے ہیں۔

هٰذَا يَهُودِيٌّ: یعنی جب مسلمان یہودیوں کو ماریں گے اور یہود بھاگتے ہوئے پتھر و درخت کے پیچھے جا کر چھپیں گے تو وہ درخت اور پتھر بولیں گے کہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اس کو مارو۔ یہود کا اس طرح صفایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں

ہوگا کیونکہ اس وقت کسی کافر کو ذمی رکھنے کا حکم ختم ہو جائے گا جزیہ ختم ہو جائے گا اسلام یا موت۔ بس یہ دو صورتیں ہوں گی۔

آپ ﷺ نے یہود کو جزیہ اور ذمی بنا کر زندہ رکھا لیکن جب یہود اپنے کفر میں شدت اختیار کریں گے تو ان سے یہ دونوں امور چھین لئے جائیں گے۔ حتی کہ ایک وقت آئے گا کہ یہ منتیں کریں گے کہ ہمارا جزیہ قبول کرلو۔ اللہ تعالیٰ کو جس طرح جانوروں میں خنزیر مبغوض ہے اسی طرح انسانوں میں یہودی بہت مبغوض ہیں کیونکہ انہوں نے بہت سارے انبیاء علیہم السلام کو شہید کر ڈالا تھا۔

قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ کیا اور انکو گھر میں بند کر دیا اور اپنے خیال میں ان کو مار ڈالا گویا یہود نے عیسائیوں کے خدا کو مارنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کے خدا نے اسے بچا لیا اور آسمانوں پر محفوظ رکھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئینگے تو یہودیوں کے خدا (دجال) کو قتل کرینگے۔ تعجب کی بات ہے کہ عیسائی و یہودی آپس میں دوست ہیں مگر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

سوال: پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے نہ کہ نوح علیہ السلام نے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی ڈرایا ہے بظاہر تعارض ہو گیا۔

جواب: صاحب فتح الودود فرماتے ہیں کہ شاید حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انبیائے علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو انذار میں مبالغہ وشدت فرمائی ہے اور حضرت نوح علیہ السلام نے اس قدر اہمیت نہ فرمائی ہو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لم یکن نبی بعد نوح الخ"۔

سوال: انبیائے علیہم السلام کو یہ بات معلوم تھی کہ دجال کا خروج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہوگا پھر انہوں نے اپنی قوم کو کیوں ڈرایا؟ **جواب:** (۱) یہاں انذار سے سے مراد یہ نہیں کہ اس وجہ سے ڈرایا کہ وہ ان کے زمانہ میں نکلے گا بلکہ انذار سے مراد یہ ہے کہ ایسا فتنہ ہوگا جو اہم فتنہ ہے تا کہ لوگوں کو اوامر کی طرف زیادہ متوجہ کیا جا سکے چونکہ اہم حوادث کے بیان سے لوگوں کی توجہ الی اللہ ہو جاتی ہے۔ **جواب:** (۲) ممکن ہے کہ سابق انبیاء پر دجال کا خروج مخفی رکھا گیا ہو جیسا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ابتداءً مخفی رہا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا "ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجه" ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس وقت ہو سکتا ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا خروج مخفی تھا۔

جواب: (۳) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ابہام اس وجہ سے واقع ہوا ہے کہ علامات بعض مرتبہ معلق بالشرط ہوا کرتی ہیں ممکن ہے شرط پائی جائے جو معلوم نہ ہو سکے اور اس کا وجود ہو جائے اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانے میں ڈرایا ہے۔

جواب: (۴) اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے اور اس کے افعال معلل بالعلل والاسباب نہیں ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کب اس کو یعنی دجال کو پیدا فرما دیں تو اس احتمال کی بنا پر انبیاء کی جانب سے اپنی اپنی قوموں کیلئے انذار پایا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَيْنَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا رَوْحٌ محمد بن بشار، احمد بن منیع، روح بن عبادة، سعید بن ابی عروبة،

بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ سُبَيْعٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهُ أَقْوَامٌ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَوْذَبٍ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي التَّيَّاحِ

ابوتیاح، مغیرہ بن سبیع، عمرو بن حریث، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دجال مشرق کی ایک زمین سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے اس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں گے جن کے چہرے ڈھالوں کی طرح پھولے ہوئے ہوں گے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے عبداللہ بن شوذب بھی اسے ابوتیاح سے نقل کرتے ہیں اور یہ ابوتیاح کی حدیث سے پہچانی جاتی ہے۔

تشریح: یقال لها الخراسان: یہ ایک مشہور شہر کا نام ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مشرق کی جانب سے دجال کا خروج تو یقینی معلوم ہوتا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کا خروج خراسان سے ہوگا دوسری مسلم کی روایت میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کا خروج اصفہان میں ہوگا چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”یتبع الدجال من یهود اصفهان سبعون الفاعلیهم الطیالسة“ لیکن اس روایت میں خروج اصفہان صراحۃً معلوم نہیں ہوتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلَامَاتِ خُرُوجِ الدَّجَّالِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ قُطَيْبٍ السَّكُونِيِّ عَنْ أَبِي بَحْرِيَّةَ صَاحِبِ مُعَاذٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَخُرُوجُ الدَّجَّالِ فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

عبداللہ بن عبدالرحمن، حکم بن مبارک، ولید بن مسلم، ابوبکر بن ابی مریم، ولید بن سفیان، یزید بن قطیب سکونی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زبردست خونریزی قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا خروج سات مہینوں میں ہوگا۔ اس باب میں صعب بن جثامہ، عبداللہ بن بسر، عبداللہ بن مسعود اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ مَعَ قِيَامِ السَّاعَةِ قَالَ مَحْمُودٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالْقُسْطَنْطِينِيَّةُ هِيَ مَدِينَةُ الرُّومِ تُفْتَحُ عِنْدَ خُرُوجِ الدَّجَّالِ وَالْقُسْطَنْطِينِيَّةُ قَدْ فُتِحَتْ فِي زَمَانِ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، یحیی بن سعید، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قسطنطینیہ قیامت کے قریب فتح ہوگا محمود کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور قسطنطنیہ روم کا ایک شہر ہے جو خروج دجال کے وقت فتح ہوگا قسطنطنیہ بعض صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی فتح ہوا۔

تشریح: الملحمة العظمى: یعنی فتنہ و جنگ عظیم۔ ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ جنگ ہے جو شام اور روم کے درمیان ہوئی یا تا تار و شام کے درمیان کی جنگ مراد ہے روایت میں مدت کی تعیین مقصود نہیں۔

سوال: اس حدیث میں صرف سات ماہ کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ ایک روایت میں ملحمہ عظمی اور فتح قسطنطنیہ میں چھ ماہ کی مدت کا ذکر کیا گیا ہے۔ بظاہر ان دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اول: امام ابوداودؒ نے اصولی طور پر جواب دیا ہے کہ سات ماہ والی روایت متکلم فیہ ہے اس کے بعض رواۃ مجروح و مطعون ہیں لہٰذا چھ ماہ والی روایت راجح ہے کیونکہ وہ اسناداً اصح ہے۔

جواب ثانی: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ سبعة اشهر کی یہ تاویل کی جائے کہ جنگ عظیم ہو کر قسطنطنیہ فتح ہوگا۔ اور اس فتح اور خروج دجال کے درمیان سات ماہ کا فاصلہ ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ دَخَلَ حَدِيثُ أَحَدِهِمَا فِي حَدِيثِ الْآخَرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَابِرٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْكِلَابِيِّ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ فَخَفَّضَ فِيهِ وَرَفَّعَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ قَالَ فَانْصَرَفْنَا

حضرت نواس بن سمعان کلابیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو اس طرح اس کی ذلت و حقارت اور اس کے فتنے کی بڑائی بیان کی کہ ہم سمجھنے لگے کہ وہ کھجوروں کی آڑ میں ہے پھر ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے گئے اور دوبارہ خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے دلوں کے خوف کو بھانپ گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کل آپ نے دجال کا فتنہ بیان کیا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ کھجوروں کی آڑ میں ہے یعنی یقیناً وہ آنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مِنْ عِنْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَجَعْنَا إِلَيْهِ فَعَرَفَ ذٰلِكَ فِينَا فَقَالَ مَا شَأْنُكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ ذَكَرْتَ الدَّجَّالَ الْغَدَاةَ فَخَفَّضْتَ وَرَفَّعْتَ حَتّٰى ظَنَنَّاهُ فِي طَائِفَةِ النَّخْلِ قَالَ غَيْرُ الدَّجَّالِ أَخْوَفُ لِي عَلَيْكُمْ إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ وَاللهُ خَلِيفَتِي عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ إِنَّهُ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهُ قَائِمَةٌ شَبِيهٌ بِعَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ رَآهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ فَوَاتِحَ سُورَةِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ قَالَ يَخْرُجُ مَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ يَمِينًا وَشِمَالًا يَا عِبَادَ اللهِ اثْبُتُوا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا لَبْثُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ الْيَوْمَ الَّذِي كَالسَّنَةِ أَتَكْفِينَا فِيهِ صَلَاةُ يَوْمٍ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اقْدُرُوا لَهُ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَمَا سُرْعَتُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ فَيَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيُكَذِّبُونَهُ وَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَتَتْبَعُهُ أَمْوَالُهُمْ وَيُصْبِحُونَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ وَيُصَدِّقُونَهُ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ فَتُمْطِرَ وَيَأْمُرُ الْأَرْضَ أَنْ تُنْبِتَ فَتُنْبِتَ فَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ كَأَطْوَلِ مَا كَانَتْ ذُرًى وَأَمَدِّهِ خَوَاصِرَ وَأَدَرِّهِ

نے فرمایا دجال کے علاوہ ایسی بھی چیزیں ہیں جن کا مجھے دجال کے فتنے سے زیادہ خوف ہے کیونکہ اگر دجال میری موجودگی میں نکلا تو میں اس سے تم لوگوں کی طرف سے مقابلہ کو نبٹنے والا ہوں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں نکلا تو ہر شخص خود اپنے نفس کی طرف سے مقابلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ میری طرف سے ہر مسلمان کا محافظ ہے اس کی صفت یہ ہے وہ جوان ہوگا گھنگریالے بالوں والا ہوگا اس کی ایک آنکھ ہوگی اور عبدالعزی بن قطن کا ہم شکل ہوگا اگر تم میں سے کوئی اسے دیکھے تو سورۃ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں کے لوگوں کو خراب کرے گا اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا پھر ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کتنی مدت زمین پر ٹھہرے گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چالیس دن تک پہلا دن ایک سال کے برابر دوسرا ایک ماہ اور تیسرا ایک ہفتے کے برابر ہوگا پھر باقی دن تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے کیا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ لگا لینا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین میں اس کی تیز رفتاری کس قدر ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان بادلوں کی طرح جن کو ہوا ہنکا کر لے جائے پھر وہ ایک قوم کے پاس آ کر انہیں اپنی خرافات کی دعوت دے گا وہ لوگ اسے جھٹلا دیں گے اور واپس کر دیں گے پس وہ ان سے واپس لوٹے گا تو ان کے اموال اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے وہ ایک اور قوم کے پاس آئے گا انہیں دعوت دے گا وہ قبول کریں گے اور اس کی تصدیق کریں گے تب وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا وہ بارش برسائے گا اور زمین کو نباتات اگانے کا حکم دے گا تو وہ نباتات اگائے گی شام کو ان کے جانور اس حالت میں لوٹیں گے کہ ان کے کوہان لمبے کوکھے چوڑے اور پھیلے ہوئے اور تھن دودھ

صُرُوعًا قَالَ ثُمَّ يَأْتِي الْخَرِبَةَ فَيَقُولُ لَهَا أَخْرِجِي كُنُوزَكِ فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا فَيَتْبَعُهُ كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا شَابًّا مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جِزْلَتَيْنِ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيُقْبِلُ يَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ هَبَطَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِشَرْقِيِّ دِمَشْقَ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ بَيْنَ مَهْرُودَتَيْنِ وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى أَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَأْطَأَ رَأْسَهُ قَطَرَ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جُمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ قَالَ وَلَا يَجِدُ رِيحَ نَفْسِهِ يَعْنِي أَحَدًا إِلَّا مَاتَ وَرِيحُ نَفْسِهِ مُنْتَهَى بَصَرِهِ قَالَ فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلَهُ قَالَ فَيَلْبَثُ كَذَلِكَ مَا شَاءَ اللَّهُ قَالَ ثُمَّ يُوحِي اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ حَوِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ فَإِنِّي قَدْ أَنْزَلْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ قَالَ وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ قَالَ فَيَمُرُّ أَوَّلُهُمْ بِبُحَيْرَةِ الطَّبَرِيَّةِ فَيَشْرَبُ مَا فِيهَا ثُمَّ يَمُرُّ بِهَا آخِرُهُمْ فَيَقُولُ لَقَدْ كَانَ بِهَذِهِ مَرَّةً مَاءٌ ثُمَّ يَسِيرُونَ حَتَّى يَنْتَهُوا إِلَى جَبَلِ بَيْتِ مَقْدِسٍ فَيَقُولُونَ لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْأَرْضِ فَهَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَاءِ فَيَرْمُونَ بِنُشَّابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرُدُّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ نُشَّابَهُمْ مُحْمَرًّا دَمًا وَيُحَاصَرُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ يَوْمَئِذٍ خَيْرًا لِأَحَدِهِمْ مِنْ مِائَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ قَالَ فَيَرْغَبُ

سے بھرے ہوں گے پھر وہ ویران جگہ آکر کہے گا اپنے خزانے نکال دے جب واپس لوٹے گا تو خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کے سرداروں کی طرح چل پڑیں گے پھر وہ ایک بھرپور جوان کو بلا کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر اسے پکارے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کو جواب دے گا وہ انہی باتوں میں مصروف ہوگا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ہلکے زرد رنگ کا جوڑا پہنے جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی مینارہ پر اس حالت میں اتریں گے کہ ان کے ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوں گے جب آپ سر نیچا کریں گے تو ان کے بالوں سے نورانی قطرات ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی مثل سفید چاندی کے دانے جھڑتے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کافر تک آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی مر جائے گا اور آپ کے سانس کی ہوا حد نگاہ تک پہنچتی ہوگی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ لد کے دروازے پر پائیں گے اور اسے قتل کر دیں گے پھر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے مطابق مدت تک زمین پر قیام کریں گے پھر اللہ تعالیٰ وحی بھیجیں گے کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر جمع کر دیں کیونکہ میں ایسی مخلوق کو اتارنے والا ہوں جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا وہ ارشاد الٰہی کے مطابق ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انکا پہلا گروہ بحیرہ طبریہ پر سے گزرے گا اور اس کا پورا پانی پی جائے گا پھر جب ان کا دوسرا گروہ وہاں سے گزرے گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ یہاں کبھی پانی ہوا کرتا تھا پھر وہ لوگ آگے چل دیں گے یہاں تک کہ بیت المقدس کے ایک پہاڑ پر پہنچیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو قتل کر دیا اب آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں پس وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اللہ تعالیٰ ان کے تیر خون آلود واپس بھیج

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى اللهِ وَأَصْحَابُهُ قَالَ فَيُرْسِلُ اللهُ إِلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرْسَى مَوْتَى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَالَ وَيَهْبِطُ عِيسَى وَأَصْحَابُهُ فَلَا يَجِدُ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا وَقَدْ مَلَأَتْهُ زَهَمَتُهُمْ وَنَتَنُهُمْ وَدِمَاؤُهُمْ قَالَ فَيَرْغَبُ عِيسَى إِلَى اللهِ وَأَصْحَابُهُ قَالَ فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمْ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ قَالَ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ بِالْمَهْبِلِ وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَنُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِينَ قَالَ وَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمْ مَطَرًا لَا يُكَنُّ مِنْهُ بَيْتُ وَبَرٍ وَلَا مَدَرٍ قَالَ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ فَيَتْرُكُهَا كَالزَّلَفَةِ قَالَ ثُمَّ يُقَالُ لِلْأَرْضِ أَخْرِجِي ثَمَرَتَكِ وَرُدِّي بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقَحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتَّى إِنَّ الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ لَيَكْتَفُونَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الْإِبِلِ وَإِنَّ الْقَبِيلَةَ لَيَكْتَفُونَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الْبَقَرِ وَإِنَّ الْفَخِذَ لَيَكْتَفُونَ بِاللِّقْحَةِ مِنَ الْغَنَمِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللهُ رِيحًا فَقَبَضَتْ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَيَبْقَى سَائِرُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ كَمَا تَتَهَارَجُ الْحُمُرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ

دے گا حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی محصور ہوں گے یہاں تک کہ ان کے نزدیک گائے کا سر (بھوک کی وجہ سے) تمہارے آج کے سو دیناروں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک پھوڑا پیدا کر دے گا یہاں تک کہ سب یکدم مر جائیں گے جب عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اتریں گے تو ان کی بدبو اور خون کی وجہ سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ لمبی گردن والے اونٹ کی مثل پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر پہاڑ کی غار میں پہنچا دیں گے مسلمان ان کے تیروں، کمانوں اور ترکشوں سے سات سال تک ایندھن جلائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ایسی بارش برسائے گا جو ہر گھر اور خیمہ تک پہنچے گی تمام زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف شفاف کر دے گی پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں واپس لاؤ پس اس دن ایک گروہ ایک انار سے کھائے گا اور اس کے لوگ اس کے چھلکے سے سایہ حاصل کریں گے نیز دودھ میں اتنی برکت پیدا کر دی جائے گی کہ ایک اونٹنی کے دودھ سے ایک جماعت سیر ہو جائے گی ایک گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ اور ایک بکری کے دودھ سے ایک کنبہ سیر ہو جائے گا وہ لوگ اسی طرح زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہوا بھیجے گا جو ہر مومن کی روح قبض کرے گی اور باقی صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح راستے میں جماع کرتے پھریں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے ہم اسے صرف عبدالرحمن بن یزید بن جابر کی روایت سے پہچانتے ہیں

تشریح: یہ حدیث قیامت کی علامات کے سلسلے میں ایک طویل حدیث ہے اس کی تفصیل سے قبل چند مشکل الفاظ کے معانی کی توضیح۔

قطط: ایسے گھنگھریالے بالوں کا ہونا جو بدصورتی کا سبب ہوں۔ فعاث: فساد برپا کرنیوالا۔ سارحتھم: چرنے والے حیوانات ذری: اس کا مفرد ذروۃ ہے کوہان کے بلند حصے کو کہتے ہیں۔ ضروع: تھن کو کہتے ہیں کثرت لبن کی طرف اشارہ ہے۔
کیعاسیب: یعسوب کی جمع ہے۔ شہد کی مکھیوں کے بادشاہ کو کہا جاتا ہے۔ جزلتین: دو ٹکڑے مراد ہیں۔
مھرودتین: یعنی وہ دو رنگوں میں رنگے ہوئے ہوں گے۔ طأطأ: سر جھکائیں گے تو چہرے سے قطروں کی صورت میں پاکیزہ خوشبودار پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح پسینہ بہہ کر گرے گا۔ لایدان: ان کا مقابلہ نہ کرسکنا۔ بحیرہ طبریہ۔ ایک دریا کا نام ہے جو شام میں واقع ہے۔ نشابھم: تیر کو کہتے ہیں۔ رأس الثور: بیل کا سر۔
نغف: پھوڑے کا نام ہے۔ فرسی: یہ فریسۃ کی جمع ہے شیر کے شکار کو کہتے ہیں۔ یہاں مقتولین مراد ہیں۔
زہمتھم: اس سے دسومت اور چربی مراد ہے۔ نتنھم: گندگی اور بدبو کو نتن کہتے ہیں۔
جعابھم: یہ جعب کی جمع ہے تیروں کے رکھنے کی جگہ یعنی ترکش کو کہتے ہیں۔ قحف: انار کے چھلکے۔ رسل: دودھ کو کہتے ہیں۔ الفئام: لوگوں کی بڑی جماعت کو کہتے ہیں۔ یتھارجون: یعنی بے دین لوگ گدھوں کی طرح اختلاط کر کے زنا کرینگے زمین میں فساد برپا کریں گے اور لڑائی جھگڑے کرینگے۔ انا حجیجہ: ''حجیج'' حجۃ سے ہے ''فعیلٌ'' کے وزن پر بمعنی فاعل کہ میں دلیل کے ذریعے دجال پر غالب آؤں گا نیز یہ فرمان بالفرض کی قبیل سے ہے کہ اگر بالفرض میری موجودگی میں دجال آگیا تو تم کو وہ نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکے گا بلکہ وہ میرے ہاتھوں تباہ و برباد ہوجائے گا۔ فامرؤ حجیج نفسہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ میرے بعد آئے تو پھر ہر شخص اپنی ذات کیلئے اُس کا مقابلہ دلائل عقلیہ وشرعیہ سے کرے اور اس پر غلبہ حاصل کرے گا اور یہ تب ہے جب دجال بات سنے بھی ورنہ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ دجال کو جھٹلائے اور اسکی آگ میں داخل ہونے کو اختیار کرے اور اسکے شر سے اپنا دفاع کرے۔
نیز دجال سے مقابلہ مقاتلہ کے طور پر نہیں بلکہ ایمان بچانے کے طور پر ہے۔ واللہ خلیفتی: یہاں پر خلیفہ سے مراد محافظ و نگہبان ہے مطلب یہ ہے کہ دجال کے وقت اگر میں ہوں گا تو میں دجال کے شر سے تم کو بچاؤں گا چونکہ میں نہیں ہوں گا اس لئے میری طرف سے میرا رب میری امت کو دجال کے شر سے بچائے گا اس سے معلوم ہوا کہ مومن اللہ کے فضل سے محفوظ و منصور رہتا ہے۔
قطط: زیادہ خمدار بالوں والا نیز بالوں میں سفیدی وقار کی علامت ہے جبکہ دجال کے بالوں میں سفیدی نہیں ہوگی بلکہ اس کے بال سیاہ ہوں گے جس پر شاب کا لفظ دلالت کرتا ہے اور اس کے بالوں کی سیاہی اس کے دل کی سیاہی کی نشانی ہوگی۔
قطن: بفتح القاف والطاء عبدالعزی بن قطن زمانہ جاہلیت میں ایک مشرک بادشاہ گزرا ہے جو بہت زیادہ بدصورت تھا دجال عبدالعزی سے بھی زیادہ بدصورت ہوگا اس لئے فرمایا کہ بدصورتی میں اس کی مشابہت عبدی العزی سے ہوگی۔
قولہ فمن ادرکہ منکم: دجال کے فتنے سے بچاؤ کے لئے سورۂ کہف کا پڑھنا: سورۂ کہف کی ابتدائی آیتوں سے مراد ابتدائے سورہ سے ''ان یقولون الا کذبا'' تک کی آیتیں ہیں۔ ان آیتوں کو دجال کے سامنے پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا اس میں جو مضامین مذکور ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور آیات بینات کے ثبوت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی اعجازی شان پر دلالت کرتی ہیں جس کی برکت سے دجال کے محیر العقول کارنامے پڑھنے والے کو متاثر نہیں کرسکیں گے۔
امام طیبیؒ نے فرمایا کہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھنے والا دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا جیسا کہ اصحاب کہف اپنے زمانے کی سب سے بڑی طاقت دقیانوس بادشاہ کے شر وفتنہ سے محفوظ رہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جس نے سورۂ کہف کی دس آیتیں پڑھیں اور پھر اس کے زمانے میں دجال نکل آئے تو دجال اس پر تسلط میں ناکام رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھ لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا۔
فعاث یمینا و شمالا: کہ دجال صرف گزرنے والے راستوں پر فساد پھیلانے پر اکتفاء نہیں کرے گا بلکہ دائیں بائیں اپنے لشکر بھیج کر فساد پھیلائے گا۔ **یا عباد الله:** اس میں خطاب اُن لوگوں سے ہے جو دجال کے زمانے میں موجود ہوں گے یا مخاطبین سے خطاب ہے کہ اگر بالفرض تم دجال کا زمانہ پاؤ تو اپنے دین پر مضبوطی سے جمے رہنا اگر چہ تم کو دجال کی سزا کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔
مالبثہ: کہ اس دجال کے ٹھہرنے کی مدت کتنی ہوگی تو رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا چالیس دن دجال کا قیام ہوگا۔
یوم کسنۃ: پہلا دن ایک سال کے برابر دوسرا دن مہینہ کے برابر تیسرا دن ہفتہ کے برابر طویل ہوگا۔
فما سرعتہ فی الارض: صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ دجال کی تیز رفتاری کی کیا کیفیت ہوگی تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دجال بادل کی رفتار کے بقدر تیز رفتاری کے ساتھ چلے گا۔ **فیأتی علی القوم:** لوگوں پر اللہ پاک کی طرف سے ایک آزمائش آئیگی کہ جو دجال کو خدا مان لیں گے ان پر فائدہ مند بارش برسے گی، زمین ہری بھری ہو جائیگی، مال و دولت کی فراوانی ہو جائیگی لوگوں کے جانور گھاس وغیرہ کی زیادتی کی وجہ سے موٹے تازے ہو جائینگے اور انکے دودھ میں بہت اضافہ ہو جائیگا۔ دجال کے متبعین کی فراخی کو دیکھ کر لوگ دھوکہ کھائیں گے کہ واقعی دجال خدا ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو مالا مال کر دیا ہے چنانچہ وہ بھی اس آزمائش کا حصہ بن کر دجال کو خدا مان لیں گے۔
ویردون علیہ قولہ: جو لوگ دجال کی شعبدہ بازیوں سے متاثر ہونے کی بجائے دجال کا انکار کریں گے ان کو وقتی آزمائش کا سامنا ہوگا کہ نہ تو ان پر بارش برسے گی نہ ان کی زمین سبزہ اگائے گی بلکہ مال و دولت کی فراوانی بھی ختم ہو جائے گی جانور مر جائیں گے مال تباہ ہو جائے گا لیکن دجال کا انکار کرنیوالے رسول کریم ﷺ کی برکت سے دجال کی وجہ سے آنے والے مصائب پر صبر و شکر کرتے ہوئے اللہ کی رضا پر راضی رہیں گے۔ **فیقول لہا اخرجی کنوزک:** کہ دجال زمین کو خزانہ اگلنے کا کہے گا تو زمین اپنے چھپے ہوئے خزانے نکال باہر کرے گی اور وہ بے شمار خزانے دجال کے ساتھ ایسے چلیں گے جیسے شہد کی بے شمار مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں نیز یہ خزانے یا تو خود دجال کے ساتھ چلیں گے یا دجال کے متبعین ان خزانوں کو سواریوں کے ذریعے اُٹھا کر ساتھ لئے چلیں گے۔
ثم یدعوا رجلا شابا: کہ دجال جوانی سے بھرپور ایک شخص کو بلائے گا یہ جوان یا تو دجال کے متبعین میں سے ہوگا اور دجال لوگوں کو اپنی طاقت دکھانے کیلئے یہ حرکت کرے گا یا پھر یہ جوان دجال کا انکار کرنے والوں میں سے ہوگا۔ بہر حال دجال نہ ماننے کی سزا دینے کیلئے یہ حرکت کرے گا کہ تلوار سے اُس جوان کو چیر دے گا جیسے آرے کے ذریعے لکڑی کو چیرا جاتا ہے

چنانچہ اس جوان کے جسم کے دوتوں ٹکڑے اتنے دور جاگریں گے جتنا تیر کا ہدف ہوتا ہے پھر وہ ان دونوں ٹکڑوں کو ملنے کا حکم دے گا پھر وہ جوان زندہ ہو کر ہشاش بشاش ہنستے ہوئے آگے بڑھے گا اور دجال کے خدا ہونے کا انکار کرتے ہوئے کہے گا یہ معبود کیسے ہو سکتا ہے۔
اسی اثناء میں اللہ پاک کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی جانب سفید مینارہ پر اُتریں گے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوں گے اور زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے آپ جب اپنا سر مبارک جھکائیں گے تو پاکیزہ خوشبودار پسینے کے چمکتے ہوئے چاندی کی طرح سفید موتیوں کے گول قطرے گریں گے اور جب سر مبارک اوپر اٹھائیں گے تب بھی پاکیزہ چمکتا ہوا پسینہ ٹپکے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پھونک ماریں گے تا حد نظر آپ کی پھونک پہنچے گی اور جس کافر کو بھی آپ کی پھونک پہنچے گی وہ کافر مر جائے گا چونکہ دجال کو اس پھونک سے مارنا مقصود نہیں ہوگا اسلئے دجال نہیں مرے گا چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے تو وہ بیت المقدس کے قریب لد مقام پر بستی کے دروازہ میں داخل ہوتا ہوا پایا جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو دروازہ پر ہی قتل کر دیں گے دروازہ میں داخل نہ ہونے دینگے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئیگی جنہوں نے دجال کا انکار کیا تھا اللہ نے ان کو دجال کے دجل میں پھنسنے سے محفوظ کیا تھا ان کے چہرے خاک آلود ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا اکرام کرتے ہوئے انکے چہروں کو اپنے دست مبارک سے خود صاف کرینگے یا مطلب یہ ہے کہ دجال کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر جو غم کے آثار ہونگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو دجال کے قتل کی خوشخبری اور انکو جنت کے درجات سنا کر انکے چہروں سے غم ورنج کے آثار کو ختم کر دینگے اور ان کو راحت کے اسباب مہیا کر دینگے اور پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی کرینگے کہ میری ایک مخلوق (یاجوج ماجوج) ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا وہ آنیوالی ہے لہٰذا آپ ان لوگوں کو لیکر کوہ طور پر چلے جاؤ اور انکی حفاظت کرو۔

ولا یجد ریح نفسه: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا ان کے منتہائے بصر تک ہوگی جس کافر تک وہ پہنچے گی وہ مر جائے گا۔

سوال: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا سے کافر مر جائیں گے تو پھر دجال کیوں نہیں مرے گا حالانکہ وہ بھی کافر ہے اس کو قتل کرنے کی نوبت کیوں آئے گی؟

جواب اول: ممکن ہے کہ دجال کی موت کو مصلحۃً مؤخر رکھا گیا ہو تا کہ اس کو باقاعدہ قتل کیا جائے اور اس کی موت کا سب مسلمانوں کو یقین ہو جائے اور اس کا جادوگر ہونا بھی معلوم ہو جائے۔

جواب ثانی: یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس سے کافروں کا مرنا حضرت علی کے نزول کے وقت ہو اور اس کے بعد یہ کرامت ختم ہو جائے۔

جواب ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتاد سانس کی یہ کرامت نہ ہوگی بلکہ وہ خاص انفاس ہوں گے جن سے کفار کی ہلاکت مقصود ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الدَّجَّالِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا محمد بن عبدالاعلی صنعانی، معتمر بن سلیمان، عبیداللہ بن عمر،

الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الدَّجَّالِ فَقَالَ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ أَلَا وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنُهُ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَحُذَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَسْمَاءَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي بَكْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْفَلَتَانِ بْنِ عَاصِمٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ

نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں جبکہ دجال کی دائیں آنکھ کانی ہے گویا کہ وہ ایک پھولا ہوا انگور ہے۔ اس باب میں حضرت سعد، حذیفہ، ابوہریرہ، اسماء، جابر بن عبداللہ، ابوبکرہ، عائشہ، انس، ابن عباس اور فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ الدَّجَّالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ إِنْ شَاءَ اللهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَفَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ وَمِحْجَنٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

عبدة بن عبداللہ خزاعی، یزید بن ہارون، شعبہ، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دجال مدینہ طیبہ کے پاس آئے گا اور فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا پس نہ تو طاعون مدینہ طیبہ میں آسکتا ہے اور نہ ہی دجال ان شاء اللہ۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، فاطمہ بنت قیس، محجن، اسامہ بن زید اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا جس راستے سے وہ مدینہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا فرشتے آہنی گرز لے کر کھڑے ہوں گے اور اس کو روکیں گے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ يَمَانٍ وَالْكُفْرُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، علاء بن عبدالرحمن، ان کے والد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایمان یمنی ہے اور کفر مشرقی ہے بکریوں والوں کے لئے سکون و

وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْخَيْلِ وَأَهْلِ الْوَبَرِ يَأْتِي الْمَسِيحُ إِذَا جَاءَ دُبُرَ أُحُدٍ صَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلَكُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

اطمینان ہے جبکہ اونٹ اور گھوڑے والوں میں تکبر غرور اور درشتگی پائی جاتی ہے اور دجال جب احد کے پیچھے پہنچے گا تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف موڑ دیں گے جہاں وہ ہلاک ہوگا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس روایت میں اہل یمن کے ایمان کی تعریف کی گئی ہے کہ اصل ایمان تو اہل یمن کا ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اصل ایمان کی نسبت اہل یمن کی طرف کی گئی ہے جبکہ اصل مبدأ ایمان مکہ و مدینہ ہے۔ اس کی درج ذیل توجیہیں ہوسکتی ہیں۔

اول: اس روایت میں یمن سے مراد مکہ ہے کیونکہ مکہ تہامہ سے ہے اور تہامہ کا تعلق یمن سے ہے تو مراد یہ ہے کہ اصل ایمان تو اہل مکہ کا ہے کیونکہ وہ مبدأ ایمان ہے۔

ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد تبوک میں فرمایا اور مکہ و مدینہ تبوک سے جانب یمن ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد مکہ اور مدینہ ہے اور معنی یہ ہے کہ اصل ایمان تو مکہ و مدینہ والوں کا ہے چنانچہ کعبہ کے رکن کو رکن یمانی اسی اعتبار سے کہا گیا کیونکہ وہ رکن جانب یمن ہے۔

ثالث: اکثر اہل علم نے فرمایا اہل یمن سے مراد حضرات انصار ہیں کیونکہ اصل وہ یمن کے رہنے والے ہیں انہوں نے خود ایمان کو اختیار کیا اور اہل ایمان کی مدد فرمائی۔

وَالسَّكِينَةُ لِأَهْلِ الْغَنَمِ: سکینہ کے معنی سکون اور وقار کے ہیں اس کی مراد یہ ہے کہ بکری والوں میں تواضع ہوتی ہے۔ جو برکت کا باعث ہے۔ بعض نے کہا اہل غنم سے مراد اہل یمن ہیں کیونکہ ان کے زیادہ تر مویشی بکریاں ہوتی تھیں۔

وَالْفَخْرُ وَالرِّيَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ: اس کے معنی صوت شدید کے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے مویشیوں کے پیچھے آواز بلند کرتے رہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ فخر وریاء اونٹ والوں اور بڑے جانور والوں میں ہے۔

وَأَهْلِ الْوَبَرِ: ای اھل الشعر اس سے بھی اہل ابل وخیل مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ بالوں کے بنائے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں اور دوسروں پر فخر کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْأَنْصَارِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ الْأَنْصَارِيِّ مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَمِّي مُجَمِّعَ ابْنَ جَارِيَةَ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، عبیداللہ بن عبداللہ بن ثعلبہ انصاری، حضرت مجمع بن جاریہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ دجال کو باب لد کے پاس قتل کریں گے۔ اس باب میں

الْأَنْصَارِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ وَفِي الْبَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَنَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ وَأَبِي بَرْزَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَكَيْسَانَ وَعُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ وَجَابِرٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَالنَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت عمران بن حصین، نافع بن عتبہ، ابو برزہ، حذیفہ بن اسید، ابو ہریرہ، کیسان، عثمان بن ابی العاص، جابر، ابو امامہ، ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، نواس بن سمعان، عمرو بن عوف اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ سَمِعْتُ أَنَسًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نبی نے اپنی امت کو کانے کذاب کے فتنے سے ڈرایا سن لو کہ وہ کانا ہے اور تمہارا رب کانا نہیں اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ دجال کے ظہور کو اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظاہر نہیں فرمایا پس اس قدر معلوم ہے کہ وہ قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا اس لئے ہر نبی نے ظہور دجال سے اپنی امت کو ڈرایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ ابْنِ صَيَّادٍ

اکثر نسخوں میں ابن صیاد ہی لکھا ہے لیکن بعض نسخوں میں ''ابن الصیاد'' نقل کیا گیا ہے۔ ابن صیاد کا نام ''صاف'' تھا۔ اور بعض حضرات نے ''عبداللہ'' ذکر کیا ہے وہ مدینہ کا باشندہ ایک یہودی تھا اصل باشندہ تو کہیں اور کا تھا لیکن مدینہ میں وہاں کے یہودیوں میں شامل ہو گیا تھا۔ ابن صیاد سحر و کہانت و شعبدہ بازی کا زبردست ماہر تھا اس وجہ سے اس کی شخصیت بڑی پراسرار بن کر رہ گئی تھی مگر بقول بعضے بعد میں مسلمان ہو گیا تھا اس نے حج بھی کیا پھر اس کے بارے میں ایسے احوال اور ایسی باتیں سامنے آئیں جو اس کے دجال ہونے پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ابن صیاد کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تین اقوال ہیں ① وہ دجال نہیں تھا بلکہ مسلمان ہو گیا تھا ② وہ دجال تھا لیکن مشہور دجال نہ تھا جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت میں بہت سے دجال ہوں گے ابن صیاد بھی انہی دجالوں میں سے ایک ہے ③ وہ مشہور دجال ہی تھا۔ قول ثالث والے حضرات اس روایت سے بھی استدلال

کرتے ہیں جس میں ابن صیاد اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا مکالمہ ہوا تھا اس میں ابن صیاد نے اپنے دجال ہونے کا خوب انکار کیا ہے لیکن اسی روایت کے آخر میں خود کہتا ہے کہ اگر میں دجال بن جاؤں تو مجھے خوشی ہوگی برا نہیں مانوں گا۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ صَحِبَنِي ابْنُ صَيَّادٍ إِمَّا حُجَّاجًا وَإِمَّا مُعْتَمِرِينَ فَانْطَلَقَ النَّاسُ وَتُرِكْتُ أَنَا وَهُوَ فَلَمَّا خَلَصْتُ بِهِ اقْشَعْرَرْتُ مِنْهُ وَاسْتَوْحَشْتُ مِنْهُ مِمَّا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ فَلَمَّا نَزَلْتُ قُلْتُ لَهُ ضَعْ مَتَاعَكَ حَيْثُ تِلْكَ الشَّجَرَةِ قَالَ فَأَبْصَرَ غَنَمًا فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَانْطَلَقَ فَاسْتَحْلَبَ ثُمَّ أَتَانِي بِلَبَنٍ فَقَالَ لِي يَا أَبَا سَعِيدٍ اشْرَبْ فَكَرِهْتُ أَنْ أَشْرَبَ عَنْ يَدِهِ شَيْئًا لِمَا يَقُولُ النَّاسُ فِيهِ فَقُلْتُ لَهُ هَذَا الْيَوْمُ يَوْمٌ صَائِفٌ وَإِنِّي أَكْرَهُ فِيهِ اللَّبَنَ قَالَ لِي يَا أَبَا سَعِيدٍ هَمَمْتُ أَنْ آخُذَ حَبْلًا فَأُوثِقَهُ إِلَى الشَّجَرَةِ ثُمَّ أَخْتَنِقَ لِمَا يَقُولُ النَّاسُ لِي وَفِيَّ أَرَأَيْتَ مَنْ خَفِيَ عَلَيْهِ حَدِيثِي فَلَنْ يَخْفَى عَلَيْكُمْ أَنْتُمْ أَعْلَمَ النَّاسِ بِحَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ عَقِيمٌ لَا يُولَدُ لَهُ وَقَدْ خَلَّفْتُ وَلَدِي بِالْمَدِينَةِ أَلَمْ يَقُلْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لَهُ مَكَّةُ وَالْمَدِينَةُ أَلَسْتُ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ ذَا أَنْطَلِقُ مَعَكَ إِلَى مَكَّةَ فَوَاللَّهِ مَا زَالَ يَجِيءُ بِهَذَا حَتَّى قُلْتُ فَلَعَلَّهُ مَكْذُوبٌ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ وَاللَّهِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابن صیاد نے میرے ساتھ حج یا عمرے کا سفر کیا تو لوگ آگے بڑھ گئے اور وہ پیچھے رہ گئے جب میں اس کے ساتھ تنہا رہ گیا تو میرا دل خوف کی وجہ سے دھڑکنے لگا اور مجھے اس سے وحشت ہونے لگی کیونکہ لوگ اس کے متعلق کہا کرتے تھے کہ دجال وہی ہے جب میں ایک جگہ ٹھہرا تو اس سے کہا کہ اپنا سامان اُس درخت کے نیچے رکھ دے اتنے میں اس نے کچھ بکریاں دیکھیں تو پیالہ لے کر گیا اور ان کا دودھ نکال کر لایا اور مجھ سے کہا کہ اسے پیو لیکن مجھے اس کے ہاتھ سے کوئی چیز پینے میں کراہت محسوس ہوئی کیونکہ لوگ اسے دجال کہتے تھے پس میں اس سے یہ کہہ دیا کہ آج گرمی ہے اور میں گرمی میں دودھ پینا پسند نہیں کرتا اس نے کہا ابو سعید میں نے لوگوں کی ان باتوں کی وجہ سے جو وہ میرے متعلق کہتے ہیں تنگ آ کر فیصلہ کیا کہ رسی لے کر درخت سے باندھوں اور گلا گھونٹ کر مر جاؤں دیکھو اگر میری حیثیت کسی اور پر پوشیدہ رہے تو رہے تم لوگوں پر تو پوشیدہ نہیں رہنی چاہیے اس لئے کہ تم لوگ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے ہو اے انصار کی جماعت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہوگا جبکہ میں مسلمان ہوں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ ناقابل تولد ہوگا اور اس کی اولاد نہ ہوگی جبکہ میں نے اپنا بچہ مدینہ میں چھوڑا ہے پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مکہ میں داخل نہیں ہوسکتا جبکہ میں اہل مدینہ میں سے ہوں اور اس وقت تمہارے ساتھ مکہ جا رہا ہوں۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نے اس قسم کی دلیلیں پیش کیں کہ میں سوچنے لگا کہ شاید لوگ اس کے متعلق جھوٹی باتیں کہتے ہوں گے پھر اس نے کہا ابو سعید میں تمہیں ایک سچی خبر بتاتا ہوں کہ اللہ کی قسم میں دجال اور اس کے باپ کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں

لَأُخْبِرَنَّكَ خَبَرًا حَقًّا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْرِفُهُ وَأَعْرِفُ وَالِدَهُ وَأَعْرِفُ أَيْنَ هُوَ السَّاعَةَ مِنَ الْأَرْضِ فَقُلْتُ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

کہ وہ اس وقت کہاں ہے جب اس نے یہ بات کہی تو میں نے کہا تجھ پر سارے دن کی ہلاکت ہو یعنی مجھے پھر اس سے بدگمانی ہوگئی کیونکہ آخر میں اس نے ایسی بات کہہ دی تھی۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حُجَّاجًا وَإِمَّا مُعْتَمِرِينَ: یہ دونوں "صحب" کے فاعل سے حال ہیں۔

خَلَصْتُ: اس کا معنی ہے الگ ہونا، منفرد ہونا۔

اقْشَعْرَرْتُ: ڈر کی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

أَيْنَ هُوَ السَّاعَةَ مِنَ الْأَرْضِ: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولاً اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا پھر اس نے دعویٰ کہ انی اعلم۔ یعنی علم غیب کا اور ظاہر ہے جو علم غیب کا دعویٰ کرے وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے تو اس کے اسلام و کفر میں مجھے التباس ہو گیا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِابْنِ صَيَّادٍ فِي نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ عِنْدَ أُطُمِ بَنِي مَغَالَةَ وَهُوَ غُلَامٌ فَلَمْ يَشْعُرْ حَتّٰى ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ ابْنُ صَيَّادٍ قَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ قَالَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَأْتِيكَ قَالَ ابْنُ صَيَّادٍ يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ عَلَيْكَ الْأَمْرُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي قَدْ خَبَأْتُ لَكَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ ابن صیاد کے پاس سے گزرے وہ بنو مغالہ کے قلعے کے پاس لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا اسے اس وقت تک اندازہ نہ ہوا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کی پیٹھ پر نہیں مار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امیوں کے رسول ہیں پھر ابن صیاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ تمہارے پاس کس قسم کی خبریں آتی ہیں ابن صیاد نے کہا جھوٹی بھی اور سچی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو پھر تو تیرا معاملہ مختلط ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے دل میں تمہارے متعلق کوئی بات سوچی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت سوچ لی (يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ

خَبِيئًا وَخَبَأَ لَهُ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ فَقَالَ ابْنُ صَيَّادٍ هُوَ الدُّخُّ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يَكُ حَقًّا فَلَنْ تُسَلَّطَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَا يَكُ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَعْنِي الدَّجَّالَ

مُّبِينٍ) ابن صیاد نے کہا وہ بات دخ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دھتکار ہو تم پر تم اپنی اوقات سے آگے نہیں بڑھ سکتے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اس کی گردن اتار دوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر یہ دجال ہی ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اسے قتل کرنے کی قدرت نہیں دے گا اور اگر وہ نہیں تو اسے مارنے میں تمہارے لئے بھلائی نہیں ہے عبدالرزاق کہتے ہیں کہ اس سے مراد دجال ہی ہے۔

تشریح: أُطُمِ: ہر ایسا قلعہ جو پتھر سے بنایا گیا ہو یا ایسا چکوم جو مسطح ہو بعض حضرات نے اس کی تفسیر ٹیلہ سے کی ہے۔

بَنِي مَغَالَةَ: بعض نسخوں میں ابن مغالۃ ہے مغالہ سے مراد بنو معاویہ کے وہ ٹیلے ہیں جو مسجد نبوی کے سامنے تھے۔

أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ الْأُمِّيِّينَ: ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو صرف امیین کی طرف منسوب کیا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب وعجم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے لہٰذا صرف امیین کی تخصیص کرنا درست نہیں۔ ابن صیاد خود یہودی تھا اور یہودیوں کے خیال کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف امیین کے لئے نبی بن کر آئے تھے۔

فَقَالَ النَّبِيُّ آمَنْتُ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ: سوال اول: ابن صیاد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا۔

جواب اول: یہ اس زمانہ کی بات ہے جب یہود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ہوئی تھی اس مصالحت کی وجہ سے اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔

جواب ثانی: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو نبی نہیں کہا اور اس نے غلو سے کام نہیں لیا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔

سوال ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے قول کو رد کیوں نہیں فرمایا جبکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے رسول ہونے کی شہادت طلب کی تھی۔

جواب اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمناً اس پر رد فرمایا اور ارشاد فرمایا امنت باللہ ورسلہ اور ظاہر ہے کہ وہ رسولوں میں سے نہیں تھا تو مقصد یہ ہوا کہ میں تو اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور تم تو اللہ کے رسول ہی نہیں۔

جواب ثانی: لاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ابن صیاد نے آپؐ کی رسالت کی نفی علی طریق المفہوم کی ہے نہ کہ لاعلی طریق المنطوق اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے قول کو بطریق مفہوم رد فرمایا کہ میں تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں اگر تو رسول ہوتا تو تیری رسالت پر ایمان لے آتا لیکن تو رسول نہیں۔

جواب ثالث: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور ارخاء عنان تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ "امنت باللہ و

برسلہ'' اب تم سوچو کہ کیا تم ان میں سے ہو۔

يَأْتِينِي صَادِقٌ وَكَاذِبٌ: یعنی کبھی سچی خبر آ جاتی ہے اور کبھی جھوٹی۔

خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا: یعنی میں نے دل کے اندر تیرے لئے ایک بات سوچ رکھی ہے تم بتاؤ وہ کیا چیز ہے۔ آپ ﷺ کے دل میں یہ آیت تھی ''یوم تأتی السماء بدخان'' یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ آواز میں صحابہ کرام ﷡ کو بتلا دیا تھا اسی دوران شیطان نے سن لیا۔ اس نے پورا لفظ نہیں سنا صرف درخ سنا آپ ﷺ کے جواب میں اس نے کہا کہ آپ نے دخ سوچا ہے تو کاہنوں کی طرح ایک آدھ بات کی طرف اشارہ کیا۔

اِخْسَأْ: کتے کو بھگانے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ دور ہو جا یعنی تو اس سے زیادہ کچھ نہیں جان سکتا۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تو صرف ایک کاہن ہے نہ تو نبی ہے اور نہ خدا کا مقبول بندہ تو پھر مجھ سے کیوں کہتا ہے کہ میں تیری نبوت کی گواہی دوں تو اپنی حیثیت سے زیادہ بات کیوں کرتا ہے۔ اس پر حضرت عمر ﷛ نے فرمایا کہ آپ حکم فرمائیں تو میں اس کی گردن اتارتا ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ واقعی دجال ہے تو تم اس کو قتل نہیں کر سکتے کیونکہ دجال کو تو صرف حضرت عیسیٰ ؑ ہی قتل کریں گے اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو یہ اہل ذمہ میں سے ہے اس کے علاوہ ایک نابالغ اور چھوٹی عمر کا بھی ہے اس لئے اس کو قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سوال: ابن صیاد کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ چھپائی ہے۔

جواب اول: ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو آیت آہستہ بتائی ہو اور شیطان نے سن لی ہو۔

جواب ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل ہی دل میں اس کا تکلم و تصرف کیا ہو تو شیطان اس پر مطلع ہو گیا لیکن پھر بھی ناقص جواب دیا۔

جواب ثالث: یا آسمان پر اس آیت کا تذکرہ چلا ہو گا تو شہاب ثاقب پہنچنے سے پہلے پہلے شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک لفظ دخ کو لے کر ابن صیاد کے پاس پہنچا تو ابن صیاد نے اس کا جواب سن کر کہا ہو الدخ۔

فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ: اس سے مراد رتبہ ہے یعنی جب تو پوری مخفی بات نہیں بتا سکا تو معلوم ہوا کہ تیرا معاملہ ناقص ہے تو تیرا مرتبہ بھی ناقص ہوا لہٰذا تو صحیح راستہ پر نہ ہوا اور تجھ کو دنیا میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جائے گا۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ لَقِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَاحْتَبَسَهُ وَهُوَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ وَلَهُ ذُؤَابَةٌ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللهِ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْتَ أَنِّي رَسُولُ اللهِ

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک راستہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ابن صیاد سے ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے روک لیا وہ یہودی لڑکا تھا اس کے سر پر بالوں کی چوٹی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو میری رسالت کی گواہی دیتا ہے ابن صیاد نے کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں نبی صلی اللہ

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنْتُ بِاللهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَى قَالَ أَرَى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى عَرْشَ إِبْلِيسَ فَوْقَ الْبَحْرِ قَالَ مَا تَرَى قَالَ أَرَى صَادِقًا وَكَاذِبَيْنِ أَوْ صَادِقَيْنِ وَكَاذِبًا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي ذَرٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَحَفْصَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تو کیا دیکھتا ہے ابن صیاد نے کہا میں پانی پر تخت دیکھتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو دریا پر شیطان کا تخت دیکھ رہا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا اور کیا دیکھتا ہے ابن صیاد نے کہا ایک سچا اور دو جھوٹے یا دو سچے اور ایک جھوٹا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس پر معاملہ خلط ملط ہو گیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے الگ ہو گئے۔ اس باب میں حضرت عمر، حسین بن علی، ابن عمر، ابوذر، ابن مسعود، جابر اور حفصہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: ذُؤَابَةٌ: چوٹی کے بال۔ لُبِسَ: صیغہ مجہول ہے۔

قَالَ أَرَى عَرْشًا فَوْقَ الْمَاءِ: اس جملہ کے ذریعے آپ ﷺ اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ابلیس پانی کے اوپر اپنا تخت بچھا کر اس پر اپنا دربار قائم کرتا ہے اور وہیں سے اپنے چیلوں کو اور اپنے ساتھیوں کی ٹولیوں کو دنیا بھر میں فتنہ و فساد پھیلانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے روانہ کرتا ہے۔

قَالَ أَرَى صَادِقًا وَكَاذِبَيْنِ: دو سچوں کو دیکھتا ہوں اور ایک جھوٹے کو یا دو جھوٹوں کو دیکھتا ہوں اور ایک سچے کو یا اس میں راوی نے اپنا شک ظاہر کیا یا خود ابن صیاد نے اس کو شک کے ساتھ بیان کیا اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

فَدَعَاهُ: اس کو چھوڑ دو کیونکہ جب اس کو اپنی معلومات پر خود ہی یقین نہیں کہ سچی خبر کون سی ہے اور جھوٹی کون سی تو اس سے زیادہ پوچھ گچھ کرنا بے فائدہ ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ أَبُو الدَّجَّالِ وَأُمُّهُ ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُولَدُ لَهُمَا وَلَدٌ ثُمَّ يُولَدُ لَهُمَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضَرُّ شَيْءٍ وَأَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَوَيْهِ فَقَالَ أَبُوهُ طِوَالٌ

عبداللہ بن معاویہ جمحی، حماد بن سلمۃ علی بن زید، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دجال کے ماں باپ کے ہاں تیس سال تک اولاد نہ ہو گی اس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہو گا اس کی آنکھیں سوئیں گی دل نہیں سوئے گا پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والدین کا حلیہ وغیرہ بیان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کا باپ کافی لمبا اور دبلا پتلا ہو گا اور اس کی ناک مرغ کی چونچ کی طرح ہو گی جبکہ اس کی

ضَرْبُ اللَّحْمِ كَأَنَّ أَنْفَهُ مِنْقَارٌ وَأُمُّهُ فِرْضَاخِيَّةٌ طَوِيلَةُ الثَّدْيَيْنِ فَقَالَ أَبُو بَكْرَةَ فَسَمِعْتُ بِمَوْلُودٍ فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ فَذَهَبْتُ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبَوَيْهِ فَإِذَا نَعْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُولَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضَرُّ شَيْءٍ وَأَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ فِي الشَّمْسِ فِي قَطِيفَةٍ لَهُ وَلَهُ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ

ماں لمبے لمبے پستان والی عورت ہوگی ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہودیوں کے ہاں ایک بچے کی ولادت کا سنا تو میں اور زبیر بن عوام اسے دیکھنے کے لئے گئے ہم نے اس کے ماں باپ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق پایا میں نے ان سے پوچھا کیا تمہاری اولاد ہے انہوں نے کہا کہ ہم تیس سال تک بے اولاد رہے پھر ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جو کانا ہے اور اس میں نفع سے زیادہ ضرر ہے اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا پھر ہم ان کے پاس سے نکلے تو اچانک اس لڑکے پر نظر پڑ گئی وہ ایک موٹی روئیں دار چادر میں دھوپ میں پڑا ہوا کچھ بڑبڑا رہا تھا اتنے میں اس نے اپنے سر سے چادر اٹھائی اور پوچھا تم نے کیا کہا ہم نے کہا تو نے ہماری بات کو سنا ہے کہنے لگا ہاں سنا ہے میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہم اسے صرف حماد بن سلمہ کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ دجال کے دل میں افکار فاسدہ اور شیطانی خیالات سوتے وقت بھی اس سے ختم نہیں ہونگے بایں طور کہ شیطان اس کو القاء کرتا رہے گا اس وجہ سے دجال کا دل نہیں سوتا جیسا کہ آپ ﷺ کا پُرنور دل مبارک اعمال صالحہ اور کثرت وحی اور ذکر واذکار کی وجہ سے نہیں سوتا تھا۔ **سوال:** اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد ہی دجال ہے جبکہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال تو سمندر کے کنارے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور اسی طرح ماقبل میں حضرت نافع کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول قسم کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ ابن صیاد دجال ہے اس پر آپ ﷺ نے سکوت اختیار کیا۔ تو اسکے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اول: آپ ﷺ کا سکوت اس وجہ سے نہیں تھا کہ ابن صیاد دجال ہے بلکہ سکوت اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بھی من جملہ تیس دجالوں میں ایک ہے جس نے جھوٹا دعویٰ کیا۔ باقی بڑا مسیح الدجال تو قرب قیامت میں ہی آئے گا۔

جواب ثانی: اس مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ کی بیان کردہ نشانیوں کا پایا جانا اور ابن صیاد کے متعلق ارشاد فرمانا شک کے طور پر تھا لیکن جب تمیم داری رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنا تو معلوم ہو گیا کہ ابن صیاد وہ دجال نہیں ہے

جواب ثالث: آپ ﷺ کا خاموش رہنا تردد کی بناء پر تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا غلبہ ظن کی بناء پر تھا۔

طِوَالٌ: طویل کا مبالغہ ہے۔ **ضَرْبُ اللَّحْمِ:** چھریرے بدن کا آدمی جس کا جسم اتنا موٹا نہ ہو۔

فِرْضَاخِيَّةٌ: جس عورت کا جسم بہت موٹا اور پستان بہت بڑے ہوں اسکو ''امرأۃ فرضاخیہ'' کہتے ہیں۔ اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے تمام اوصاف ابن صیاد میں پائے جاتے تھے۔
ضَرْبُ اللَّحْمِ: یعنی کمزور بدن والا۔ كَأَنَّ أَنْفَهُ مِنْقَارٌ: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی ناک لمبی چونچ کی طرح ہوگی۔
مُنْجَدِلٌ: معناہ ملقی علی الجدالۃ۔ یعنی زمین پر پڑا ہوا تھا دھوپ میں۔ هَمْهَمَةٌ: ایسا کلام جو کھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ہو۔

باب

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوسَةٌ يَعْنِي الْيَوْمَ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَبُرَيْدَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ہناد، ابو معاویہ، اعمش، ابو سفیان، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی سانس لینے والا النفس اس وقت زمین پر نہیں کہ اس پر سو برس گزر جائیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابو سعید اور بریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ عَلَى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَوَهَلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ فِيمَا يَتَحَدَّثُونَهُ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ نَحْوَ مِائَةِ سَنَةٍ وَإِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ يُرِيدُ بِذٰلِكَ أَنْ يَنْخَرِمَ ذٰلِكَ الْقَرْنُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری، سالم بن عبداللہ و ابو بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری ایام میں ایک مرتبہ ہمارے ساتھ نماز عشاء پڑھی پھر سلام پھیر کر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا دیکھو جو لوگ آج کی رات زندہ ہیں ان میں سے کوئی سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کرنے میں غلطی کی اور اسے سو برس تک دنیا کے باقی رہنے کے معنی میں نقل کیا حالانکہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ سو سال بعد اس صدی یا زمانے کے لوگ ختم ہو جائیں گے۔

تشریح: لَا يَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت جو لوگ موجود تھے سو سال گزرنے کے بعد ان حاضرین میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔

فَوَهَلَ النَّاسُ: وہل بمعنی فزع کے ہے یعنی لوگ گھبرا گئے ڈر گئے کہ سو سال کے اندر اندر قیامت قائم ہو جائے گی حالانکہ یہ مطلب نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ موجودہ لوگ سو سال پر ختم ہو جائیں گے۔

يَتَحَدَّثُونَهُ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ: احادیث سے مراد احادیث فتن ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لوگ ڈر گئے اس وجہ سے کہ انہوں نے سمجھا کہ احادیث فتن، خروج دجال، حضرت عیسیٰ کا نزول، خروج یاجوج ماجوج سب علامات سو سال میں پوری ہو جائیں گے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی بلکہ اس قرن کے اختتام کو بتانا مقصود تھا۔

سوال: اس حدیث شریف میں ہے کہ سو سال تک ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا حالانکہ سو سال کے بعد بھی بعض لوگ زندہ رہے مثلاً حضرت خضر علیہ السلام آج تک زندہ ہیں اور قرب قیامت دجال سے قتال کریں گے۔ تو اس حدیث کے کیا جوابات ہیں۔

جواب اول: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد علی الارض تھی جبکہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام پانی یا ہوا پر تھے زمین پر نہیں تھے۔

جواب ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد امت کے بارے میں ہے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اور حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ **جواب ثالث:** یہ حدیث عام خص عنہ البعض کی قبیل سے ہے کیونکہ بہت سارے صحابہ سو سال کے بعد بھی زندہ رہے جیسے حضرت انسؓ، سلمانؓ وغیرہ۔ **جواب رابع:** یا اس سے مراد سال کی تعیین نہیں بلکہ زمانہ کا اختتام ہے۔

جواب خامس: ابن قتیبہ کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ مخصوص افراد ہیں جو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الرِّيَاحِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ ذَرٍّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ فَقُولُوا اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيحِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيحِ وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي

اسحاق بن ابراہیم بن حبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن شہید، محمد بن فضیل، اعمش، حبیب بن ابی ثابت، ذر، سعید بن عبدالرحمن بن ابزی، ابزی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہوا کو گالی نہ دو اگر تم کوئی ناپسندیدہ بات دیکھو تو کہو اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس میں ہے اس کی بھلائی اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس کی بھلائی چاہتے ہیں اور اس کے شر، اس کے اندر جو کچھ ہے یا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے کی برائی سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابوہریرہ، عثمان

هُرَيْرَةَ وَعُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بن ابی العاص، انس، ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لَا تَسُبُّوا الرِّيحَ: ہوا کو برا نہ کہو کیونکہ ہوا مامور من اللہ ہونے کی وجہ سے قابل لعنت نہیں ہے کیونکہ مامور تو معذور ہوا کرتا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے "لا تلعنوا الريح فانها مامورة"۔

فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُونَ: اگر ہوا کی گرمی یا سردی سے ناگواری ہو یا اس کے تیز چلنے کی وجہ سے ناگواری ہو تو یہ دعا مانگ لیا کرو "اللهم انا نسئلك من خير هذه الريح وخير ما فيها وخير ما امرت به ونعوذبك من شر هذه الريح وشر ما فيها وشر ما امرت به"۔

یہ حدیث ماقبل ابواب البر والصلة باب اللعنة کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَضَحِكَ فَقَالَ إِنَّ تَمِيمًا الدَّارِيَّ حَدَّثَنِي بِحَدِيثٍ فَفَرِحْتُ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أُحَدِّثَكُمْ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ فِلَسْطِينَ رَكِبُوا سَفِينَةً فِي الْبَحْرِ فَجَالَتْ بِهِمْ حَتَّى قَذَفَتْهُمْ فِي جَزِيرَةٍ مِنْ جَزَائِرِ الْبَحْرِ فَإِذَا هُمْ بِدَابَّةٍ لَبَّاسَةٍ نَاشِرَةٍ شَعْرَهَا فَقَالُوا مَا أَنْتِ قَالَتْ أَنَا الْجَسَّاسَةُ قَالُوا فَأَخْبِرِينَا قَالَتْ لَا أُخْبِرُكُمْ وَلَا أَسْتَخْبِرُكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِنَّ ثَمَّ مَنْ يُخْبِرُكُمْ وَيَسْتَخْبِرُكُمْ فَأَتَيْنَا أَقْصَى الْقَرْيَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُوثَقٌ بِسِلْسِلَةٍ فَقَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ قُلْنَا مَلْأَى تَدْفُقُ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنِ الْبُحَيْرَةِ قُلْنَا مَلْأَى تَدْفُقُ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنْ نَخْلِ بَيْسَانَ الَّذِي بَيْنَ

محمد بن بشار، معاذ بن ہشام، ہشام، قتادہ، شعبی، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تمیم داری نے مجھ سے ایک قصہ بیان کیا ہے جس سے میں بہت خوش ہوا پس میں نے چاہا کہ تمہیں بھی سنا دوں کہ اہل فلسطین میں سے چند لوگ ایک کشتی میں سوار ہوئے یہاں تک کہ کشتی موجوں میں گھر گئی جس نے انہیں ایک جزیرے پر پہنچا دیا وہاں انہوں نے ایک لمبے بالوں والی عورت دیکھی انہوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا نہ میں تمہیں کچھ بتاتی ہوں اور نہ ہی پوچھتی ہوں ہاں تم لوگ بستی کے کنارے پر چلو وہاں کوئی تم سے کچھ پوچھے گا بھی بتائے گا بھی پس ہم لوگ وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک شخص زنجیروں میں بندھا ہوا ہے اس نے پوچھا مجھے چشمہ زغر کے متعلق بتاؤ ہم نے کہا وہ بھرا ہوا ہے اور اس سے پانی چھلک رہا ہے پھر اس نے پوچھا کہ بحیرہ طبریہ کے بارے میں بتاؤ ہم نے کہا کہ وہ بھی بھرا ہوا جوش مار رہا ہے پھر اس نے پوچھا بیسان کے نخلستان جو اردن اور فلسطین کے درمیان میں ہے، کا کیا حال ہے کیا وہ پھل دیتا ہے

الْأُرْدُنِّ وَفِلَسْطِينَ هَلْ أَطْعَمَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَخْبِرُونِي عَنِ النَّبِيِّ هَلْ بُعِثَ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَخْبِرُونِي كَيْفَ النَّاسُ إِلَيْهِ قُلْنَا سِرَاعٌ قَالَ فَنَزَى نَزْوَةً حَتّٰى كَادَ قُلْنَا فَمَا أَنْتَ قَالَ أَنَا الدَّجَّالُ وَإِنَّهُ يَدْخُلُ الْأَمْصَارَ كُلَّهَا إِلَّا طَيْبَةَ وَطَيْبَةُ الْمَدِينَةُ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ قَتَادَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ

ہم نے کہاہاں کہنے لگا بتاؤ کہ نبی کی بعثت ہوگئی ہے ہم نے کہاہاں اس نے کہا کہ اس کی طرف لوگوں کا میلان کیسا ہے ہم نے کہا تیزی کے ساتھ لوگ اس کی طرف جارہے ہیں راوی کہتے ہیں پھر وہ اتنا اچھلا قریب تھا کہ زنجیروں سے نکل جائے ہم نے پوچھا تو کون وہ کہنے لگا کہ میں دجال ہوں اور دجال طیبہ کے علاوہ تمام شہروں میں داخل ہوگا اور طیبہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ یہ حدیث قتادہ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے اور کئی راویوں نے اسے بواسطہ شعبی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث کے ذیل میں تین سوالات اوران کے جوابات **سوال:** فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ذکر ہے کہ جب وہ جزیرہ پر اترے توان کو جساسہ لمبے بالوں والا جانور دابۃ الارض ملا جبکہ ایک روایت میں ہے کہ ان کی جزیرہ میں ایک جاسوسہ عورت سے ملاقات ہوئی تو دونوں میں تضاد ہے۔ گویا ایک روایت میں دابہ کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں عورت کا ذکر ہے۔

جواب اول: یہاں دابہ کے لغوی معنی مراد ہیں کہ ہر وہ چیز جو زمین پر چلنے والی ہو خواہ وہ چوپایہ ہو یا انسان جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ''ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا''

جواب ثانی: جساسہ یعنی جاسوسی کرنے والی ذات دراصل شیطان ہے جو کبھی تو دابۃ کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا اور کبھی انسان کی شکل میں یہ جواب مضبوط ہے ③ اسکے کئی جاسوس تھے جن وانسان، عورتیں وغیرہ کبھی جاسوسہ عورت سے ملاقات ہوئی اور کبھی دابۃ الارض سے فلا تعارض۔ (کمافی التعلیق الصبیح ج۶ ص۲۲۵)

عَيْنِ زُغَرَ: ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے وہاں پر ایک چشمہ ہے دجال نے یہ سوال اس لئے کیا کہ قرب قیامت میں عین زغر خشک ہوجائے گا جب دجال نے ان سے پوچھا تو صحابہؓ نے جواب دیا کہ وہ بھرا ہوا اچھل رہا ہے۔

الْبُحَيْرَةِ: یہ بحر کی تصغیر ہے مسلم شریف میں بحیرہ طبریہ کا لفظ موجود ہے طبریہ اردن میں ایک قصبہ ہے۔

نَخْلِ بَيْسَانَ: یہ بھی ایک گاؤں کا نام ہے جو ملک شام میں اردن کے قریب واقع ہے۔

فَنَزَى نَزْوَةً: اس کا یہ کودنا یا تو خوشی کی بناء پر تھا کہ اس کے چھوٹنے کا وقت قریب آگیا لہٰذا اب زنجیروں سے رہا ہوجائے گا۔ یا اس وجہ سے کودنا ہوا کہ اس کو اس بات پر غم ہوا کہ لوگ اس نبی کو تیزی کے ساتھ مان رہے ہیں۔

باب

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ

محمد بن بشار، عمرو بن عاصم، حماد بن سلمۃ، علی بن زید، حسن بن

عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ جُنْدَبٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

جندب، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی مومن کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں صحابہ نے عرض کیا کہ کوئی شخص اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی طاقت سے زیادہ مشقتیں اٹھانے کے باعث۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: لَا يَنْبَغِي لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهُ: ''من البلاء ما یطیق'' کا بیان مقدم ہے اصل جملہ اس طرح تھا ''یتعرض مما لا یطیق من البلاء''۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے اوپر اتنی ہی ذمہ داری لینی چاہیے جو وہ پوری کر سکے اور جس ذمہ داری کو وہ پورا نہ کر سکے وہ نہ کرلے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ: امام ترمذیؒ نے روایت کی تحسین غالباً اس وجہ سے فرمائی کہ علی بن زید راوی ان کے نزدیک صدوق ہیں ورنہ دوسرے حضرات نے ان کی تضعیف کی ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدِّبُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ نَصَرْتُهُ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا قَالَ تَكُفُّهُ عَنِ الظُّلْمِ فَذَاكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن حاتم مکتب، محمد بن عبداللہ انصاری، حمید طویل، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے ظالم اور مظلوم بھائی کی مدد کرو عرض کیا گیا ہے کہ یارسول اللہ مظلوم کی مدد تو ٹھیک ہے لیکن ظالم کی مدد کس طرح کروں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے ظلم سے روک کر یہی تیری طرف سے اس کی مدد ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مظلوم کی مدد کرنا صاف ظاہر ہے کہ اس کو ظالم سے بچایا جائے گا مگر ظالم کی مدد بظاہر ظلم کا ارتکاب کرنا ہے جو کہ معصیت ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی کہ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو اپنی طاقت و وسعت کے بقدر ظلم سے روکے کیونکہ ظالم جب ظلم کرتا رہے گا ظالم تو جہنم کا مستحق ہوتا رہے گا جب ظلم سے رکے گا تو جہنم سے بچے گا جب اس ظالم کو ظلم سے دوسرے مسلمان روکیں گے تو وہ ظالم دنیاوی واخروی پکڑ سے بھی بچ جائے گا۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، ابوموسی، وہب بن منبہ،

مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جنگل میں سکونت اختیار کی وہ سخت خو اور بد خلق ہو گیا اور جس نے شکار کا پیچھا کیا وہ غافل ہو گیا اور جو حاکموں کے دروازے پر گیا وہ فتنوں میں مبتلا ہو گیا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث منقول ہے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے حسن غریب ہے ہم اسے صرف ثوری کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا: جو دور دراز دیہات میں رہتا ہو جہاں تعلیم و تعلم کا بندوبست نہ ہوتا ہو تو وہاں کے لوگوں میں ایک سرشت بن جاتا ہے سختی ہوتی ہے ان کو لوگوں کی نرمی و سختی کا بھی علم نہیں ہوتا اس لئے ان کی طبیعت میں سخت پن ہوتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے ”الاعراب اشد کفرًا و نفاقًا واجدر الا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ“۔

وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ: اس سے مراد وہ شکار ہے جو بطور لہو لعب ہو یعنی جو شخص کبوتر بازی یا اس طرح کا کوئی شکار کرے جس سے کوئی خاص مقصد نہ ہو تو ایسا شخص طاعات و عبادات سے غافل ہو جائے گا حتیٰ کہ اہل علم کی صحبت وغیرہ بھی اس کو حاصل نہیں ہو گی جس سے رقت قلبی پیدا ہو۔

وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتَتَنَ: جو شخص سلاطین اور امراء کے دروازے پر بغرض حاجت اور ضرورت حاضر ہو گا وہ فتنہ میں مبتلا ہو گا کیونکہ اگر نواہی سے مداہنت کرے گا تو دین کا فتنہ اور اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرے گا تو دنیا کا فتنہ پیش آئے گا ہاں البتہ اظہار حق کی قدرت اس کو حاصل ہو اور روک ٹوک کر سکتا ہو اور دینی فائدہ حکام کو پہنچائے تو پھر حاضر باشی میں مضائقہ نہیں بلکہ اس کو افضل الجہاد کہا گیا ہے۔

افْتَتَنَ: معروف و مجہول دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص امراء کے پاس جائے گا ان کے ہاں نعمتوں کی وسعت دیکھ کر اپنے اوپر ہونے والی نعمتوں کو کم سمجھے گا جس سے ناشکری لازم آئے گی یا پھر ان امراء کے آگے دست سوال دراز کرے گا اور مراد پوری ہونے پر ان کا ممنون احسان کہلائے گا تو لامحالہ امراء کو نواہی پر روک ٹوک نہیں کر پائے گا اس طرح وہ مداہنت میں مبتلا ہو گا جو لامحالہ دین کا فتنہ ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّكُمْ مَنْصُورُونَ

محمود بن غیلان، ابو داؤد، شعبہ، سماک بن حرب، عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ مدد کئے جانے والے ہو اور تم لوگوں کو مال و دولت عطا کیا جائے گا اور تمہارے ذریعے ممالک فتح ہوں گے لہٰذا تم

وَمُصِيبُونَ وَمَفْتُوحٌ لَكُمْ فَمَنْ أَدْرَكَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَلْيَتَّقِ اللهَ وَلْيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَلْيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

میں سے جو شخص اس زمانہ کو پائے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے گا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارکہ میں امت کی کامیابی وکامرانی کی بشارت بھی دی ہے کہ دشمنوں کے ساتھ مقابلے میں مدد ہوگی اور مال غنیمت بھی ملے گا شہر بھی فتح ہوں گے لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ یہ سب امور اگرچہ دنیاوی اعتبار سے کامیابی اور کامرانی ہیں لیکن ساتھ فتنہ بھی ہے اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خوف ساتھ رہے اور اس میں اہم فریضہ کو سرانجام دے اور وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ: یہ امر بمعنی خبر کے ہے یا تہدید وتشدید پر محمول ہے یا بددعا پر محمول ہے۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے صیغہ امر اپنی حقیقت پر ہو اور معنی ہوں گے ''من كذب فليأمر نفسه بالتبوأ''۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ وَعَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ وَحَمَّادٍ سَمِعُوا أَبَا وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ عُمَرُ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ أَنَا قَالَ حُذَيْفَةُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَقَالَ عُمَرُ لَسْتُ عَنْ هٰذَا أَسْأَلُكَ وَلٰكِنْ عَنِ الْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ عُمَرُ أَيُفْتَحُ أَمْ يُكْسَرُ قَالَ بَلْ يُكْسَرُ قَالَ إِذًا لَا يُغْلَقُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو وَائِلٍ فِي حَدِيثِ حَمَّادٍ فَقُلْتُ لِمَسْرُوقٍ سَلْ حُذَيْفَةَ عَنِ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ فتنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو کون بخوبی بیان کرسکتا ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "میں" پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ آدمی کے لئے اس کے اہل وعیال، مال اور اس کا پڑوسی فتنہ ہیں اور ان فتنوں کا کفارہ نماز، روزہ، صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اس فتنے کے متعلق نہیں پوچھ رہا میں تو اس فتنے کی بات کر رہا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا میں نے عرض کیا امیر المومنین آپ کے اور اس عظیم فتنے کے درمیان ایک بند دروازہ حائل ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا وہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا توڑا جائے گا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو پھر وہ قیامت تک دوبارہ بند نہیں ہوگا ابو وائل اپنی حدیث میں حماد کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ میں نے مسروق سے کہا کہ حذیفہ سے پوچھئے کہ وہ دروازہ کیا ہے حضرت حذیفہ نے

الْبَابِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ فرمایا کہ وہ حضرت عمرؓ کی ذات ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں اختصار ہے بخاری و مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ھات انك لجری۔

فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ: اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ① ان کے حقوق کو ادا نہ کر کے اپنے سر پر وبال لے گا جس کی وجہ سے اس کو آخرت میں عذاب ہوگا ② یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جہاد کرنے کا جب موقع آئے گا تو وہ اپنے اہل و عیال بیوی بچوں کے فقر کے خوف کی وجہ سے جہاد میں نہیں جائے گا کہ کہیں شہید ہو گیا تو بیوی بچوں کا کیا بنے گا بیوی بچوں کی وجہ سے فریضہ جہاد سے رک جائیگا۔

فَقَالَ عُمَرُ لَسْتُ عَنْ هٰذَا أَسْأَلُكَ: جب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پہلی قسم کا فتنہ بتا دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس فتنے کے متعلق میں پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ یعنی دوسرا فتنہ بتلاؤ جو سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا آئیگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس سے کیا واسطہ؟ آپ تو اس سے بہت دور ہیں آپ کے اور ان فتنوں کے درمیان ایک بند دروازہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائیگا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر تو بند نہیں ہو سکے گا۔ یہاں دروازے کی تشبیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات سے دی گئی ہے دروازے کا کھولنا طبعی موت کی طرف اشارہ ہے اور توڑنا ان کے شہید کرنے کی طرف اشارہ ہے چنانچہ آپؓ کو ابولؤلؤ مجوسی نے وار کر کے شہید کیا تھا تو یہ دروازہ ٹوٹ گیا اب بند نہیں ہو سکے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بیان سے خوب معلوم ہو گیا تھا کہ فتنوں کے سامنے بند دروازہ ان کی اپنی ذات ہے جب آپ شہید کر دیئے گئے تو فتنوں کے دروازے کھل گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بھی شہید کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سوال: باب مغلق کی تفسیر حضرت عمر سے کی گئی جبکہ "ان بینك و بینها باباً مغلقاً" سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر اور فتنہ کے درمیان دروازہ مغلق ہے جو عمرؓ کے علاوہ شئی ہے نہ کہ عمر فاروقؓ۔

جواب اول: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کے زمانہ اور فتنہ کے زمانہ کے درمیان باب مغلق ہے اور وہ آپ کا وجود ہے۔

جواب ثانی: علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد "بین نفسك و بین الفتنة بدنك" ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَاصِمٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ تِسْعَةٌ خَمْسَةٌ وَأَرْبَعَةٌ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ

ہارون بن اسحاق ہمدانی، محمد بن عبدالوہاب، مسعر، ابوحصین، شعبی، عدوی، حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف تشریف لائے ہم کل نو آدمی تھے جن میں سے پانچ عربی اور چار عجمی یا اس کے برعکس تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنو کیا تم

مِنَ الْعَرَبِ وَالْآخَرُ مِنَ الْعَجَمِ فَقَالَ اسْمَعُوا هَلْ سَمِعْتُمْ أَنَّهُ سَيَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ فَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكَذِبِهِمْ فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَارِدٌ عَلَيَّ الْحَوْضَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ مِسْعَرٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ قَالَ هَارُونُ فَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَاصِمٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ هَارُونُ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زُبَيْدٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ وَلَيْسَ بِالنَّخَعِيِّ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ مِسْعَرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ وَابْنِ عُمَرَ

لوگوں نے سنا کہ میرے بعد ایسے حاکم اور امراء آئیں گے کہ اگر کوئی شخص ان کے دربار میں جائے گا اور ان کے جھوٹے ہونے کے باوجود تصدیق کرے گا اور ان کی ظلم پر اعانت کرے گا تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ میرے حوض پر آئے گا ہاں جو شخص ان حکام کے پاس نہیں جائے گا ان کی ظلم پر اعانت نہیں کرے گا اور ان کے جھوٹ بولنے کے باوجود ان کی تصدیق نہیں کرے گا وہ مجھ سے اور میں اس سے وابستہ ہوں اور وہ شخص میرے حوض پر آسکے گا۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے ہم اس حدیث کو مسعر کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں ہارون یہ حدیث محمد بن عبدالوہاب سے وہ سفیان سے اور وہ ابوحصین سے وہ شعبی سے وہ عاصم عدوی سے وہ کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں پھر ہارون محمد سے وہ سفیان، وہ زبیر، وہ ابراہیم سے، وہ کعب بن عجرہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسعر ہی کی حدیث کی طرح بیان کرتے ہیں اس باب میں حضرت حذیفہؓ اور ابن عمرؓ سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: خَمْسَةٌ وَأَرْبَعَةٌ: تسعۃ کی تفسیر وتعیین ہے اور ساتھ ہی تقسیم طائفتین بھی ہے۔

وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ: مطلقاً اعانت مراد ہے یا اعانت بالافتاء مراد ہے یعنی اس کے ظلم کو جائز قرار دے کر یا کسی طرح بھی اس کی معاونت کرے۔

وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ: اس سے مراد حوض کوثر ہے اس حدیث مبارکہ میں ائمہ جور کی آمد پیشینگوئی کی گئی ہے اور ان کے ساتھ تعاون علی الاثم والعدوان کی مذمت بلیغ ہے کہ آپ نے ایسے شخص سے براءت کا اعلان فرمایا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے دن حوض کوثر سے اس کو پانی بھی نصیب نہیں ہوگا۔

حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ ابْنُ بِنْتِ السُّدِّيِّ الْكُوفِيِّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ شَاكِرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ

اسماعیل بن موسیٰ فزاری بن ابنۃ سدی کوفی، عمر بن شاکر، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اپنے دین پر قائم رہنے والا ہاتھ میں

عَلٰی دِینِہٖ کَالْقَابِضِ عَلَی الْجَمْرِ هٰذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَعُمَرُ بْنُ شَاكِرٍ رَوٰى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ

انگارہ پکڑنے والے کی طرح تکلیف میں مبتلا ہوگا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے عمر بن شاکر بصری ہیں ان سے کئی اہل علم احادیث نقل کرتے ہیں۔

تشریح: حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آگ کی چنگاری کو ہاتھ میں رکھنا مشکل ہے اس سے ہاتھ میں سوزش پیدا ہوتی ہے اور وہ سوزش کو برداشت نہیں کرسکتا اسی طرح دین پر عمل کرنا مشکل ہوگا کیونکہ اہل معاصی کا غلبہ ہوگا ایمان ضعیف ہوگا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہوجائے گا جتنا انگارہ ہاتھ میں پکڑنا۔ ایسے مشکل حالات میں جو شخص دین پر چلے گا اور صبر وشدائد کو برداشت کرے گا تو اس کو اجر وثواب بھی بہت ہوگا۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ: یہ حدیث ثلاثی ہے امام ترمذیؒ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ترمذی شریف میں ایک ہی حدیث ثلاثی ہے اس کے بارے میں بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عمر بن شاکر ضعیف ہے مگر امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ راوی ٹھیک ہے کیونکہ اس سے متعدد اصحاب الحدیث نے روایت لی ہے وھو شیخ بصری میں شیخ کا لفظ صدوق کے ہم معنی ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو مقارب الحدیث کہا ہے علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد بھی ہیں۔

باب

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلٰى أُنَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا قَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجٰى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ چند بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا میں تمہیں اچھوں اور بروں کے متعلق بتاؤں وہ لوگ خاموش رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سوال تین مرتبہ دہرایا تو ایک شخص نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ہمیں برے بھلے کی خبر دیجئے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی امید رکھیں اور اس کے شر سے بے خوف ہوں جبکہ بدترین شخص وہ ہے جس سے نیکی کی کوئی امید نہ ہو بلکہ اس کے شر سے بھی لوگ محفوظ نہ ہوں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: فَسَكَتُوا فَقَالَ ذٰلِكَ: صحابہ کرامؓ نے خاموشی اختیار کی کیونکہ ان کو تردد تھا کہ اس موقع پر خاموشی بہتر ہے یا سوال کرنا بہتر ہے اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سوال کرنے کی وجہ سے کوئی ناگوار بات جواب میں فرمادی جائے۔

بعض حضرات نے کہا کہ صحابہ کرامؓ کا سکوت اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی خیر وشر کو متعین کردیں تو بہتر ہے معلوم نہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس کے بارے میں تعیین شر فرما دیں اور پھر وہ متعین ہو جائے جس سے اس کی دنیا و آخرت برباد ہو جائے۔ جب صحابہ کرامؓ نے یہ محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوال پر اصرار فرما رہے ہیں تو ایک شخص نے جرأت کر کے بلی کہہ کر عرض کر ہی دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیر اور اہل شر کی تعیین فرما دی۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشَتْ أُمَّتِي الْمُطَيْطِيَاءَ وَخَدَمَهَا أَبْنَاءُ الْمُلُوكِ أَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّومِ سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ

موسیٰ بن عبدالرحمن کندی، زید بن حباب، موسیٰ بن عبیدة، عبداللہ بن دینار، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت کے لوگ اکڑ اکڑ کر چلیں گے اور بادشاہوں کی اولاد ان کی خدمت کرے گی یعنی فارس و روم کی اولاد تو ان کے نیک لوگوں پر ان کے بدترین لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے۔ یہ حدیث غریب ہے اس حدیث کو ابومعاویہ بھی یحیی بن سعید انصاری سے نقل کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَا يُعْرَفُ لِحَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَصْلٌ إِنَّمَا الْمَعْرُوفُ حَدِيثُ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ وَقَدْ رَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

محمد بن اسماعیل واسطی، ابومعاویہ، یحیی بن سعید انصاری، عبداللہ بن دینار، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سے یہ حدیث محمد بن اسماعیل نے ابومعاویہ کے حوالے سے انہوں نے یحیی بن سعید کے حوالے سے انہوں نے عبداللہ بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بیان کی ہے جبکہ ابومعاویہ کی یحیی بن سعید سے مرسلاً عبداللہ بن دینار حضرت ابن عمر سے منقول حدیث کی کوئی اصل نہیں مشہور حدیث موسیٰ بن عبیدہ ہی کی ہے مالک بن انس بھی یہ حدیث یحیی بن سعید سے مرسلاً نقل کرتے ہیں اور اس میں عبداللہ بن دینار کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: **الْمُطَيْطِيَاءُ:** ایسی چال جس میں اکڑ ہو۔

سُلِّطَ شِرَارُهَا عَلَى خِيَارِهَا: یعنی برے لوگ اچھے لوگوں پر غالب آ جائیں گے پھر دنیا میں خرابیاں اور برائیاں پھیل جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد معجزات نبوی میں سے ہے اہل اسلام نے جب ملک فارس اور روم کو فتح کر لیا اور ان کے اموال مسلمانوں کے حق میں مال غنیمت ہو گئے اور ان کی اولادیں قید کر لی گئیں جو اس وقت خدام ہو گئے پھر فتنہ پیدا ہوا اور اسی

دوران حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی نوبت آئی پھر مزید سلسلہ دراز ہوا اور بنوامیہ بنوہاشم پر مسلط ہوئے اور دنیا میں کس قدر اہل اسلام میں جنگیں ہوئیں۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس فتنہ سے حضرات صحابہ کرام مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوقتل کرنے والے حضرات صحابہ کرام نہیں تھے بلکہ فتنہ پرور منافقین کی سازش کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کا قتل ہوا۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو مُعَاوِيَةَ: یہ حدیث امام ترمذیؒ کے ہاں ضعیف ہے کیونکہ اس کو موسیٰ بن عبیدہ راوی عبداللہ بن دینار سے روایت کرتا ہے اور یہ راوی ضعیف ہے خاص طور پر عبداللہ بن دینار کی روایتوں میں مگر یحییٰ بن سعید انصاری اس کے متابع ہیں وہ بھی یہ حدیث عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں۔

وقد رواہ سے امام ترمذیؒ نے یہی سند پیش کی ہے پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دوسری سند بے اصل ہے یہ حدیث صرف موسیٰ کی سند سے معروف ہے۔

دوسری دلیل امام ترمذیؒ نے یہ پیش کی ہے کہ یہ حدیث امام مالک بھی انصاری سے روایت کرتے ہیں مگر وہ حدیث کو مرسل روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن دینار عن ابن عمرؓ کا تذکرہ نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ عَصَمَنِي اللهُ بِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا هَلَكَ كِسْرٰى قَالَ مَنِ اسْتَخْلَفُوا قَالُوا ابْنَتَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً قَالَ فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْبَصْرَةَ ذَكَرْتُ قَوْلَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَصَمَنِي اللهُ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

محمد بن مثنیٰ، خالد بن حارث، حمید طویل، حسن، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے ایک فتنے سے بچایا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا کہ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کا خلیفہ کسے بنایا گیا صحابہ نے عرض کیا اس کی بیٹی کو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جن پر کوئی عورت حکمرانی کرتی ہو ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ بصرہ میں آئیں تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی معیت سے بچالیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: لَمَّا هَلَكَ كِسْرٰى: کسریٰ ملک فارس کے بادشاہ کا لقب تھا جس طرح ملک روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا ہے اس کی بیٹی کا نام بوران تھا بوران بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویز۔ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کیا باپ نے اپنی زندگی میں یہ محسوس کرلیا تھا کہ اس کا بیٹا قتل کی سازش کررہا ہے تو اس نے ایک ڈبیہ میں زہر بھر کر اپنے خزانے میں رکھ دیا اور اس پر لکھا کہ قوت جماع کے لئے جو شخص اس کو کھائے گا تو اس کو بہت زیادہ قوت جماع حاصل ہوگی باپ کو قتل کرنے کے بعد جب سارے خزانے بیٹے کے ہاتھ لگے تو وہ ڈبیہ بھی سامنے آئی تو وہ مقوی جماع سمجھ کر اس کو پی گیا اور مر گیا شیرویہ پہلے اپنے بھائیوں کو بادشاہت کے لالچ میں چونکہ ختم کرچکا تھا اب خاندان میں کوئی مذکر نہیں رہا صرف اس کی بیٹی رہ گئی لوگ چاہتے تھے کہ اس گھر سے بادشاہت کسی اور گھر میں

نہ جائے تو لوگوں نے اس کی بیٹی بوران کو بادشاہ بنا لیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کسریٰ ہلاک ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس کی جگہ کون بادشاہ بنا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس کی بیٹی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ'' کہ جس قوم کی ذمہ داری عورت کے سپرد ہو گئی وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات یاد رہی جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بصرہ پہنچیں اور میدان میں گئیں تو میں نے ان کا ساتھ دینے سے گریز کیا کیونکہ وہ اس صورت میں گویا میری امیر ہو جاتیں اور کامیابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بقول ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امیر کی حیثیت سے نہ گئی ہوں بلکہ دونوں فریقین کے درمیان صلح کرانے کے لئے گئی ہوں اور وہاں کے لوگوں نے بطور تعظیم کے آپ کو بڑا جانا ہو (واللہ اعلم)۔

عورت امارت وقضاء کی ذمہ داری لے سکتی ہے یا نہیں؟

جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ عورت امارت وقضاء کی ذمہ داری نہیں لے سکتی البتہ مؤرخ طبری اس کے جواز کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن معاملات میں عورت کی شہادت جائز ہے ان کی وہ ذمہ دار بن سکتی ہے اور اس کا فیصلہ ان احکام میں نافذ ہوگا مگر امارت وقضاء کا عہدہ دینا عورت کو جائز نہیں کیونکہ وہ ناقص العقل ہے اور امارت وقضاء کے لئے عقل کامل ضروری ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِ أُمَرَائِكُمْ وَشِرَارِهِمْ خِيَارُهُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَتَدْعُونَ لَهُمْ وَيَدْعُونَ لَكُمْ وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي حُمَيْدٍ وَمُحَمَّدٌ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

محمد بن بشار، ابو عامر، محمد بن ابی حمید، زید بن اسلم، اسلم، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں تم لوگوں کے بہترین اور بدترین حکام نہ بتاؤں اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں گے تم ان کے لئے دعا کرو گے اور وہ تمہارے لئے دعا کریں گے اور تمہارے برے حاکم وہ ہوں گے جن سے تمہیں بغض ہوگا اور وہ تم سے بغض رکھیں گے تم ان پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے یہ حدیث غریب ہے اور ہم اس کو محمد بن ابی حمید کی روایت سے ہی پہچانتے ہیں محمد کو حفظ کے بارے میں ضعیف کہا گیا ہے۔

تشریح: ائمتکم: یہاں ائمہ سے مراد والی ہیں خواہ سلطان ہو یا حاکم۔

الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ: ''ای الذین عدلوا فی الحکم فتعقد بینکم و بینھم مودۃ'' یعنی جب وہ فیصلوں میں انصاف کرینگے تو تمہارے اور انکے درمیان محبت پیدا ہوگی۔ ''ای تدعون لھم ویدعون لکم'' کہ تم ان کیلئے دعا کرو گے وہ تمہارے لئے دعا کرینگے۔ امام مظہر فرماتے ہیں ''ای یصلون علیکم اذا متم'' کہ جب تم مر جاؤ تو وہ تمہارے لئے طوعاً و رغبتاً دعا کریں۔ ''وتصلون علیھم اذا ما تواعن الطوع والرغبۃ'' اور جب وہ

مرجائیں تو تم ان کیلئے طوعاً ورغبتاً دعا کرو۔

وَتَدْعُوْنَ لَهُمْ: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات زیادہ اولیٰ اور پسندیدہ ہے کہ حالت حیاۃ میں تم ایک دوسرے سے محبت کرو اور مرنے کے بعد تم میں سے ایک فریق دوسرے فریق کیلئے ذکر خیر کرے۔ (مرقاۃ ج۷ص ۲۰۲)

وَشِرَارُ أُمَرَائِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ: ''ای تدعون علیھم ویدعون علیکم او تطلبون البعد عنھم لکثرۃ شرھم'' یعنی تم ان کے لئے بددعا کرو اور وہ تمہارے لئے بددعا کریں یا تم ان سے دوری طلب کرو ان کے شر کی وجہ سے اور وہ تم سے دوری طلب کریں تمہاری خیر کی کمی کی وجہ سے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ ضَبَّةَ بْنِ مِحْصَنٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّهُ سَيَكُونُ عَلَيْكُمْ أَئِمَّةٌ تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَقِيلَ يَارَسُولَ اللهِ أَفَلَا نُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں عنقریب ایسے حاکم آئیں گے جنہیں تم (اچھے اعمال کی وجہ سے) پسند بھی کرو گے اور (بعض کو برے اعمال کی وجہ سے) ناپسند بھی۔ پس جو ان کے منکرات کو ناپسند کرے گا وہ بری الذمہ ہے اور جو ان کے منکرات کو برا جانے گا وہ ان کے گناہ میں شریک ہونے سے بچ جائے گا لیکن جو شخص ان سے رضامندی ظاہر کرے گا اور ان کے ساتھ دے گا وہ ہلاک ہوگیا پھر کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں امراء کی صفات میں ہیں اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ ''ای تعرفون بعض افعالھم وتنکرون بعضھا'' یعنی اُن امراء کے بعض افعال تو اچھے ہوں گے اور بعض افعال برے ہونگے۔

فَمَنْ أَنْكَرَ: ''ای من قدران ینکر بلسانہ علیھم قبائح افعالھم'' یعنی جو شخص امراء کے برے افعال اور برے احوال کی قباحتوں کو زبان سے روک سکے تو اسکو روکنا چاہیے اور اگر زبان سے نہیں روک سکتا تو دل میں برا جانے جو کہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

فَقَدْ بَرِئَ: ''ای بریٔ من النفاق'' یعنی جس نے زبان سے امراء کو برے اعمال، برے احوال سے روکنے کی کوشش کی وہ نفاق سے بری ہے۔

وَمَنْ كَرِهَ: ''ای ومن لم یقدر علی ذلک'' یعنی جو زبان سے روکنے پر قادر نہیں وہ اس کو دل سے برا جانے۔

فَقَدْ سَلِمَ: یعنی جس نے ان امراء کے برے اعمال سے بیزاری اختیار کی اس نے اپنے آپ کو وبال سے بچالیا۔

وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ: ''ای بفعلھم بالقلب'' یعنی ان کے کاموں پر دل سے رضامند تھا

وَتَابَعَ: ''اى تابعهم فى العمل'' اور انکے ساتھ کام میں شمولیت بھی اختیار کی تو گویا اس نے نافرمانی میں شرکت اختیار کی اور اپنا نام ان سرکشوں کے ساتھ شامل کرلیا۔

لَا مَا صَلُّوا: یعنی جب تک وہ نماز خود ادا کریں اور اوروں کو نماز پڑھوائیں اس وقت تک ان کے ساتھ قتال کرنا منع ہے کیونکہ نماز اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ نیز قتال سے ممانعت فرمانا درحقیقت زبان سے اختلاف امت اور فتنوں سے بچانے کیلئے ہے۔ (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۰۴)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشْقَرُ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَهَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَا حَدَّثَنَا صَالِحٌ الْمُرِّيُّ عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَائَكُمْ وَأُمُورُكُمْ شُورَى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَائَكُمْ وَأُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ صَالِحٍ الْمُرِّيِّ وَصَالِحٌ فِي حَدِيثِهِ غَرَائِبُ يَنْفَرِدُ بِهَا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهَا وَهُوَ رَجُلٌ صَالِحٌ

احمد بن سعید اشقر، یونس بن محمد و ہاشم بن قاسم، صالح مری، سعید جریری، ابوعثمان نہدی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکمران اچھے لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے ہوں تو زمین کا ظاہر اس کے باطن سے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور جب تمہارے حاکم شریر لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو اس وقت زمین کا بطن تمہارے لئے اس کے ظاہر سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ حدیث غریب ہے اور ہم اسے صالح مری کی روایت سے جانتے ہیں صالح کی احادیث غریب ہیں اور ان میں کوئی بھی اس کی اتباع نہیں کرتا اور وہ نیک آدمی ہے۔

تشریح: سُمَحَائَكُمْ: یعنی مالدار طبقہ فیاض اور سخی و ہمدرد ہوگا تو غریب عوام کے ساتھ مالی تعاون جاری رہے گا اور تمہارے گھریلو کام گھر والوں کی مشاورت سے اور تمہارے قومی امور قومی مشاورت سے اور ملکی امور ملک والوں کی مشاورت سے ہوں گے تو سب خوشحال ہونگے لوگ دین میں بھی ترقی کریں گے اور دنیا میں بھی اس وقت زمین کی پشت زمین کے پیٹ سے بہتر ہوگی یعنی ان حالات میں تمہاری زندگی تمہاری موت سے بہتر ہوگی ہاں اگر تمہارے حکمران ظالم فاسق ہوجائیں ان کو صرف اپنے خزانے بھرنے کی فکر ہو اور محکموں، اداروں اور گھروں کے تمام امور میں عورتوں کو کلی اختیار ہو، جرائم زیادہ پھیل جائیں تو پھر تمہارے لئے زمین کا پیٹ زمین کی پشت سے بہتر ہوگا ہم اپنے حالات کا خود اندازہ کرسکتے ہیں ہماری بداعمالی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان دن بدن ذلت اور پستی میں جارہے ہیں اللہ پاک ہم سب کو دین کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث غریب ہے کیونکہ صالح بن بشیر مری ضعیف راوی ہے اگرچہ وہ نیک وزاہد شخص تھا یہ حدیث صرف ترمذی میں ہے بقیہ صحاح میں نہیں ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ الْجُوزَجَانِيُّ حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا أُمِرَ بِهِ هَلَكَ ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ بِعُشْرِ مَا أُمِرَ بِهِ نَجَا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ نُعَيْمِ بْنِ حَمَّادٍ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر تم میں سے کوئی اس کام کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کے کرنے کا حکم ہے تو ہلاک ہو جائے پھر وہ زمانہ آئے گا کہ اگر کوئی حکم کئے گئے کام کا دسواں حصہ بھی ادا کرے نجات پائے گا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف نعیم بن حماد کی روایت سے جانتے ہیں جو سفیان بن عیینہ سے روایت کی گئی ہے اس باب میں حضرت ابوذر اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں۔

تشریح: فِي زَمَانٍ: یعنی ایسا زمانہ جس میں امن وعزت اور اسلام ہے مطلب یہ ہے کہ اے صحابہ! تم امن وخیر وبرکت کے ایسے زمانہ میں ہو کہ اس زمانہ میں ایسے فتنے نہیں آئیں گے جو آئندہ ہوں گے اس وقت فتنہ نہ ہونے کی بنا پر مامور کا کل مطلوب ہے کیونکہ قدرت علی العمل ہے لہٰذا ماموارت کو بجمیع الاجزاء بجالانا ضروری ہے معمولی ترک پر بھی پکڑ ہے ہاں آئندہ فتنوں کا دور ہے اس زمانہ میں اگر لوگ ماموارت کے دسویں حصہ پر بھی عمل کریں گے تو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔

مامور بہ کے دسویں حصہ سے کیا مراد ہے: بعض حضرات کے ہاں صرف فرائض کی ادائیگی مراد ہے کہ اگر فتن کے دور میں کوئی سنت نوافل نہ بھی پڑھے تو وہ بھی ناجی ہوگا۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ مامور بہ کے دسویں حصہ سے مراد اخلاص ہے کہ اس فتنوں والے زمانہ میں لوگ ماموارت دسویں حصے پر اخلاص کے ساتھ عمل کریں گے تو وہ نجات پا جائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے کہ اے صحابہ تمہارے زمانہ میں یہ کام آسان ہے لیکن آخر زمانہ میں فتنوں کا دور ہوگا اس وقت اس پر کوئی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے دسواں حصہ پر بھی عمل کرے گا تو اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ هَاهُنَا أَرْضُ الْفِتَنِ وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ يَعْنِي حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ

عبد بن حمید، عبدالرزاق، معمر، زہری، سالم، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا فتنوں کی زمین اس طرف ہے اور مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جہاں سے شیطان کا سینگ یا فرمایا شیطان کا سینگ نکلتا

قَرْنُ الشَّيْطَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ — ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: أَرْضُ الْفِتَنِ: مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ زمین ایسے فتنوں کی ہے جہاں شرقیں ہیں وہاں شیطان کا تسلط بھی ہے۔ قرن سے مراد شیطان کو ماننے والے ہیں یعنی مشرق میں شیطان کو سننے والے بھی ہیں اور اس کے ماننے والے بھی ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ الزُّهْرِيِّ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُودٌ لَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِإِيلِيَاءَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

قتیبہ، رشدین بن سعد، یونس، ابن شہاب زہری، قبیصۃ بن ذوئیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے انہیں کوئی نہیں روک سکے گا یہاں تک کہ بیت المقدس میں نصب ہوں گے۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔

تشریح: رایات سود سے مراد کالے جھنڈے ہیں اس سے حضرت مہدی علیہ السلام کے اسلامی جھنڈے مراد ہیں۔ مسند احمد میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ان کو ایلیاء مقام میں نصب کریں گے۔

أَبْوَابُ الرُّؤْيَا

عَنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم

رؤیا: اس مصدر کے تین صیغے آتے ہیں۔ "رؤیا، رؤیة، رأی" ان تینوں کا مادہ ایک ہے لیکن تینوں کے معنی میں فرق ہے "رؤیا" خواب میں دیکھنے کو "رؤیة" آنکھ سے دیکھنے کو اور "رأی" دل کے فعل کو کہتے ہیں۔ امام طیبیؒ نے کہا کہ رؤیا کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں علوم وادراکات کو پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت بھی ہے نینداس سے مانع نہیں ہوسکتی اور سونے والے کے دل میں اس قسم کے علوم کی تخلیق دوسرے امور کی علامت ہے جو آئندہ چل کر عارض ہوں گے اور وہی اس کی تعبیر ہوگی جیسا کہ بادل بارش کی علامت ہے اس تحقیق کے مطابق نیند وادراک میں کوئی ضد نہیں ہے پھر محققین کے نزدیک خواب تین طرح کے ہوتے ہیں ① محض خیال کہ دن بھر انسان کے دماغ اور ذہن پر جو باتیں چھائی رہتی ہیں وہ خواب میں نمودار ہوجاتی ہیں ② وہ خواب جو شیطانی اثرات کا عکاس ہوتا ہے جیسا کہ عام طور پر ڈراؤنے خواب نظر آیا کرتے ہیں ③ ایسے خواب جو من جانب اللہ بشارت اور بہتری کو ظاہر کرتے ہیں یہی تیسری قسم رؤیا صالحہ کہلاتی ہے۔ اس کی حقیقت علماء اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں علوم ومعرفت اور ادراکات واحساس کا نور پیدا کردیتا ہے جیسا کہ وہ جاگنے والے کے دل کو علوم ومعرفت اور ادراکات واحساسات کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ اب خواب دیکھنے والا جن باتوں کا احساس وادراک کرتا ہے وہ دراصل وقوع پذیر ہونیوالی چیزوں کی علامت واشارہ ہوتا ہے اور یہی اس کی تعبیر کی بنیاد بنتا ہے اور یہ علامت واشارہ خفیہ ہونے کی وجہ سے ماہر عارفین ومعبرین ہی سمجھ سکتے ہیں اور کبھی خواب اتنا واضح ہوتا ہے کہ عام انسان بھی اس کی تعبیر پہچان لیتا ہے اور خود کو بھی ادراک ہوجاتا ہے۔

بَابُ أَنَّ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا وَرُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّأَرْبَعِينَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب زمانہ قریب ہوجائے گا تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور سچا خواب اس کا ہوتا ہے جو خود سچا ہو اور مسلمان کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک ہے پھر خواب تین قسم کے ہوتے ہیں پس ایک تو اچھے خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتے ہیں دوسرے وہ جو شیطان کی طرف

جُزْءٌ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرَى مِنَ اللهِ وَالرُّؤْيَا مِنْ تَحْزِينِ الشَّيْطَانِ وَالرُّؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيَتْفُلْ وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا النَّاسَ قَالَ وَأُحِبُّ الْقَيْدَ فِي النَّوْمِ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

سے غم میں مبتلا کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور تیسرے وہ خواب جو انسان اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے وہی نیند میں متصور ہوجاتے ہیں پس اگر تم میں سے کوئی خواب میں ایسی چیز دیکھے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو تو کھڑا ہو کر تھوک دے اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے پھر آپ نے فرمایا کہ میں خواب میں زنجیر دیکھنا پسند کرتا ہوں کیونکہ اس کی تعبیر دین پر ثابت قدم رہنا ہے جبکہ گلے میں ڈالے جانے والے طوق کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: وَلَا يُحَدِّثْ: ''ای فلا یحکی ولا یخبر بہ'' یعنی غمگین اور پریشان کن خواب کسی کو بیان نہ کیا جائے مگر اُس شخص کو جو اچھی طرح اس کی تعبیر بتلا سکے مثلاً علماء اور صلحاء وغیرہ کو اسی طرح بخاری و مسلم شریف میں روایت ہے کہ جو شخص خواب میں پسندیدہ بات دیکھے تو وہ اللہ کی حمد بیان کرے اور اس کو آگے بیان کرے اور اس کو ایسے آدمی کے سامنے بیان کرے جو اس کی تعبیر دے سکے اور اگر ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اس پر تعوذ پڑھے اور اس کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔ (التعلیق الصبیح ج۵ ص۸۱)

إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ: اقتراب زمان سے کیا مراد ہے: اول: صاحب الفائق فرماتے ہیں کہ اس سے آخری زمانہ مراد ہے جو قرب قیامت میں ہوگا۔ پھر آخری زمانہ سے کونسا زمانہ مراد ہے بعض نے کہا خروج مہدی کا زمانہ کیونکہ اس وقت عدل و انصاف قائم ہوگا اور وہ وقت خوشی کا ہوگا اور خوشی کا وقت بہت جلد گزر جاتا ہے بنسبت غم و پریشانی کے وقت کے کہ وہ بہت دیر سے گزرتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر کے لوگوں کے ساتھ رہیں گے وہ وقت بھی انصاف و عدل کا ہوگا۔

ثانی: کہ اقتراب الزمان سے مراد وہ وقت ہے جب مؤمن انتہائی کسمپرسی کی حالت میں ہوگا کہ نہ اعوان ہوں گے اور نہ ہی مددگار تو ایسے وقت میں اس کو سچے خواب دکھائی دیں گے تاکہ اس کی مدد ہو سکے اس کو سچے خواب کی وجہ سے رہنمائی حاصل ہو سکے۔

ثالث: اقتراب زمان سے مراد وہ وقت اور زمانہ ہے جس میں دن و رات دونوں برابر ہوتے ہیں چونکہ اس وقت انسانی مزاج صحیح و معتدل تر ہوگا اس لئے خواب میں بھی خلط ملط نہیں ہوگا بلکہ خواب سچے ہوں گے۔

رابع: اقتراب زمان سے مراد وہ وقت و زمانہ ہے جب سال مہینے کی طرح اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح اور دن گھنٹہ کی طرح گزر جائے گا اس زمانہ میں لوگ جو خواب دیکھیں گے وہ صبح کی طرح روشن نظر آئیں گے۔

وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا: جس شخص کے خیالات جتنے زیادہ اچھے ہوں گے اسی قدر اس کو سچے خواب نظر آئیں گے یا جس کی گفتگو میں زیادہ سچائی ہوگی اسی قدر اس کو زیادہ سچے خواب نظر آئیں گے چونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے تو صدق ظاہر، صدق باطن کو مستلزم ہے۔

سوال: رؤیا صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے کسی چیز کا کوئی جزو اس چیز سے جدا نہیں ہوتا بلکہ اسکے ساتھ ہوتا ہے اس اعتبار سے کہا جائیگا

کہ جب نبوت باقی نہیں رہی تو نبوت کا جزو یعنی رؤیا صالحہ کیوں کر باقی رہے گا۔
جواب اول: اس ارشاد گرامی کے معنی یہ ہیں کہ رؤیا صالحہ علم نبوت کے اجزاء اور حصوں میں سے ایک جزو اور حصہ ہے اور ظاہر ہے کہ علم، نبوت کا وصف ہے نبوت اگرچہ ختم ہو چکی مگر نبوت کے اوصاف تا قیامت باقی ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ اوصاف نبوت بعینہٖ نبوت نہیں گویا حدیث میں رؤیا صالحہ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے
جواب ثانی: یہ چھیالیسویں حصے کا عدد مخصوص ہے خصال حمیدہ کیلئے یعنی آپ ﷺ کی چھیالیس خصلتوں میں سے رویا صالحہ ایک جزء ہے اسکی تائید اسی حدیثِ ابی ہریرہ سے ہے۔ (مرقاۃ ج۹ ص ۲۴)
سوال: اکثر روایات میں چھیالیس کا ذکر ہے لیکن بعض روایات اس سے مختلف ہیں چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ''خمسة و اربعين'' ہے اور ایک روایت میں ''سبعين جزءً'' اور بعض روایات میں ''ستة و عشرين جزءً'' اور بعض میں ''خمسين جزءً'' ہے تو ان روایات میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔
جواب: اس سے علوم نبوت کثرت اجزاء بیان کرنا مقصود ہے تحدید مقصود نہیں مطلب یہ ہے کہ نبوت کے بہت سے اجزاء ہیں جو باقی نہیں رہیں گے سوائے اس ایک جزء کے وہ خواب اور الرؤیا الصالحہ ہے اور بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ زمانہ نبوت ۲۳ سال ہے مکہ میں تیرہ سال، مدینہ میں دس سال اور وحی کی ابتداء رؤیا صالحہ سے ہوئی اور وہ چھ ماہ ہے اب چھ ماہ کی نسبت ۲۳ سال کیساتھ ایسے ہے جیسے ۴۶ اجزاء کی نسبت ایک جزء کیساتھ ہے کیونکہ ۲۳ کا دگنا ۴۶ ہوتا ہے اور چھیالیس کا ایک جزو چھ ماہ ہے (مرقاۃ ج۹ ص ۲۳)
بالفاظ دیگر یوں سمجھیں کہ ۲۳ سال کے ۲۷۶ ماہ بنتے ہیں ان کو ۶ ماہ (جو ابتداء رؤیا صالحہ ہے) کے ساتھ تقسیم کریں تو جواب ۴۶ آئے گا اب رویا صالحہ نبوت کا ۴۶ واں حصہ ہوا۔
وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَالرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرَى مِنَ اللّٰهِ: جب خواب اچھا آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری اور بشارت ہوتی ہے لہٰذا ایسا خواب دیکھنے والا ایسے شخص سے خواب بیان کرے جو اس کے نزدیک محبوب ہو ایسے شخص سے بیان نہ کرے جو اس کا حاسد ہو نیز ایسے شخص سے بھی بیان نہ کرے جو تعبیر میں ماہر نہ ہو۔
وَالرُّؤْيَا مِنْ تَحْزِينِ الشَّيْطَانِ: وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ڈراوا ہوتا ہے خواب میں شیطان مختلف شکلوں کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے اس سے آدمی ڈر جاتا ہے اور دل میں خوف و وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔
وَالرُّؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ نَفْسَهُ: وہ رؤیا جو انسان کے خیالات سے پیدا ہوتے ہیں دن کو کوئی کام کیا رات کو وہی خواب میں آ گیا یا دن کا کوئی حال اس کے دماغ میں پیوست ہو چکا ہے جس کی وجہ سے وہی رات کو خواب میں آیا یا دن کو کوئی پریشانی لاحق تھی رات وہی خواب میں آ گئی جیسا کہ عام طور پر انسان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے تو ایسے خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔
فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيَتْفُلْ وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا النَّاسَ: برے خواب جس کو آئیں تو پہلے وہ اٹھ بیٹھے اور بائیں طرف تھوک دے اور اس خواب کو کسی سے بیان نہ کرے۔ بیان نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ خواب سننے والا کوئی ایسی تعبیر دیدے جس کی وجہ سے قضائے معلق واقع ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی خواب سن کر ایسی تعبیر بتا دے جو رنج والم

کا باعث ہو اور خواب دیکھنے والے کا خیال اس کی تعبیر پر بھی جم جائے۔

حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ خواب دیکھنے والا برا خواب اس لئے بیان نہ کرے کہ جب اس کا تذکرہ لوگوں کے درمیان ہوگا تو خواب دیکھنے والے کے دل میں رنج والم اور غلط وساوس پیدا ہوں گے۔ نیز یہ ممانعت شفقت و ہمدردی کی بنا پر ہے شرعی حرمت نہیں کہ بیان کرنے والا گناہ گار ہو۔

قَالَ وَأُحِبُّ الْقَيْدَ فِي النَّوْمِ: طوق کا گردن میں ڈالنا برا سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ اہل جہنم کی علامت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اذ الاغلالُ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ'' اور خواب میں پاؤں میں بیڑی کو اس لئے پسند کیا جاتا ہے کہ پاؤں میں بیڑی روکنے کے لئے ہوتی ہے یعنی یہ معاصی میں رکاوٹ ہے جو کہ ثبات علی الدین کی علامت اور مطلوب ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسًا يُحَدِّثُ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَوْفِ بْنِ مَالِكٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، قتادہ، انس، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابورزین عقیلی، انس، ابوسعید، عبداللہ بن عمرو، عوف بن مالک اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت عبادہؓ کی حدیث صحیح ہے۔

بَابُ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ يَعْنِي ابْنَ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ قَالَ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ لَكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَابْنِ

حسن بن محمد زعفرانی، عفان بن مسلم، عبدالواحد، مختار بن فلفل، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہیں اور اب میرے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا راوی کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں کے لئے باعث رنج ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن بشارتیں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ بشارتیں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا خواب اور یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حذیفہ بن اسید، ابن عباس اور ام کرز رضی اللہ

عَبَّاسٍ وَأُمِّ كُرْزٍ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ

عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث اس سند سے صحیح غریب ہے یعنی مختار بن فلفل کی روایت سے۔

تشریح: **اَلْمُبَشِّرَاتُ:** بشارت سے مشتق ہے جس کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ عربی میں اس کا استعمال عام طور پر خیر کے لئے ہوتا ہے لیکن کبھی شر کے لئے بھی اس کو استعمال کر لیا جاتا ہے اسی طرح رؤیا کا اطلاق عام طور پر اچھے خواب پر ہوتا ہے اور برے خواب پر اضغاث احلام کا اطلاق ہوتا ہے۔

الرؤیا لصالحة: "الصالحة" یہ لفظ رؤیا کی وضاحت وتشریح کے لئے آتا ہے یا صالحہ اصل میں صادقہ کے معنی میں ہے کہ رؤیا صالحہ سے مراد اچھا خواب ہے۔ یا سچا خواب جو واقعہ کے مطابق ہو اگر پہلا معنی مراد لیا جائے تو یہ مبشرات کے معنی کے موافق ہے کیونکہ اچھے خواب کا مطلب اچھی خبر ہے اور بشارت بھی کلیۃً یا عام طور پر دل و دماغ کو خوش کرنے والی ہوتی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں اگر دوسرا معنی مراد لیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ حدیث میں خواب کو نبوت کا ایک جز کہا گیا ہے اور نبوت میں سچی خبر کا اعتبار ہے خواہ وہ خوش کرنیوالی ہو یا ڈرانے والی۔ اس صورت میں کہا جائیگا کہ لفظ مبشرات کا استعمال از راہ تغلیب ہے یا مبشرات "مخبرات" کے معنی پر محمول ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ مِصْرَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَقَالَ مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا سَأَلَنِي عَنْهَا أَحَدٌ غَيْرُكَ مُنْذُ أُنْزِلَتْ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

ابن ابی عمر، سفیان، ابن منکدر، عطا بن یسار کہتے ہیں کہ ایک مصری شخص نے حضرت ابودرداءؓ سے اس آیت کے متعلق پوچھا (لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا) تو آپؓ نے فرمایا کہ جب سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی ہے تمہارے علاوہ صرف ایک شخص نے مجھ سے اس کے متعلق دریافت کیا ہے اور جب میں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت جب سے نازل ہوئی ہے تم پہلے شخص ہو جس نے اس کے متعلق پوچھا ہے اس سے مراد نیک خواب ہے جسے کوئی مسلمان دیکھتا ہے یا فرمایا کہ اسے دکھایا جاتا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: **يَرَاهَا الْمُسْلِمُ:** "معناه یراها رجل آخر له" روایت کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لهم البشری فی الحیوة الدنیا" کی تفسیر سچے خواب کے ساتھ فرمائی ہے خواہ خود اس کو مسلمان دیکھے یا اس کے حق میں وہ خواب دوسرا کوئی اور دیکھے دونوں صورتوں میں مسلمانوں کے لئے بشارت فی الدنیا اور باعث فضیلت ہے۔ مسلمان نے اگر اپنے لئے اچھا خواب دیکھا پھر بھی ٹھیک ہے اور اگر دوسرے کے حق میں دیکھا تب بھی اس کے لئے فضیلت اس وجہ سے ہے کہ خیر اس کو دکھائی گئی ہے اگرچہ دوسرے کے حق میں ہی ہو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ دَرَّاجٍ عَنْ أَبِي الْهَيْثَمِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْأَسْحَارِ

قتیبہ، ابن لہیعہ، کدراج، ابوہیثم، حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سحری کے وقت دیکھے جانے والے خواب زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔

تشریح: حدیث الباب میں ہے کہ جو خواب سحری کے وقت دیکھے جاتے ہیں اکثر سچے ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت دل عموماً حالت اطمینان میں ہوتا ہے اس وقت معدہ خالی ہوتا ہے اور اسکے بخارات دماغ کی طرف نہیں چڑھتے اسلئے اضغاث احلام کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور یہ وقت نزول ملائکہ کا ہے جو صبح کی نماز میں شرکت کر کے دن بھر انسانوں کیساتھ رہتے ہیں اور یہ وقت قبولیت دعا کا بھی ہے اور اللہ کی طرف سے خصوصی رحمت بھی نازل ہوتی ہے اسلئے اس وقت میں جو خواب دیکھا جاتا ہے وہ زیادہ سچا ہوتا ہے۔ (کمانی التعلیق الصبیح ج۹ ص۴۵)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ وَعِمْرَانُ الْقَطَّانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ نُبِّئْتُ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا قَالَ هِيَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ أَوْ تُرَى لَهُ قَالَ حَرْبٌ فِي حَدِيثِهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى

محمد بن بشار، ابوداؤد، حرب بن شداد و عمران قطان، یحیی بن ابی کثیر، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ خبر ملی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ مومن کا اچھا خواب ہے جسے وہ دیکھتا ہے یا اسے دکھایا جاتا ہے حرب اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ ہم سے یحیی نے بیان کیا ہے۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيهِ وَأَبِي بَكْرَةَ وَأَبِي جُحَيْفَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان ابواسحاق، ابواحوص، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل و صورت میں نہیں آسکتا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوقتادہ، ابن عباس، ابوسعید، جابر، انس، ابومالک اشجعی بواسطہ اپنے والد، ابوبکرہ اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قَالَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي: چند معانی بیان کیے جاتے ہیں۔

اول: "من رأنی ای فی عالم مثال، فقد رأنی فی عالم الشهود" یعنی جس شخص نے عالم مثال میں مجھے دیکھا تو وہ عالم شہود میں مجھے دیکھے گا۔

ثانی: ''ای من رأنی فی المنام یوفقه اللّٰہ تعالیٰ لرؤیته فی الیقظة'' یعنی جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو حالت بیداری میں میرے دیدار کی توفیق عطا فرمائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو ہجرت کی توفیق عطا فرمائیں گے یہ معنی صرف آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص ہے یا آخرت کے زمانے کے ساتھ ''اما فی الدنیا أوفی الاخرة''۔

ثالث: ''وقیل یراہ فی الاخرة علی وفق منامه بحسب مقامه''۔ بعض نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جس نے مجھے جس طرح خواب میں دیکھا اس طرح خصوصیت کے ساتھ آخرت میں مجھے دیکھے گا۔

رابع: ''وقیل هو بمعنی الاخبار أی من رأنی فی المنام فاخبروه بان رؤیته حقیقةً'' بعض حضرات نے کہا کہ خبر دینا مقصد ہے یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس کو یہ خبر دیدو کہ خواب حقیقی اور سچا ہے اضغاث احلام نہیں اور اس نے مجھے حقیقۃً دیکھا۔

خامس: ''من رأنی علی ای صورۃ کانت قد رأنی حقیقة لان الشیطان لا یتمثل فی صورتی''۔ یعنی جس نے خواب میں مجھے جس حالت میں بھی دیکھا گویا اس نے حقیقۃً مجھے ہی دیکھا اس لئے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

سادس: بعض روایات میں آتا ہے ''من رأنی فی المنام فقد رأی الحق ای من رأنی فقد رأی رویة الحق وفی الجامع الاصول فقد رأی الحق'' کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا تو جان لے کہ اس نے حق دیکھا باطل کو نہیں دیکھا اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے اور نہ کوئی شک ہے اس لئے کہ شیطان کے اندر اتنی طاقت نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی صورت اختیار کرلے کیونکہ اللہ رب العزت نے جس طرح حالت بیداری میں شیطان کو انبیاء علیہم السلام پر قدرت پانے کی طاقت نہیں دی اسی طرح خواب میں بھی شیطان کو انبیاء علیہم السلام کی مشابہت کی طاقت نہیں دی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دار التکلیف (دنیا) سے اٹھانے کے بعد بھی محفوظ رکھا کہ آپ ﷺ کی صورت میں یہ نہیں آسکتا لہٰذا جس شخص نے آپ ﷺ کو دیکھا اس نے حقیقۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ (التعلیق ج ۵ ص ۷۷)

فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي: شیطان آپ ﷺ کی صورت میں نہیں آسکتا۔ یہ آپ ﷺ کا معجزہ ہے کہ جس طرح بیداری میں شیطان آپ ﷺ کی صورت میں نہیں آسکتا اسی طرح حالت نیند میں بھی آپ ﷺ کی شکل وصورت میں نہیں آسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ رشد وہدایت کا مظہر ہیں جبکہ شیطان گمراہی کا مظہر ہے ہدایت اور گمراہی میں تضاد ہے لہٰذا ایک چیز اپنی ضد کی صورت وشکل اختیار نہیں کر سکتی لہٰذا جس نے خواب میں آپ ﷺ کو دیکھا اس نے حقیقۃً آپ ﷺ کو ہی دیکھا۔

امام ربانی عارف شعرانی ؒ فرماتے ہیں کہ شیطان آپ ﷺ کی صورت میں اسلئے نہیں آسکتا کہ روایات میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو شیطان اور اس کا لشکر مکہ میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک نور ہے جو زمین سے آسمان تک جاتا ہے اور اسکی شعاعیں بھی ہیں جو بھی اس شعاع کے پاس جاتا ہے جل جاتا ہے شیطان جتنی دفعہ اس نور کے پاس گیا اتنی دفعہ جلا اسی وجہ سے اس دن سے شیطان آپ ﷺ کی صورت سے بھاگتا اور گھبراتا ہے اور اسی گھبراہٹ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین اسلام لے آیا جیسا کہ کتاب الایمان میں گزر چکا۔ (التعلیق ایضا)

محققین کا قول یہ ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی مثال میں متمثل ہو کر کسی کو یہ دھوکہ دے سکتا ہے کہ معاذ اللہ میں ''اللہ'' ہوں لیکن آپ ﷺ کی صورت میں متمثل ہو کر یہ دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ منبع مظہر ہدایت ہیں اور شیطان مظہر

ضلالت ہے ہدایت اور ضلالت میں ضد ہے لہٰذا ایک ضد دوسری ضد کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اضلال، ہدایت کی تمام صفات متضادہ کی جامع ہے لہٰذا شیطان جو مظہر ضلالت ہے وہ صفت اضلال کے مرتبہ میں اللہ تعالیٰ کا تمثل کرسکتا ہے دوسرا یہ کہ مخلوق کی جانب سے دعویٰ الوہیت صریح البطلان ہے محل اشتباہ نہیں، محل اشتباہ نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ الوہیت کے بعد اس سے صدور خوارق بھی متصور ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ شیطان تمثیل باری تعالیٰ کرسکتا ہے۔

خواب میں مخصوص حلیہ وصورت کو دیکھنا ضروری ہے کہ نہیں۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: کہ مخصوص حلیہ وصورت کا دیکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کسی نے جوانی کی حالت میں دیکھا تو وہی حلیہ دیکھے جو جوانی میں تھا اور اگر کسی نے بڑھاپے میں دیکھا تو بڑھاپے والا حلیہ سفید داڑھی مبارک دیکھے اگر اس میں کسی قسم کا تغیر ہوا تو غلط ہوگا جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت محمد ابن سیرینؒ جو تعبیر خواب کے فن میں امام تھے انکے پاس کوئی شخص آ کر خواب بیان کرتا کہ میں نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو وہ کہتے کہ بتاؤ تم نے آنحضرت ﷺ کو کس شکل وصورت میں دیکھا ہے اگر وہ شخص آنحضرت ﷺ کا حلیہ مبارک صحیح بیان نہ کرتا جو آپ ﷺ کیساتھ مخصوص تھا تو ابن سیرینؒ اسکو بھگا دیتے۔

قول ثانی: کہ آپ ﷺ کو مخصوص حلیہ کے اندر دیکھنا ضروری نہیں اور کوئی آپ ﷺ کو جوانی یا بڑھاپے کی شکل وصورت میں دیکھے یا خوشی وناخوشی کی حالت میں دیکھے تو یہ ساری حالتیں خواب دیکھنے والے کی ایمانی حالت کے فرق وتفاوت پر مبنی ہونگی جو شخص جس درجہ کے ایمان کا حامل ہوگا وہ آپ ﷺ کو اسی درجہ کی مثالی صورت میں دیکھے گا گویا آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنا اپنے ایمانی احوال پر مبنی ہے جیسا کہ حضرت شیخ علی متقیؒ سے منقول ہے کہ ایک فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس کو شراب پینے کا حکم دے رہے ہیں اس خواب کی وجہ سے اسکے ذہن میں خلجان پیدا ہوا اس کو دور کرنے کیلئے علماء کرام سے پوچھا کہ اس خواب کی حقیقت کیا ہے ہر عالم نے اسکی مختلف تعبیر وتاویل بیان کی اسی دوران وہ حضرت شیخ محمد ابن المراۃؒ کے پاس آیا جو عالم باعمل اور نہایت متبع سنت تھے انہوں نے فرمایا کہ اصل بات یوں نہیں ہے جس طرح اس نے سنی ہے بلکہ اس کا ذہن قوت سامعہ، خلل وانتشار کا شکار ہے حقیقت میں آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ "لا تشرب الخمر" یا پھر "اشرب الخمر" سے مراد شراب طہور یعنی شراب محبت ہے۔

سوال: خواب میں زیارت کیسے ہوتی ہے حالانکہ خواب دیکھنے والے اور مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے درمیان بہت طویل مسافت ہے؟

جواب: خواب میں دیکھنا اور حقیقت میں دیکھنا۔ ان دونوں میں فرق ہے کیونکہ خواب میں دیکھنے سے حقیقت میں آنکھوں سے دیکھنا لازم نہیں آتا بلکہ خواب میں رؤیت دل کی آنکھ سے ہوتی ہے نہ کہ سر کی آنکھ سے لہٰذا دیکھنے والی چیز کا حاضر ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ مشرق تا مغرب دیکھا جاسکتا ہے۔ **سوال:** جب ایک ہی وقت میں بہت سارا مجمع آپ ﷺ کی خواب میں زیارت کرتا ہے اور ہر ایک کے خواب میں دیکھنے والے کی کیفیت بھی مختلف ہوتی ہے کوئی خواب میں آپ ﷺ کو بڑھاپے کی حالت میں دیکھ رہا ہے اور کوئی اسی وقت جوانی کی حالت میں دیکھ رہا ہے گویا ایک ہی وقت میں آپ ﷺ کو مختلف حالات میں دیکھا جارہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے؟

جواب: یہ اختلافات خواب میں دیکھنے والوں کے اعتبار سے ہیں اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اگر کوئی انسان اپنی صورت مختلف شیشوں میں دیکھے تو مختلف نظر آنے لگے گی مثلاً اگر بڑے شیشے میں دیکھے گا تو بڑا نظر آئے گا چھوٹے شیشے میں دیکھے گا تو چھوٹا نظر آئے

گا اور ٹیڑھے شیشے میں ٹیڑھا نظر آئے گا اور لمبے شیشے میں لمبا نظر آئے گا اب یہ اختلافات شیشے کے مختلف احوال ہونے کی وجہ سے ہیں نہ کہ دیکھنے والے کے احوال کے فرق کی وجہ سے اسی طرح آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنے والوں کے احوال مختلف ہونے کی وجہ سے دیکھنا بھی مختلف ہوگا یعنی دیکھنے والا دین میں جس قدر استقامت پر ہوگا اس کے مطابق وہ آپ ﷺ کو دیکھے گا۔

الحاصل خواب میں آپ ﷺ کو کوئی جس طرح بھی دیکھے اس کا حکم دیکھنے والے پر ہوگا نہ کہ آپ ﷺ کی ذات پر۔

سوال: مذکورہ جواب پر بعض حضرات نے اعتراض کیا کہ آپ ﷺ کو شیشے کی مثال کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں؟

جواب: شیخ ابوطاہر قزوینیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ سوال محض جہالت پر مبنی ہے کیونکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی اشیاء کو مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی کہ "ان اللہ لا یستحي ان یضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها" گویا مثالوں کے ذکر کا مقصد ہوتا ہے کہ مطلب سمجھ میں آجائے بعض حضرات نے اسی وجہ سے کہا ہے کہ امثال دل کی آنکھیں ہیں مطلب یہ ہے کہ دل کی آنکھ جس طرح مثالوں سے معنیٰ کو واضح کرتی ہے اس طرح سر کی آنکھ شیشے میں اجسام کی صورت دیکھ کر واضح نہیں کرتی لہٰذا آپ ﷺ کو مختلف صورتوں میں دیکھنے والا حقیقت میں آپ ﷺ ہی کو دیکھ رہا ہے لیکن یہ مختلف صورتیں اس کی امثلہ خیالیہ ہیں جو مرئی کے واسطے سے ہیں جیسے کوئی انسان یوں کہتا ہے کہ میں نے اپنا چہرہ پانی میں دیکھا یہ بات قطعی طور پر اس کو معلوم ہے کہ پانی میں میرا ہی چہرہ ہے کسی دوسرے کا نہیں اور دیکھنے والے کو یہ بات یقینی معلوم ہے کہ پانی میں جو چہرہ دکھائی دیا جا رہا ہے وہ میرا اصلی نہیں (بلکہ اس کا عکس ہے) اب دیکھئے اس کا معنیٰ یہ بنے گا کہ میں نے حقیقۃً اپنے چہرے کو پانی میں عکس (مثال) کے واسطے سے دیکھا ہے گویا یہ عکس (مثال) اس کا چہرہ دیکھنے کا واسطہ بنی اور یہ مثال حقیقت نہیں کیونکہ یہ تو عکس ہے اب دیکھنے والا اپنی ذات دیکھ رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو مثال کے واسطے سے اس کی ہیئت دکھا رہا ہے ایسے ہی یہاں ہے لہٰذا جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا اس نے حقیقت میں آپ ﷺ کی روح اور جسم کو دیکھا جیسا کہ آپ ﷺ نے کا ارشاد ہے "فقد رأني" ابوطاہر قزوینیؒ امام غزالیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جس نے آپ ﷺ کو خواب میں دیکھا حقیقۃً اس شخصیت کو نہیں دیکھا جو روضہ پاک میں موجود ہیں بلکہ اس نے ہم مثل کو دیکھا لہٰذا مثل مختلف ہوسکتی ہے ابوطاہرؒ فرماتے ہیں کہ امام غزالیؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ خواب میں دیکھنے والا آپ ﷺ کی مثالی روح کو دیکھتا ہے نہ کہ آپ ﷺ کے جسد اطہر کو۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی روح صورت وشکل میں متشکل کر کے سونے والے کو دکھاتے ہیں ابوطاہرؒ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ امام غزالیؒ کا اس بات سے کیا مطلب ہے۔

سوال: جو شخص بیداری میں آپ ﷺ کے دیکھنے کا دعویٰ کرے اس کی تصدیق کی جائے گی یا نہیں؟

جواب: تصدیق کی جائے گی کیونکہ شیخ الصالح عطیۃ الابناسی اور قاسم المغربی، امام شافعی، قاضی زکریا الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے امام جلال الدین سیوطیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کو حالت بیداری میں ستر سے زائد مرتبہ دیکھا اور فرماتے ہیں کہ ان ستر مرتبہ میں سے ایک مرتبہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا "ہل انا من اہل الجنة یا رسول اللہ فقال نعم" کہ کیا میں اہل جنت میں سے ہوں گا یا رسول اللہ آپ ﷺ نے جواب فرمایا جی ہاں میں نے کہا بغیر عذاب کے آپ ﷺ نے فرمایا "لک ذلک"۔

سوال: خواب میں آپ ﷺ کچھ ارشاد فرمائیں تو اس پر عمل کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: اس پر عمل کرنا واجب نہیں کیونکہ دیکھنے والا معصوم نہیں اور ہوسکتا ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہو وہ شریعت کے خلاف ہو یا نص صریح کے خلاف ہو اس وجہ سے اس پر عمل کرنا واجب نہیں۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۷۹)

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا رَأَى فِي الْمَنَامِ مَا يَكْرَهُ مَا يَصْنَعُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الرُّؤْيَا مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث، یحیی بن سعید، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھے خواب اللہ تعالیٰ جبکہ برے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں پس اگر تم میں سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہو تو اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوکے اور اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر سے پناہ مانگے تو اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابوسعید، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ اچھا خواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جس میں بندہ کو بشارت ہوتی ہے تا کہ وہ بندہ خوش ہو جبکہ غمگین اور پریشان کرنے والا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے جس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان کو غمگین و پریشان کر کے ایسی راہ پر ڈال دے جس سے وہ رحمت حق سے ناامیدی کا شکار ہو جائے۔

فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ: یعنی جس طرح صدقہ وخیرات پریشانیوں کو ٹال دیتے ہیں اسی طرح رسول کریم ﷺ نے مذکورہ چیزوں کو یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے، تین دفعہ تھتکارنے اور کسی کے سامنے بیان نہ کرنے کو برے خواب کے مضر اثرات سے سلامتی کا سبب قرار دیا ہے۔

خواب کے آداب: رؤیا صالحہ کے آداب یہ ہیں۔ ① اللہ کی تعریف کی جائے ② اس کے ذریعے سے خوشخبری حاصل کی جائے ③ اس خواب کی تعبیر کسی عالم و ماہر سے پوچھی جائے۔ **رؤیا مکروہہ کے آداب:** ① اللہ سے ایسے خواب کی پناہ مانگی جائے ② شیطان کے شر سے بھی پناہ مانگی جائے ③ چونکہ شیطان بائیں طرف ہوتا ہے اس لئے جب خواب میں ڈر جائے تو بائیں طرف تین بار تھوک دیا جائے ④ تھوک کے بعد تعوذ پڑھے ⑤ اور اس خواب کو کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۸۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ

محمود بن غیلان، ابوداؤد، شعبہ، یعلی بن عطاء، حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَكِيعَ بْنَ عُدُسٍ عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعِينَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يَتَحَدَّثْ بِهَا فَإِذَا تَحَدَّثَ بِهَا سَقَطَتْ قَالَ وَأَحْسَبُهُ قَالَ وَلَا تُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا لَبِيبًا أَوْ حَبِيبًا

نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے اور یہ کسی شخص کے لئے اس وقت تک پرندے کے مانند ہے جب تک وہ اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرے اگر اس نے بیان کر دیا تو گویا کہ وہ اڑ گیا راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اپنا خواب کسی عقلمند یا دوست کے سامنے ہی بیان کرو۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيعِ بْنِ عُدُسٍ عَنْ عَمِّهِ أَبِي رَزِينٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا فَإِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو رَزِينٍ الْعُقَيْلِيُّ اسْمُهُ لَقِيطُ بْنُ عَامِرٍ وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ فَقَالَ عَنْ وَكِيعِ بْنِ حُدُسٍ و قَالَ شُعْبَةُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَهُشَيْمٌ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ وَكِيعِ بْنِ عُدُسٍ وَهٰذَا أَصَحُّ

حسن بن علی، یزید بن ہارون، شعبہ، یعلی بن عطاء، وکیع بن عدس، ان کے چچا ابورزین، ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک ہے اور یہ کسی شخص کے لئے اس وقت تک پرندے کی مانند ہوتا ہے جب تک اسے وہ کسی سے بیان نہیں کرتا اگر وہ بیان کر دیتا ہے تو اس کی بیان کردہ تعبیر واقع ہو جاتی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابورزین عقیلی کا نام لقیط بن عامر ہے حماد بن سلمہ یعلی بن عطاء سے یہ حدیث نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وکیع بن حدس سے روایت ہے جبکہ شعبہ، ابوعوانہ اور ہشیم یعلی بن عطاء اور وہ وکیع بن عدس سے نقل کرتے ہیں۔ اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ: دراصل یہ عربی کا ایک محاورہ ہے جو اہل عرب استعمال کرتے ہیں جس چیز کو قرار و ثبات حاصل نہ ہو اسکے متعلق یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح پرندہ عام طور پر ایک جگہ ٹھہرا نہیں رہتا بلکہ اڑتا اور حرکت کرتا رہتا ہے اور اسکے پاؤں کے ساتھ جو چیز لگتی ہے وہ بھی کسی جگہ قرار نہیں پکڑتی یہی حال خواب کا ہے کہ جب تک کوئی شخص خواب کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتا ہے اور کسی کے سامنے بیان نہیں کرتا تو اسکی تعبیر بھی واقع نہیں ہوتی لیکن جب وہ کسی کے سامنے اپنے خواب کو بیان کرتا ہے تو اس کی جو تعبیر بتائی جائے وہ فوراً واقع ہو جاتی ہے اسلئے اچھا خواب تو بیان کرنا چاہیے لیکن برا خواب بیان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نقصان وضرر کا اندیشہ ہوتا ہے۔

عندالبعض جب خواب کی تعبیر میں دو احتمال ہوں تو ان میں سے جو تعبیر دے دی جائے وہی واقع ہوگی اور بعض اوقات خواب ظاہراً ناپسندیدہ ہوتا ہے اور اسکی تعبیر اچھی ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کا عکس ہوتا ہے اور کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ خواب رائی (دیکھنے والے) پر موقوف ہوتا ہے اگر دیکھنے والا کسی ایسے شخص کے سامنے بیان کریگا جو اس کی عظمت شان اور اس کے کثرت مال

کی وجہ سے بغض رکھنے والا، حسد کرنیوالا ہو۔ اوّلاً تو وہ معبر ایسے خواب کی تعبیر دینے میں کنارہ کشی کرے گا پھر ثانیاً وہ اس کو تعبیر کے ساتھ مکر وفریب میں مبتلا کریگا تا کہ اچھی تعبیر کے ساتھ کامیابی حاصل نہ ہو اسلئے ایسے شخص کے سامنے خواب بیان نہیں کرنا چاہئے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ نصیحت کی تھی کہ ''لا تقصص رؤیاك علی اخوتك فیکیدوا لك کیدا'' (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۹۴)

وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا إِلَّا لَبِيبًا أَوْ حَبِيبًا: ''حبیبا ای محبالك. لبیبا ای عاقلا'' کہ خواب دانا آدمی اور دوست کے سامنے بیان کرنا چاہیے کیونکہ عقلمند شخص اپنی دانائی کے سبب اچھی تعبیر بتلائے گا اگر تعبیر معلوم نہ ہوئی تو خاموش ہوجائیگا اسی طرح جو شخص دوست و ہمدرد ہوگا وہ بھی خواب کو بھلائی پر ہی محمول کریگا اور اگر کوئی بیوقوف یا نادان ہو یا کوئی دشمن ہو تو وہ اپنے بغض وعناد کے تحت خواب کی تعبیر درست نہیں دے گا اسلئے خواب بیان کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔

سوال: جب تمام اشیاء کا وقوع پذیر ہونا قضاء وقدر سے متعلق ہے تو خواب کی تعبیر پر اس کا دارومدار کیوں رکھا گیا۔ جواب: یہ چیز بھی قضاء وقدر میں شامل ہے جیسا کہ صدقہ وخیرات اور دوسرے اسباب۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ: اب دونوں احادیث کی سند میں ایک راوی وکیع ہے اس کے باپ کا نام عین کے ساتھ عدس ہے یا ح کے ساتھ حدس ہے۔ اصح عین کے ساتھ ہے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدِ اللهِ السَّلِيمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ فَرُؤْيَا حَقٌّ وَرُؤْيَا يُحَدِّثُ بِهَا الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَرُؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ وَكَانَ يَقُولُ يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ وَكَانَ يَقُولُ مَنْ رَآنِي فَإِنِّي أَنَا هُوَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَتَمَثَّلَ بِي وَكَانَ يَقُولُ لَا تُقَصُّ الرُّؤْيَا إِلَّا عَلَى عَالِمٍ أَوْ نَاصِحٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي بَكْرَةَ وَأُمِّ الْعَلَاءِ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خواب تین قسم کے ہیں ایک سچا خواب ہوتا ہے، ایک خواب انسانی خیالات ہوتے ہیں اور ایک خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے پس جو برا خواب دیکھے وہ اٹھے اور نماز پڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خواب میں زنجیر کا دیکھنا پسند ہے جبکہ طوق کو میں پسند نہیں کرتا اس لئے کہ زنجیر دین پر ثابت قدمی کی علامت ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خواب صرف کسی عالم یا ناصح کے سامنے ہی بیان کرو۔ اس باب میں حضرت انس، ابوبکرہ، ام علاء، ابن عمر، عائشہ، ابوسعید، جابر، ابوموسیٰ، ابن عباس

وَأَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي مُوسَى وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب کی شرح ماقبل ابواب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يَكْذِبُ فِي حُلْمِهِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَذَبَ فِي حُلْمِهِ كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَقْدَ شَعِيرَةٍ

محمود بن غیلان، ابواحمد زبیر، سفیان، عبدالاعلی، ابوعبدالرحمن، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے تو قیامت کے دن اسے دو جو کے دانوں کو گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي شُرَيْحٍ وَوَاثِلَةَ ابْنِ الْأَسْقَعِ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ

قتیبہ، ابوعوانہ، عبدالاعلی ابی عبدالرحمن سلمی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند حدیث نقل کرتے ہیں اس باب میں حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، ابوشریح اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ كَاذِبًا كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَعْقِدَ بَيْنَهُمَا هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، عبدالوہاب، ایوب، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جھوٹا خواب بیان کرے گا اسے قیامت کے دن دو جو کے دانوں میں گرہ لگانے کا حکم دیا جائے گا اور وہ ہرگز ان میں گرہ نہیں لگا سکے گا یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ: جو شخص لوگوں سے جھوٹے خواب بیان کرے اللہ قیامت کے دن ایسے شخص کو مکلف بنائے گا کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے ظاہر ہے دو چھوٹی چیزوں کو گرہ نہیں لگ سکتی اس صورت میں اس کو ہمیشہ عذاب میں رہنا پڑے گا۔ چونکہ اس نے اس خواب کو جھوٹا بیان کر کے اللہ پر جھوٹ کی نسبت کی اور ظاہر ہے اللہ پر جھوٹ بولنے سے بڑھ کر بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے اس وجہ سے اس کو دوامی عذاب دیا جائے گا یا یہ کہا جائے کہ اس نے جھوٹا خواب بیان کر کے ایک محال چیز کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا اس کو محال چیز کا مکلف بنایا جائے۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ وَخُزَيْمَةَ وَالطُّفَيْلِ بْنِ سَخْبَرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَجَابِرٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث، عقیل، زہری، حمزہ بن عبداللہ بن عمر، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں سو رہا تھا کہ ایک دودھ کا پیالہ لایا گیا میں نے اس میں سے پیا اور جو باقی بچا وہ عمر بن خطاب کو دے دیا صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ اس کی کیا تعبیر ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علم۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوبکرہ، ابن عباس، عبداللہ بن سلام، خزیمہ، طفیل بن سخبرہ، سمرہ، ابوامامہ اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت ابن عمر کی حدیث صحیح ہے۔

تشریح: قَالَ الْعِلْمَ: لبن کی تعبیر علم کے ساتھ اس وجہ سے دی کہ دونوں کثیر النفع ہونے میں مشترک ہیں۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ تجلی علم کا ظہور چار صورتوں میں ہوتا ہے بصورت ماء، بصورت لبن، بصورت خمر، بصورت عسل اور یہ چاروں جنت کی نہریں ہیں۔

بَابٌ

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَرِيرِيُّ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَارَسُولَ اللهِ قَالَ الدِّينَ

حسین بن محمد جریری بلخی، عبدالرزاق، معمر، زہری، حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں انہوں نے کرتے پہن رکھے ہیں کسی کا کرتہ پستانوں تک اور کسی کا اس سے نیچے تک ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر عمر میرے سامنے پیش کئے گئے تو ان پر ایک قمیص ہے جسے وہ گھسیٹ رہے ہیں صحابہ کرام نے پوچھا یارسول اللہ آپ اس کی کیا تعبیر فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دین۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

عبد بن حمید، یعقوب بن ابراہیم بن سعد سے وہ اپنے والد سے،

بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ قَالَ وَهٰذَا أَصَحُّ

وہ صالح بن کیسان سے، وہ زہری سے، وہ ابوامامہ سے، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب میں لوگوں کی قمیصیں دکھائی گئیں بعض لوگوں کی قمیصیں سینے تک تھیں اور بعض کی قمیصیں سینے سے لمبی تھیں اس میں حضرت عمر فاروق ؓ کی قمیصیں دکھائی گئی وہ لمبی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعبیر پوچھی گئی تو فرمایا دین سے اس کی تعبیر ہے۔

دین کو لباس سے کیوں تعبیر کیا: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دین کو لباس سے تعبیر کیا گیا ہے "قال اللّٰہ تعالٰی و لباس التقوٰی ذٰلك خیر"۔ دین کو قمیص سے تعبیر کرنے میں مناسبت ظاہر ہے کہ جس طرح قمیص ساتر بدن ہے دنیا میں اس طرح دین ساتر ہے آخرت میں اور حاجب ہے مکروہات سے۔

سوال: اس سے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت لازم آتی ہے۔

جواب: ممکن ہے خواب میں دکھائی دینے والے لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ ہوں اگر مان بھی لیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قمیص کے طویل ہونے سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فضیلت کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہاں تو حضرت عمر فاروق ؓ کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ تقابل۔ اگر فضیلت ثابت بھی ہوجائے تو یہ ایک جزوی فضیلت ہے جو کلی کے منافی نہیں۔

اس باب کی پہلی حدیث کی سند میں ایک راوی مجہول ہے دوسری سند میں ان کا نام مذکور ہے لہٰذا دوسری سند اصح ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمِيزَانِ وَالدَّلْوِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ رُؤْيَا فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا رَأَيْتُ كَأَنَّ مِيزَانًا نَزَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ أَنْتَ وَأَبُو بَكْرٍ فَرَجَحْتَ أَنْتَ بِأَبِي بَكْرٍ وَوُزِنَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَرَجَحَ أَبُو بَكْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِيزَانُ فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ

محمد بن بشار، انصاری، اشعث، حسن، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے ایک شخص نے عرض کیا جی ہاں میں نے دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک ترازو اتارا گیا ہے پھر آپ اور ابوبکر کا وزن کیا گیا آپ زیادہ وزنی تھے ابوبکر اور عمر کا وزن کیا گیا تو ابوبکر بھاری تھے پھر عمر اور عثمان کو وزن کیا گیا تو عمر بھاری تھے پھر ترازو اٹھالیا گیا راوی کہتے ہیں کہ یہ خواب سننے کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناپسندیدگی کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

آثار دیکھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: فَرَأَيْنَا الْكَرَاهِيَةَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ترازو کے بعد وہ میزان اٹھالی گئی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم لاحق ہوا۔ وجہ کراہیت وغم کیا تھی اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

اول: ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں غالباً وہ کراہیت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع میزان سے یہ سمجھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جس میں فتنوں کا ظہور ہوگا اور دین میں انحطاط شروع ہوجائے گا اب اس کو ترازو کے ذریعے دوسرے کے مقابلے میں تولا نہیں جائے گا۔

ثانی: منذریؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا غم ہوا کہ درجات فضائل ان تین افراد کے درمیان منحصر ہوگئے کاش مزید درجات ہوتے تو کتنا ہی اچھا ہوتا۔

ثالث: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غمگین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رفع میزان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ عمرؓ کے بعد جو شخص خلافت پر متمکن ہوگا سازشی عناصر کے فتنہ کی وجہ سے اس کو لوگ ظلماً شہید کردیں گے چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں فتنوں کا ظہور رہا۔

رابع: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غم مطلقاً امت پر فتنوں اور مصائب کے وقوع سے ہوا کیونکہ رفع میزان سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ کے بعد امت پر مصائب آئیں گے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَرَقَةَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ إِنَّهُ كَانَ صَدَّقَكَ وَلٰكِنَّهُ مَاتَ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بَيَاضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَيْسَ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ

ابوموسیٰ انصاری، یونس بن بکیر، عثمان بن عبدالرحمن، زہری، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے متعلق پوچھا گیا تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی تھی پھر آپ کے اعلان سے پہلے وہ انتقال کر گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے تو ان کے بدن پر سفید رنگ کے کپڑے تھے اگر وہ دوزخی ہوتے تو کسی اور رنگ کے کپڑے ہوتے۔ یہ حدیث غریب ہے اور عثمان بن عبدالرحمن محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

تشریح: حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ ﷺ سے ورقہ بن نوفل کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی کی حالت کو بیان کیا لیکن ایسا اسلوب اختیار کیا کہ ورقہ بن نوفل کی حقیقت بھی واضح ہوجائے اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے چنانچہ انہوں نے یہ کہا کہ وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے یعنی انہوں نے آپ

کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس فرشتے کو آپ نے دیکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لانے والا ہی فرشتہ ہے جو آپ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اور آپ خدا کے پیغمبر ہیں اگر میں آپ کے ظہور وغلبہ کے وقت زندہ رہا تو آپ کی مدد کروں گا اور آپ کو طاقت پہنچاؤں گا گویا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک طرف ورقہ بن نوفل کے ایمان کو ثابت کرنا چاہا اور دوسری طرف یہ ثابت کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے فوت ہو گئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد گرامی کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ وہ جنتی تھے لہٰذا یہ حدیث حضرت ورقہ بن نوفل کے خاتمہ بالخیر پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردے کو خواب میں سفید لباس میں دیکھنا اسکے جنتی ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فَنَزَعَ أَبُو بَكْرٍ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ فِيهِ ضَعْفٌ وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ قَامَ عُمَرُ فَنَزَعَ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِالْعَطَنِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابوبکر وعمر کو خواب میں دیکھنے کے متعلق فرمایا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بہت سے لوگوں کو ایک کنوئیں پر جمع ہوتے ہوئے دیکھا پھر ابوبکر نے ایک دو ڈول پانی کھینچا اور ان کے کھینچنے میں ضعف تھا اللہ تعالیٰ انہیں معاف کریں گے پھر عمر کھڑے ہوئے اور ڈول نکالا تو وہ بہت بڑا ہو گیا پھر میں نے کسی پہلوان کو ان کی طرح کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو کر اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے یہ حدیث ابن عمر کی روایت سے صحیح غریب ہے۔

تشریح: ذَنُوبًا: ''وہو الدلو وفیہا ماء'' یعنی وہ ڈول جس میں پانی ہو۔

فِيهِ ضَعْفٌ: وہ پانی کا ڈول کھینچنے میں کچھ سست پڑ رہے تھے ان الفاظ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ ومقام کی تنقیص نہیں ہے بلکہ اس طرف اشارہ کرنا تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ امارت وخلافت بہت مختصر ہوگا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ امارت وخلافت بہت طویل ہوگا بعض حضرات نے اس کا ترجمہ سستی اور کمزوری کے بجائے ''نرمی اور مروت'' سے کیا ہے۔

غَرْبًا: بڑے ڈول کو کہتے ہیں جو بیل کی کھال سے بنا ہوتا ہے۔ **عَبْقَرِيًّا:** قوی اور پہلوان، نابغہ روزگار شخص کو ''عبقری'' کہتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُ: ''فلیس فیہ نقص ولا اشارۃ الی ذنب'' اس جملہ کو بطور اشارہ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے ''انہا کلمۃ کان المسلمون یقولونہا افعل کذا واللہ یغفر لک''۔

حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِالْعَطَنِ: ''عطن'' اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پانی جمع ہو اور اس کے اردگرد اونٹ پانی پینے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب میں مختلف چیزوں کی طرف اشارہ تھا کہ کنواں دین کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس طرح کنواں اس پانی کا منبع ہے جو دنیاوی زندگی کی حیات وبقاء کا ذریعہ ہے اسی طرح دین بھی ان حقائق کا سرچشمہ ہے جو

اُخروی زندگی کا سرچشمہ ہیں اور کنویں سے پانی کھینچنا اس طرف اشارہ ہے کہ دین کی زمام کار رسول کریم ﷺ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتقل ہوگی اور کنویں سے سُست ڈول کھینچنا اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا زمانہ خلافت بہت قلیل ہوگا۔ باقی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سست پڑنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کے زمانہ خلافت میں دین کو کمزور کرنے کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ بعض عرب قبائل کے ارتداد کی صورت میں اضطراب کی سی کیفیت پیدا ہوئی تھی اور ڈول کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ تک پہنچا کر چھوڑ دینا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کو چار دانگ عالم میں پھیلائیں گے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کہ میں نے اس کنویں سے پانی کھینچا جس قدر اللہ نے چاہا یہ نیابت کی طرف اشارہ ہے اور آپ ﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کی صورت میں آنحضرت ﷺ کے دنیا کے رنج والم اور شدائد و تکلیف سے راحت پانے کی طرف اشارہ ہے۔

نیز آپ ﷺ کے ارشاد پھر اس ڈول کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اور لوگوں نے اس جگہ کو اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ بنا لیا اس میں اشارہ ہے کہ مرتدوں کی سرکوبی مسلمانوں کی اجتماعیت کی صورت میں دین کو مضبوط رکھنے اور فتوحات کے ساتھ اور اپنے ثمرات کے ساتھ عروج پر پہنچے گی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ وَأَوَّلْتُهَا وَبَاءَ الْمَدِينَةِ يُنْقَلُ إِلَى الْجُحْفَةِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

محمد بن بشار، ابوعاصم ابن جریج، موسیٰ بن عقبہ، سالم بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت کو دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ یعنی جحفہ کے مقام پر جا کر ٹھہر گئی اس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ کی وباء جحفہ منتقل ہو جائے گی۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

تشریح: بِمَهْيَعَةَ: اس کی تعیین جحفہ کے ساتھ کی ہے اور یہ تعیین موسیٰ بن عقبہ نے کی ہے۔

وَأَوَّلْتُهَا وَبَاءَ الْمَدِينَةِ: یہ خواب ان خوابات میں سے ہے جن کی تعبیر تمثیل کے ساتھ کی جاتی ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امرأۃ سوداء کو دیکھا تو سوداء سے سوء کو اخذ کیا اور داء کے معنی مرض کے ہیں یعنی برا مرض۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سوداء سے اخذ فرمایا کہ برا مرض منتقل ہو کر مدینہ سے جحفہ چلا گیا ہے۔

بعض نے فرمایا کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے جو تکلیف کا باعث ہیں اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخذ فرمایا کہ تکلیف کی چیز مدینہ سے نکل کر جحفہ چلی گئی۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آب و ہوا موافق نہ آئی جس کی وجہ سے لوگ بخار وغیرہ میں مبتلا ہو گئے اس پر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اللهم حبب الينا المدينة وانقل حماها الى الجحفة'' اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی بشارت دے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوگئی ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ لَا تَكَادُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَأَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا وَالرُّؤْيَا ثَلَاثٌ الْحَسَنَةُ بُشْرَى مِنَ اللَّهِ وَالرُّؤْيَا يُحَدِّثُ الرَّجُلُ بِهَا نَفْسَهُ وَالرُّؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُعْجِبُنِي الْقَيْدُ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ قَالَ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَيُّوبَ مَرْفُوعًا وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ وَوَقَفَهُ

حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، معمر، ابن سیرین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آخری زمانے میں مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور سب سے سچا خواب اس کا ہوتا ہے جو خود سچا ہوتا ہے خواب کی تین قسمیں ہیں نیک خواب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے دوسری قسم انسان کے خیالات ہیں تیسری قسم شیطانی خواب ہے جب تم میں سے کوئی ایک ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کھڑا ہو اور نماز پڑھے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں زنجیر دیکھنا پسند ہے اور طوق کا دیکھنا ناپسند کرتا ہوں اس لئے کہ زنجیر دیکھنے کی تعبیر دین پر ثابت قدم رہنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ عبدالوہاب ثقفی یہ حدیث ایوب سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں جبکہ حماد بن زید اسے ایوب ہی سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث کی شرح ماقبل میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعِيدٍ الْجَوْهَرِيُّ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ عَنْ شُعَيْبٍ وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي حُسَيْنٍ وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَنْفُخَهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَاذِبَيْنِ يَخْرُجَانِ مِنْ بَعْدِي يُقَالُ

ابراہیم بن سعید، جوہری بغدادی، ابوالیمان، شعیب بن ابی حمزہ، ابن حسین، نافع بن جبیر، ابن عباس، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے مجھے انہوں نے فکر میں ڈال دیا پھر مجھ پر وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک ماروں پس میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے پھر میں نے ان کی تعبیر کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے ایک کا نام مسیلمہ ہوگا جو

لِأَحَدِهِمَا مُسَيْلِمَةُ صَاحِبُ الْيَمَامَةِ وَالْعَنْسِيُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

یمامہ سے نکلے گا اور دوسرا عنسی جو صنعاء سے نکلے گا۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

تشریح: صَنْعَاءَ: یمن کے مشہور شہر کا نام ہے اس کے سردار کا نام اسود عنسی تھا جس نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب آپ ﷺ مرض الوفات میں تھے تو حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اسود عنسی ملعون کو قتل کیا آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے دعا دی ''فاز فیروز'' یعنی فیروز فائز المرام ہوئے۔

اسود عنسی کی طرح یمامہ کے رہنے والے مسیلمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا اس کو حضرت ابو بکر ﷺ کی خلافت کے زمانے میں حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا یہ وہی وحشی ہیں جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کیا تھا کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں خیر الناس کو شہید کیا اور زمانۂ اسلام میں شر الناس کو واصل جہنم کیا یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے دل کی تڑپ تھی کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں جو غلطی کی اس کا مداوا بڑا کارنامہ سرانجام دے کر کروں چنانچہ انہوں نے مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹے مدعی نبوت کو جہنم واصل کر کے آپ ﷺ کو راحت پہنچائی۔

سوارین: کڑوں سے دونوں جھوٹوں کی تعبیر کے متعلق علماء نے یہ لکھا ہے کہ کڑے اصل میں ہتھکڑی کی مشابہت رکھتے ہیں جس کو ہاتھوں میں ڈال کر قیدی بنایا جاتا ہے اور ہتھکڑی ہاتھوں کو اس طرح باندھ دیتی ہے کہ وہ ہاتھ نہ کسی چیز کو پکڑ سکتے ہیں نہ کوئی کام کر سکتے ہیں اور نہ حرکت و تصرف کی قدرت رکھتے ہیں چنانچہ تعبیر یوں پوری ہوئی کہ دونوں کذاب جو آپ ﷺ کے مقابلے میں نبوت کے دعویدار ہوئے دونوں ذلیل و خوار ہوئے اور قتل کئے گئے۔

فَأَوَّلْتُهُمَا كَاذِبَيْنِ: یہاں پر کذب وضع الشئ فی غیر موضعہ کی قبیل سے ہے جب آپ ﷺ نے اپنے بازو پر سونے کے کڑے دیکھے تو آپ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ آپ ﷺ کے پہننے کیلئے نہیں ہیں بلکہ یہ عورتوں کا زیور ہیں تو اس سے آپ ﷺ نے جان لیا کہ عن قریب ایسا شخص ظاہر ہوگا جو ایسی چیز کا دعوی کرے گا جو اس کے پاس نہیں ہوگی یعنی وہ نبوت کا دعوی کرے گا اور وہ جھوٹا ہوگا دوسرا یہ کہ یہ دونوں کڑے سونے کے ہیں اور سونا مرد پر حرام ہے یہ بھی جھوٹا ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح ذہب یہ ذہاب سے مشتق ہے آپ ﷺ جان گئے کہ یہ چیز اس سے عن قریب ختم ہو جائے گی اور اس کا ختم ہونا صرف اور صرف آپ ﷺ کے پھونکنے سے ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۵ ص ۸۷)

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ ظُلَّةً يَنْطِفُ مِنْهَا السَّمْنُ وَالْعَسَلُ وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَسْتَقُونَ بِأَيْدِيهِمْ فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَرَأَيْتُ سَبَبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے آج کی رات خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے لوگ ہاتھوں سے لے کر پی رہے ہیں کچھ زیادہ لیتے ہیں اور کچھ کم اور ایک رسی دیکھی جو آسمان سے زمین تک متصل ہے یا رسول اللہ پھر میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اس کو پکڑ کر اوپر چڑھ گئے پھر

وَاصِلًا مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَأَرَاكَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ بَعْدَكَ فَعَلَا ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ بَعْدَهُ فَعَلَا ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ فَقُطِعَ بِهِ ثُمَّ وُصِلَ لَهُ فَعَلَا بِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَيْ رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي وَاللهِ لَتَدَعَنِّي أَعْبُرُهَا فَقَالَ اعْبُرْهَا فَقَالَ أَمَّا الظُّلَّةُ فَظُلَّةُ الْإِسْلَامِ وَأَمَّا مَا يَنْطِفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَهُوَ الْقُرْآنُ لِينُهُ وَحَلَاوَتُهُ وَأَمَّا الْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ فَهُوَ الْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ مِنْهُ وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَهُوَ الْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ فَأَخَذْتَ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللهُ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوصَلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِّي أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ أَقْسَمْتُ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي لَتُخْبِرَنِّي مَا الَّذِي أَخْطَأْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْسِمْ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

ایک اور شخص نے اسے پکڑا اور اوپر چڑھ گیا پھر ایک اور شخص نے پکڑا تو وہ ٹوٹ گئی مگر وہ اس کے لئے جوڑ دی گئی اور وہ بھی چڑھ گیا حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اللہ کی قسم مجھے اس کی تعبیر بتانے دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بتاؤ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا بادل سے مراد اسلام ہے اور اس سے برسنے والا گھی اور شہد قرآن مجید کی نرمی اور مٹھاس ہے زیادہ اور کم حاصل کرنے والوں سے قرآن پاک سے زیادہ اور کم نفع حاصل کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ آسمان سے زمین تک متصل رسی دین ہے جس پر آپ ہیں۔ آپ نے اسے اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ مرتبہ عطا فرمائے گا پھر آپ کے بعد ایک شخص اسے اختیار کرے گا وہ بھی بلند ہوگا پھر ایک اور شخص پکڑے گا وہ بھی بلند ہوگا پھر ایک شخص اور پکڑے گا وہ بھی بلند ہوگا پھر ایک اور شخص پکڑے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی پھر اس کے لئے ملائی جائے گی اور وہ بھی بلند ہو جائے گا یا رسول اللہ بتائیے میں نے صحیح تعبیر دی یا غلط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کچھ صحیح ہے اور کچھ میں خطا واقع ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میری غلطی کی اصلاح کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم نہ دو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: الظُّلَّةُ: اس کا معنی سائبان ہے۔ يَنْطِفُ: ٹپکنا۔ السَّبَبُ الْوَاصِلُ: آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی رسی۔ وَأَخْطَأْتَ: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ موضع خطا کے بارے میں اہل علم کی آرا مختلف ہیں۔

اولاً: ابن قتیبہؒ کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر تو صحیح دی ہے مگر تعبیر دینے کو طلب کرنا یہ خطا ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے اس قول کو صحیح قرار نہیں دیا کیونکہ کسی کو اجازت دینے کے بعد اس کے فعل کو خطا سے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں۔

ثانی: ٹپکنے والی دو چیزیں تھیں گھی اور شہد صرف عسل کی تعبیر وتفسیر قرآن کریم سے کر دی مگر سمن کی تعبیر بیان نہیں کی لہٰذا اس کے بارے میں قرآن وسنت کہنا چاہیے تھا۔ ثالث: بعض نے کہا کہ خطا تعیین رجال میں ہے کہ افراد متعین نہیں ہوں گے مگر ظاہر ہے کہ یہ بھی درست نہیں کیونکہ یہاں تعیین رجال مقصود نہیں۔

رابع: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں خطا ہے کہ راوی نے کہا کہ آخر فرد کے لئے رسی ٹوٹ گئی اور پھر اس کے لئے جوڑ دی گئی حالانکہ اس کے بعد والے شخص یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسی جوڑی گئی ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسی ٹوٹ گئی تھی اس کی وضاحت تعبیر میں نہیں ہوئی اور یہی خطا ہے۔

لا تقسم: ابراء المقسم کا حکم یہ اس وقت ہے جب قسم پورا کرنے سے مفسدہ نہ ہو۔ اگر یہاں وضاحت فرما دیتے تو سارے فتنوں کا ذکر کرنا پڑتا جن میں حضرت عثمان غنیؓ کے قتل کا واقعہ بھی ذکر فرماتے اس سے لوگ فتنے میں مبتلا ہوتے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم نہ دینے کا فرمایا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى بِنَا الصُّبْحَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ وَقَالَ هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُرْوَى هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَوْفٍ وَجَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قِصَّةٍ طَوِيلَةٍ وَهٰكَذَا رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ وَهْبِ بْنِ جَرِيرٍ مُخْتَصَرًا

محمد بن بشار، وہب بن جریر بن حازم، ان کے والد، ابورجاء، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھتے کہ کیا کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور عوف اور جریر بن حازم سے بھی بواسطہ ابورجاء منقول ہے ابورجاء سمرہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں بندار بھی وہب بن جریر سے یہی حدیث مختصراً نقل کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث مشکوۃ المصابیح میں طویل گزر چکی ہے اس خواب کو منامی معراج بھی کہا جاتا ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی اشیاء اور طرح طرح کے عذابات دکھائے گئے۔

أَبْوَابُ الشَّهَادَاتِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

اس کا تعلق قضاء کے ساتھ ہے ماقبل ابواب البیوع کے ضمن میں ابواب الاحکام آئے ہیں۔ وہاں قضاء بیمین وشاہد والی ایک روایت گزری ہے مناسب یہی تھا کہ ابواب الشہادات کو بھی وہیں ذکر کرتے مگر امام ترمذیؒ نے ان کے لئے یہاں جگہ مختص کی ہے یہاں پر اس کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں شہادت لغت میں کہتے ہیں ''اخبار بصحة الشی بمشاهدة وعیان''۔

اصطلاح فقہاء میں شہادت کہتے ہیں ''اخبار صادق فی مجلس الحکم بلفظ الشهادة''۔

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ نَحْوَهُ وَقَالَ ابْنُ أَبِي عَمْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَكْثَرُ النَّاسِ يَقُولُونَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ وَاخْتَلَفُوا عَلَى مَالِكٍ فِي رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ فَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي عَمْرَةَ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمْرَةَ وَهُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ الْأَنْصَارِيُّ وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدَنَا لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ حَدِيثِ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ غَيْرُ هٰذَا الْحَدِيثِ وَهُوَ صَحِيحٌ أَيْضًا وَأَبُو عَمْرَةَ مَوْلَى زَيْدِ

انصاری، معن، مالک، عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو، حزم، ان کے والد، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، ابوعمرۃ انصاری، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے متعلق نہ بتاؤں وہ ایسے گواہ ہیں جو طلب شہادت سے پہلے گواہی دیتے ہیں۔ احمد بن حسن، عبداللہ بن مسلمہ نے اور وہ مالک سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں اور وہ ابن ابی عمرہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اکثر راوی انہیں عبدالرحمن بن ابی عمرہ کہتے ہیں اور مالک سے یہ حدیث نقل کرنے میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ بعض ابوعمرہ سے اور بعض ابن ابی عمرہ سے روایت کرتے ہیں ان کا نام عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری ہے اور یہی ہمارے نزدیک صحیح ہے اس لئے کہ مالک کے علاوہ بھی کئی راوی عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری ہی کہتے ہیں وہ زید بن خالد سے اس کے علاوہ بھی حدیث نقل کرتے ہیں وہ بھی صحیح ہے ابوعمرہ، زید بن خالد جہنی کے مولیٰ ہیں ان کی ایک حدیث یہ بھی ہے جس میں

بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ وَلَهُ حَدِيثُ الْغُلُولِ لِأَبِي عَمْرَةَ علول کا ذکر ہے یہ ابی عمرہ سے منقول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے مختلف مطلب بیان کئے جاتے ہیں ① عند البعض یہ اس پر محمول ہے کہ کسی آدمی کے پاس کسی حق کی شہادت موجود تھی لیکن اس شخص کو معلوم نہیں کہ یہ میرے حق کا گواہ ہے تو یہ شخص اس کے پاس جا کر اس کو بتلاتا ہے کہ یہ اس کا گواہ ہے کیونکہ یہ چیز اس کے پاس اس کی امانت ہے لہٰذا یہ گواہی اس کو دینی چاہیے ② بعض حضرات نے یہ بیان کیا کہ حقوق اللہ کے بارے میں شہادت مراد ہے مثلاً زکوۃ، کفارہ اور رویت ہلال؛ اس کو شہادت حسبہ بھی کہتے ہیں جس کو مذکورہ چیزوں کے متعلق علم ہو تو اس پر واجب ہے کہ قاضی کو خبر دے ③ جلدی جلدی شہادت دینے کو "قبل ان یسألها" سے تعبیر کیا۔

روایات میں تعارض: اب اس میں اور دوسری روایت میں تعارض لازم آتا ہے کہ دوسری حدیث میں بغیر گواہ بنانے کے گواہی دینے کی مذمت بیان فرمائی ہے اور فرمایا "ویشهدون ولا یستشهدون"۔

جواب اول: یہاں جھوٹی شہادت کی مذمت بیان کی اور جس شہادت کی تعریف کی ہے وہ سچی شہادت ہے

جواب ثانی: یا مذمت اس وقت ہے جب اہلیت کے بغیر کوئی شخص گواہی دے تو نااہل کی گواہی درست نہیں ہے

جواب ثالث: یا جس کے پاس شہادت تھی وہ اہل بھی تھا لیکن اس نے شہادت مطالبہ سے پہلے ہی دے دی یہ بھی درست نہیں لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

تشریح ترجمہ سے واضح ہے۔

سند پر کلام: اس میں سند کے اندر بحث کی ہے کہ امام مالکؒ کے شاگردوں نے سند کو بیان کرتے ہوئے یہ اختلاف کیا ہے کہ معن نے راوی کا نام ابی عمرہ کہا ہے مگر عبداللہ بن مسلمہ اور دیگر حضرات نے ابن ابی عمرہ کہا ہے جن کا نام عبدالرحمن ہے اور یہی درست ہے کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ نے بھی مالک سے روایت کرتے ہوئے ابن ابی عمرہ کہا ہے صحیح ابن ابی عمرہ ہی ہے۔

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ ابْنُ بِنْتِ أَزْهَرَ السَّمَّانِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ حَدَّثَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ الْجُهَنِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَيْرُ الشُّهَدَاءِ مَنْ أَدَّى شَهَادَتَهُ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

بشر بن آدم بن از ہرسمان، زید بن حباب، ابی بن عباس بن سہل بن سعد، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، خارجہ بن زید بن ثابت، عبدالرحمن بن ابی عمرہ، حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بہترین گواہ وہ ہیں جو گواہی طلب کرنے سے پہلے گواہی دیتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ الْفَزَارِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُودٍ حَدًّا وَلَا مَجْلُودَةٍ وَلَا ذِي غِمْرٍ لِأَخِيهِ وَلَا مُجَرَّبِ شَهَادَةٍ وَلَا الْقَانِعِ أَهْلَ الْبَيْتِ لَهُمْ وَلَا ظَنِينٍ فِي وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ قَالَ الْفَزَارِيُّ الْقَانِعُ التَّابِعُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيِّ وَيَزِيدُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَلَا يُعْرَفُ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَلَا نَعْرِفُ مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ وَلَا يَصِحُّ عِنْدَنَا مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هٰذَا أَنَّ شَهَادَةَ الْقَرِيبِ جَائِزَةٌ لِقَرَابَتِهِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي شَهَادَةِ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ وَالْوَلَدِ لِوَالِدِهِ وَلَمْ يُجِزْ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ شَهَادَةَ الْوَلَدِ لِلْوَلَدِ وَلَا الْوَالِدِ لِلْوَالِدِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَ عَدْلًا فَشَهَادَةُ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ جَائِزَةٌ وَكَذٰلِكَ شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِلْوَالِدِ وَلَمْ يَخْتَلِفُوا فِي شَهَادَةِ الْأَخِ لِأَخِيهِ أَنَّهَا جَائِزَةٌ وَكَذٰلِكَ شَهَادَةُ كُلِّ قَرِيبٍ لِقَرَابَتِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجُوزُ شَهَادَةٌ لِرَجُلٍ عَلَى الْآخَرِ وَإِنْ كَانَ عَدْلًا إِذَا كَانَ بَيْنَهُمَا عَدَاوَةٌ وَذَهَبَ إِلَى حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ صَاحِبِ حِنَةٍ يَعْنِي صَاحِبَ عَدَاوَةٍ وَكَذٰلِكَ مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ حَيْثُ قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ صَاحِبِ

قتیبہ، مروان بن معاویہ فزاری، یزید بن زیاد دمشقی، زہری، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خائن مرد وعورت کی گواہی یا کسی ایسے مرد وعورت کی گواہی جن پر حد جاری ہو چکی ہو یا کسی دشمن کی گواہی یا ایسے شخص کی گواہی جو ایک مرتبہ جھوٹا ثابت ہو چکا ہے یا کسی کے ملازم کی اس کے حق میں گواہی اور ولاء یا قرابت میں تہمت زدہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی یعنی ان تمام مذکورہ اشخاص کی گواہی قابل قبول نہیں فزاری کہتے ہیں کہ قانع سے مراد تابع ہے یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف یزید بن زیاد دمشقی کی روایت سے جانتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں پھر یہ حدیث ان کے علاوہ کوئی راوی بھی زہری سے نقل نہیں کرتے اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے ہمیں اس حدیث کے مفہوم کا علم نہیں اور میرے نزدیک اس کی سند بھی صحیح نہیں اہل علم کا عمل اسی طرح ہے کہ قریب کی قریب کے لئے شہادت جائز ہے ہاں باپ کی بیٹے کے لئے شہادت میں اختلاف ہے اسی طرح بیٹے کی باپ کے لئے پس اکثر علماء ان دونوں کی ایک دوسرے کے لئے شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن بعض اہل علم اس کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ وہ دونوں عادل ہوں پھر بھائی کی بھائی کے لئے شہادت اور قرابت داروں کی آپس میں شہادت کے متعلق علماء میں کوئی اختلاف نہیں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی دشمن کی کسی پر شہادت کسی صورت بھی جائز نہیں اگرچہ گواہ عادل ہی کیوں نہ ہوں ان کی دلیل حضرت عبدالرحمن اعرج منقول حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

غِمْرٍ لِأَخِيهِ يَعْنِي صَاحِبَ عَدَاوَةٍ صاحب عداوات کی گواہی جائز نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں اور آنے والی حدیث میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔

① **خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ:** یعنی وہ مرد و عورت جن کی خیانت لوگوں کی امانات میں معروف ہو خواہ اس کا خائن ہونا احکام دین میں ہے ہو یا لوگوں کے اموال میں ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''یا ایھا الذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرسول وتخونوا اماناتکم'' (الانفال:۲۷) یہاں خائن سے مراد فاسق ہے۔ یعنی جو کبائر کا مرتکب ہو اور صغائر پر مصر ہو چنانچہ فسق سے عدالت ختم ہوگئی جبکہ شہادت کے لئے عدالت ضروری ہے ② **وَلَا مَجْلُودٍ حَدًّا** اس حد سے مراد حد قذف ہے۔

مسئلہ: محدود فی القذف کی شہادت قابل قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک محدود فی القذف نے اگر توبہ کرلی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک محدود فی القذف توبہ بھی کرلے پھر بھی اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: قرآن کریم کی اس آیت سے ہے ''ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولئك ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلك'' تو یہاں استثناء ''ولا تقبلوا'' سے ہے تو معلوم ہوا کہ تائب کی شہادت قبول ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ کی پہلی دلیل: یہی آیت ہے ''ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا'' یہاں شہادت کو موضع نفی میں نکرہ ذکر کیا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے فاسق خواہ توبہ کرے یا نہ کرے اسکی شہادت قبول نہیں ہوگی پھر ابدًا کی قید سے بھی اور مؤکد کردیا گیا۔

دوسری دلیل: حدیث شریف ہے ''ولا محدودا فی حد ای فی قذف'' لہٰذا حد لگنے کی وجہ سے آدمی مردود الشہادۃ ہوجائیگا۔

تیسری دلیل: علامہ ابن ہمامؒ نے بیان کی ہے کہ عدم قبول شہادت ان کی حد کا تتمہ ہے لہٰذا اگر شہادت قبول ہوجائے تو ان کے ذمہ حد بھی باقی رہ جائے گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: عربی کا قاعدہ ہے کہ جب چند چیزوں میں کسی کا استثناء ہوتا ہے تو یہ قریب کی طرف راجع ہوتا ہے اور یہاں ''اولئك ھم الفاسقون'' مستثنیٰ قریب ہے۔ لہٰذا اس سے استثناء ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ فاسق ہیں ہاں اگر وہ توبہ کرلیں تو داغ فسق مٹ جائے گا لیکن ''لا تقبلوا'' اپنی جگہ موجود رہے گا کہ ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔

③ **وَلَا ذِي غِمْرٍ:** یہاں دنیوی اعتبار سے کینہ مراد ہے کہ اس کی شہادت اس کے دشمن پر قبول نہیں ہوگی جو شخص کسی کا واضح طور پر دشمن ہو تو اسکی شہادت قبول نہیں کی جائیگی خواہ وہ اس کا نسبی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ ''اخیہ'' کا لفظ ذکر کرکے اس کے فعل کی قباحت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اس روایت میں اخیہ کا لفظ ہے جبکہ حدیث کے اخیر میں ''صَاحِبُ حَنَةٍ'' کے الفاظ ہیں زیادہ صحیح یہی الفاظ ہیں کیونکہ مطلب حدیث کا اسی کے مطابق ہی درست آتا ہے۔

④ **وَلَا الْقَانِعِ أَهْلَ الْبَيْتِ:** مظہر فرماتے ہیں کہ قانع اس سائل کو کہتے ہیں جو ادنیٰ قوت پر صبر کرتا ہو یہاں اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی کے نفقہ اور عیال میں ہو جیسے خادم اور تابع وغیرہ۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس سے وہ خاص شاگرد مراد ہے جو استاد کے گھر میں کھاتا پیتا ہے تو ایسے شاگرد کی شہادت استاد کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کی شہادت کا فائدہ اسی کی

طرف لوٹے گا یہی حکم اجیر خاص کا ہے۔

قَالَ الْفَزَارِيُّ الْقَانِعُ التَّابِعُ: حدیث کے راوی فزاری نے قانع کے معنی تابع سے کئے ہیں یعنی جو شخص کسی فیملی کے تابع ہو ان کے گھر میں کھاتا پیتا ہو وہ قانع ہے۔

⑤ وَلَا ظَنِينٍ فِي وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ: ظنین کے معنی متہم کے ہیں جو ولاء اور قرابت کے بارے میں متہم ہو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی یعنی اپنے نسب یا عتاق کو دوسرے کی طرف منسوب کرے کہ میں فلاں شخص کا آزاد کردہ غلام ہوں یا فلاں کا بھائی ہوں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو اس کی شہادت معتبر نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اپنے نفس سے وثوق کی نفی کر دی اور پھر ایسا کرنا فسق ہے اور فاسق کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

مسئلہ: زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک زوجین کی آپس میں شہادت قبول ہوگی کیونکہ ہر ایک کی ملک الگ الگ ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں مقبول نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں ہے صرف یہی ہے کہ دونوں کی ملک الگ الگ ہے اسلئے ان کی گواہی کا اعتبار بھی الگ الگ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "ولا المراۃ لزوجہا ولا الزوج لامراتہ" اور دوسری بات یہ ہے کہ زوجین کا آپس میں مال کے اعتبار سے اشتراک ہوتا ہے ہر ایک دوسرے کے مال میں بلا تکلف تصرف کرتا ہے لہٰذا شہادت کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ مالی مفادات کے مشترک ہونے کی وجہ سے۔

امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب: حدیث کے مقابلے میں قیاس کو پیش کرنا درست نہیں پھر یہ قیاس بھی درست نہیں ہے کیونکہ مال سے اصل مقصد انتفاع ہے اور اس میں دونوں مشترک ہیں ملک الگ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کے غریب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی یزید بن زیاد دمشقی متروک راوی ہے۔

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي شَهَادَةِ الْوَالِدِ لِلْوَلَدِ: یہاں سے امام ترمذیؒ فرما رہے ہیں کہ رشتہ داری گواہی سے مانع نہیں بھائی کی بھائی کے لئے گواہی بالاتفاق معتبر ہے البتہ باپ کی گواہی اولاد کے لئے یا اولاد کی گواہی باپ کے لئے معتبر ہے یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اول: حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں والد کی اولاد کے حق میں اور اولاد کی والد کے حق میں گواہی معتبر نہیں کیونکہ یہاں پر تہمت کا اندیشہ ہے۔ **قول ثانی:** البتہ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اگر گواہ عادل ہوں تو پھر والدین کی اولاد کے حق میں اور اولاد کی والد کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی۔

قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَجُوزُ شَهَادَةٌ لِرَجُلٍ: یہاں سے امام ترمذیؒ امام شافعیؒ کا قول نقل کر رہے ہیں کہ ایسے دو عادل شخص جن کے درمیان عداوت ہے ان میں سے ہر ایک کی دوسرے کے خلاف گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ امام شافعیؒ نے اس پر حضرت عبدالرحمن اعرج کی ایک مرسل روایت سے استدلال کیا ہے کہ عداوت والے کی گواہی قبول نہیں اور باب کی روایت بھی اس کی دلیل ہے کہ عداوت والے کی گواہی مقبول نہیں۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حمید بن مسعدۃ، بشر بن مفضل، جریری، عبدالرحمن بن ابی بکرۃ، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کی میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے متعلق نہ بتاؤں صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی، جھوٹی گواہی یا فرمایا جھوٹی بات کہنا راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ زِيَادٍ الْأَسَدِيِّ عَنْ فَاتِكِ بْنِ فَضَالَةَ عَنْ أَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ خَطِيبًا فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ عَدَلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ إِشْرَاكًا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ هٰذَا حَدِيثٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ زِيَادٍ وَقَدِ اخْتَلَفُوا فِي رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ زِيَادٍ وَلَا نَعْرِفُ لِأَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ سَمَاعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

احمد بن منیع، مروان بن معاویہ، سفیان بن زیاد اسدی، فاتک بن فضالۃ، حضرت ایمن بن خریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے برابر ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی (فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ) الحج) یعنی بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو اس حدیث کو ہم صرف سفیان بن زیاد کی روایت سے جانتے ہیں اور ان سے نقل کرنے میں اختلاف ہے پھر ایمن بن خریم کا مجھے علم نہیں کہ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت ہے یا نہیں۔

تشریح: یہ حدیث ماقبل ابواب البر والصلۃ، باب حقوق الوالدین میں گزر چکی ہے۔

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثَلَاثًا ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ مِنْ بَعْدِهِمْ

واصل بن عبدالاعلی، محمد بن فضیل، اعمش، علی بن مدرک، ہلال بن یساف، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے زمانے کے لوگ سب سے بہتر ہیں پھر ان کے بعد کے زمانے والے پھر ان کے بعد والے بہتر ہیں یعنی تین زمانوں کے متعلق فرمایا پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹے ہونگے (یعنی

يَتَسَمَّنُونَ وَيُحِبُّونَ السِّمَنَ يُعْطُونَ الشَّهَادَةَ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلُوهَا وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ وَأَصْحَابُ الْأَعْمَشِ إِنَّمَا رَوَوْا عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ

بڑے کہلوانا پسند کریں گے) اور موٹا پے کو پسند کریں گے اور طلب کئے بغیر گواہی دینے کے لئے موجود ہوں گے۔ یہ حدیث اعمش کی علی بن مدرک سے روایت سے غریب ہے اعمش اس سند سے روایت کرتے ہیں کہ اعمش، ہلال بن یساف سے اور وہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي: "ای اصحابی وقیل کان من کان حیا فی زمانہ" خیر الناس سے مراد یا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں یا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زندہ رہا ہو نیز قرنی میں خلفائے راشدین کے زمانہ کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ "ق" میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف "ر" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف "ن" میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف "ی" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ ان چاروں کا زمانہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔

(فائدہ) قرن کا اطلاق کتنے زمانہ پر ہوتا ہے؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آپ کے زمانے سے لیکر تیس سال تک، چالیس سال تک، ساٹھ سال تک، ستر سال تک، اسی سال تک یا سو سال تک ہے اور سو سال کا قول ہی راجح ہے دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "عش قرناً فعاش مائة سنة" تو زندہ رہ ایک قرن تک تو وہ غلام سو سال تک زندہ رہا کما ذکرہ ابن الملک (مرقاۃ ج ۷ ص ۲۵۶)

قوله ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ: "ای یقربونھم فی الخیر کالتابعین ثم الذین یلونھم کتبع التابعین"۔

وَهٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: یہ حدیث غریب ہے "واصحاب الاعمش انما رواہ" اعمش کے شاگرد محمد بن فضیل نے تو اعمش اور ہلال بن یساف کے درمیان علی بن مدرک کا واسطہ ذکر کیا ہے۔ مگر دوسرے شاگردوں نے علی بن مدرک کا واسطہ ذکر نہیں کیا بلکہ عن الاعمش عن ھلال بن یساف کہا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ واسطہ کا نہ ہونا ہی صحیح ہے کیونکہ واسطہ کا ذکر کرنے میں محمد بن فضیل اکیلے ہیں۔

وبیان هذا فی حدیث: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں صراحتہً اس شہادت مذمومہ کی تفسیر واقع ہے کہ اس میں "یفشوا الکذب" کا لفظ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد شہادت زور ہے۔

و معنی حدیث النبی: خیر الشہداء اس شخص کو کہا گیا جس سے کسی کے بارے میں شہادت طلب کی گئی ہو اور وہ شہادت دیدے اور شہادت کو نہ چھپائے ضرورت پڑنے پر شہادت دینا واجب ہے اس نے واجب کو ادا کیا جس سے احیاء حق ہوا اس وجہ سے اس کو خیر الشہداء فرمایا گیا۔

حضرات اکابر علمائے کرام کی تقاریظ کے اقتباسات

شیخ الحدیث
استاذ العلماء سندی واستاذی

حضرت مولانا محمد یٰسین صابر مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان

عزیزم مولوی مفتی عبدالرشید صاحب نے ترمذی شریف کی تسہیل وتبیین پر کام کیا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہے۔ میں نے دیکھا ہے تدریس اور دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف تالیف کا ذوق بڑی مبارک بات ہے۔ میرے نزدیک تو علم کی خدمت کسی درجہ میں ہو قابل رشک ہے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرماویں اور حدیث کے طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کو نفع مند بناویں اور عزیز موصوف کے لئے دین ودنیا کی کامیابیوں کا ذریعہ بناویں۔ آمین ثم آمین

استاذ العلماء

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

نگرانِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

ہمارے سامنے فاضلِ اجل جامعہ خیر المدارس ملتان کے مایہ ناز فیض یافتہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے الخیر الشذی کے نام سے اردو زبان میں ایک منفرد انداز میں شرح تالیف فرمائی ہے۔ یقیناً یہ اہل علم کے لئے باعث فخر ہے۔ موصوف محترم نے اس سے قبل خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تالیف فرما کر اکابر علماء کرام سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے طلباء وطالبات کے لئے انتہائی مفید ہے حضرت مفتی صاحب اور ادارہ اشاعت الخیر کے ملتان کے ذمہ داران کو اس عظیم خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ہم سب کو دین کی عالی محنت میں مصروف رکھے اور حضور اکرم کی محبت اور شفاعت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

مذہبی سکالر حضرت اقدس

مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی

مسجد قاسم علی خان پشاور

دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ اکابرین کے علمی اور تحقیقی اثاثہ کو سلیس اور عام فہم انداز میں تشنگان علوم نبویہ تک پہنچایا جائے اَلْخَیرُ الشَّذِیْ عبارت پر اعراب، عام فہم ترجمہ، بیان وتوضیح مسالک، ترجیح مذہب حنفی، دیگر مسالک کے دلائل سے جوابات، مشکل صیغ کا صرفی ونحوی حل، ابواب کا باہم ربط وتعلق اور اکابرین کے علوم سے استفادہ کی خوبیاں اس تقاضا کی پوری رعایت کو جلو میں لئے ہوئی ہے۔ چند صفحات کے مطالعہ سے ناچیز کے ذہن میں استاد مکرم حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (فاضل دیوبند) صدر مدرس جامعہ علوم اسلامیہ سرحدیہ پشاور کا درس ترمذی تازہ ہوگیا۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب سے ایک گزارش ہے کہ اپنی تمام تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو مؤخر کر کے اپنے زرین اوقات صرف ''اَلْخَیرُ الشَّذِیْ'' کے لئے مختص فرمادیں، یہ شمع رسالت کے پروانوں پر احسان عظیم ہو گا۔ اللہ کریم سے عاجزانہ دعا ہے کہ موصوف مکرم کی اس نادر علمی کاوش کو اپنی رضا کے لئے قبولیت سے نواز کر بعافیت جلد پایہ تکمیل تک پہنچادے اور سبب افادہ عام وتام بنائے۔ آمین

استاذ العلماء، شیخ الحدیث

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس وناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم جید الاستعداد اور فصیح البیان مؤلف ہیں۔ تدریسی واشاعتی مشاغل کے باوجود مطالعہ وتصنیف کے لیے وقت نکال کر علمی وتحقیقی تالیفات اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ''خیر التوضیح'' میں وہ اپنی علمی وتحقیقی قابلیت ولیاقت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید زید مجدہم کی تالیف ''الخیر الشذی'' شروح کے اس گلدستہ میں نئے پھول کا اضافہ ہے۔ ع ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است..... بندہ کو اس کے چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے محنت وعرق ریزی کے ساتھ شرح احادیث کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی محنت واخلاص کو قبول فرمائیں اور اس شرح کو اساتذہ وطلبہ میں مقبولیت عطا فرمائیں (آمین)

استاذ العلماء

حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور صاحب

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

الخیر الشذی شرح جامع الترمذی مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کے فرستادہ چند صفحات کا مطالعہ کیا۔ شرح مذکور الحمد للہ جامع، مدلل، منقح اور حسن ترتیب کی خوبیوں سے مزین ہے اور علماء طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

عالم اسلام کے ممتاز
مذہبی سکالر ودانشور، مؤلف کتب کثیرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است... کے مصداق مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ کا یہ علمی اور تحقیقی کارنامہ علمی اور حدیثی دنیا میں سراہا جائے گا کہ انہوں نے اکابر کی تحقیقات اور ان کے تدریسی مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے منفرد عالمانہ اور محققانہ انداز میں مشاغل وموانع کثیرہ کے باوجود انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مستند ومعتبر کتب کا عطر کشید کر کے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جمع کر دیئے ہیں۔ اس مبارک سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہے جس میں ہزاروں صفحات کا عطر کشید کیا گیا ہے۔ اساتذہ وطلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ شرح ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ گراں قدر شرح حدیث کی خدمت کے سلسلہ میں ایک نادر اضافہ ثابت ہوگا اور شائقین علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس انتھک محنت کو شرفِ قبولیت سے نواز کر ابدی سعادتوں کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

حضرت اقدس شیخ الحدیث

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دار العلوم مدنیہ بہاولپور

الحمد للہ! آج دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حاضری کے موقع پر مولانا عبدالرشید صاحب زید مجدہ کی شرح الخیر الشذی کو چند مقامات سے پڑھا اور الحمد للہ مولانا موصوف کی محنت طلباء کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ذخیر آخرت بنائے آمین

استاذ العلماء

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جلد اول جامعہ خیر المدارس ملتان

اما بعد! برادر عزیز فاضل جلیل مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم ماشاء اللہ علماً وعملاً، درساً وتدریساً وتصنیفاً شرحاً وتحقیقاً جامع الصفات اور حمیدہ ہیں۔ فاضل موصوف زید مجدہ کی مؤلفہ خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے اساتذہ وطلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی امام ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب سنن ترمذی شریف کے درس سے متعلق یہ علمی گلدستہ بھی ہے ابتدائی چند مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں جامع ترمذی شریف کے درس سے متعلقہ جملہ مباحث کی کما ینبغی رعایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شرح اساتذہ وطلبہ دورہ حدیث شریف کے لئے بہترین علمی تحفہ وہدیہ ہے۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ مقبولیت عامہ سے نوازے اور فاضل مؤلف اور ان کے جملہ متعلقین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

رئیس دار الافتاء وحضرت اقدس

مفتی محمد عبداللہ صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جامعہ خیر المدارس ملتان

جامع ترمذی پر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے لیکن محترم ومکرم عزیزم مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم نے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جو خدمت سرانجام دی، وہ اپنی مثال آپ ہے، انہوں نے اس گلدستہ میں ہر ہر نوع کے پھول سجائے ہیں، صحیح اعراب، حدیث کا ترجمہ، لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق، بیانِ مذاہب، دلائل، ترجیح الراجح اور حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کو اس انداز میں جمع کیا ہے کہ دیگر بہت سی شروحات سے ان شاء اللہ بے نیاز کر دے گی.... عزیز موصوف کو اللہ پاک نے بہت سی خوبیوں کا جامع بنایا ہے، موصوف ایک ہمہ وقت بہترین مصنف، بہترین کالم نگار، بہترین صحافی، بہترین مہتمم، بہترین ناظم، بہترین خطیب، بہترین تاجر ہیں، گویا اللہ پاک نے انہیں ہر فن مولا بنایا ہے۔ اللہ پاک نظر بد اور حاسدین کے حسد اور شریر کے شر سے محفوظ فرمائیں اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت بخش کر علماء، طلبہ کے حق میں نافع بنائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں قرب کا ذریعہ بنائیں اور ہم سب کیلئے ذریعہ نجات بنائیں۔ (آمین

شیخ الحدیث وصاحب تدریس جامع ترمذی

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ مدیر دار العلوم کبیر والہ

سنن ترمذی اپنے مخصوص فقہی طرز کی بناء پر درس نظامی میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے درس وتدریس میں خاصی محنت وجدوجہد کارفرما ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی کئی محققین نے شروحات لکھ کر خدمت کی جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسی سلسلہ خدمت حدیث کی ایک کڑی ''الخیر الشذی'' بھی ہے۔ جو ہمارے برادرم محترم مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ نے محققانہ اور تدریسانہ انداز میں مرتب کی ہے۔ اس میں اکابر کے ذوق وتحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے، طالب علم کی اہم ضروریات یعنی اعراب، بامحاورہ ترجمہ، رواۃ حدیث کا تعارف، مذاہب ائمہ ومستدلات کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، ان خصوصیات کی بناء پر یہ شرح اساتذہ وطلباء اور دیگر محققین کی اہم بنیادی علمی ضروریات پوری کردے گی۔ ان شاء اللہ